مجلہ
صوت الحق
بیاد حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ
اشاعت خاص
حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ
حیات و خدمات
(۱)
APRIL / MAY 2010
Rs. : 100 / -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کا فکری ترجمان

مجلّہ

صوت الحق

بیاد حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

ربیع الآخر، جمادی الاول ۱۴۳۱ھ | اپریل ومئی ۲۰۰۹ء | جلد نمبر: ۲۵ | شمارہ نمبر: ۴-۵

سالانہ زر تعاون

100/-

روپئے

خط وکتابت و منی آرڈر کا پتہ

آفس صوت الحق

جامعہ محمدیہ منصورہ، پوسٹ بکس نمبر-۱۴۴، مالیگاؤں، ضلع ناسک، ۴۲۳۲۰۳ مہاراشٹر

Office:SAUTUL HAQUE
JAMIA MOHAMMADIA MANSOORA
P.B.No.144, Malegaon,Dist . Nasik-423203,Maharashtra
Phone:-02554-235665 / 239098 Fax.235679

☆ جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی، ۶/۸ حضرت ٹیرس ایکس، شیخ حفیظ الدین روڈ، سانکلی اسٹریٹ، بائیکلہ، ممبئی: ۴۰۰۰۰۸

JAMIA MOHAMMADIA EDUCATION SOCIETY
6/8 - Hazrat Terrace,Sk.Hafizuddin Road, Sankli Street, Byculla, Mumbai-8
Tel:23081702 / 23093782 - Fax:23092825

فہرست مقالات

مسلمان متحدہ امت ہیں

مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں اللہ اوراس کے رسول نے دین کی مضبوط رسی میں مجموعی طور پر باندھ رکھا ہے، انہیں عقیدہ کی وہ بنیادی وحدت عطا فرمائی کہ کوئی سچا مسلمان اپنی متحدہ ملت اور اسلامی وحدت سے الگ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ تمام مسلمان ایک اللہ، ایک رسول، ایک قبلہ، ایک قرآن اور متحدہ اسلامی اخوت پر قائم اور دائم ہیں۔

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے فردعی اور غیر اہم جزئی مسائل سے بلند ہو کر آپس میں متحد ہو جائیں اور سیاسی، اجتماعی اور قومی پلیٹ فارم پر ایک سیسہ پلائی دیوار بنکر کھڑے ہو جائیں اور اپنے اسلامی اور روحانی کردار سے غیر مسلم اکثریت کا رخ موڑ دیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کیلئے عزت وآبرو اور امن وچین سے زندگی گذارنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں، اللہ نے ہمیشہ مسلمانوں کو اسلام ہی کے ذریعہ عزت دی ہے اور آئندہ بھی اسلام ہی ان کی عزت وناموس کی حفاظت اور سربلندی کا ذریعہ بنے گا۔

(بحوالہ: مجلّہ البلاغ - جون: ۱۹۹۱)

(ملفوظات حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ)

اداریہ

بیٹا جامعہ کبھی مت چھوڑنا!!!

ارشد مختار

۹ ستمبر ۲۰۰۷ء اتوار کا دن تھا، میں اسی دن صبح کو جامعہ کے محسنین سے ملاقات کیلئے کویت پہنچا تھا اور معمول کے مطابق میں جامعہ سے متعلق کاموں اور محسنین سے ملاقات اور جامعہ کے مستقبل کے عزائم پر تبادلۂ خیال میں مصروف تھا اس دوران میرے موبائل پر بار بار میری اہلیہ کا فون آرہا تھا- میرا معمول ہے کہ میں علماء و اعیان سے ملاقات کے دوران اس بات کا ضرور اہتمام کرتا ہوں کہ اپنے موبائل کو سائلنٹ یا وائبریٹ موڈ میں رکھ دیتا ہوں، اس وقت بھی میرا موبائل وائبریٹ موڈ پر تھا، میں نے کال دیکھ کر یہ سوچا کہ تھوڑی دیر بعد ان مصروفیات سے فارغ ہو کر فون کرلوں گا جیسے ہی میں فارغ ہوا اور میں نے گھر فون کرنا چاہا کہ یک لخت میرے موبائل پر میری اہلیہ کا میسیج Abbu Expired (انا للہ وانا الیہ راجعون) موصول ہوا اس میسیج کا پڑھنا تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا کلیجہ پھٹ گیا ہو اور زمین پر خطرناک قسم کا زلزلہ برپا ہو گیا ہو، یقین جانئے تھوڑی دیر کیلئے میں نے اپنے آپ کو ہوش وحواس سے عاری محسوس کیا، جب شاک کا اثر کچھ کم ہوا تو میں سیدھے دیوان الشائع پہنچا جہاں کا ماحول والد رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر سے افسردہ ہو چکا تھا، تھوڑی ہی دیر میں دیوان الشائع سے متعلق احباب و اعیان کویت کی آمد و تعزیت کا سلسلہ شروع ہو گیا، وہاں سے فراغت کے بعد میں سیدھے ایر پورٹ کی طرف روانہ ہوا اور کویت سے ممبئی جانے والی پہلی فلائٹ میں واپسی کا آناً فاناً کویت کے اعیان نے انتظام کرادیا، میسیج ملنے اور جہاز میں سوار ہونے کے دوران کتنے ہی لوگوں کے فون میرے موبائل پر آتے رہے لیکن میں کسی سے سوائے رونے کے کلام نہ کرسکا جہاز پر بیٹھنے کے بعد ذرا طبیعت سنبھلی تو ذہن کے اسکرین پر والد محترم رحمہ اللہ سے آخری ملاقات کے مناظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے اور ان کی باتیں اور محبت بھری ہدایتیں کانوں میں گونجنے لگیں۔

میرے والد رحمہ اللہ کی وفات اتوار کے روز شام میں ہوئی، ہم دونوں سنیچر کو آفس میں ایک ساتھ تھے، آپ رحمہ اللہ جب شام کو چھ بجے آفس سے گھر کیلئے روانہ ہونے لگے تو مجھے اپنے ساتھ آنے کیلئے کہا لیکن میں آپ کے ساتھ نہ جاسکا، جس کا مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا- چونکہ والد رحمہ اللہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اداروں کی ذمہ داریوں کا زیادہ تر حصہ میرے ناتواں کاندھوں پر ڈال چکے تھے اس لئے دن رات ایک کرکے کسی طرح میں ان اداروں کی ذمہ داریاں نبھانے والد محترم رحمہ اللہ کے اعتماد اور حسن ظن پر کھرا اترنے کیلئے کوشاں تھا- چونکہ صبح میری کویت روانگی تھی لہٰذا آفس کے ضروری کام نپٹانے کی غرض سے میں نے والد محترم رحمہ اللہ کے ساتھ گھر جانے سے معذرت کرلی، اور آفس کے ضروری کاموں سے فارغ ہو کر تقریباً ۱۱ ربجے رات میں گھر پہنچا۔ الحمد للہ مجھے دو چار سال چھوڑ کر تقریباً زندگی بھر والد رحمہ اللہ کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہنے کی سعادت حاصل رہی ہے۔ والد رحمہ اللہ کا ہمیشہ سے معمول تھا کہ آپ جملہ ضروریات سے فارغ ہو کر ساڑھے دس بجے تک اپنے بیڈ روم میں پہنچ جاتے تھے اور ۱۱ ربجے تک سو جاتے تھے، لیکن آج نہیں سوئے تھے، والدہ حفظہا اللہ جنہوں نے والد رحمہ اللہ کی زندگی بھر بھرپور خدمت، ان کی حوصلہ افزائی اور ربۃ البیت کا کردار بخوبی نبھایا۔ اور بڑی بہن قدسیہ آپا جنہوں نے مجھے ماں کے بعد (بھائی بہنوں میں) سب سے زیادہ پیار دیا، ان دنوں گھر پر ہی تھیں، دونوں جاگ رہی تھیں، جب میں سلام کرتے ہوئے ان کے کمرے میں پہنچا تو بڑی بہن قدسیہ آپا نے بتایا کہ ابو بہت دیر سے تمہاری ہی باتیں کررہے ہیں اور ابھی تک جاگ رہے ہیں تو میں سلام کرتے ہوئے والد رحمہ اللہ کے بیڈ روم میں پہنچا

والد رحمہ اللہ نے مجھے دیکھتے ہی اپنے بیڈ پر بٹھایا، اور بہت دیر تک جامعہ، جماعت، اور گھریلو معاملات پر گفتگو کرتے رہے دعائیں دیتے رہے ہماری گفتگو جاری تھی اس وقت آپ لیٹے ہوئے تھے پھر اٹھ کر بیٹھ گئے اور آپ نے اپنی وہ کشمیری چادر جسے آپ اوڑھ کر لیٹے تھے خاموشی کے ساتھ میرے کاندھوں پر ڈال دی اور گویا ہوئے "ارشد میں اس چادر کے ذریعے تمہاری تکریم کرتا ہوں" پھر بولے "ارشد یہ چادر بہت اچھی ہے ابھی اسے میرے ہی پاس رہنے دو میرے انتقال کے بعد تم اسے لے لینا"...... یا اللہ میں ان جذبات، تقدس اور خلوص سے پر مناظر کو الفاظ کا جامہ کیسے پہنا سکوں گا جبکہ میرے قلم میں بیان وتحریر کا ادیبانہ شعور بھی نہیں!

جب میں نے آپ سے صبح کویت کے سفر کا تذکرہ کیا تو آپ نے کہا کہ میں بھی تم کو ائیر پورٹ تک چھوڑنے جاؤں گا، اس کے بعد جب میں آپ کے بیڈروم سے رخصت ہونے کے لئے اٹھا تو آپ نے خلاف معمول مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور بھرپور مصافحہ کیا اور ڈھیر ساری دعائیں دیں پھر میں اپنے بیڈروم میں جا کر سو گیا، کویت کی فلائٹ چونکہ صبح ۷ بجے تھی اور ۳ گھنٹے پہلے پہنچنا لازمی تھا اسلئے فجر سے پہلے ہی میں تیار ہو گیا، والد رحمہ اللہ کی کمزوری وعلالت کے پیش نظر میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ ائیر پورٹ تک جائیں اور مجھے یہ بھی گوارہ نہیں تھا کہ بغیر ان کا حال معلوم کئے اور اطلاع دیئے میں گھر سے نکل جاؤں اسلئے ان کے کمرے کی طرف رخ کیا، والد رحمہ اللہ جو عموماً نماز تہجد کے لئے فجر سے بہت پہلے ہی جاگ جاتے تھے آج سو رہے تھے میں نے آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا اور یہ بھی سوچا کہ اگر جاگ جائیں گے تو ممکن ہے کہ ایر پورٹ تک چلنے کے لئے اصرار کریں، بہر حال میں والدہ اور گھر والوں سے سلام کر کے ائیر پورٹ کی طرف یہ سوچ کر روانہ ہوا کہ ایمگریشن وغیرہ سے فارغ ہو کر میں والد رحمہ اللہ کو فون کر لوں گا۔ ائیر پورٹ پہنچ کر ایمگریشن سے فارغ ہو کر جب میں نے فون کیا تو والدہ نے فون اٹھایا اور بتایا کہ دو تین مرتبہ باتھ روم جانے کی وجہ سے نڈھال ہو گئے ہیں لیکن تم سے بات کرنا چاہتے ہیں، پھر والد رحمہ اللہ کی نقاہت آمیز آواز سنائی دی اور آپ نے میرے سلام کا جواب اور دعاء کے بعد کہا" بیٹا جامعہ کبھی مت چھوڑنا، جامعہ کبھی مت چھوڑنا، جامعہ کبھی مت چھوڑنا" پھر آپ نے فون والدہ کو دے دیا جب میں نے والدہ سے تشویش کا اظہار کیا تو آپ نے دلاسہ اور اطمینان دلا کر روانہ ہونے کو کہا اور میں سلام کے بعد جہاز میں بیٹھ گیا۔

میں انہی سوچوں اور والد رحمہ اللہ کی شفقتوں اور عنایتوں کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن تھا، تصور میں زندگی کے بعض تلخ حقائق کی تلاطم خیز موجوں سے نبرد آزما اور مستقبل کی تشویشات اور والد رحمہ اللہ کی رفاقت سے محرومی کے بعد کے پیش آنے والی مشکلات ومسائل کے پیچ وخم میں محو پرواز تھا کہ جہاز کے ممبئی پہنچنے کی اطلاع نے سوچ کی کڑی کو توڑ دیا۔

میں پیر کے روز علی الصباح گھر پہنچا، وہی گھر جسے میں کل زندگی سے بھرپور اور امیدوں سے معمور چھوڑ گیا تھا آج ویران، حیران و پریشان نظر آرہا تھا، جانے انجانے چہرے بے شمار تھے لیکن پیغام سب کا ایک تھا، حزن وملال کے ان پرسوز لمحات نے برسوں کے گلے شکوؤں کو کافور کر دیا، میں تو بہت مایوس اور دل گرفتہ تھا لیکن ایک خلقت عظیم کے اجڑے چہروں نے دلاسہ دلایا کہ یہ بھی میرے غم کو بانٹنے کیلئے جمع ہیں۔ لیکن معاً ہی مجھے میرے والد نہیں بلکہ حضرت مولانا مختار احمد ندوی کی شخصیت کی عظمت کا احساس ہوا اور ان کی شخصیت کی خاطر خواہ قدردانی اور عزت افزائی نہ کر پانے کے مجرمانہ احساس نے میرا سر ندامت سے جھکا دیا کہ ہم اس مصلح قوم وملت کے کس قدر ناقدرے ٹھہرے۔

★ وہ مولانا مختار احمد ندوی جنہوں نے اس ملک کو تقریباً ۴ سو مساجد کا تحفہ دیا۔
★ وہ مولانا مختار احمد ندوی جنہوں نے درجنوں مدارس، اسکول، کالج اور ہاسپیٹل قوم کو عطا کئے۔
★ وہ مولانا مختار احمد ندوی جو تحریک تعلیم نسواں کے عظیم علمبردار تھے۔
★ وہ مولانا مختار احمد ندوی جنہوں نے دینی وعصری علوم کا ایک جامع نصاب تعلیم وضع کر کے اس کو اپنے سو کر اداروں میں کامیابی کے ساتھ نافذ کیا۔
★ وہ مولانا مختار احمد ندوی جنہوں نے اصلاح امت کیلئے سیکڑوں کتابیں شائع کر کے ملت کی رہنمائی کا سامان فراہم کیا۔

★ وہ مولانا مختار احمد ندوی جن کے قلم نے ہزاروں مفید مقالات صفحۂ قرطاس پر بکھیرے۔

★ وہ مولانا مختار احمد ندوی جن کے انداز خطابت ولطافت کا اہل زمانہ کو اعتراف تھا۔

★ وہ مولانا مختار احمد ندوی جنہوں نے برسوں تک موسم حج میں حرم مکی کے اندر براجمان ہوکر سارے عالم میں پیغام رسالت کو عام کیا۔

★ گویا کہ مولانا مختار احمد ندوی نے اپنا دن ورات ملت وجماعت کے کاز وتعمیر میں صرف کیا، اور تن تنہا ملک وملت کو اتنا کچھ دیا کہ جتنا کئی شخصیتوں اور جماعتوں کی شراکت سے بھی ممکن نہ ہوسکا۔

آج میں اسی شخصیت کے جسد خاکی کے آخری دیدار کیلئے کھڑا تھا، وہ پرنور چہرہ جسے میں زندگی بھر احتراما نظر بھر کے نہیں دیکھ سکا تھا آج اس قدر روشن وتاباں تھا کہ آنکھیں تاب نہیں لارہی تھیں۔ پیر کے دن نماز ظہر کے بعد جوہو قبرستان میں والد رحمہ اللہ کے جسد خاکی کو ایک جم غفیر نے دعاؤں کی سوغات اور ایک مشت خاک کے ساتھ الوداع کہا۔ اللهم اغفرله وارحمه واعفه واعف عنه.

اب جب میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں، آپ کے جہد مسلسل پر غور کرتا ہوں، آپ کے عظیم کارناموں پر نگاہ ڈالتا ہوں، آپ کی ثبات قدمی، عزم محکم کی طرف نظر اٹھاتا ہوں تو حیرت واستعجاب کے سمندر میں غرق ہوجاتا ہوں کہ کس طرح اس عظیم شخصیت نے انتہائی کامیابی کے ساتھ یہ عظیم کارنامے انجام دیئے، اور اس راستے کی آزمائشوں سے اس نے کس حسن وخوبی سے نمٹا۔ سوچتا ہوں اس عظیم نفس نے اپنے جسم کو کتنی مشقتوں سے دوچار کیا ہوگا!

وإذا كانت النّفوسُ كباراً تعبتْ في مرادِها الأجسامُ

والد رحمہ اللہ کی وفات پر ایک عرصہ گذر چکا ہے میں انہیں کے مشن کی تکمیل میں سرگرداں ہوں، انہیں کی وصیت اور ہدایت کے مطابق ان کے لگائے ہوئے چمن کی آبیاری میں مصروف عمل ہوں۔ والد رحمہ اللہ کہا کرتے تھے۔

جاوداں پیہم رواں ہر دم جواں ہے زندگی

الحمد للہ آپ کے تمام اداروں کی بساط بھر خدمت میں لگا ہوا ہوں، جامعہ محمدیہ کو حقیقی معنیٰ میں محمدیہ یونیورسٹی بنانے اور والد رحمہ اللہ کی فکر اور سعی کو ماہ کامل بنانے میں دل وجان سے کوشاں ہوں۔ باتیں تو اتنی ہیں کہ لکھوں تو ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر جائے، لیکن مصروفیتوں نے اسقدر جکڑ رکھا ہے کہ جذبات واحساسات کی سسکیوں کو الفاظ کا جامہ پہنانے کا بھی وقت نہیں۔ اللہ رب العزت میرے وقتوں میں برکت عطا فرمائے تاکہ میں والد محترم رحمہ اللہ کے دیرینہ خوابوں کو سچی تعبیر فراہم کرسکوں۔

اخیر میں قارئین کرام کی خدمت میں یہ عرض کردینا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مجھے اس بات کا بخوبی احساس ہے کہ اس خصوصی شمارے کے اجراء میں تاخیر ہوئی ہے جو کسی خاص موقع پر اجراء کیلئے ملتوا رہا ہے تا آنکہ وقت مسعود آپہنچا، مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ اس خصوصی شمارے میں شامل بعض مضامین رسمی باتوں اور تکرار مواد سے خالی نہیں جو کہ اس طرح کے شمارے میں ناگزیر ہے، البتہ ہماری یہ مکمل کوشش رہی ہے کہ قارئین کو منتخب معلوماتی اور معیاری تحریریں پیش کی جائیں۔

مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ اس خصوصی شمارے میں شامل مضامین حضرت والد رحمہ اللہ کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کی متنوع خدمات کو مکمل طور پر پیش نہیں کرسکیں گے اسلئے میں قارئین وشائقین کو یقین دلاتا ہوں کہ ان شاء اللہ حضرت والد رحمہ اللہ کی حیات وخدمات سے متعلق ۱۷-۱۸ اپریل ۲۰۱۰ء کو جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کے عبد اللہ الشایع آڈیٹوریم میں منعقد ہونے والے سیمینار میں پیش کئے جانے والے مقالات اور دیگر مضامین کو آئندہ خصوصی نمبر میں شائع کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں جب تک یہ پرچہ جاری وساری رہے گا اس کے مؤسس کو خراج تحسین پیش کرنے اور ان کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالنے والے مضامین کیلئے دفتر کھلا رہے گا ان شاء اللہ. وما توفیقی الا باللہ.

☆☆☆

انسانی عظمت کا معیار

مولانا مختار احمد ندوی کی امتیازی شان

ابو رضوان محمدی – استاذ جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں

انسانی تاریخ عظیم شخصیات کے تذکروں سے بھری پڑی ہے۔ لیکن مؤرخین اور قوموں نے جن افراد کو عظمت وبلندی کی صفت سے متصف گردانا اور جنہیں دوسروں سے ممتاز شمار کیا، کیا وہ حقیقتاً عظیم وممتاز ہیں؟ یا سوال یوں کیا جائے کہ کیا عظیم لوگوں کی عظمتیں یکساں درجات کی ہیں؟ ہر دو سوال کا جواب اس امر سے مربوط ہے کہ انسانی عظمت کا معیار کیا ہے؟

ایک خاندان کا بزرگ، اہل خاندان کیلئے عظیم ہوتا ہے۔ ایک گروہ اور فرقہ اپنے قائد وپیشوا کو، مذہبی اکائیاں اپنے مذہب سے وابستہ علم وعمل کے کارہائے نمایاں انجام دینے والے کو قابل احترام، مرکز عقیدت اور ہیرو مانتی ہیں۔ ملک وقوم کی نمایاں شخصیت بابائے قوم کہلاتی ہے۔ کسی فن کا ماہر، کسی چیز کا موجد کسی حقیقت کو دریافت کرنے والا، اپنی مہارت، ایجاد، دریافت اور خدمت کے مطابق عظمت وشہرت کا مقام پاتا ہے۔ لوگوں کے ذوق ودلچسپی کے مطابق بہت سی ایسی شخصیات بھی شہرت ومقبولیت سے بہرہ ور ہو جاتی ہیں جن کا کارنامہ، فیضان خود ان کی اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے۔ بلکہ بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جن کا کردار وعمل منفی حیثیت کا حامل رہا ہے۔ ایک کھلاڑی اپنے امتیازی کھیل کی بناء پر چند انعامات سے سرفراز ہوتا ہے، کچھ ریکارڈ بناتا ہے۔ ایک اداکار اپنے انداز وادا سے لوگوں کا دل لبھا کر ایوارڈ حاصل کر لیتا ہے۔ ایک موسیقار اپنی موسیقی کی مہارت سے، ایک مغنی اپنی خوش گلوئی سے بیمار ذہنوں کے دل موہ لے، وہ مشہور ہی نہیں ہوتا بلکہ ایک طبقہ انہیں عظیم سمجھتا ہے۔

گزشتہ صدی کے عظیم ملحد برٹرنڈ رسل کا کہنا تھا کہ ”تاریخ میں کوئی مذہبی شخصیت عظیم نہیں ہوئی“۔ اس کے نزدیک معیار عظمت انسانیت کا مادی تصور تھا، لیکن رسل کا یہ قول اس کے کمزور عقیدے کے اثر سے پیدا ہونے والا ایک بے وزن خیال تھا۔ اس کے بالمقابل امریکی مصنف مائیکل ہارٹ نے انسانی تاریخ سے اپنے ذوق، علم اور فکر ونظر کے مطابق سو عظیم شخصیتوں کو منتخب کیا، جنہوں نے اپنے فکر وعقیدے اور کردار وتعلیم سے انسانی تاریخ پر سب سے زیادہ اثر ڈالا۔ مائیکل ہارٹ نے تاریخ کی جن شخصیات کو عظیم لوگوں میں ممتاز ونمایاں قرار دیا وہ مذہبی شخصیات ہی تھیں، اور سب سے اول مقام پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ ﷺ کو دیا کہ پوری انسانی تاریخ میں آپ کی شخصیت سب سے عظیم، سب سے مکمل اور سب سے مؤثر رہی ہے۔ آپ ﷺ کی شخصیت کی تاثیر نے تاریخ کا

دھارا بدل دیا کہ ایک طرف دنیائے انسانیت کو جہالت سے نکال کر علم وفن اور تحقیق وترقی کی راہ پر لگا کر تسخیر کائنات کی راہ بتائی تو دوسری طرف فکر وعمل کے اعتبار سے روحانیت وکردار کی وہ اعلیٰ ترین تعلیم دی جس کے ذریعے تاریخ کا سب سے عظیم جاہلی معاشرہ انسانی تاریخ کے سب سے مہذب معاشرے میں تبدیل ہوگیا۔ اس طرح علمی وعملی طور پر انسان کو اس کی حقیقی معنوی عظمت کا سبق دیا۔ جسم اور مادے کی ترقی اور روحانیت وانسانیت کی عظمت کا متوازن درس دیا۔ یہ درس محض نظریاتی نہیں تھا بلکہ عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ انفرادی نمونہ بھی اور صحابہ کرام کے معاشرے کی شکل میں اجتماعی نمونہ بھی۔

لوگ سوال کرتے ہیں کہ انسان کی ترقی وعروج کا آغاز کہاں سے ہوا؟ پہیے کی ایجاد سے؟ پریس کی ابتداء سے؟ فلاں اور فلاں کی دریافت سے؟ ہم کہیں گے ان کی حقیقی تعمیر وترقی کا آغاز اس دن سے شروع ہوا جس دن اسے آسمانی سبق ملا۔ ﴿اقرأ باسم ربک الذی خلق﴾ یعنی محض پڑھنے کا حکم نہیں ہوا بلکہ رب کے نام سے پڑھنے کا حکم ہوا۔ رب کے نام کے بغیر پڑھنے والے کتنی بھی بلندی میں پرواز کرلیں زندگی کے مقصد، انسانیت اور انسانی عظمت کے حقیقی معیار سے آشنا نہیں ہوسکتے۔

بلاشبہ کسی انسان کے صحیح معنوں میں دوسروں سے عظیم اور ممتاز ہونے کیلئے ضروری ہے کہ وہ چند امتیازی اوصاف وکردار کا حامل ہو، جن کے بغیر کسی کی عظمت اور بڑے پن کا تصور فریب نظر تو ہوسکتا ہے حقیقت نہیں۔

انسانی عظمت کا سب سے پہلا نشان یہ ہے کہ آدمی فکر وعقیدہ کی صحت کے ساتھ مخلص اور بے لوث ہو، وہ اپنے موقف میں صاف اور واضح ہو اور اپنے منہج میں سچا اور کھرا ہو بلکہ اتنا پختہ اور ثابت قدم کہ اس کے ایمان وعقیدے کو بڑی سے بڑی آندھی بھی متزلزل نہ کرسکے۔ حالات ومواقع کے بدلنے سے نہ وہ فکر وعقیدے میں کسی مداہنت سے کام لے نہ منافقت برتے۔ بلکہ اس راہ کی مخالفتوں اور مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرے۔ یعنی اولاً اس کا دین وعقیدہ درست اور پختہ ہو دوم اپنے عقیدے کے تئیں وہ مخلص غیرتمند، باحمیت اور حد درجہ حساس ہو۔

دوسرا نشان عظمت صحت عقیدہ کے ساتھ حسن کردار کا ہونا ہے، کردار کی بلندی دراصل عقیدہ وفکر کی گہرائی اور صداقت کا ثمرہ ہے۔ جس شخص کا عقیدہ صحیح اور جس قدر پختہ وگہرا ہوگا اس کا کردار وعمل اسی قدر عمدہ اور اعلیٰ ہوگا۔ شرعی اصطلاح میں انسانی عظمت کے ان دونشانوں کو ایمان (صحیح) اور عمل صالح سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ذاتی اور شخصی طور پر آدمی صاحب ایمان وعمل ہوجائے تو یہ اس کے اپنے حق میں خیر ضروری ہے لیکن انسانیت اور انسانی عظمت کی تکمیل کیلئے یہ کافی نہیں ہے، تکمیل ہوتی ہے دوسروں کو فیض اور نفع پہنچانے سے۔ جو فیض پہنچایا جارہا ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟ (دنیا کی کسی ضرورت سے مربوط ہے یا کسی سہولت سے مرتبط ہے...... یا پھر دنیا وآخرت کی سعادت سے متعلق؟)

فیض پہنچانے کا طریقہ کیا ہے؟ پہنچانے والے کی تڑپ اور جذبہ کیا ہے؟ ان امور نوعیت، طریقہ، جذبہ، میں جتنی بہتری اور زیادتی ہوگی صاحب عمل کی عظمت کا اتنا ہی اونچا مقام ہوگا۔

دوسروں کو پہنچایا جانے والا فیض بہت سی قسموں کا ہوسکتا ہے۔

مثلاً لوگوں کی زندگی کی ضروریات کی فراہمی، محروم افراد کیلئے روٹی، کپڑا، مکان اور دیگر ضروریات زندگی کا انتظام، بیماروں کا علاج اوران کی خدمت کا عمل، ایسی مشینیں یا آلات بنانا اور ایجاد کرنا جو زندگی کے مختلف امور اور کاموں کو آسان بنادیں......لوگوں کی لذت وتفریح کے سامان کرنا......وغیرہ۔ لیکن سب سے عظیم فیض یہ ہے کہ انسانوں اور انسانیت کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی سے آشنا کرنے کی کوشش کی جائے لوگوں کوان کے مقصد تخلیق سے آگاہ کر کے اس سے جوڑنے کی سعی کی جائے۔ اور دنیا کی حقیقی سعادت اور آخرت کی دائمی کامیابی کی راہ بتائی جائے۔ اس عظیم فیضان کو لوگوں تک پہنچانے کیلئے پورے اخلاص اور خیر خواہی کے ساتھ جہد مسلسل اور سعی پیہم کی جائے، اور مشکلات ومخالفتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ہر مطلوب قربانی پیش کرنے کیلئے آدمی تیار ہو۔ شریعت کی تعبیر میں اسے دعوت الی اللہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کہا جاتا ہے۔ ومن احسن قولا ممن دعاالی الله وعمل صالحا وقال انني من المسلمين.

ایمان وعمل صالح یعنی ذاتی تقوی وطہارت کے ساتھ انسانیت کی حقیقی فلاح وبہبود کا یہ عظیم کام سب سے بڑھ کر اور سب سے بہتر انداز میں انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت نے انجام دیا۔ انبیاء کی شخصیات اللہ عزوجل کی منتخب ہوتی تھیں، لہذاوہ ہر اعتبار سے مکمل اور اعلیٰ اوصاف کے حامل ہوتے تھے، ان مکمل ترین انسانی جماعت میں بھی سب سے کامل شخصیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی تھی۔ چنانچہ انبیاء انسانی گروہ کی سب سے عظیم شخصیات ہیں۔ اوران میں سب سے بڑھ کر خاتم النبیین و سید المرسلین ﷺ کی شخصیت۔ انبیاء کے بعد انسانی عظمت کے حقیقی اوصاف کا حامل وہ گروہ ہوا جنہوں نے ان (انبیاءؑ) کی پیروی کی اور علم وعمل میں ان کے وارث ہوئے۔ "العلماء ورثة الانبیاء" وارثین انبیاء کا سب سے بہترین گروہ اصحاب رسول ﷺ کا تھا۔ جنہیں اللہ تعالی نے اپنے رسول کی صحبت کیلئے منتخب فرمالیا تھا۔ ایک مغربی مفکر کے مطابق انسانی تاریخ کے کسی دور میں اتنی عظیم شخصیات (ہیروز) بیک وقت اکٹھا نہیں ہوئیں جتنی محمد ﷺ کے زمانے میں ہوئیں۔ محمد (ﷺ) ہیروز (عظیم شخصیات) کی نرسری تھے ۔

مولانا مختار احمد ندوی کی امتیازی شان

نبی کریم ﷺ اور جماعت صحابہؓ کے بعد تاریخ انسانی میں عظمتوں کے حقیقی امین اور حصہ دار درجہ بدرجہ وہ لوگ ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے دور میں نبی ﷺ اور صحابہؓ کا طریقہ یعنی سنت وجماعت کا منہج اختیار کر کے نہ صرف حق وہدایت کی روشنی بکھیری بلکہ باطل وضلالت کی حتی المقدور تردید بھی فرمائی۔

یہ خصوصی جو آپ کے ہاتھوں میں ہے عہد حاضر کی ایک ایسی شخصیت سے معنون ہے، جو موجودہ دور میں صحیح عقیدہ ومنہج کے ساتھ کسی ملامت ومخالفت کی پروا کیے بغیر لوگوں تک پیغام حق پہنچانے والی شخصیات کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی کہلا سکتی ہے۔

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ متبعین رسول ﷺ کی اس

جماعت کے ایک ممتاز فرد تھے جنہوں نے ایمان وعمل صالح کو اپنا موقف ومنہج اور محور حیات بنایا، حق گوئی، حق کی اشاعت وترویج اور باطل کی تردید سے کبھی پہلوتہی نہیں کی۔ یوں تو مولانا مختار کی کتاب زندگی اعمال وکردار کے مختلف اور متنوع ابواب پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے، کہ آپ کی شخصیت تہ دار اور کارنامے پہلودار تھے۔ تاہم انہیں امتیاز وعظمت دینے والا وصف ان کی حق پسندی، منہج وموقف کا صاف ہونا ہے، نیز عملی اور دعوتی زندگی میں منہج رسول کی سخت پابندی کرنا ہے۔

مدارس کا قیام بہت سے لوگ کرتے ہیں لیکن مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے جو مدارس تعمیر کئے انہیں ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ معنوی جمال سے آراستہ کرنے کی امتیازی کوشش فرمائی۔ دین کی سمجھ وفقاہت پیدا کرنے والا ضروری مواد پر مشتمل خالص دینی نصاب اور ان میں بھی ہر مادے کو اہمیت وضرورت کے مطابق مقام دینا۔ اس کے ساتھ موجودہ زمانے کے حالات وتقاضوں کا اعتبار کرتے ہوئے جدید فلسفوں پر مشتمل سرکاری نصاب کو شامل کرنا ملت کو فیض پہنچانے کی عظیم کوشش ہے۔

تصنیف وتالیف، ترجمہ اور طبع کتب کا مشغلہ دنیا میں بہت سارے لوگ اختیار کرتے ہیں، لیکن تصانیف وکتب میں مفید سے مفید مادوں اور موضوعات کا انتخاب، اور سب سے اہم اور ضروری مادوں کو ترجیح دینا یقیناً اسی شخص کا کارنامہ ہوگا جو نبوی تعلیمات کے سرچشمے سے سیراب ہوا ہو۔ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کے قلم سے وجود میں آنے والی کتابوں، ترجموں کے موضوعات اور مشتملات بتاتے ہیں کہ وہ انبیاء کے طریقے کو اختیار کرکے سب سے زیادہ اہمیت عقیدہ صحیحہ کو دیتے تھے، اور اصلاح عقیدہ کے ذریعے اصلاح امت کے صحیح راستے پر گامزن تھے۔ قرآن وحدیث اور ان کے متعلقہ علوم سے بہتر دنیا میں کوئی مادہ نہیں ہوسکتا کہ یہ علوم انسان کو مقصد حیات سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔ اسی لئے فرمان رسول ہے: "خیر کم من تعلم القرآن وعلمه" تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کا اختیار کردہ نصاب تعلیم اور تصنیفات وتراجم اسی لئے سب سے بہتر وصف کی حامل نظر آتی ہیں۔

مساجد کی تعمیر مولانا رحمہ اللہ کا عظیم کارنامہ ہے۔ مگر اس کارنامے کا امتیاز یہ ہے کہ مولانا صرف مساجد کی شاندار عمارتوں کی تعمیر کروانے پر اکتفا نہیں فرماتے تھے بلکہ اس کی معنوی تعمیر کیلئے بھی کوشاں رہتے تھے۔ اسے مسلمانوں کی ترتیب گاہ بنانے پر نہ صرف زبانی زور دیا بلکہ ایک نصاب تعلیم تربیت دے کر مساجد کو درسگاہ بنانے کی عملی کوشش بھی فرمائی نیز آپ اصلاح المساجد کے پروگراموں میں دوٹوک اعلان کرتے تھے کہ ہم کوئی ایسی مسجد تعمیر نہیں کرنا چاہتے جو توحید وسنت کا مرکز بننے کی بجائے بدعت کا مقام بنے۔

مولانا رحمہ اللہ کے خطابات، تصنیفات وتراجم میں سب سے نمایاں مادہ توحید کا تھا، اسی پر سب سے زیادہ زور دیا کرتے تھے، توحید خالص کے ساتھ خالص اتباع رسول ﷺ پر زور دیتے......

حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کی تکمیل وترقی ان دو بنیادوں کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اس اعتبار سے غور کیجئے تو مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کے فیض کی نوعیت فیضان رسول کی نوعیت اور جنس سے متعلق

نظر آتی ہے۔کوئی کمپیوٹر ایجاد کرنے والا یا بنانے والا، طیارہ، تیز رفتار سواریاں بنانے والا، دیگر آلات ومشینیں بنانے والا، زیادہ سے زیادہ مادی زندگی میں سہولت پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ جیسے ایک جاروب کش راستوں کی صفائی کر کے لوگوں کیلئے راستہ چلنے کی سہولت پیدا کرتا ہے۔لیکن توحید وسنت کا داعی انسان کو ظلمات سے نور کی طرف لاتا ہے اور سعادت ونجات کی راہ دکھاتا ہے۔ اسی لئے ایمان اور عمل صالح دنیا کی تمام ضروریات واحتیاجات سے کہیں زیادہ اہم ہیں داعی الی اللہ بھی سب سے اہم فیض لوگوں تک پہنچاتا ہے۔

مادی علوم میں سب سے زیادہ اہم علم طب کہلا سکتا ہے۔اس لئے کہ اس علم کا موضوع انسانی صحت وزندگی سے عبارت ہے۔ اور دنیا کی تمام مخلوقات میں انسان سب سے اہم ہے۔اس لئے اس کی زندگی اور صحت سے متعلق علم دیگر تکنیکی اور تکوینی اور فنی علوم میں سب سے اہم ہے۔مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے یوں تو اپنے مدارس میں وقت کے تمام ضروری علوم کو شامل کیا مگر علم طب کیلئے علیحدہ کالج کا انتظام فرمایا۔اس میں بھی طب یونانی کو منتخب کر کے مسلمانوں کی طبی تاریخ اور اس میدان میں ان کی بے مثال خدمات وکارناموں سے رشتہ جوڑنے کی کوشش کی۔

راقم الحروف کے خیال میں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی شخصیت کی عظمت اور کردار کے امتیاز کا اصل نشان ان کے فیضان کی نوعیت ہے۔جس کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ موصوف رحمہ اللہ کا درجہ ومقام ان بہت سارے لوگوں سے بھی کہیں زیادہ اونچا اور بلند ہے جو اپنے گروہ کی کثرت، اقتدار یا میڈیا کے ذریعے شہرت وعظمت کی اونچائیوں تک تو پہنچ گئے لیکن نہ ان کی فکر درست تھی اور نہ لوگوں کو ان سے حقیقی فیض اور فائدہ حاصل ہوا۔ اور جنہوں نے اپنی ہر دلعزیزی کیلئے صحیح اور غلط ہر کسی سے مصالحت کی راہ اختیار کی۔

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ اس ممتاز انسانی گروہ سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے اپنے قول وعمل سے کبھی باطل سے سمجھوتہ نہیں کیا اور نہ ہی حق وصداقت کے سلسلے میں کسی مداہنت ومجاملت سے کام لیا۔

یوں تو ہر دور میں نفاق اور دورنگی عام ہوتی ہے۔لیکن موجودہ دور میں شاید منافقت کو سب سے زیادہ غلبہ حاصل ہے۔سیاست ہی نہیں، تجارت اور معاملات میں بھی ہر چہرے پر کئی چہرے نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ دین ومذہب سے وابستہ افراد بھی حالات ومواقع کے اعتبار سے اپنے موقف اور بیانات بدلتے رہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ایسی بہت سی ''عظیم شخصیات'' ملیں گی جنہوں نے ہر دلعزیز بننے کیلئے اور عظیم کہلانے کیلئے حسب موقع وضرورت رنگ اور چولے بدل لئے۔ان کی اردو کتابوں اور عربی کتابوں میں، ہندوستانی بیانات وخطابات میں اور بیرون ملک کے بیانات وخطابات میں زمین وآسمان کا فرق دکھائی دے گا۔وہ جس اسٹیج اور مجمع میں گئے اس کے تقاضے کی تکمیل کی، جس شخصیت کو موضوع بحث بنایا اسی کے ہو گئے ۔ ایسے بہت سے مشاہیر نظر آئیں گے جنہوں نے اپنی فکر وعقیدہ کے برخلاف شرکیہ جلسوں مشرکانہ رسموں اور تقریبات میں شرکت کی اور خاموش رہے۔

بہت سے ''عظیم لوگ'' نظر آئیں گے جنہوں نے شہرت اور دنیاوی مفادات کی خاطر جانتے بوجھتے باطل اور ناحق امور کو قبول یا

برداشت کرلیا۔ کمزور اور پرفریب مصلحتوں کے بہانے سے کتنے لوگ سچ بولنے سے گریز کرتے ہیں خواہ وہ کتنا ہی مدلل ہو۔ کتنے لوگ سنت کو جانتے ہوئے بدعات سے مصالحت کرلیتے ہیں۔ جبکہ کتاب وسنت کی تعلیم بتاتی ہے کہ یہی تو انسان کی آزمائش ہے کہ وہ اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں اردگرد پائے جانے والے ''تقاضوں'' کا لحاظ کرتا ہے یا رب العالمین کی توحید اور اس کی خوشنودی کو ترجیح دیتا ہے۔ ﴿وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون﴾ کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ اگر اللہ کی پسند اور حکم ایک طرف ہو (یعنی حق وصداقت) اور اس کے مقابل وقت کی حکومت، سماج (اکثریت) ماحول (حالات کا دھارا) یا انسان کے قریبی اور محبوب لوگوں کی پسند اور تقاضے ایک طرف، تو مقصد حیات پر قائم اور آزمائش میں پورا اور کھرا اترنے والا انسان وہ ہے جو رب کی پسند اور تقاضے کو اختیار کرے اور دیگر تقاضوں کو مسترد کردے خواہ وہ کتنے ہی مضبوط ہوں کیسا بھی دباؤ ہو، خواہ رب کے حکم اور پسند کو ترجیح دینے میں دنیاوی اور ظاہری اعتبار سے نقصان نظر آتا ہو۔ کہ لوگ ناراض اور مخالفت پر آمادہ ہوجائیں گے، مالی اور مادی خسارہ ہوجائے گا، تجارت وکاروبار متاثر ہوجائے گا، محبوب افراد اور محبوب چیزیں چھوٹ جائیں گی۔ گھر، خاندان، وطن، مال، جائداد حتی کہ جان بھی قربان ہوسکتی ہے۔ جس قدر عظیم نقصان کا سامنا کرکے بندہ رب کی فرمانبرداری کرے گا اسی قدر عظمت وبلندی سے سرفراز ہوگا۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لئے ہے

ایسے عظیم کردار کی حامل سب سے نمایاں اور عظیم شخصیات انبیاء کرامؑ کی ہوتی تھی، ان میں سب سے ممتاز رحمٰن کے دونوں خلیل حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد ﷺ تھے اور علی الاطلاق سب سے کامل انسان خاتم النبیین تھے۔ انبیاء کرامؑ کے بعد جیسا کہ ذکر ہوچکا۔ درجہ بدرجہ ان کے متبعین اپنے اخلاص وعمل کے مطابق اس عظمت وبلندی کے حصہ دار بنے۔

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ اپنی ذات میں توحید پرستی اور اتباع سنت کے صاف ستھرے منہج کے کٹر حامی اور حامل تھے۔ انہوں نے اپنے اصلاحی، دعوتی اور تعلیمی وتعمیری کاموں میں اسی کو بنیاد بنایا، کہ انبیاء کی دعوت کا بنیادی جوہر یہی تھا۔ مولانا رحمہ اللہ کی تصنیفات، مضامین، تراجم، مطبوعات اور تقریروں میں توحید وسنت کا رنگ غالب رہا۔ توحید وسنت کے تعلق سے آپ حد درجہ غیرت مند باحمیت اور حساس تھے، جس کے نمونے اور ثبوت آپ کی زندگی میں جابجا نظر آتے ہیں، مثلاً:

ممبئی میں بوہروں کے پیشوا کے ''عالیشان مقبرے'' کا افتتاح تھا، اس تقریب میں اہل سنت کی متعدد شخصیات اور علماء مدعو تھے۔ جو تقریب میں شرکت کیلئے تیار بھی تھے۔ تب مولانا مختار رحمہ اللہ نے جہاں علماء سے رابطہ قائم کرکے انہیں مقبروں کی تعمیر اور قبروں کی تجارت کی شناعت وسنگینی یاد دلائی وہیں کھلے عام اخبار میں ''بمبئی میں محرم الحرامی علماء کی یلغار'' کے عنوان سے ایک نمایاں اشتہار کے ذریعے اس مشرکانہ عمل اور اس میں تعاون پر سخت نکیر فرمائی۔ کہ اسلام اور رسول اللہ ﷺ نے جس چیز کا خاتمہ اور قلع قمع کرنا ایمان کا بنیادی تقاضا قرار دیا ہے کوئی مومن بندہ اس کے

افتتاح و اجراء میں حصہ لیکر اس کا معاون کیسے بن سکتا ہے؟

احمد آباد میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک اجلاس عام میں ایک بزرگ مقرر نے خطاب کرتے ہوئے طلاق ثلاثہ کے سلسلے میں اہل حدیث کے مدلل موقف پر طعن وطنز کیا۔ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ اسٹیج پر موجود تھے، موصوف نے کسی مداہنت کے بغیر بلاخوف لومۃ لائم مائک تھام لیا اور مقرر کا جواب دیتے ہوئے سوال کیا کہ ہم یہاں بحیثیت فرقہ اکٹھا ہوئے ہیں یا بطور امت؟ مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے معاملہ سنبھالتے ہوئے کہا کہ ہم امت کے طور پر اکٹھا ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کے تمام گروہ اور طبقات امت کے مابین اتحاد واتفاق کی اہمیت وضرورت پر تقریر کی جولانی اور تحریر کی روانی اور نکتہ آرائی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لیکن اتحاد کی حقیقی بنیاد اور اختلاف کی وجوہ پر یا تو بحث نہیں کرتے یا حقائق سے چشم پوشی اور اعراض کرتے ہیں۔ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ اپنی تحریروں میں ببانگ دہل فرماتے کہ رسول ﷺ کی اتباع سے امت بنتی ہے اور شخصیتوں کی تقلید سے فرقہ وجود میں آتا ہے۔ ان کا یہ فرمان بہت سے لوگوں کو گراں گزرتا اور مخالفتوں پر آمادہ کر دیتا کہ اسلام میں چوراہا نہیں ہے صراط مستقیم ایک ہے۔ یہ مولانا کی حقیقی دعوت اتحاد تھی۔ اور کتاب وسنت کے منہج حق کی اشاعت کا بے لاگ انداز۔ یہ اخلاص توحید پرستی اور اتباع رسول کے جذبۂ صادق کا غماز ہے جبکہ اس بے لاگ دعوت کے نتیجے میں بہت سی زبانیں اور قلم تلوار بے نیام بن جاتی تھیں۔

چند سالوں پیشتر جمعیۃ العلماء ہند کی جانب سے مولانا اسعد مدنی رحمہ اللہ کی قیادت میں ملک گیر سطح پر اہلحدیث کی مخالفت کی گئی۔ دلی میں اس کا آغاز ایک کانفرنس بعنوان ''سنت کانفرنس'' سے کیا گیا۔ اور پورے ملک میں مسلک کتاب وسنت کے خلاف ایک طوفان برپا کیا گیا۔ مخالفانہ تقریروں، کتابچوں اور مضامین کا تسلسل قائم کر دیا گیا۔ اس دوران راقم کو ادارہ صوت الحق کے کسی کام سے مولانا رحمہ اللہ نے ممبئی طلب کیا۔ ملاقات کے دوران اصل موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا نے اچانک مجھ سے استفسار کیا، کہ صوت الحق میں جمعیۃ العلماء کی شرانگیزی پر کچھ لکھا یا نہیں؟ میں نے عرض کیا ابھی تک تو نہیں لکھا، ارادہ تھا لیکن صوت الحق میں شائع کرنے کے سلسلے میں کچھ تردد بھی تھا۔ مولانا رحمہ اللہ نے تاکید کرتے ہوئے کہا کہ اگلے شمارے میں ضرور لکھو، فرمایا کہ مدلل، زوردار اور کھل کر لکھنا۔ ان شاء اللہ میں البلاغ میں لکھوں گا۔ چنانچہ مولانا رحمہ اللہ کے حکم اور ترغیب پر راقم نے ایک طویل مضمون ''تحفظ سنت کانفرنس'' لکھا، جو صوت الحق میں اور بعدہ اشاعۃ السنہ دلی میں شائع ہوا۔

کسی انسان کی عظمت کا سب سے بڑا نشان یہی ہے کہ وہ حق پرستی پر ہر حال میں جما رہے۔ اور اپنی تمام تر صلاحیتوں اور امکانات کو بروئے کار لا کر حق وصداقت کی ترویج کی کوشش کرے اور کوئی مخالفت، کوئی لالچ، کوئی خوف اور دباؤ یا حالات کا مخالف دھارا اسے عقیدہ ومنہج میں مداہنت وکمزوری اور منافقت برتنے پر مجبور نہ کر سکے۔ اس لئے سلطان جابر کے روبرو کلمۂ حق کہنا افضل الجہاد کہلایا۔ اس معیار پر پرکھیں تو دنیا کی وہ بہت سی شخصیات جو شہرت وعظمت کی بلندیوں پر بٹھادی گئی ہیں ان کا قد حد درجہ پست نظر

آئے گا۔جبکہ ایسی متعدد شخصیات بھی ملیں گی جوعظیم تو تھیں لیکن دنیا نے ان کی عظمت کاادراک یااعتراف نہیں کیا۔

پھر صحیح عقیدے پر قائم رہ کر اس کا مبلغ بننا اکثر موافقین سے زیادہ مخالفین پیدا کرتا ہے۔ توحید خالص اور تاویلات اور چور دروازوں سے دور رہتے ہوئے خالص اور حقیقی اتباع سنت کرنا پھر اس کی طرف دعوت دینے کا اصلاحی عمل؟ یہ وہ چیز ہے، جو ہر باطل اور باطل پرست یا حق سے منحرف افراد اور گروہوں کو مخالفت پر اکساتی ہے۔اس حقیقت کا مشاہدہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ اسلام دین حق ہے۔لہٰذا دنیا کا ہر باطل مذہب اس کی مخالفت پر کمربستہ رہتا ہے۔تمام باطل قوتیں اپنی صلاحیتوں کو اور اپنے وسائل کو اس کے خلاف آزماتے ہیں۔یہی حال امت مسلمہ کی داخلی سطح پر نظر آئے گا۔چنانچہ مسلمان فرقوں اور جماعتوں میں آپ دیکھیں گے کہ اسی جماعت کو ہر کوئی نشانہ بناتا ہے جس کا منہج وفکر خالص کتاب وسنت پر مبنی ہے۔دیگر فرقے اس جماعت حقہ اور طائفہ منصورہ کے خلاف بسا اوقات اغیار کے آلۂ کار بھی بنتے ہیں۔جس کا سبب فرقوں کا فرقہ وارانہ تعصب ہوتا ہے اور اغیار کا حق وصداقت سے خوف۔

اس تناظر میں کتاب وسنت کا صحیح منہج اختیار کرنے والا مسلمان اکثر اپنوں میں بھی اجنبی اور بیگانہ بن جاتا ہے۔اور اس کے ساتھ غیریت وعصبیت کے معاملات کئے جاتے ہیں۔چنانچہ حق پرست مسلمان کو قدم قدم پر ذہنی، نفسیاتی، زبانی اور عملی مخالفتوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔لہٰذا انہیں تواصی بالحق کے ساتھ تواصی بالصبر کی ضرورت پیش آتی ہے۔

انبیاء کرامؑ کی عظمت دیکھیے کہ ہر قسم کی مخالفت واذیت رسانی کے باوجود پوری ثبات قدمی کے ساتھ تنہا پوری قوم کے سامنے کھڑے رہے۔اور اذیت دینے والوں کو سچائی اور نجات کا راستہ بتا کر ان کی خیر خواہی کا مظاہرہ کرتے رہے۔انبیاء کرامؑ کے نقش قدم پر چلنے والے ان کے سچے وارثین کو بھی کسی نہ کسی درجے میں ایسی ہی استقامت اور قوم کی خیر خواہی کی ضرورت ہوتی ہے۔

دنیا میں بہت سے مدعیان علم وفضل ایسے ملیں گے جن کے اندر حق پرستی کے ساتھ ایسی ثبات قدمی نظر نہیں آئے گی۔وہ قوم وملت کی حقیقی فلاح کی خاطر قربانیوں سے گریز کرتے نظر آئیں گے۔حالات ومصلحت کے مطابق ان کے مواقف ومناہج بدلتے نظر آئیں گے۔ لیکن اس کے برعکس مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کا فکری وعملی قبلہ اسی اعتبار سے خالص متبع رسول ﷺ نظر آئے گا۔جن کا کردار وعمل زندگی کے اصل مقصد سے وابستہ رہا۔جو زبان قال کے ساتھ زبان حال سے بھی دنیا کو سب سے مفید پیغام دے گئے کہ ﴿ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین﴾ (انعام:۱۶۲)

زیر نظر خصوصی شمارہ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی حیات وخدمات کے متعدد اور مختلف پہلوؤں پر مشتمل مضامین کو سمیٹے ہوئے ہے۔ان میں بعض چیزوں کی تکرار بھی ہے جو ناگزیر تھی، مضامین کی کثرت وتنوع کے باوجود یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا رحمہ اللہ کی حیات وخدمات اور کارناموں کا بیان تشنہ اور ادھورا ہے البتہ ان سطور میں موصوف رحمہ اللہ کی ایک امتیازی شان کا ذکر کرنا ضروری محسوس ہوا۔

☆☆☆

ملت کے عظیم خادم

شیخ مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری — صدر جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

میں بنارس سے آج ۲۵ ر شعبان ۱۴۲۸ھ مطابق ۹ ر ستمبر ۲۰۰۷ء کو مئو پہنچا تھا، دن گذرا اور رات کو عشاء کی نماز کے وقت یعنی بوقت آٹھ بجے یہ اندوہناک خبر معلوم ہوئی کہ جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی اور اس سے ملحقہ تمام اداروں کے مؤسس صدر اور جماعت اہلحدیث کی نامور، فعال اور متحرک شخصیت حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ حضرات کے لئے اور پوری ملت و جماعت کے لئے یہ بہت بڑا صدمہ ہے، شخصیت عظیم ہوتی ہے تو اسکی جدائی کا غم بھی سخت ہوتا ہے، ہم لوگ بھی اسی طرح کی صورت حال سے دوچار ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم صبر وشکر اور دعائے مغفرت کا ہے، اس لئے خود کو قابو میں رکھ کر صبر وضبط کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے، اور یہ بھی سوچنا ضروری ہے کہ موت سب کے لئے مقدر ہے، لہٰذا ہر صاحب عقل کو آخرت کی زندگی سدھارنے پر توجہ کرنا چاہئے۔

مولانا رحمہ اللہ کی زندگی ہماری اسلامی زندگی کی ایک روشن کتاب ہے، پوری عمر انہوں نے دین متین کی خدمت کی، اور کلکتہ سے لے کر ممبئی تک لوگوں کو فیض پہنچایا۔ دعوت و تدریس کے کاموں کی مثالیں تو بہت ہیں لیکن مولانا کی عملی زندگی کی یہ خصوصیت ہے کہ انہوں نے کچھ نادر کام انجام دیئے، اور اس میدان میں پوری طرح کامیاب رہے، وذلک فضل اللہ۔ ملک بھر میں مساجد کی تعمیر ان کی زندگی کا روشن باب ہے، محسنین کے تعاون سے جس طرح ملک میں مساجد کی تعمیر ہوئی اس سے اسلامی شان و شوکت کا اظہار ہوا، اور مسلمانوں کے عہد عروج کی داستان زندہ ہوئی۔ مساجد میں دروس کے اہتمام اور ائمہ وخطباء کی تقرری وغیرہ امور پر بھی ان کی توجہ تھی، مساجد کے موضوع پر ان کی بعض تقریریں میں نے سنیں، ان سے اس سلسلہ میں ان کی عالی ہمتی اور دعوت کے سلسلہ میں ان کی فکر مندی کا اندازہ ہوتا ہے، ممبئی میں مولانا نے خود بھی محلہ کی مسجد میں بعد نماز فجر پورے قرآن مجید کا درس دیا، اور تبلیغ کی بہت بڑی خدمت انجام دی، مولانا کا یہ درس تعلیم یافتہ طبقہ سے لے کر عام لوگوں تک ہر ایک میں بہت مقبول تھا، اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ آمین

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مولانا تعلیم اور انتظام تعلیم کے لئے وقف تھے، انہوں نے شاید مستقل طور پر مدرسی نہیں کی، لیکن جماعت مدرسین کے لئے صاف ستھرا وسیع ماحول فراہم کر دیا، تعلیم کے معاملہ میں ان کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اس مسئلہ کو ہمہ جہت ترقی کے آئینے میں دیکھتے تھے، شرعی اور عصری دونوں طرح کے علوم ان کا مطمح نظر تھے، اور وہ دونوں میں مسلم طلبہ کی برتری کے لئے فکر مند تھے، اس نازک مسئلہ میں ان کے طریق عمل سے اختلاف کی گنجائش ہے، لیکن ان کے عظیم مقصد اور گہری بصیرت کا انکار نہیں کیا جا سکتا وہ چاہتے تھے کہ نونہالان ملت ملک کی آبادی میں کہیں دوسری صف میں کھڑے نہ نظر آئیں، اور ان کی یہ سوچ ذہنی و

زبانی نہ تھی، بلکہ اس کے لئے انہوں نے پیہم کوشش کی۔اسی سوچ کے نتیجہ میں انہوں نے جامعہ سلفیہ بنارس میں ستر کی دہائی کے اخیر میں طبیہ کالج قائم کیا،لیکن یوپی کی حکومت کی طرف سے خاطر خواہ تعاون نہ ملنے کے سبب یہ صرف دو سال جاری رہا، پھر انہوں نے اسی منصوبہ کو مالیگاؤں میں بھی آزمایا، اور اللہ تعالی نے وہاں انہیں کامیابی عطا فرمائی اور یہ طبیہ کالج آج بھی کامیابی کے ساتھ اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔

مولانا کے علمی ذوق اور ملت کی ہمہ جہت ترقی کے لئے ان کی فکر مندی کی نمائندگی ان کے اشاعتی منصوبوں سے ہوتی ہے، انہوں نے محدود پیمانہ پر یہ کام شروع کیا، لیکن اس کو اس طرح پروان چڑھایا کہ پورے عالم اسلام میں ان کی مطبوعات پھیل گئیں، اور ہر طرف سے شائقین علم وتحقیق نے ان کو خراج تحسین پیش کیا، اشاعتی منصوبوں میں موصوف بڑی محنت وحوصلہ سے کام لیتے تھے اور جہاں سے کسی نادر مخطوطہ یا مطبوعہ کے ملنے کی امید ہوتی وہاں پہنچ جاتے، علماء کی محنت اور اور مولانا کی ہمت وحوصلہ کا ثبوت ہے کہ ان کے یہاں سے تفسیر، حدیث اور دیگر اسلامی موضوعات پر اہم کتابیں شائع ہوئیں اور علمی دنیا نے ان سے استفادہ کیا۔تفسیر قرآن کے بعد مصنف ابن ابی شیبہ،شعب الایمان للبیہقی، کتاب الامثال، خطبات محمدی، رحمۃ للعالمین کا عربی ترجمہ اور اسی طرح کی ان کے ادارہ کی دوسری مطبوعات ہمیشہ اہل علم کی توجہ کا مرکز رہیں گی، الدار السلفیہ کی فہرست مطبوعات پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کے ذہن میں اشاعتی کاموں کا کتنا عظیم اور جامع منصوبہ تھا، اب ان کے اخلاف سے امید ہے کہ وہ اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے کوشش کریں گے۔

تعلیمی میدان میں مولانا کی ایک قابل ذکر خصوصیت شرعی تعلیم نسواں سے ان کی دلچسپی بھی ہے، اس میدان میں انہوں نے مالیگاؤں میں مدرسہ عائشہ صدیقہ اور مئو میں کلیہ فاطمۃ الزہراء قائم کیا، یہ دونوں لڑکیوں کی اقامتی درسگاہیں ہیں اور ملت کے افراد نے ان کے ساتھ جس توجہ کا ثبوت دیا ہے اس سے ان کی علم دوستی کے ساتھ ساتھ دونوں اداروں کی بہتر کارکردگی کا بھی پتہ چلتا ہے، اسلام نے علم دوستی کی جو روایت قائم کی ہے اس کی بناء پر لڑکیوں کے لئے شرعی تعلیم کا بندوبست اب ملک کے طول وعرض میں پھیل چکا ہے، اللہ کے جن نیک بندوں نے اس سلسلہ میں پہل کی ہے انہیں وہ یقینا بہترین اجر سے نوازے گا، لڑکیوں کی شرعی تعلیم کا بندوبست اصل میں عمدہ اور باشعور نسل کی تیاری کا عمدہ ذریعہ ہے، خواتین جب تعلیم سے آراستہ ہوں گی تو ان کی گود میں پلنے والی نسل بھی خداشناس وتقویٰ شعار ہوگی۔

مولانا کے سوانح نگار جب ان کی زندگی کی تفصیلات کو احاطہ تحریر میں لائیں گے تو ان کے اسفار حج اور حرم شریف میں ان کی تقریروں کا تذکرہ نمایاں ہوگا، یہ ایک بڑا اعزاز اور مفید علمی ودینی خدمت تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا تھا اور انہوں نے شرعی علوم پر اپنی گرفت اور عوام کی نفسیات سے آگاہی اور دعوت کے میدان میں اپنی غیر معمولی دلچسپی سے اسے بحسن وخوبی انجام دیا۔ان اسفار میں ان کی ملاقات دنیا بھر کے علماء ومشائخ سے ہوتی تھی جو ہندوستان میں جماعت اہلحدیث کی سرگرمیوں سے واقفیت کا ایک اہم ذریعہ تھی۔

دعوتی عمل کو رفاہی سرگرمیوں سے جوڑنا مولانا کا ایک مشن تھا، وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی دوسری سرگرمیوں کی طرح رفاہی سرگرمی بھی نمایاں رہے، کیوں کہ مجبور وبیکس لوگوں کی تعداد بھی معاشرہ میں زیادہ ہے، انہیں دینی یا انسانی اخوت کی بنیاد پر سہارا ملنا چاہئے، رفاہی کاموں پر توجہ کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اسلام مخالف عناصر یہ تاثر دینے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ اسلام نے رفاہی خدمات انجام دینے کی کوئی خاص تعلیم نہیں دی ہے، اس لئے

مسلمان اس میدان میں پیچھے ہیں۔ یہ تصور بے حد غلط ہے، ہم میں سے جولوگ اس کی بیخ کنی کے لئے کوشاں ہیں وہ قرآن وحدیث سے ایسے دلائل فراہم کر چکے ہیں کہ اسلام میں رفاہی کاموں کی اہمیت کس قدر زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ اسلام کی پوری تاریخ ببانگ دہل یہ اعلان کررہی ہے کہ اس دین کے علاوہ کسی اور دین یا نظام نے انسانیت کو اس کی صحیح عزت اور قابل اطمینان تحفظ عطا نہیں کیا ہے، اور شاید وہ ایسا کر بھی نہیں سکتے، کیوں کہ ان کے اصول ومقاصد میں اتنی بلندی وقوت نہیں کہ اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کی برابری کرسکیں۔

دعوتی سرگرمیوں کو رفاہی کاموں سے جوڑنا مولانا کی ترجیح تھی، جس شہر کے وہ باشندے تھے، اور جس شہر میں ان کی اقامت تھی دونوں جگہ اس کے مواقع تھے، انہوں نے مئو سے لے کر مالیگاؤں تک اس میدان میں قابل ذکر کوشش کی جسے آج تک یاد کیا جاتا ہے، مجھے یاد ہے کہ مئو میں عالیہ اسپتال سے متعلق جو اجلاس انہوں نے بلایا تھا اس میں شہر کے تمام معززین کو مذہب ومسلک کی تفریق کے بغیر جمع کیا تھا، اور سب کے سامنے اپنے پروگرام پر روشنی ڈالی تھی، ساتھ ہی ملکی حالات ودستور کے تناظر میں اس بات پر زور دیا تھا کہ مئو کے مسلمانوں کو اس پہلو پر توجہ کی ضرورت ہے عالیہ اسپتال کا منصوبہ اس پہلو سے بھی مثالی تھا کہ اس کے بعد یہاں پر متعدد پرائیویٹ شفاخانے قائم ہو گئے جو کامیابی کے ساتھ خدمت انجام دے رہے ہیں اور اس کا عملہ یہاں کی زرخیزی سے مستفید ہورہا ہے، مولانا کا اقدام اس باب میں ان کا رہنما ثابت ہوا۔

مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے لئے بھی مولانا کی فکرمندی ظاہر تھی، اس کا ایک مظہر یہ تھا کہ انہوں نے جامعہ سلفیہ کے اشتراک سے جامع مسجد کے علاقہ میں ایک عمارت خریدی اور اسے جمعیت کے تصرف میں دے دیا، جمعیت آج بھی وہاں دینی سرگرمیاں انجام دے رہی ہے، اس عمارت پر جب اپنا تصرف قائم ہوا تو جمعیت کی سرگرمیوں کا اس میں افتتاح عمل میں آیا، میں اس موقع پر حاضر نہ ہوسکا تھا لیکن پاکستان سے جماعت کے نامور ومخلص عالم مولانا عطاء اللہ حنیف اس میں شریک تھے۔ جامع مسجد کے علاقہ میں جمعیت کے لئے ایک وسیع عمارت کا مل جانا بہت خوش آئند مسئلہ تھا، اس سے قبل جمعیت کا دفتر کسی چھوٹی جگہ میں ہوتا تھا جو جمعیت کی ملکیت میں نہ تھی، اب تو اللہ کے فضل سے اوکھلا کے علاقہ میں جمعیت کی ایک پرشکوہ مسجد، کشادہ لائبریری، مہمان خانہ، آفس اور وسیع قطعہ زمین ہے جس پر تعمیر ہونے کے بعد جمعیت کی بہت ساری ضرورتیں پوری ہوجائیں گی ان شاء اللہ، دہلی شہر میں متعدد مسلم جماعتوں کے جو مراکز موجود ہیں ان کی شان وشوکت ووسعت کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ جمعیت کا مرکز موجودہ وقت میں بھی اس کی شان کے مطابق نہیں شاید ہمارے بزرگوں نے ظاہری شان وشوکت کو ضروری نہ سمجھا، لیکن موجودہ دور کا رجحان ہے کہ عمارتیں اور جائدادیں زیادہ ہوں تاکہ علمی ودینی پروگراموں کی تنفیذ میں آسانی ہو۔

مولانا کی سرگرمیوں کا تعارف جامعہ سلفیہ کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہ ہوگا لیکن یہ تذکرہ طولانی ہے، اگر توفیق ہوئی تو میں اس پر کسی اور وقت میں روشنی ڈالوں گا۔ لیکن فی الحال یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا نے ممبئی، مالیگاؤں، بنگلور، اور مئو میں جو ادارے قائم کئے ہیں ان کی دیکھ بھال اور انہیں پروان چڑھانا اولاً تو ان حضرات کا کام ہے جنہیں مولانا نے یہ ذمہ داری سونپی ہے، لیکن حقیقت میں پوری جماعت کے لئے ان کی حیثیت امانت کی ہے جس کے تحفظ اور ترقی کی ذمہ داری اس کے سروں پر ہے، دینی تعلیمی اداروں کے سلسلہ میں اسلام کی یہی تعلیم ہے اور ہم کو اسی پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنا چاہیے۔ ☆☆☆

مولانا مختار احمد ندوی سلفی کا سانحۂ ارتحال
امت وجماعت کا عظیم خسارہ

ڈاکٹر محمد لقمان سلفی — رئیس جامعہ ابن تیمیہ، چندن بارہ، بہار

جس وقت مولانا مختار احمد ندوی سلفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی ہے میں کویت میں تھا، اور غالباً شام کے چار بج رہے تھے، عصر کی نماز پڑھ کر ہندو پاک کے چند بڑے علماء ودعاۃ کے ساتھ بیٹھا تھا اور آپس میں عالم اسلام اور امت وجماعت سے متعلق باتیں ہورہی تھیں کہ موبائل کی گھنٹی بجی اور ایک دوست نے یہ جانکاہ خبر سنائی کہ حضرت مولانا ابھی آدھا گھنٹہ پہلے دار فانی سے رخصت ہوکر اپنے رب سے جاملے ہیں، خبر کیا تھی، بجلی کی ایک شاق تھی جس نے میرے پورے وجود کو ہلادیا اور دل ودماغ پر ایک سکتہ طاری ہوگیا، تھوڑی دیر کے بعد جب یہ کیفیت کم ہوئی تو جی چاہا کہ ان کی وفات پر خوب آنسو بہاؤں لیکن میں نے فوراً محسوس کرلیا کہ سامنے بیٹھے احباب واخوان میرے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا بڑے غور سے جائزہ لے رہے ہیں، اسی لئے میں نے اس وقت اپنی آنکھوں کو رونے کی اجازت نہیں دی اور اپنے مرحوم بھائی کا ذکر خیر دبی اور رندھی آواز میں کرتا رہا، تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں سے اٹھ کر اس کمرہ میں چلا گیا جس میں دورات سے سو رہا تھا وہاں کوئی نہیں تھا، وہاں پہنچتے ہی آنکھوں سے آنسوؤں کا دھارا پھوٹ پڑا، میں نے بھی انہیں رونے کی اجازت دیدی، کافی دیر تک ان کی یاد میں آنسو بہاتا رہا اور ان کے لئے زبان سے بے تحاشا دعائیں نکلتی رہیں۔

حضرت مولانا کی وفات حقیقی معنوں میں امت وجماعت کا ایک عظیم خسارہ ہے، جس کی تلافی ناممکن ہے۔ مولانا ایک عہد ساز عالم وداعی، ایک عظیم مفکر، اور اللہ کے بیباک سپاہی تھے، ان کی زندگی ایک شعلۂ جوالہ سے عبارت تھی، جمود وتعطل اور یاس وناامیدی ان کے پاس سے بھی نہیں گزری تھی، وہ سراپا حرکت، سراپا امید، ایک عظیم صاحب تحریک، عظیم قائد، عظیم لیڈر اور عظیم مربی تھے۔

میری ملاقات ان سے ۱۹۶۲ء کے اواخر میں ہوئی، جب میں ایک چھوٹا سا طالب تھا اور سعودی عرب جانے کے لئے ممبئی آیا تھا، میں ان سے مسجد میں ملا، انہوں نے مجھے سہارا دیا اور پہلے اپنے دل میں اور پھر اپنے گھر میں جگہ دی۔ پہلے سے میرا ان کا کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن انہوں نے میری ایسی دلجوئی اور قدم قدم پر ایسی ہمت افزائی کی کہ میں ان کے اخلاق کریمانہ کا اسیر ہوگیا، ان کا گھر میرا گھر ہوگیا، ان کے بچے مجھ سے قریب ہوگئے اور اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ رشتہ اخوت ومودت دن بدن استوار ہوتا گیا، انہیں کیا پتہ تھا کہ میں ریاض میں اقامت پذیر ہوجاؤں گا اور اللہ مجھے اس قابل بنادیں گے کہ ان کی زندگی کے آخری بیس سالوں میں میرا گھر ان کا گھر ہوجائے گا، میرے بچے ان کے بچے بن جائیں گے اور میں اور میری بیوی ان کی خدمت کرکے خوب خوب خوش ہوں گے اور

اللہ کی قسم ان تمام تعلقات کے پیچھے کوئی دنیاوی غرض کارفرما نہیں تھی، سوائے اس کے کہ ایک مجاہد، ایک داعی الی اللہ اور ایک عہد ساز شخصیت کی خدمت کر کے رضائے الٰہی کی جستجو کی جائے، اور غالباً دنیا میں ہی یہ ان کے لئے ان نیکیوں کی جزائے عاجل تھی جو انہوں نے میرے ساتھ بچپن میں کی تھیں۔

میں اس رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ پینتالیس سال کے طویل عرصے میں میری اور ان کی کسی بات پر ناراضگی نہیں ہوئی، انہوں نے اپنے اخلاق کریمانہ کے سبب مجھے اس کا موقع نہیں دیا، اور میری کوتاہیوں اور لغزشوں کو ایک بڑے انسان کی حیثیت سے نظرانداز کرتے رہے۔

مولانا میرے گھر میں بارہا ایک ایک ماہ کی طویل مدت تک قیام پذیر رہے، اور گھنٹوں میں ان سے بیش بہا علمی، دعوتی، فکری اور تربیتی فوائد حاصل کرتا رہا ہوں، میں نے کبھی بھی ان کو کسی سے حسد کرتے نہیں دیکھا، کبھی بھی کسی کا برا چاہتے ہوئے نہیں سنا، جہاں تک ممکن ہوتا طلبہ ودعاۃ کی مدد کرتے اور مجبوری کی صورت میں معذرت کر دیتے، مولانا ہمیشہ نیکی کر کے بھول جایا کرتے تھے، جس کی تفصیل طویل ہے۔

آپ قرآن کریم کی تلاوت کے شدید پابند تھے، تہجد پڑھتے تھے، میں نے بارہا چھپ کر رات میں ان کے کمرہ میں جھانکا ہے اور انہیں تہجد پڑھتے اور بلک بلک کر روتے دیکھا ہے، رحمہ الله رحمة واسعة.

وہ جہاں بھی ہوتے لکھنا، پڑھنا ان کے ساتھ لگا ہوتا تھا، البلاغ کے سیکڑوں صفحات انہوں نے میرے گھر میں لکھا ہے، صبح کی نماز کے بعد چائے کی پیالی آجاتی اور آپ لکھنے میں لگ جاتے اور گھنٹوں لکھتے رہتے، میں نے کبھی ان کو یہ کہتے نہیں سنا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا، میں بیمار ہوں، میں تھک گیا، وہ سدا بہار تھے، سدا جوان رہے، کبھی انہوں نے بیمار ہونے کا اظہار نہیں کیا، کبھی نہیں کہتے کہ میں تھک گیا ہوں، مجھے آرام چاہئے، اس قسم کے بیمار جملے ان کی ڈکشنری میں نہیں تھے، کہا کرتے تھے۔

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہوجائے

جب بھی ہندوستان سے آتے تو ایک نیا پروگرام لے کر آتے اور مجھے تفصیل سے سناتے اور میں دل ہی دل میں حیرت کرتا کہ اب یہ ان پروگراموں پر کب عمل کریں گے اور بسا اوقات مجھے اور کویت کی "جمعیۃ احیاء التراث" کے رئیس شیخ طارق العیسیٰ کو ان پروگراموں کا ممبر بناتے اور خوش ہوتے۔ رحمه الله رحمة الابرار.

مولانا جیسا باغیرت سلفی میں نے بہت کم دیکھا ہے، قرآن وسنت کی رفعت وبلندی کے سلسلہ میں وہ کبھی کسی مدارات ومجاملت کو گوارا نہیں کرتے تھے، ان کے تعلقات بہت سے غیر سلفی علماء اور مفکرین ودعاۃ سے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے بزرگوں کی زندگیوں سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے، لیکن ان حضرات کی مجلسوں میں بھی موقع پا کر ضرور قرآن وسنت اور فکر سلفیت کی بات کرتے اور چونکہ نہایت ہی ذہین آدمی تھے، اس لئے اپنی بات کو مختلف انداز میں پیش کرنے کی پوری استعداد وصلاحیت رکھتے تھے اور کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے اور نہ اپنی بات کہنے میں ہچکچاتے تھے۔

ممبئی میں جب بوہروں کے سردار کے مقبرہ کا افتتاح ہونا تھا تو بوہروں کی دعوت پر ہندوستان کے کئی جید علمائے کرام ممبئی تشریف لائے، انہی میں مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ بھی تھے، مولانا رحمہ اللہ کو جب ان حضرات کی آمد کی اطلاع ہوئی تو ایک ایک کو

ٹیلیفون کر کے اس عمل کی خطرناکی پر متنبہ کیا، چنانچہ مولانا علی میاں رحمہ اللہ فوراً واپس چلے گئے اور بعض دوسرے حضرات بھی واپس چلے گئے اور بعض نے ہٹ دھرمی کی جن کے دلوں کو ایمان کی گرمی نے نہیں چھوا تھا۔

اس موقع سے مولانا رحمہ اللہ نے انقلاب اخبار کا پہلا صفحہ خریدا اور جلی سرخی میں اعلان کیا کہ مقبروں کا افتتاح شرک اکبر ہے اور اسلام کی روح کے منافی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا رحمہ اللہ جامعہ امام ابن تیمیہ کے بانیوں میں سے ہیں، انہوں نے ابتدا سے ہی ہماری ہمت افزائی کی اور ہر گام پر ہماری مدد کی، اور جہاں تک ہوسکا انہوں نے میرا اور احباب جامعہ کا بھر پور تزکیہ کیا، اور جب تک وہ بہ آسانی سفر کرتے رہے کئی بار جامعہ آئے، مجھے اپنے تجربات وافکار سے مستفید فرماتے رہے اور جامعہ کے گوشہ گوشہ میں گھوم گھوم کر خوش ہوتے اور دعائیں کرتے۔

انہوں نے اپنے ایک سفر کے بعد "البلاغ" میں مضمون لکھا جس میں اپنے تأثرات کا اظہار یوں فرمایا کہ "جامعہ امام ابن تیمیہ میں علم وآگہی کی کھیتی ہورہی ہے"۔

اور جب کمزور ہوگئے، گھٹنوں کی تکلیف بڑھ گئی تو بار بار پیری میں جوان بننے کی کوشش کرتے اور کہتے کہ "اچھا اگر اب کی بار تم نے کوئی کانفرنس کی اور مجھے نہیں بلایا تو میں ناراض ہوجاؤں گا" اور میں ہنس کر ٹال دیتا کیوں کہ میں جانتا تھا کہ اب وہ سفر نہیں کر سکتے ہیں۔

مولانا نے سعودی عرب میں تعلیم تو حاصل نہیں کی تھی لیکن شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ کے علوم وفیوض سے خوب خوب استفادہ کیا تھا، سعودی عرب کے افاضل علماء سے آپ کے بڑے گہرے تعلقات تھے، سبھوں سے ملنا اور ان کے علوم وافکار سے استفادہ کرنا آپ کی عادت کریمہ تھی، علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے تو آپ کا بہت ہی گہرا اور خاص تعلق تھا، جیسے ایک مطیع وفرمانبردار شاگرد کا اپنے مشفق استاد سے ہوتا ہے، حضرت الشیخ رحمہ اللہ بھی ہمیشہ آپ کے احوال دریافت کرتے رہتے تھے۔ رحمهما الله رحمة الاخيار.

آپ نے وفات سے تقریباً پندرہ دن قبل مجھ سے ٹیلیفون پر طویل گفتگو کی، اپنے سارے کوائف بتائے اور میرے اہل وعیال اور جامعہ ومرکز کے احوال دریافت کئے اور مجھ سے وعدہ لیا کہ ہم دونوں میاں بیوی پہلی فرصت میں ممبئی پہنچ کر ان کے مہمان بنیں، ہم دونوں تو تیار تھے لیکن مولانا خود ہی ہم سے منہ موڑ کر اپنے خالق سے جاملے، اب تو دعا ہے کہ ارحم الراحمین ہم سب کے حال پر رحم کرے، ہمارے گناہوں کو معاف کردے، نیکیوں کو قبول فرمالے اور قیامت کے دن ہماری اس للہی اخوت کے بدلے ہم سب کو جنت الفردوس میں اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کے جوار میں جگہ دیدے، رب العالمین! تیرے حبیب نبی کریم ﷺ کی زبانی تیرا وعدہ ہے کہ تو ان دو آدمیوں کو بھی اپنے عرش کے سایہ میں قیامت کے دن جگہ دے گا جنہوں نے دنیا میں ایک دوسرے سے تیری خاطر محبت کی ہوگی، اے اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ ہم دونوں کی محبت تیری خاطر تھی تو ہم دونوں کو قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے میں جگہ دینا، ہمیں سرخرو بنا کر اپنے رسول حبیب کے جوار میں جگہ دینا اور ہماری اخوت ومحبت کو ابدی اور لازوال بنا دینا۔

☆☆☆

شیخ مختار احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ

چند یادیں اور کارنامے

مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی — مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

’’ہر جان موت کا ذائقہ چکھنے والی ہے اور تم کو اپنے اعمال کا اجر قیامت کے دن پورا پورا ملے گا‘‘۔ (آل عمران: ۱۸۵)

اس عظیم حقیقت پہ ایمان رکھتے ہوئے ایک باشعور مسلم اور صاحب علم کے لیے دنیا کی زندگی میں آخرت کی تیاری کا احساس قائم رہنا ایک طبعی بات ہے، یہی لوگ ہیں جو آخرت کی فکر اور اس کے زادراہ کے لیے ہمہ دم فکر مند رہتے ہیں، وہ دنیا کی زندگی میں اپنی ذمہ داریوں کو پوری کرتے ہیں اور ہر لحہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب رہتے ہیں۔ ان مخلصین کی تعداد کو اگر ہم جمع کرنا چاہیں تو ایک ناممکن العمل بات ہوگی، اس لیے کہ جن علماء اور اہل اخلاص کی زندگی کے واقعات مدون ہیں اور کتابوں کے صفحات ان سے مزین ہیں، ان کے علاوہ ایک بہت بڑی تعداد ایسے بندگان خدا کی بھی ہے، جو مجہول و مستور رہ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے، لیکن مؤرخین نے میدان عمل میں سبقت لے جانے والے علماء و صلحاء کے حالات کو پوری امانت داری کے ساتھ قلمبند کرنے میں کبھی کسی بخل سے کام نہیں لیا۔

مولانا مختار احمد ندوی سلفی اسی نوع کے علماء میں تھے، ان کی زندگی عملی اور اسلامی زندگی تھی، وہ اپنے مثالی کردار اور اپنے علم و آگہی کی ممتاز صفت کے ساتھ جانے پہچانے جاتے تھے، وہ ابتدائے عمر ہی سے نہایت ذہین اور طباع تھے اور حصول علم کو انہوں نے اپنا مقصد بنالیا تھا، اپنے علم میں پختگی پیدا کرنے اور اس کو عملی حقیقت کا جامہ پہنانے کے لیے اپنے اندر ایک اضطرابی کیفیت محسوس کرتے تھے، اسی بنا پر انہوں نے دار العلوم ندوۃ العلماء سے عالمیت کرنے کے بعد بھی سلسلۂ تعلیم جاری رکھا، اور مختلف مراکز علمیہ اور شخصیات سے استفادہ کیا، اور جب اپنے اندر اس علم سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت محسوس کی تو انہوں نے اپنے آبائی وطن سے نکل کر کلکتہ کی ایک مشہور جامع مسجد میں امامت و خطابت کا فریضہ تقریباً دس سال تک انجام دیا، اس دوران کچھ تجارتی عمل کی طرف رجحان ہوا، لیکن اس میں ان کو کامیابی نہ مل سکی، پھر ممبئی میں مؤمن پورہ کی جامع مسجد میں اسی منصب پر فائز ہوئے اور ممبئی میں ان کا قیام بہت زیادہ مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ یہاں رہ کر انہوں نے عرب کے علماء و فضلاء سے تعارف حاصل کیا اور ان کی دعوت پر انہیں بار بار بلاد عربیہ کے سفر کا موقع ملا۔ خاص طور سے سعودی عرب میں وہاں کے بڑے علماء اور حرمین شریفین کے ائمہ اور خطباء سے ان کے گہرے تعلقات ہوئے۔ علامہ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ ان کی علمی اور دعوتی زندگی سے متاثر ہو کر ان کا بہت زیادہ لحاظ کرتے تھے، بلکہ انتہائی اعتماد اور محبت کا معاملہ فرماتے تھے۔ اسی

طرح کویت اور امارات کے علماء سے ان کے گہرے تعلقات تھے، کویت میں علماء کے خاندان عبداللطیف وصالح الشائع سے برادرانہ تعلقات تھے، یہ خاندان علم وتجارت دونوں کی نمائندگی کرتا ہے اور خیر کے کاموں میں اس کے بھرپور حصہ لینے کی روایت ہے، اسی کے ساتھ جناب شیخ طارق العیسیٰ سے ان کا بہت ہی مخلصانہ اور محبانہ تعلق تھا، امارات میں آل محمود کے خاندان سے انتہائی مخلصانہ تعلق تھا، اور علامہ عبداللہ بن علی المحمود سے بہت قریبی تعلقات تھے، اور دبئی کے بڑے شرفاء اور تاجروں سے تعلق رکھتے تھے، خاص طور سے معالی الشیخ سیف الغریر اور شیخ الفطیم اور دیگر اہم شخصیتوں سے مخلصانہ اور محبانہ تعلقات تھے، قطر میں علامہ عبداللہ بن زید آل محمود اور علامہ عبداللہ بن ابراہیم انصاری اور درویش خاندان سے گہرے روابط تھے۔

ہندوستان کے ہر گوشہ میں لوگ ان سے واقف ہونے کے ساتھ ان کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے، وہ جمعیت اہل حدیث کے نمائندے اور اس کے بڑے عالموں میں تھے۔ مئی ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۷ء تک جمعیت اہل حدیث کے امیر کے عہدہ پر فائز رہے اور اس دوران انہوں نے جمعیت کو اپنی سرگرمیوں اور شعور علمی کی بنا پر زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کی اور اس کو فعال ومتحرک بنایا، یہ ان کا زبردست علمی اور اجتماعی کارنامہ ہے، تاریخ کے صفحات ہمیشہ اس سے مزین رہیں گے۔

انہوں نے حدیث کی کتابوں اور فن حدیث سے تعلق رکھنے والے مخطوطات کو تحقیق وتشریح کے ساتھ اچھی شکل وصورت میں شائع کرنے کے لیے ''الدار السلفیہ'' کے نام سے ایک دارالاشاعت قائم کیا، جہاں سے بہت سی نادر ونایاب کتابوں کی اشاعت میں ایک خاص کردار ادا کیا، اسی کے ساتھ ''دار المعارف'' کے نام سے بھی دینی اور علمی کتابوں کی اشاعت کا کام جاری رکھا، انہوں نے جن کتابوں کی تالیف وترجمہ میں اپنا بیش قیمت وقت صرف کیا ان میں علامہ عبدالعزیز بن باز کی کتاب حج اور عمرہ کے مسائل پر تصنیف کی گئی ہے، اس کتاب کا ترجمہ مولانا ندوی کے قلم سے ''حج، عمرہ اور زیارت'' کے نام سے شائع ہوا اور مملکت سعودیہ سے وہاں کے دار الافتاء اور وزارۃ الشئون الاسلامیہ نے بڑی تعداد میں شائع کر کے تقسیم کیا۔ ''دار المعارف'' سے جو اہم کتابیں شائع ہوئیں ان میں حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ کی کتاب ''الکتاب المصنف'' ہے، اس مخطوطہ کو تحقیق کر کے پرکشش شکل وصورت میں ۱۵/ جلدوں میں شائع کیا، پھر بیہقی کی مشہور کتاب ''الجامع لشعب الایمان'' کو بیس جلدوں میں شائع کیا، مقدسی کی مشہور کتاب ''عمدۃ الاحکام'' کا اردو ترجمہ ''ضیاء الکلام'' کے نام سے شائع کیا اور عصر حاضر کے محقق فواد عبدالباقی کی بیش قیمت تصنیف ''اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان'' بھی شائع کر کے افادۂ عام کا ذریعہ بنے اور ''الدار السلفیہ'' ہی سے ایک اردو ماہنامہ ''البلاغ'' کے نام سے ۱۹۹۰ء میں نکالا جو آج تک نہایت پابندی کے ساتھ نکل رہا ہے اور اپنی ایک پہچان رکھتا ہے اور ملک کے تمام علمی اور صحافتی طبقوں میں پڑھا جاتا ہے۔

مولانا مختار احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو علم وتحقیق کا بہترین ذوق اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا اور صحافت سے ان کو خاص دلچسپی تھی، اس کا نمونہ ''البلاغ'' کے اندر موجود ہے۔ مولانا مرحوم کو تعلیم وتربیت اور اس کے لیے مدارس کے قیام سے والہانہ لگاؤ تھا،

انہوں نے جامعہ سلفیہ قائم کرنے میں زبردست حصہ لیا، منصورہ مالیگاؤں میں جامعہ محمدیہ وسیع پیمانہ پر قائم کیا اور لڑکیوں کے لیے ''کلیہ عائشۃ الصدیقۃ'' بھی قائم کیا، اس لیے کہ وہ مسلم نوجوانوں (لڑکوں لڑکیوں) کے علم وعمل کو کتاب وسنت کی روشنی میں رائج کرنے اور ان کی زندگیوں میں نافذ کرنے کے لیے ہمیشہ فکرمند رہتے تھے، اسی بناء پر اپنے وطن مئو میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ''کلیہ فاطمۃ الزہراء'' قائم کیا اور اس کے لیے اچھے اساتذہ اور معلمات کا انتخاب کیا۔

مولانا مرحوم کو ملت کی طبی خدمت کی فکر انسانیت کی بنیاد پر ہمہ وقت دامن گیر رہتی تھی، اور وہ بہتر سے بہتر طبی مراکز قائم کرنا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ تمنا بھی پوری کردی اور منصورہ مالیگاؤں میں ''محمدیہ طبیہ کالج'' کے نام سے طبی تعلیم کا ایک عظیم مرکز قائم کیا اور اس کیلئے ایک بڑا اسپتال بھی ''السائر ہاسپٹل'' کے نام سے قائم کیا، تاکہ جامعہ طبیہ میں پڑھنے والے طلباء وطالبات کے لیے عملی مشق وتربیت کا بڑا ذریعہ بن سکے۔ الحمد للہ کہ آج بھی وہ اپنا کام کررہا ہے۔ اپنے وطن مئو میں انہوں نے ''عالیہ اسپتال'' بڑے جذبہ سے قائم کیا جو ہر طرح کے آلات سے مزین تھا، اور اس موقع پر ایک بڑا جلسہ ہوا، جس میں مئو اور بیرون مئو کے علماء اور فضلاء اور عوام شریک ہوئے اور سب نے اس کو وقت کی ایک اہم ترین ضرورت قرار دیا۔

جہاں تک مسجدوں کی تعمیر وتجدید کا مسئلہ ہے تو مولانا مرحوم نے اس میدان میں زبردست کردار ادا کیا اور تقریباً پانچ سو (500) مسجدیں ملک کے مختلف حصوں میں تعمیر کرائیں اور ان کے لیے امام ومؤذن کا انتظام بھی کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام میں پنج وقتہ نمازوں کی طرف رغبت پہلے سے بہت زیادہ ہوئی اور خواص میں بھی تعمیر مساجد کا جذبہ پیدا ہوا، بالخصوص بابری مسجد کے واقعہ کے بعد اس تعمیر کا جذبہ پیدا ہونا ایک فطری عمل تھا، اللہ تعالیٰ اس بے نظیر کارنامہ کو قبولیت سے سرفراز فرمائے۔

مولانا مرحوم نے جب علمی اور حدیث کی کتابوں کی تحقیق شروع کی تو ان کو ایک بڑے مطبع قائم کرنے کی شدید ضرورت محسوس ہوئی، انہوں نے اپنے بڑے صاحبزادہ محمد اسلم کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ممبئی جیسے بڑے شہر میں ایک مثالی پریس قائم کریں، اس کے لیے ایک بہت قیمتی بلڈنگ بھی حاصل کی اور اس میں وسیع پیمانہ پر پریس قائم ہوا۔ ممبئی میں حاضری کے وقت ملاقات ہونے پر انہوں نے جہاں اپنے تمام مراکز اور کام کرنے کی جگہوں کو دکھایا وہیں اس پریس کی زیارت بھی کرائی جس کی وسعت اور طباعت دیکھ کر رشک آیا اور دل میں یہ خیال ہوا کہ علماء ومحققین کو اس پہلو کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے۔

مولانا کو ندوۃ العلماء سے ایک خاص اور گہرا تعلق تھا، وہ اکثر یہاں تشریف لاتے تھے اور حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خاص تعلق کی بنا پر ان کے مہمان ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مجلس انتظامیہ ندوۃ العلماء کا جلسہ ہونے والا تھا، مولانا مختار صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی موقع پر تشریف لائے اور حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بھی مجلس انتظامیہ کے جلسے میں شرکت کرنے کی درخواست کی، بلکہ خود اپنے ساتھ لے کر سلیمانیہ ہال میں تشریف لے گئے اور اپنے قریب کی مجلس میں انکو بٹھایا۔ انہوں نے اپنے صاحبزادگان کو ندوہ میں داخل کیا اور یہاں سے وہ فراغت کی سند لے کر گئے، اپنے

قریبی عزیزوں کو بھی ندوہ میں تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کیا، اورانہوں نے بھی یہاں رہ کر خاص فائدہ اٹھایا اور فضیلت کی سند حاصل کی، آپ ندوہ کے تمام ذمہ دار حضرات اوراس خاکسار سے بھی محبت وتعلق کا اظہار کرتے تھے اوراپنے جلسوں میں مدعو کرتے تھے۔ چنانچہ جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کی کانفرنس میں مجھ کو بھی مدعو کیا اور باوجود اس کے کہ میری طبیعت کچھ خراب تھی، لیکن حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تاکید فرمائی کہ تم ضروران کی کانفرنس میں شرکت کرو۔ الحمدللہ شرکت ہوئی اوروہاں کے نظام کے دیکھنے اوراپنے خیالات کے اظہار کا موقع ملا اور کانفرنس میں تشریف لائے علمائے کرام سے ملاقات ہوئی جن کے خیالات ندوہ کے بارے میں نہایت اچھے تھے۔ مولانا نے اپنے دینی اور علمی کاموں میں اتنی زیادہ محنت کی کہ ان کو دل کا عارضہ لاحق ہوگیا اور ماہرین کے مشورہ سے دل کا آپریشن کرنا طے ہوا، اس کے کچھ ہی دنوں بعد ممبئی کے ایک سفر کے موقع پر مولانا مرحوم کی عیادت کرنے ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوا، مولانا نے نہایت مخلصانہ استقبال کیا اوراپنی خوشی کا اظہار کیا اور کافی دیر تک آپریشن اورصحت کے حالات بیان کرتے رہے، عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ان کی قیام گاہ پر ہوئی لیکن انہوں نے حکماً مجھ کو نماز کی امامت کے لیے منتخب کیا اور باصرار پڑھانے کا حکم دیا۔ مجھے یاد ہے کہ اثناء سفر میں اکثر مولانا سے سعودی عرب میں ملاقات ہوئی اورایک دفعہ ۱۹۸۳ء میں ''توعیہ'' کے مہمانوں کے ساتھ ان سے ملاقات ہوئی اور کچھ دنوں تک ان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ میں نے ان کو تمام معاملات میں ایک پابند اور عقیدۂ توحید کا علمبردار پایا اوران کے شب وروز کو دیکھ کر ان کے ساتھ حسن ظن میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا۔

مولانا اپنی ذات میں فرد فرید ہونے کے ساتھ ایک انجمن تھے اورانجمن ساز تھے اوردعوت الی اللہ کے میدان میں بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ شرک وبدعت سے متنفر اور توحید وشریعت سے وابستہ، آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے نائب صدر بھی تھے اور دل کی گہرائیوں سے امت کو ایک رشتہ میں پرودینے کی انتہائی تمنا رکھتے تھے، وہ مسلکی بنیاد پر ملت کے اجتماعی اور بنیادی کاموں میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہونے دیتے تھے۔

ان کے اخلاق بلند تھے، اورتواضع ان کا شعار تھا، وہ مزاح میں بھی گفتگو کرنے کے مخالف نہیں تھے، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے مزاح بھی فرمایا ہے، سنت کے پابند اور فرائض پر کاربند رہنا ان کا شیوہ تھا۔ ۹ ستمبر ۲۰۰۷ء بمطابق ۲۸ شعبان ۱۴۲۸ھ بروز شنبہ مختصر علالت کے بعد ممبئی میں اپنی قیام گاہ پر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی اور پورے ملک میں اورملک سے باہران کی وفات پر لوگوں نے افسوس کیا اوران کو خراج تحسین پیش کیا، یقیناً وہ ایک بلند قامت انسان تھے اورانہوں نے اپنی زندگی کے بیش قیمت آثار چھوڑ کر آخرت کی راہ لی اوران کی عمر ۷۷ یا ۷۸ برس کی تھی۔ اب مولانائے مرحوم کے صاحبزادگان میں ان کے چھوٹے صاحبزادے مولوی ارشد صاحب ان کے جانشین ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنے عفو وکرم کا بہتر سے بہتر معاملہ فرمائیں، ان کی لغزشوں اورکوتاہیوں کو معاف فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ جگہ عطا فرمائیں۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

☆☆☆

ایک مکمل عالم، ایک مخلص دوست، ایک مشفق بزرگ

حسن کمال

مولانا سے میری ملاقات کب ہوئی تھی یہ تو یاد نہیں، کہاں ہوئی تھی، یہ اب تک یاد ہے۔ میری ان سے پہلی ملاقات کارٹر روڈ پر بنے ہوئے اس اونچے سے پکے راستے پر ہوئی تھی، جو سمندر کے کنارے کنارے کافی دور تک جاتا تھا، جسے صبح کی سیر کرنے والوں کے لئے خاص طور پر بنایا گیا تھا اور جسے پیمو ناڈ کہا جاتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ مجھے یہ یاد نہیں کہ ان سے میرا تعارف کس نے کروایا تھا، لیکن پہلی بار جو گفتگو ہوئی تھی، وہ اچھی طرح یاد ہے۔ ابتدائی رسمی جملوں کے بعد انہوں نے فرمایا تھا۔ "اللہ کو مانتے ہیں آپ؟" میں سمجھ گیا کہ بلٹز کی ادارت اور میری نیم سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے شاید میری رسوائی مجھ سے پہلے ان تک پہونچ چکی تھی۔ میں نے مسکرا کر کہا "بالکل مانتا ہوں اور یہ بھی سن لیں کہ رسول کا دیوانہ ہوں"۔ مسکرائے۔ تھوڑے توقف کے بعد پوچھا، نماز پڑھتے ہیں؟ میں نے بلا تکلف جواب دیا "نہیں"۔ پوچھا کیوں؟ میں نے غالب کا شعر پڑھ دیا۔ "جانتا ہوں ثواب طاعت وزہد۔ پر طبیعت ادھر نہیں آتی"۔ آہستہ سے پوچھا "کسی مسلک سے وابستہ ہیں؟"۔ عرض کیا "نہیں مولانا، میں مسلکوں کے پیدا ہونے سے پہلے والا مسلمان ہوں"۔ انہوں نے پھر کچھ نہیں کہا، بس مسکراہٹ زیادہ وسیع ہوگئی۔ میں سمجھا کہ میرا جواب مولانا کو گراں لگا۔ اگلے دن پھر ملاقات ہوئی تو محسوس ہوا کہ انہوں نے میرے جواب کا بالکل برا نہیں مانا تھا اور اگر برا مانا تھا تو اس کا ہلکا سا اظہار بھی نہیں کیا۔ لیکن یہ ضرور ہوا کہ پھر ملاقاتیں روز ہونے لگیں۔ ملاقات کا وقت وہی صبح جب وہ باندرہ پیری کراس روڈ کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھ کر اور قرآن کریم کی تفسیر بیان کرکے آتے تھے اور ملاقات کی جگہ وہی پیمو ناڈ تھی۔ روز کی ان ملاقاتوں میں ہر موضوع پر گفتگو ہوتی تھی، جن کا موضوع سیاست بھی ہوتا تھا اور ادب بھی۔ وہ اکثر شعر سناتے تھے اور مجھ سے شعر سنتے بھی تھے۔ میں ان سے اکثر ان عربی اشعار کے معنے پوچھتا تھا، جو مجھے یاد تو تھے، لیکن جن کے مطلب مجھے پوری طرح نہیں معلوم تھے۔ مجھے یہ بھی محسوس ہوتا تھا کہ وہ سیاسی امور پر میرے دلائل اور تبصروں کو بغور سنتے تھے اور لگتا تھا کہ وہ انہیں وزن بھی دیتے تھے۔ انہیں اسلامی تاریخ کے بارے میں میری تھوڑی بہت معلومات کا بھی اندازہ تھا۔ اس لئے کبھی کبھی باتوں باتوں میں وہ مجھ سے قرآن کریم کی آیت یا کسی حدیث کا ذکر بھی کرتے تھے اور ان کے بارے میں میری رائے بھی پوچھتے تھے، جس کا اظہار میں حسب استطاعت کر بھی دیا کرتا تھا۔ لیکن مجھے اکثر حیرت ہوتی ہے کہ اس پہلی گفتگو کے بعد انہوں نے مجھ سے میرے عقائد کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا اور نہ نماز پڑھنے کی تاکید کی۔ میں سمجھا کہ مولانا شاید میرے مرض کو لاعلاج سمجھتے تھے۔ لیکن مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ان کی حکمت عملی تھی۔

وہ بڑے شعوری انداز میں، لیکن بڑی خاموشی اور آہستگی سے میری نفسیات پر نظر انداز ہو رہے تھے۔ وہ مجھے اپنے طور پر دین کی طرف راغب کر رہے تھے۔ جب بے تکلفی اس حد تک بڑھ گئی کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے لطیفوں کی حصہ داری بھی کرنے لگے تو ایک دن بہت سرسری انداز میں فرمایا "زیادہ نہیں، بس دن میں کسی ایک وقت کی نماز پڑھ لیا کیجئے، کچھ نقصان نہیں ہوگا، بلکہ ممکن ہے کہ اچھا ہی لگے"۔ مجھے تبلیغ کا یہ انداز کچھ ایسا بھایا کہ میں نے کہا "مولانا تو پھر انشاء اللہ آج ہی ظہر پڑھوں گا"۔ مولانا نے پھر بہت سرسری انداز میں کہا کہ "تو پھر ظہر میں ملاقات ہوگی" وہ اتوار کا دن تھا، ان کی بھی چھٹی تھی اور میری بھی۔ ظہر میں ملاقات ہوئی، مولانا نے نماز کے بعد مجھے گلے سے لگایا اور مجھے اندازہ ہوگیا کہ انہوں نے مجھے ہمیشہ کے لئے دائرۂ اسلام میں داخل کرلیا ہے۔ اس دن کے بعد کسی ملعون کی جرأت نہیں کہ مجھے اس دائرہ سے خارج کرسکے۔ میں ہمیشہ کے لئے مولانا کا ممنون احسان ہوگیا۔ دین اسلام کے بارے میں ان کا علم مجھ جیسے کو تو بحرِ ذخار لگتا تھا۔ لیکن جن لوگوں نے ان کے خطبات سنے ہیں، وہ بھی ان کی علمیت کے قائل تھے۔ اس لئے جب پیری کراس روڈ باندرہ کی مسجد میں کچھ لوگوں نے ان کے مسجد میں خطبہ دینے کی مخالفت کی اور انہوں نے رضا کارانہ طور پر درس کا سلسلہ بند بھی کردیا تو کئی لوگوں کو بہت دکھ ہوا۔ مجھ تک خبر آئی تو میں نے مولانا کے سامنے اس بار اقبال کا شعر پڑھا "حقیقت روایات میں کھو گئی۔ یہ امت خرافات میں کھو گئی۔ ان کا قہقہہ بہت بلند تھا۔

جب انہوں نے "البلاغ" نکالنے کا فیصلہ کیا تو بائیکلہ میں واقع اپنے پریس میں کچھ لوگوں کو مدعو کیا اور انہیں اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ ایک نوجوان صحافی نے، جو اللہ کو پیارے ہوچکے ہیں، کہا کہ مولانا رسالہ نکالنا آسان کام نہیں اور آپ جیسے سیدھے سادے لوگوں کے بس کا روگ بھی نہیں۔ مجھ سے پوچھا کہ کیا خیال ہے، میں نے کہا فرصت سے جواب دوں گا۔ دوسرے دن میں نے کہا کہ آپ کے پاس اپنا پریس ہے، وسائل ہیں، آپ آسانی سے رسالہ نکال سکتے ہیں، بس مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے ذہن میں رسالہ کی شکل کیا ہے۔ فرمایا تم بتاؤ کیسا ہونا چاہئے۔ میں نے کہا کہ خشک سا دینی رسالہ مقصود ہے تو بہتر ہے کہ نہ نکالیں۔ لیکن اسی کے ساتھ میں نے یہ بھی کہا کہ میرا مطلب یہ بھی نہیں کہ آپ مولانا مستحسن فاروقی مرحوم کے "آستانہ" جیسا "تر" رسالہ نکالیں۔ حیرت سے پوچھا "کیا مطلب؟"۔ میں نے عرض کیا آستانہ ایک دینی رسالہ تھا۔ بہت چلتا تھا اور بہت بکتا تھا۔ لیکن اس کی مقبولیت کا ایک سبب اس کا ایک کالم "باب استفسار" تھا، جو کئی صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ اللہ بخشے اس میں سوالوں کے جواب دیا کرتے تھے۔ ۹۰ فیصدی سوالات جنسی معاملات کے ہوا کرتے تھے، جن کے حرف حرف سے جنسی تلذذ ٹپکا پڑتا تھا۔ مولانا فاروقی مرحوم کا اعجاز یہ تھا کہ ان کے جوابات پوری طرح حد شریعت کے اندر بلکہ شریعت کے عین مطابق ہوتے تھے، لیکن جواب کے بھی حرف حرف سے جنسی تلذذ ٹپکتا تھا۔ یہی کالم نوجوانوں میں بہت مزے لے لے کر پڑھا جاتا تھا۔ چونکہ رسالہ کی نوعیت دینی تھی، اس لئے کوئی بزرگ یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ رسالہ مت پڑھو۔ مولانا فاروقی مرحوم نے پابند شرع ہو کر بھی لاکھوں میں کمائی تھے۔ مولانا نے یہ بات سنی تو ہنستے ہنستے دوہرے ہوگئے۔ پھر پوچھا "تو پھر تم ہی بتاؤ کہ رسالہ کیسا ہونا چاہئے؟"۔ میں نے کہا رسالہ ایسا ہونا چاہئے، جس میں دین کی وہ معلومات ہوں جو کہیں اور نہیں ملتیں۔ اس کے علاوہ رسالہ خالص دینی نہ ہو، اس میں دنیاوی،

خواتین کے مسائل سے متعلق، سیاسی اور عالمی حالات پر مبنی مضامین ہوں۔ فرمایا "تم لکھو گے اس میں"۔ میں نے کہا "ضرور لکھوں گا، لیکن مولانا میرے مضمون کے داڑھی نہیں ہوگی اور شاید سر پر ٹوپی بھی نہ ہو، وہ میرے ہی طرح صفاچٹ ہوگا"۔ مولانا کا قہقہہ بہت بلند تھا۔ چنانچہ رسالہ نکلا، میرا مضمون شامل تھا اور شاید رسالہ کے پہلے شمارے سے آج تک کوئی ایسا شمارہ نہ ہو، جس میں میرا مضمون شامل نہ ہو۔ میں نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا۔ کبھی کبھی نام نہاد علماء کا پردہ بھی فاش کیا۔ مسلم او بی سی اور مسلم دلتوں کے بارے میں لکھا۔ برسراقتدار حکومتوں کے خلاف بھی لکھا، لیکن مولانا نے کبھی کسی مضمون کے ایک حرف پر بھی اپنا حق ادارت اور حق ملکیت کا استعمال نہیں کیا۔ الٹے اکثر اداریوں میں میرے مضامین کا ذکر خیر بھی خاص طور پر کیا۔ اکثر احباب کی محفل میں بانگ دہل کہتے تھے کہ "کوئی اگر مجھ سے پوچھے کہ اچھا مسلمان کیسا ہوتا ہے، تو میں کہوں گا کہ حسن کمال جیسا"۔ یہ ان کی اعلیٰ ظرفی اور محبت تھی، لیکن میں اس کو اپنے لئے سب سے قیمتی سند خیال کرتا ہوں۔ ہر بڑے آدمی کی طرح مولانا کے بھی کئی مخالفین تھے۔ کسی کی مخالفت بر بنائے عقائد تھی اور کسی کی بر بنائے تجارت، لیکن مجھے آج تک ان کا کوئی ایسا مخالف نہیں ملا جو ان کی علمیت، انسانیت اور عالمانہ فضیلت کا معترف نہ ہو۔ بقول میر:

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

مولانا مختار ندوی کا مہذب قہقہہ آج تک میری یادداشت میں، ان کا مخلص سراپا آج تک میری آنکھوں میں محفوظ ہے۔

☆☆☆

البلاغ کی دعوت

البلاغ ایک مقصدی رسالہ ہے، جس کے پیش نظر اپنی دعوت کو عام کرنا ہے، البلاغ کی دعوت کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ باور کرایا جائے کہ وہ ایک "امت" ہیں جن کی ایمانی زندگی کا رشتہ براہ راست اللہ اور اس کے رسول سے قائم ہے، سارے مسلمان صرف اللہ کے بندے اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں، اللہ کا ارشاد ہے: ﴿کنتم خیر امة﴾ تم بہترین امت ہو۔

مسلمان اپنی زندگی کے تمام گوشوں میں صرف احکامات الٰہی کے پابند ہیں اور احکامات الٰہی پر عمل کرنے کیلئے صرف حضرت محمد ﷺ کے اسوۂ حسنہ یعنی آپ کے طریقۂ عمل کی اتباع کرتے ہیں، یعنی مختصر لفظوں میں مسلمانوں کا دستور العمل یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاموں میں اس اصول پر عمل کریں کہ وہ "حکم اللہ کا ہو اور طریقہ رسول اللہ کا"۔

اسلامی دستور العمل کو آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ان جامع الفاظ میں پیش کیا تھا۔

"تركت فيكم امرين لن تضلوا ماتمسكتم بهما، كتاب الله وسنتي" (موطا امام مالك) میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑ دی ہیں تم جب تک ان دونوں چیزوں پر سختی سے عمل کرتے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے، اللہ کی کتاب قرآن مجید اور میری سنت احادیث صحیحہ۔

(مولانا مختار احمد ندویؒ، بحوالہ: البلاغ: جولائی: ۱۹۹۱)

وہ سایہ دار پیڑ بھی آخر کو گر گیا

مولانا حفیظ الرحمن اعظمی عمری- استاذ جامعہ دارالسلام، عمرآباد

جون ۱۹۶۱ء کا مہینہ تھا، ایک مدت بعد میں مئو گیا تھا، ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اللہ نظر بد سے بچائے بڑا ابھرا خاندان ہے ہمارا، ملنے ملانے میں سارا وقت نکل جاتا تھا۔ ادھر ادھر کی خوب باتیں ہوئیں، پرانے قصے نیا رنگ و روپ دھار کر سامنے آرہے تھے، آپ بیتی جگ بیتی سب سنتے سناتے رہے لیکن ایک بات جس کا بہت چرچا تھا اور تقریباً ہر گھر میں سننے میں آئی وہ یہ کہ مولانا مختار احمد صاحب ندوی مئو تشریف لا رہے ہیں، جمعہ کا خطبہ "اورنگ آباد اہل حدیث مسجد" میں طے ہے۔ مولانا کا خطبہ سننے سے زیادہ مولانا کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگیں، آپ سے ہماری رشتہ داری ہے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ عزیزہ اسماء خاتون میرے سگے عم زاد بھائی عبدالماجد (مرحوم) کی صاحبزادی ہیں، لیکن شمال و جنوب کے فاصلوں نے رشتوں کی ڈور اتنی کمزور کردی کہ قریبی عزیزوں سے بھی اتفاقیہ آمنا سامنا ہوا تو اجنبی ہی لگتے تھے۔ اس سلسلے کے واقعات کئی ایک ہیں مگر بیان کا یہ موقع نہیں۔ بہر حال جمعہ کا انتظار کیا اور اگلی صف میں بیٹھ کر آپ کا خطبہ توجہ اور انہماک سے سنا، زور خطابت کے ساتھ آیات وحدیث نوک زبان پر تھیں، جوان سامعین کو متحرک اور متاثر کرنے کا جوش تھا، حوصلہ تھا، ولولہ تھا اور ملت کا درد تھا، فرزندان امت کی پسماندگی اور زبوں حالی سے کبیدہ خاطر تھے، عروج و اقبال اور عزت و سربلندی کے لئے مشوروں اور تجاویز کے ساتھ اعتصام بالکتاب والسنۃ کی پرزور دعوت تھی، خطیب کی تڑپ سے لگتا تھا کہ یہ صرف زبانی دعوت نہیں، ٹھوس عملی کردار پیدا کرنے کے لئے آپ کے پاس کوئی نسخۂ کیمیا اور مستقبل کی منصوبہ بندی بھی ہے۔ نماز بعد اور احباب کے ساتھ میں نے بھی مصافحہ کیا، بتانے والوں نے کہا کہ یہ مولانا نعمان مرحوم کے فرزند ہیں تو مولانا نے شاید ایک بار اور مصافحہ کیا، آپ سے یہ میری پہلی ملاقات تھی، پھر میں طلب علم اور تلاش معاش میں ملک سے دور دور تک چلا گیا۔ ۱۹۷۳ء میں سفر حج کے لئے بمبئی جانا ہوا، ذمہ داران جامعہ دارالسلام عمرآباد کے ساتھ مومن پورہ کی مسجد میں جمعہ کا خطبہ سنا اور مولانا کے ساتھ نشست بھی ہوئی۔

اپریل ۱۹۷۷ء میں اپنے ہیڈ آفس ریاض پہنچا تو مولانا کو تنہا بیٹھے دیکھا۔ پہلی نظر میں ہم نے ایک دوسرے کو پہچان لیا، گلے ملے، تجدید ملاقات ہوئی، مجھے اندازہ ہوا کہ یہاں کے لوگ آپ سے مکمل متعارف نہیں ہیں۔ میرے عزیز دوست برادرم ڈاکٹر محمد لقمان سلفی حفظہ اللہ دارالافتاء میں بڑی نمایاں حیثیت رکھتے تھے، وہاں کی سربرآوردہ شخصیت سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز، فضیلۃ الشیخ ابراہیم بن صالح آل شیخ، فضیلۃ الشیخ محمد ابراہیم بن قعود،

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع اور دیگر اکابر سے ملاقاتیں کرائیں، آپ سے مل کر اور آپ کی باتیں سن کر سب آپ کے مقام و مرتبہ اور مستقبل کے آپ کے منصوبوں سے متاثر ہونے لگے۔ یہاں مجھے ایک دانشور یا عازم وقت کی ایک بات یاد آرہی ہے جو اس نے کہی تھی: ''تم مجھے زمین پر صرف ایک قدم رکھنے کی جگہ دے دو، پھر اس کے بعد میں آسمان میں سوراخ بنالوں گا''۔ بالکل یہی کارنامہ مولانا نے کردکھایا۔ ۷۷ء اور ۸۰ء میں فاصلہ ہی کتنا ہے۔ عرب کے تمام حلقوں میں کیا علماء، ائمہ، قائدین اور اساتذہ سب آپ سے متعارف ہی نہیں آپ کے مداح اور قدردان بن گئے۔ سب کی نگاہ میں آپ معتبر اور محترم بن گئے۔ ۸۰ء میں امام حرم مکی سماحۃ الشیخ عبداللہ بن السبیل (رحمہ اللہ) بنارس تشریف لے جانے کے لئے ممبئی پہنچے، ہوٹل تاج میں آپ کا قیام تھا، بڑے بڑے لوگ امام حرم کو کچھ دیر اپنے ساتھ رکھنے، لے جانے کی درخواست لے کر آئے، امام محترم کا سب کو ایک ہی جواب تھا کہ شیخ مختار کی تشریف آوری کے بعد ہی وہ کچھ کہہ سکیں گے۔ درخواست گزاروں میں ایک نے کہا کہ پتہ نہیں وہ کب تک آئیں گے، آپ کا وقت ضائع ہو رہا ہے؟ آپ نے کہا: کوئی بات نہیں، میں بہرحال ان کا انتظار کرتا رہوں گا۔ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے، امام حرم کے دل میں آپ کا یہ مقام بن گیا تو پھر دیگر مشائخ کی بات ہی کیا۔ اس اعتماد کے بل بوتے پر توکل، انابت الی اللہ اور اپنی بے پناہ صلاحیت کے ساتھ میدان عمل میں آئے تو کامیابی ہر گام پر قدم چومنے کے لئے پہلے سے وہاں موجود تھی۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا کی زندگی کا ایک حصہ کلکتہ میں اور بقیہ زندگی ممبئی میں گزری۔ کلکتہ میں آپ نے اپنی تقریر و تحریر کا جادو جگایا اور دعوت و اصلاح کی وہ شمع روشن کی جو آپ کے بعد وہاں آنے والوں کے لئے مشعل راہ بن گئی۔ ممبئی تشریف لائے تو کام کا بڑا اچھا میدان مل گیا اور آپ نے طے کرلیا کہ بدنام ممبئی کو ایک صالح انقلاب کی بدولت نیک نام بنانا ضروری ہے۔ اہل حدیث علماء عموماً اہل حدیث مساجد اور مدارس تک اپنی خدمات رشد و ہدایت کو محدود رکھتے ہیں مگر آپ نے اپنی اصلاح و دعوت کے کام کو بڑی وسعت دی، ہر طبقہ خیال اور مکتب فکر تک پہنچ کر حق کی آواز سے آگاہ اور روشناس کیا۔ دین سے دور بلکہ دین بیزار لوگوں تک بھی آپ کی رسائی ہوئی، پھر شناسائی ہوئی اور ان لوگوں نے بھی آپ کو غور و شوق سے سنا اور آپ کو عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا۔ اپنی مجلسوں میں ہی نہیں دلوں میں جگہ دی، آپ کی خدمات جلیلہ کی تاریخ میں یہ کارنامہ سرفہرست ہوگا اور سنہرے الفاظ میں لکھا جائے گا۔ مصلحین کی سیر و سوانح میں بہت کم نام ایسے آتے ہیں جنہوں نے اصلاح کے کام کے لئے ایسی مشکل اور دشوار گزار وادی کا انتخاب کیا ہو۔ ماضی قریب میں ہمارے ملک میں مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور مصر میں شیخ حسن البناء شہید رحمہ اللہ کے نام اس سلسلے میں مشہور ہیں کہ ان اللہ والوں نے اپنے حلقے سے باہر بدنام، بداخلاق، بدکردار اور مذہب بیزار لوگوں کو بھی اپنا مخاطب بنایا۔ دعوت حقہ اور اپنی بے لوثی سے اس قدر متاثر کیا کہ وہ صبح کے بھولے شام سے پہلے اپنے گھر لوٹ آئے۔ یہی حقیقی دعوت ہے اور دعوت کا صحیح میدان بھی ہے اور یہی لوگ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ میرے ایک بزرگ کرم فرما مولانا عنایت اللہ عمری (مرحوم)

فرمایا کرتے تھے: "جہاں کوڑا کرکٹ ہے وہیں جھاڑو پھیرنا چاہئے، صاف ستھری جگہ یہ کام جھاڑو اور جگہ دونوں کو ہی خراب کرتا ہے"۔

اللہ بال بال مغفرت فرمائے بڑی حقیقت پسندانہ بات کہہ گئے، مگر ہم میں کتنے ہیں جو اپنے آپ کو اس کام کے لئے آمادہ پاتے ہیں۔ ہماری تو ہر مخالف سے عداوت ہے، نفرت ہے، دوری ہے، فاصلے ہیں، ہم کیسے وہاں تک پہنچ کر حق کی آواز ان کے کانوں میں ڈال سکیں گے: ﴿ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ○ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾ (حم السجدہ: ۳۴، ۳۵) "اگر کوئی برائی کرے تو برائی کا جواب ایسے طریقے سے دو جو اچھا طریقہ ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم دیکھو گے کہ وہ شخص جس سے تمہاری عداوت تھی وہ یکا یک تمہارا دلی دوست ہوگیا۔ البتہ یہ مقام ایسا ہے جو اسی کو مل سکتا ہے جسے (بدسلوکی کی) برداشت ہو اور (نیکی وسعادت کا) حصہ وافر ملا ہو"۔

ہمارے مولانا صاحب کے اندر یہ قابل تعریف وصف بہت قابل توصیف اور لائق تحسین تھا، پورا ملک اس کے مثبت اثرات اور روشن نقوش دیکھ رہا ہے۔ یہاں میں ایک بات کی وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ عام طور پر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ مخالف حلقوں میں کام کرنے کے لئے آدمی کو "کچھ لو اور دو" کی پالیسی پر عمل کرنا ضروری ہے، اپنی سطح سے کچھ نیچے آنا پڑتا ہے، اپنے مسلک میں کچھ لچک اور موقف میں کچھ لوچ لانا پڑتا ہے، دوسروں کی تصویب کرنی پڑتی ہے اور ان کی باتوں میں "ہاں میں ہاں" ملانا پڑتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب نظریاتی اور خواب وخیال کی دنیا میں رہنے والوں کا دائرۂ فکر اور پیمانے ہیں۔ دنیا نے مولانا کو دیکھا وہ روز اول سے جسے حق اور سچ مانتے اور جانتے آرہے ہیں کسی بھی نازک سے نازک حالت میں اس سے ایک انچ ہٹنے یا اترنے کے لئے کبھی تیار اور آمادہ نہیں ہوئے۔ مسلم پرسنل لاء، فقہ کانفرنس اور دیگر اجلاس میں ملک کے چوٹی کے علماء سے آپ نے برابر اختلاف کیا اور اپنے موقف پر ڈٹے اور جمے رہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر بھی رہے۔ ملک کی ہر تعمیری، تنظیمی، تعلیمی اور اصلاحی تحریک میں آپ کی شخصیت نمایاں اور اثر انداز رہی۔ جمعیت اور جماعت اہل حدیث کے لئے تو آپ کا ایک ایک سانس وقف تھا، اس کی نیک نامی وسربلندی کے لئے آپ کی تگ ودو اور کاوشوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اہل حدیث کی کوئی بھی میٹنگ یا اجلاس ملک کے کسی بھی کونے میں ہو، آپ کی طبیعت کیسی بھی ہوتی، مصروفیت کچھ بھی ہوتی، ہوا کے دوش پر سر کے بل پہنچ جاتے۔ جنوب کے چھوٹے چھوٹے دشوار گزار دیہاتوں میں بھی سوز وگداز میں ڈوبے آپ کے مواعظ حسنہ اور پند ونصائح کی گونج فضا میں آج بھی بلند ہوگی۔ جس کام کو اپنے ہاتھوں میں لیتے اسے کبھی ادھورا اور نا تمام نہیں چھوڑتے۔ ادارہ اصلاح المساجد کی سرپرستی میں آپ نے کہاں کہاں اور کیسی کیسی شاندار مساجد تعمیر کرائیں، دور دراز کے دیہاتوں میں چھوٹی سی چھوٹی مسجد بھی ہوتی آپ اس کی نگرانی اور اشراف کے لئے بہ ہزار دقت ومشقت وہاں ضرور پہنچ جاتے۔ بقول ہمارے بزرگ مولانا رؤف احمد صاحب عمری حفظہ اللہ "مولانا تعمیر مساجد کی راہ میں ایسے ایسے تکلیف دہ اور ناہموار مقامات پر بھی بنفس نفیس تشریف لے جاتے کہ واپس ہوکر ایک ایک ہفتہ آپ کو آرام کی ضرورت درپیش ہوجاتی"۔

غرض مولانا کا کام اور میدان ایک نہیں تھا کہ اس کی روئیداد کا

احاطہ کیا جاسکے۔ مساجد کی تعمیر، عقائد کی تطہیر، جمعیتوں کی تشکیل، مدارس و معاہد کا جال، بنات حوا کی تعلیم کا خیال، حفظان صحت کے لئے ہسپتال اور طبیہ کالج کا قیام، ان سب کارناموں کے دوش بدوش علمی اور قلمی کارنامے ایسے معیاری اور اعلیٰ پیمانے پر انجام دیتے رہے کہ عقل حیران کہ یا اللہ مختار احمد ایک آدمی کا نام ہے یا پوری جماعت کا۔

ولیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

سینکڑوں نادر و نایاب علمی اور مفید کتابوں کی نشر و اشاعت اور ان کا ترجمہ کرا کے کبھی مفت اور کبھی برائے نام معاوضہ کے ساتھ گھر گھر پہنچا دینا کسی کرشمے یا طلسماتی دنیا کی بات معلوم ہوتی ہے۔ ماہنامہ البلاغ کی تقریباً ۱۸ رسال سے اشاعت بغیر کسی ناغے اور تاخیر کے، اس کے مؤثر اور دل نشین کالم جو قاری کے ذہن سے چپک کر رہ جائیں، ہر ماہ پابندی سے اتنی مصروف زندگی میں رہ کر لکھتے رہنا آپ کے لئے کیسے ممکن ہوتا تھا، یہ آپ کو اور آپ کے رب ہی کو معلوم ہے۔ سچ ہے اللہ اپنے جن نیک بندوں سے کام لینا چاہتا ہے ان کے وقت میں برکت عطا کر دیتا ہے۔

دس سال مرکزی جمعیت کے نائب امیر اور آٹھ سال با اختیار امیر رہے، ہر جگہ عرب و عجم میں جمعیت کے مقاصد، عزائم، ارادوں اور منصوبوں سے واقف اور متعارف کرایا۔ آپ امیر نہیں ہوتے تب بھی یہی کرتے۔ جمعیت سے محبت اور اس کی دن رات خدمت آپ کی زندگی کا اولین مقصد تھا۔ مسلمان لڑکیوں کی اعلیٰ دینی تعلیم کا آپ کو بہت خیال تھا، احباب سے بار بار تذکرہ فرماتے، لوگوں کو کچھ تردد تھا لیکن آپ نے اس راہ میں بھی بے باکانہ قدم اٹھایا۔

آپ کو بخوبی اندازہ تھا کہ عورت دین کی مکمل تعلیم سے جب تک بہرہ ور نہیں ہوگی اس کی آغوش میں پرورش پانے والے بچے دینی امور و مسائل میں غافل اور کچے ہی رہیں گے۔ منصورہ مالیگاؤں میں یہ تجربہ کامیاب رہا۔ پھر مئو اور بنگلور میں بھی طالبات کے مدرسے قائم ہوئے، عوام و خواص نے آگے بڑھ کر اس کی پذیرائی کی، پڑھنے والی بچیاں آگے بڑھ کر آئیں، بلاشبہ ان مدارس میں ہزار سے زائد بچیاں علم کے زیور سے آراستہ ہو رہی ہیں اور فراغت حاصل کر کے گھروں، محلوں اور شہروں میں خواتین کی اصلاح و تربیت میں بڑی اچھی اور عمدہ مثال قائم کر رہی ہیں۔

اخیر میں یہ عرض نہ کروں تو بڑی ناسپاسی ہوگی کہ مولانا مجھ گمنام پر بہت مہربان تھے۔ جامعہ محمدیہ مالیگاؤں میں دو بار اور جامعہ محمدیہ بنگلور میں کئی بار مدعو کیا اور تقریر کے مواقع فراہم کئے۔ ممبئی کے ''جھولا میدان'' کے اجلاس عام میں بھی بڑے مجمع میں خطاب کا اعزاز بخشا۔ ''عظمت حج'' کے عنوان پر ممبئی کے حج ہاؤس میں اعلیٰ پیمانے پر ایک عالیشان اجلاس منعقد کرایا، بلاد عربیہ کے نامور علماء کو جمع کیا، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے ڈائرکٹر عمر عبداللہ نصیف اور سعودی قونصل خانہ کے ذمہ داروں کے علاوہ ممبئی اور اس کے اطراف کی سربرآوردہ شخصیتوں کی بڑی تعداد زینت محفل تھی، اس میں ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود کی حیات وخدمات کے موضوع پر مجھے خطاب کا شرف بخشا۔ اجلاس کے بعد منتخب حاضرین کی ایک اچھی خاصی جماعت کو لے کر چارٹرڈ ہوائی جہاز سے ناسک اور ناسک سے آرام دہ بسوں کے ذریعے جامعہ محمدیہ منصورہ لے گئے۔ جنگل میں منگل دیکھ کر مہمان حیران ہوئے اور متاثر بھی۔ میرے عزیز بھائی شیخ شیر خان جمیل احمد عمری شیخ الجامعہ

تھے، تمام اداروں کی سیر کرائی اور وہاں ہونے والی ہر چھوٹی بڑی کارروائی کی جانکاری دی۔عرب شیوخ اپنے خوشگوار تاثرات کا اظہار بے اختیار کر بیٹھے۔مولانا کی خدمات کو بہت سراہا اور آپ کی اولاد سے اس چمن کی حفاظت اور آبیاری کر کے صدا بہار رکھنے اور اس کی خوشبو کو دور دور تک پھیلانے کی فرمائش کی اور ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

اب مولانا ہمارے درمیان نہیں رہے، اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، آپ کے لگائے ہوئے پودے ماشاء اللہ تناور درختوں کی شکلوں میں ملک کے شمال وجنوب اور مشرق ومغرب کے شہروں میں اپنے علمی پھل پھول سے اللہ کی مخلوق کو بھر پور فائدہ پہنچا رہے ہیں۔مولانا کی اولاد بحمد اللہ بالغ نظر اور اپنے والد کے کارناموں کی قدردان ہے، انہیں سب پتہ ہے کہ مرحوم نے سنگلاخ چٹانوں سے کس طرح بوند بوند پانی نکال کر یہ دریا بہائے ہیں، اس لئے مجھے ان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں:﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ﴾ (طور:۲۱)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان لا کر ان کے نقش قدم پر چلی تو ہم ان کی اولاد کو بھی (جنت میں) ان کے ساتھ رکھیں گے اور ان کے عمل میں کسی قسم کی کمی نہیں کریں گے۔ہر آدمی اپنی کمائی کے نتیجے کے ساتھ بندھا ہوا ہے''۔

پروردگار مولانا کی چھوٹی بڑی لغزشوں کو معاف کر کے جنت الفردوس اور اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔اور پسماندگان کو صبر جمیل کے ساتھ آپ کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت، توفیق اور سعادت مرحمت فرمائے۔آمین۔

☆☆☆

نظم جماعت کی پابندی کی نادر مثالیں

میں اپنے والد محترم (اللہ انہیں جنت نصیب کرے) کی خواہش اور تعمیل حکم میں عہد طالب علمی سے نکلتے ہی جماعتی اور دینی زندگی سے منسلک ہو گیا ۱۹۵۲ء میں جب میری عمر صرف ۲۲ سال تھی اور میں جامع مسجد اہلحدیث نور علی لین کلکتہ کا خطیب اور حاجی عبداللہ لائبریری کا لائبریرین تھا حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی رحمہ اللہ صدر آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس نے مجھے اہلحدیث کانفرنس کی مجلس عاملہ کا باضابطہ ممبر نامزد فرما دیا تھا اس وقت سے آج تک ۴۵ سال گذر رہے ہیں اور میں جمعیۃ اہلحدیث کے دامن سے وابستہ ہوں، اس طرح تقریباً مجھے نصف صدی کا جماعتی اور تنظیمی تجربہ ہے، اس درمیان مجھے بڑے بڑے نشیب وفراز کا عملی مشاہدہ اور تجربہ ہوا، اور جماعت سے وفاداری اور امیر جماعت کے ساتھ سمع وطاعت بنا رہنے کا موقع ملا، اس طویل جماعتی زندگی میں مجھے سب سے زیادہ حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت احنف بن قیسؒ اور منشی خلیق احمد قیصر کی جماعتی وفاداری میرے لئے مشعل راہ بنی رہی، آج جماعتوں کی زندگی میں سمع و طاعت کے فقدان، اور امراء جماعت کی ناقدری اور جماعتی عہدوں اور مناصب کیلئے باہمی رسہ کشی کی جو افسوسناک مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں اگر تاریخ اسلام کی یہ شاندار مثالیں سامنے نہ ہوں تو کسی بھی ذمہ دار جماعت کو جماعتی منصب پر قائم رہنا مشکل ہو جائے۔

(مولانا مختار احمد ندویؒ، بحوالہ: البلاغ: مئی:۱۹۹۷)

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

ضیاء الدین اصلاحی - ناظم دار المصنفین، اعظم گڑھ

افسوس اور سخت افسوس ہے کہ راقم کے بڑے کرم فرما اور ملک کے ممتاز عالم دین مولانا مختار احمد ندوی ۹ ر ستمبر ۲۰۰۷ء کو ممبئی میں انتقال فرما گئے، ان کی تدفین دوسرے روز جوہو قبرستان میں ہوئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مئو شہر کے محلہ وشوناتھ پورہ میں ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے، ان کے والد کو جمعیۃ اہل حدیث کے سرخیل مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی عقیدت تھی اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ راقم کے والد بھی مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے عقیدت مند تھے اور اکثر ان کا گن گاتے تھے، مولانا مختار احمد کے والد چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا بھی علم دین کی تحصیل کر کے دعوت واشاعت دین کا کام کرے، ان کی یہ آرزو پوری ہوئی اور مولانا مختار احمد برابر دعوت وتبلیغ دین کی خدمت انجام دیتے رہے۔

مئو میں جمعیۃ اہل حدیث کے کئی بڑے مدارس ہیں، انہوں نے جامعہ عالیہ عربیہ اور فیض عام میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا اور پھر دار العلوم ندوۃ العلما سے کسب فیض کیا، کچھ عرصے بنارس میں مولانا ابوالقاسم بنارسی کی خدمت میں رہ کر صحیحین کا درس لیا، اس کے بعد وہ دین ودعوت کے کام انجام دینے میں مصروف ہو گئے، پہلے کلکتہ جا کر وہاں کی جامع مسجد اہل حدیث میں خطیب وامام کی ذمہ داری سنبھالی، ۱۹۶۲ء میں ممبئی آ گئے اور مومن پورہ کی جامع مسجد اہل حدیث میں خطابت وامامت کے فرائض انجام دینے لگے، اس کے بعد بنگالی مسجد مدن پورہ کو اپنا مرکز بنایا، بعد میں صرف جمعہ کی امامت کرتے اور خطبہ دیتے تھے، خوش بیان تھے، ان کا خطبہ سننے کے لئے لوگ دور دراز سے آتے، راقم کو بھی یہاں ایک دو بار ان کی اقتدا میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کی سعادت میسر آئی۔

ممبئی میں مولانا مختار احمد ندوی صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ ''الدار السلفیہ'' کا قیام ہے جو عربی اور اردو کتابوں کا ایک بڑا اشاعتی مرکز ہے، حدیث کی کئی امہات کتب کو طباعت کے جدید معیار کے مطابق یہاں سے شائع کیا، اس ادارے سے کئی اہل علم وابستہ رہ کر تصنیف وتالیف اور عربی کتابوں کی تصحیح وایڈٹ کا کام انجام دیتے تھے اور خود مولانا بھی تصنیف وتالیف میں منہمک رہتے تھے، یہاں سے ان کی سرپرستی میں ''البلاغ'' کے نام سے ایک مفید اصلاحی اور دینی ماہوار رسالہ شائع ہو رہا ہے جو ان کی محنت اور کدوکاوش سے ایک مفید اور باوقار رسالہ ہو گیا ہے، اس کے کئی کالم وہ خود لکھتے تھے اور اچھے لکھنے والوں سے بھی مضامین حاصل کر کے اس میں شائع کرتے تھے، اس میں ملک کے عام حالات، سیاسی واقعات پر تبصرہ وتجزیہ کے علاوہ متنوع قسم کی دینی معلومات پر مشتمل مضامین شائع ہوتے تھے جو اپنے انداز بیان کی خوبی کی وجہ سے شوق اور دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے، ممبئی میں مولانا آزاد ہائی اسکول بھی مولانا کی دین ہے۔

مہاراشٹر کا مشہور صنعتی شہر مالیگاؤں ان کی سرگرمیوں اور قوت عمل کی خاص جولان گاہ تھا، یہاں شہر کے باہر ایک وسیع قطعہ آراضی میں انہوں نے علم وہنر کا ایک تازہ جہاں آباد کیا تھا اور اس کا نام "منصورہ" رکھا تھا، اس میں طلبہ کے لیے جامعہ محمدیہ اور طالبات کے لیے کلیہ عائشہ قائم کیا تھا، مولانا کے نزدیک دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم بھی ناگزیر ہے، ان کے ان اداروں میں دینی علوم کے ساتھ عصری تعلیم بھی اس قدر دی جاتی تھی کہ مہاراشٹر بورڈ سے طلبہ وطالبات ہائی اسکول کر کے کالجوں میں داخلہ لیتے تھے، ان اداروں سے ملحق منصورہ میں ایک طبیہ کالج اور سائر اسپتال بھی قائم کیا تھا، طبیہ کالج سے جامعہ محمدیہ کے علاوہ دوسرے اداروں کے طلبہ بھی فیض یاب ہوتے تھے اور سائر اسپتال میں طلبہ کو عملی مشق کے مواقع فراہم کیے جاتے تھے۔

مولانا مختار احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آبائی وطن مئو میں بھی عالیہ جنرل ہسپتال اور کلیہ فاطمہ زہرا قائم کیا تھا، یہاں بھی ایک طبی کالج قائم کرنا چاہتے تھے مگر یہ ارادہ عملی جامہ نہیں پہن سکا، بنگلور میں بھی انہوں نے اس طرح کے ادارے قائم کیے تھے اور ان میں بھی دینی وعصری تعلیم دلاتے تھے۔

مولانا کی ایک عظیم الشان دینی خدمت مسجدوں کی تعمیر ہے، انہوں نے ادارۂ اصلاح المساجد کے زیر اہتمام ملک کے مختلف حصوں میں سیکڑوں مساجد تعمیر کرائی تھیں، ان کا تعمیری ذوق بہت عمدہ تھا، منصورہ مالیگاؤں میں ایک سے بڑھ کر ایک پر شکوہ اور عالی شان عمارتیں تعمیر کرائیں، ان کی تعمیر کردہ مسجدیں بھی خوب صورت اور پائدار ہیں۔

اصلاحی ودعوتی، دینی وتعلیمی اور ملی وسماجی کام کرنے میں ان کو بڑی لذت ملتی تھی، جمعیۃ اہل حدیث کے ہر کام میں پیش پیش رہتے تھے، مدتوں مرکزی جمعیۃ کے نائب امیر پھر قائم مقام امیر اور ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۷ء تک امیر رہے، مسلم پرسنل لا بورڈ کے بھی سرگرم ممبر اور برسوں اس کے نائب صدر تھے لیکن آخر میں ان کی توجہ کا اصل مرکز الدار السلفیہ ہو گیا تھا، سفر بھی کم کرتے اور یکسوئی سے صرف تصنیف وتالیف اور لکھنے پڑھنے میں مشغول رہتے تھے، وہ اچھے خطیب ومقرر کی طرح اچھے اہل قلم بھی تھے، مختلف دینی موضوعات پر مفید رسائل وکتب عام فہم اور آسان زبان میں لکھے جن سے مسلمانوں کی ذہنی وفکری اصلاح کے علاوہ عقیدۂ صحیحہ کی ترویج واشاعت بھی ہوئی۔

مولانا مختار احمد ندوی دار المصنفین کے مداح اور اس کی خدمات کے قدرداں تھے، جناب سید صباح الدین صاحب مرحوم سے ان کو بڑا لگاؤ تھا، سید صاحب بھی ان کی قوت عمل کے معترف تھے اور وہ جب دار المصنفین آتے تو ان کی بڑی پذیرائی کرتے، مولانا مختار احمد کی مجھ پر بھی بڑی شفقت تھی، اکثر ٹیلی فون کر کے خیریت معلوم کرتے، مئو یا مشرقی اضلاع میں تشریف لاتے تو اس کا دعوت نامہ مجھے بھی بھجواتے اور اصرار کر کے بلاتے، کبھی دفعتاً مئو آجاتے اور وقت کم ہوتا تو خود دار المصنفین آجاتے، میں ممبئی جاتا تو میری قیام گاہ کا پتا لگا کر فون کرتے اور گاڑی بھیج کر الدار السلفیہ بلاتے اور گھنٹوں اپنے منصوبوں اور دوسرے علمی، ادبی اور دینی وملی امور پر تبادلۂ خیال کرتے، اب ایسی محبت کرنے والے لوگ کہاں ملیں گے۔

مولانا مختار احمد ندوی صاحب بڑے متحرک اور فعال تھے، انہوں نے گوناگوں دینی، تعلیمی اور قومی وملی خدمات انجام دیں، اللہ تعالیٰ دین وملت کے اس خادم کے درجات بلند کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔

☆☆☆

ایک عہد ساز شخصیت کی رحلت

مولانا عبدالسلام رحمانی — وکیل الجامعہ، جامعہ سراج العلوم بونڈھیار، یوپی

آہ! حضرت مولانا مختار احمد صاحب ندوی سلفی اس دنیائے فانی سے دارالبقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔ انا لله وانا اليه راجعون۔ اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله ونورله مضجعه وادخله جنة الفردوس۔ آمین۔ آہ!!!

اک شگفتہ مقالی تھا نہ رہا
اک ستودہ خصال تھا نہ رہا

جو بھی اس دنیا میں آیا ہے اس کے مقدر میں وفات ورحلت ہی ہے۔ اس حادثہ سے نہ کوئی عظیم سے عظیم ترنبی بچا ہے نہ کوئی بڑا سے بڑا ولی۔ بقا صرف ذات باری تعالیٰ کیلئے ہے ''كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذو الجلال والاكرام'' لیکن کچھ ہستیاں پوری ملت اسلامیہ کے لئے ایسی حرکت وبرکت کی حامل ہوتی ہیں کہ ان کی رحلت کو پوری ملت اسلامیہ اپنے لئے بڑا زیاں اور بڑا عظیم ملی خسارہ محسوس کرتی ہے۔

مولانا مختار احمد صاحب ندوی کی پوری زندگی جوانی سے بڑھاپے تک اس قدر حرکت وعمل سے عبارت تھی کہ ملک کے چپہ چپہ پر ان کے برکات وثمرات کے نشان ملتے ہیں۔ مولانا اپنے بارے میں اگر یہ فرماتے تو بالکل بجا ہوتا کہ۔

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مولانا کی سب چھوٹی بڑی حسنات وخیرات کو صدقہ جاریہ بنادے جس سے ان کے لئے ثواب کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری وساری رہے۔ آمین۔ یارب العالمین۔

مولانا کے ذریعہ کتنے بڑے پیمانے پر اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کے لئے مسجدوں کی تعمیر عمل میں آئی، کتاب وسنت کی تعلیم وترویج کے لئے کس قدر مدارس وتعلیمی ادارے قائم ہوئے، اور کیسے عظیم پیمانے پر تبلیغ اور دین کی نشرواشاعت کے لئے طباعتی ادارے وجود میں آئے، اور کیسی کیسی مفقود الوجود ونایاب سلفی منہج ومسلک کی کتابیں طبع ہوکر لوگوں کے ہاتھوں میں پہونچ گئیں میں ان کے استقصاء وشمار کی طاقت نہیں رکھتا، مولانا پر کوئی حوصلہ مند فاضل ومقالہ نگار پی ایچ ڈی کرنے پر آمادہ ہوگا تو اسے مولانا کے حسنات واعمال کے ایسے ابھرے ہوئے نقوش وآثار مل جائیں گے جن سے اس کے لئے بہت طویل وضخیم پی ایچ ڈی کا مقالہ تیار ہو جائے گا ان شاء اللہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی جریدے ومجلّے کا خاص نمبر یا کوئی مضمون ومقالہ مولانا جیسی صاحب عمل وصاحب کردار شخصیت کا احاطہ کرنے سے قاصر رہے گا۔ میں مولانا کو

برسوں سے جانتا ہوں وہ ہمارے بزرگ تھے۔ ہمارے جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کے سرپرست تھے۔ ہمارے جامعہ کی حدود میں مولانا کی توجہ وعنایت سے ایسی وسیع وعظیم الشان جامع مسجد وجود میں آئی جس کی اس پورے ضلع میں کوئی مثال نہیں ہے۔ مسجد کی تکمیل کے بعد ۱۹۸۶ء میں ایک جلسہ یہاں ہوا تھا، اس موقع پر مولانا ہی نے جمعہ کا خطبہ دیا تھا۔ مولانا کے خطبہ کا ذکر سن کر ایسی بھیڑ آئڈ آئی تھی کہ وہ پہلا اور آخری خطبہ تھا جس میں یہ وسیع وعریض مسجد پوری بھر گئی تھی پھر تب سے اب تک یہ مسجد حاضرین سے نہ بھر سکی۔ مولانا کی تقریر بھی ایسی موثر وجاندار ہوتی تھی کہ جاننے والے سننے کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے۔

مجھ جیسے کمترین پر مولانا کی شفقتیں بہت تھیں مولانا اپنے خردوں اور عزیزوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے، انہوں نے بڑی خردنواز وذرہ نواز طبیعت پائی تھی۔ ابھی اسی سال جنوری ۲۰۰۷ء میں ان کی آفس ''الدار السلفیہ'' میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ ابھی پانچ منٹ قبل ہی مولانا اٹھ کر دار المعارف کے اپنے مکتبہ میں جاچکے ہیں۔ میں نے فون کر کے مولانا کو اپنے دار السلفیہ میں حاضری کی خبر دی تو فرمایا: آپ سے ملنا چاہتا ہوں اور ابھی الدار السلفیہ واپس آجاتا ہوں۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں وہ الدار السلفیہ واپس آگئے پھر مغرب کے وقت تک مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ مولانا میں شگفتگی بہت زیادہ تھی تحریر میں بھی، اور گفتگو میں بھی، وہ کسی مجلس میں محو گفتگو ہوتے تو ''وہ کہیں اور سنا کرے کوئی'' کی کیفیت ہوتی تھی، ان کی گفتگو سے اکتاہٹ نہ ہوتی تھی۔

مولانا نے جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کی شوری کا مجھ ناچیز کو بھی رکن بنا رکھا تھا۔ اس کی میٹنگوں یا جامعہ کی کوئی تقریب ہوتی اس میں شرکت کے لئے ضرور یاد فرماتے اور وقت کی کمی کے سبب جب میں عذر کرتا کہ ٹرین میں رزرویشن نہیں ہو رہا ہے تو ہوائی جہاز میں سیٹ کنفرم کرا کر ٹکٹ ندوۃ العلماء میں حافظ عتیق صاحب طیبی کے پاس بھیج دیتے اور مجھے فون پر اس کی خبر دیتے۔ کبھی بمبئی میں موجود ہوتا اور مولانا جامعہ کی بمبئی کے چاروں طرف پھیلی ہوئی شاخوں اور اپنے قائم کئے ہوئے مدارس کے دورے پر نکلنے والے ہوتے تو مجھے بھی اپنی رفاقت کا شرف عطا فرماتے۔ مولانا جب جمعیت اہل حدیث کے امیر مقرر ہوئے تو پہلی بار مولانا ہی نے مرکزی جمعیت اہل حدیث میں مجھے نائب امیر نامزد فرمایا اس کے بعد جو حضرات بھی امیر یا قائم مقام امیر بنائے گئے میری یہ حیثیت باقی رکھی گئی اب تو دل کے بائی پاس سرجری کے بعد میری ساری ایکٹیوٹیز منجمد ہو کر رہ گئی ہیں۔ اور مولانا بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

میں بمبئی میں تھا اور مئو میں ایک جلسہ کا پروگرام تھا مولانا کو اس میں شریک ہونا تھا مجھے بھی اپنے ساتھ ہوائی جہاز میں لے گئے اور مجھے خطاب کا مکلف کیا۔ مولانا میں خُردنوازی بہت تھی اور وہ ہم جیسے خُردوں کی عزت نفس کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو صلحاء وابرار اور مصلحین امت کے ساتھ اٹھائے اور ان کی سب نیکیاں قبول فرمائے اور بہ تقاضائے بشری جو لغزشیں ہوگئی ہوں انہیں درگزر فرمائے۔ اللہ رب العالمین رحیم وکریم کی ذات سے یہی ہماری توقع ہے۔

نام آمرزگار ہے تیرا
عفو کرنا شعار ہے تیرا

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

☆☆☆

آہ! مولانا مختار احمد ندوی صاحب رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال اور میری ان سے آخری ملاقات

شیر خان جمیل احمد عمری — ناظم تعلیمات مرکزی جمعیت اہلحدیث، برطانیہ

اتوار کا دن، ستمبر ۲۰۰۷ء کی ۹ رتاریخ، برطانیہ کے وقت کے مطابق دن کے تین بجے، مرکزی جمعیت اہلحدیث برطانیہ کا مجلس عاملہ کا اجلاس مرکز برمنگھم میں جاری ہے، میرے موبائل فون پر گھر سے فون آرہا ہے میں حیران تھا کہ اہلیہ کو معلوم ہے کہ میں گھر سے مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے گیا ہوا ہوں، مجھے تشویش ہونے لگی، اجلاس کے آداب میں خلل ڈالتے ہوئے میں نے دبی آواز میں بات کی اہلیہ فون پر رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ فوراً گھر آیئے، میں مجلس عاملہ سے اجازت لے کر اللہ کر کے گھر پہنچا تو اہلیہ اور دونوں بچیوں نے روتے ہوئے اطلاع دی کہ عالم اسلام کی مایہ ناز ہستی، برصغیر میں جماعتی اور غیر جماعتی سطح پر اس صدی کی منفرد اور بے مثال شخصیت حضرت العلام مولانا مختار احمد ندوی اس دار فانی سے رخصت ہو کر اپنے حقیقی رفیق اعلیٰ سے جا ملے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. میں نے اپنے آپ کو اور اپنی اہلیہ کو اپنے عظیم و مشفق باپ کی جدائی پر یہ کہہ کر دلاسہ دیا کہ ﴿کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام﴾ سب کو ایک روز جانا ہے اس دنیا میں انبیاء کرام بھی نہیں رہے اس لئے اس ابتلاء پر صبر کرو اور دعا کرو، پھر میں مجلس عاملہ کے اجلاس میں لوٹ کر اس عظیم سانحہ کی اطلاع دی، امیر جماعت محترم شیخ ثناء اللہ سیالکوٹی، نائب امیر مولانا محمد عبدالہادی عمری، ناظم اعلیٰ مولانا شعیب احمد میرپوری اور جملہ ارکان مجلس عاملہ نے مولانا کی وفات کو عالم اسلام کے لئے ایک عظیم خسارہ ٹھہراتے ہوئے تعزیت فرمائی، محترم مولانا کی عظیم خدمات کا تذکرہ کر کے انہیں زبردست خراج عقیدت پیش فرمایا اور دعائے مغفرت فرمائی۔

مولانا محترم کے داماد ہونے کی حیثیت سے صاحب البیت ادری بما فیہ کی بنیاد پر، مولانا کے اداروں میں کام کرنے کی وجہ سے بھی پھر مولانا کے ساتھ بیرون اور اندرون ملک دسیوں مرتبہ رفیق سفر ہونے کی وجہ سے مجھے مولانا کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے، سولہ سال ہوئے ہماری رشتہ داری قائم ہوئے لیکن مولانا سے میری واقفیت بہت پہلے ہی سے تھی، جماعتی اجتماعات اور کانفرنسیں، مساجد کے افتتاحی اجلاس وغیرہ کے موقعوں پر مولانا کی رفاقت اور خدمت کرنے کا شرف حاصل تھا، اسی مسلکی اور جماعتی تعارف اور تعلق کی بنیاد پر مولانا نے اپنی بیٹی عائشہ مختار کو کعبۃ اللہ میں استخارہ کے بعد میرے نکاح میں دیا تھا۔

بہر حال مولانا سے میرا تعلق اور اس حوالے سے بہت ساری یادیں ہیں۔ان یادوں کا احاطہ کرنے کے لئے دل کو قرار چاہئے اور طویل وقت بھی۔کسی اور موقعہ پر اپنی یادداشتوں کو جمع کرنے کی کوشش کروں گا۔اس موقع پر مولانا کی وفات سے صرف ہفتہ عشرہ قبل جو میری ملاقات رہی اور مولانا کے ساتھ میں نے جو وقت گذارا تھا نیز مولانا نے اپنی زندگی کا آخری دن جس طرح سے گذارا ہے۔اس اس پر بھی کچھ روشنی ڈالوں گا۔

ہم اپنے والدین سے ملاقات کی غرض سے تقریباً ہر سال ہی انڈیا جایا کرتے ہیں چنانچہ اس سال بھی براستہ سعودی عرب عمرہ کی سعادت حاصل کرتے ہوئے ۲/اگست ۲۰۰۷ء کو ممبئی پہنچے، حسب معمول مولانا محترم اور ہماری خوشدامن صاحبہ اور جملہ اہل خانہ نے بڑے والہانہ انداز میں پیار ومحبت کے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنی نم آنکھوں سے ہمارا استقبال کیا، ذاتی خیر و خیریت دریافت کرنے کے بعد برطانیہ میں مسلمانوں کے احوال بالخصوص ہماری جماعت کی نشاطات اور سرگرمیوں کی بابت معلومات لیتے رہے، ہر مرتبہ کی طرح اس مرتبہ بھی حضرت مولانا محمود احمد میر پوریؒ کو بہت یاد کیا اور ان کی مغفرت کی دعائیں کرتے رہے، آپ مولانا محمود احمد میر پوریؒ اور علامہ احسان الٰہی ظہیر شہیدؒ کے بڑے مداح تھے اور ان دونوں کو بہت یاد کرتے تھے، اسی طرح آپ نے برطانیہ میں مقیم محترم ڈاکٹر حافظ عبدالعلی حامد ازہری صاحب حفظہ اللہ پرنسپل دی مسلم کالج لندن کی خیریت دریافت کی اور فرمایا کہ وہ میرے عزیز ہیں، بہت عرصہ ہوا میرا ان سے کوئی رابطہ نہیں ہو سکا ہے، اگر موقع ملے تو میری ان سے فون پر بات کرا دینا، پھر اپنے ماہنامہ البلاغ ممبئی کا تذکرہ کیا کہ وہاں دوستوں کو برابر مل رہا ہے یا نہیں؟ جمعیت کے ماہنامہ صراط مستقیم کی بابت دریافت فرمایا کہ ابھی مجھے اس مرتبہ کا شمارہ نہیں ملا ہے۔ میں نے بتایا کہ اس مرتبہ دو ماہ کا مشترکہ شمارہ نکلا ہے جس کی وجہ سے تاخیر ہوئی ہے۔میرے پاس موجود شمارہ عنایت کیا تو دیکھ کر اس کی تحسین فرمائی نیز برطانیہ میں جماعت اہلحدیث کی خدمات کو سراہا اور فرمایا کہ امت کی نجات صرف اور صرف کتاب وسنت کی طرف آنے ہی میں ہے۔ہر مرتبہ کی طرح اس مرتبہ بھی مولانا نے بڑی شدت کے ساتھ دریافت کیا کہ جمعیت نے دار العلوم قائم کیا یا نہیں؟ میں نے بتایا کہ اس سلسلہ میں جدوجہد جاری ہے آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

مولانا محترم کئی مرتبہ برطانیہ آچکے ہیں لیکن میری موجودگی میں ۱۹۹۶ء میں جب آپ یہاں تشریف لائے اور سالانہ کانفرنس میں خطاب فرمایا تھا آپ کی تقریر کا مرکزی عنوان تھا ”مسلمان امت ہیں فرقہ نہیں“، احباب جانتے ہیں یہ مولانا کا منفرد موضوع ہوتا تھا۔بڑے ہی مدلل اور موثر انداز میں مولانا یہ ثابت کرتے تھے کہ امت نبی سے بنتی ہے اور فرقے شخصیتوں سے اور زندگی بھر سب کو اسی کی طرف بلاتے رہے کہ امت بن جائیں اور فرقوں میں نہ بٹیں۔اس خطاب میں مولانا نے جمعیت کے ذمہ داروں سے یہ بھی فرمایا تھا کہ برطانیہ میں مسلک حق کی حفاظت اور نشوونما کے لئے ضروری ہے کہ یہاں ایک مرکزی دار العلوم قائم کیا جائے، یہ ایک بنیادی کام ہوگا۔

بہر حال جمعرات ۲/اگست ۲۰۰۷ء بنی کی رات کو مولانا نے حسب سابق اپنی مسجد (جو بنگالی مسجد کے نام سے مشہور ہے) میں خطبۂ جمعہ دینے کا حکم دیا، خطبہ سے پہلے امام مسجد سے خطیب کا

اعلان کروایا۔ خطبہ اور نماز جمعہ کے بعد خود مائیک لے کر بڑے ہی پیار سے میرا تعارف کروایا۔ پھر مجھ سے مل کر خطبہ کی تعریف کر کے حوصلہ کو خوب بڑھایا اور ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

ممبئی میں دو تین دن قیام کے بعد جب میں مادر وطن ادھونی لوٹ رہا تھا، مولانا بار بار پوچھے جا رہے تھے کہ تمہیں یہاں قیام میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔ پھر یہ سوال کہ واپس ممبئی کب آرہے ہو؟ لندن واپس جانے سے قبل ممبئی میں کچھ عرصہ ہمارے پاس رہو گے نا! مجھے تمہارے ساتھ بیٹھ کر بہت ساری باتیں کرنی ہیں، میں نے بتایا کہ ابا اخیر کے تین دن ان شاء اللہ آپ کے ساتھ گذاروں گا، میرے اس جواب پر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا، میں اپنے پروگرام کے تحت اپنے وطن روانہ ہوا اور حسب وعدہ برطانیہ روانگی سے تین روز قبل ۲۷ر اگست ۲۰۰۷ء کو ممبئی پہنچا، مولانا سے ملاقات ہوئی، مولانا نے انڈیا میں میرے پورے سفر کی روداد معلوم کی، میں نے مختلف شہروں میں دینی پروگرام میں شرکت کی تفصیل بتائی، بالخصوص دلی مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے مرکزی قائدین سے ملاقات اور وہاں مختلف اجتماعات کا تذکرہ سن کر بہت خوش ہوئے آپ نے موجودہ قیادت بالخصوص محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہلحدیث کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا کہ بہت محنت کر رہے ہیں اور جماعت کی نشاطات میں بہت تیزی لائی ہے۔ اور ان کے تعلق سے مجھے اچھی خبریں مل رہی ہیں، اس ضمن میں میرے دوست محترم ڈاکٹر بہاء الدین صاحب حفظہ اللہ کی تاریخ اہلحدیث کی تالیف واشاعت پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا، اور محترم ڈاکٹر محمد بہاء الدین صاحب اور محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی صاحب کو اس کارنامے پر بہت دعائیں دیں، بہر حال مختصر یہ کہ میں تین دن مولانا کے ساتھ رہا اور ان آخری تین دنوں میں مولانا کو میں نے دیکھا کہ میرے ساتھ تواضع وانکساری کا پیکر بنے ہوئے ہیں، پیار ومحبت اور شفقت اور لگاؤ کا گویا دریا بہا دیا ہو جس میں ڈوب کر میرا تزکیہ ہوتا چلا جا رہا تھا، مجھ سے بار بار کہے جا رہے ہیں کہ دیکھو مولوی جمیل میں نے جو کچھ کرنا تھا وہ کر دیا ہے، ساری وصیتیں کر دی ہیں، مالی معاملات بھی وکیل سے لکھوا کر فائل میں رکھوا دیا ہے، دل میرا مطمئن ہے، اب میں مرنے کے لئے بالکل تیار ہوں، مجھے وقت موعود کا انتظار ہے، اللہ جل شانہ سے ملاقات کا منتظر ہوں، یہ ساری باتیں ہو رہی ہیں، میرے ساتھ میری خوشدامن صاحبہ بھی بیٹھی ہوئی ہیں۔

بالآخر وہ وقت آگیا جو سب سے زیادہ ہمارے لئے تکلیف دہ ہوتا ہے، برطانیہ سے اپنے ملک جاتے ہوئے والدین اور اہل خاندان سے ملاقات کرنے کی جتنی خوشی ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ غم اور دکھ اس وقت ہوتا ہے جب ہم انہیں چھوڑ کر سات سمندر پار آنے لگتے ہیں۔ بہر حال یہ وقت آچکا تھا۔ ۲۹ر اگست ۲۰۰۷ء کو دو پہر کا وقت تھا، مولانا محترم اپنے داماد، بیٹی اور دو نواسیوں کو الوداع کہنے کے لئے اپنے مقررہ وقت سے بہت پہلے ہی اپنی آفس سے باندرہ گھر تشریف لائے۔ الوداعی ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ سامان گاڑی میں رکھا جا رہا ہے۔ سب کی آنکھوں میں آنسو ہیں، مولانا بھی آبدیدہ ہیں، اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر چوم رہے ہیں۔ مجھے گلے لگا کر کہہ رہے ہیں کہ دیکھو جمیل مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف کر دینا، میں کہہ رہا ہوں ابا آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں، بھلا باپ اپنے بچوں سے معافی مانگتا ہے، پھر میں

نے مولانا کی پیشانی کا بوسہ لیا، یہ منظر جملہ اہل خانہ دیکھ رہے ہیں، مجھ سے بار بار پوچھ رہے ہیں کہ اب کب آؤ گے، پھر کب ملاقات ہوگی، میں نے کہا کہ پروگرام تو ہر سال ہی بنتا ہے پھر بھی اللہ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھتے ہوئے میں یہ کہوں گا جیسا کہ میں اپنے والدین سے بھی یہی کہہ کر جدا ہوتا ہوں کہ آئندہ اگر دنیا میں ہماری ملاقات نہ ہو سکے تو ان شاء اللہ جنت میں ہوگی، یہی بات میں نے مولانا سے اور اپنی خوشدامن صاحبہ سے کہی تو جواب دیا ان شاء اللہ، ابھی میری ایک عزیزہ نے ممبئی سے فون پر میری یہ کہی ہوئی بات یاد دلا کر بڑا اطمینان دلایا۔ بہر حال میری یہ مولانا سے آخری ملاقات تھی جس کو میں تا حیات نہیں بھول سکوں گا۔

آپ کی وفات کی خبر پا کر ہم نے کوشش کی کہ ممبئی جا کر جنازے میں شریک ہوا جائے، وقت بہت محدود تھا، بڑی مشکل سے فلائٹ میں ایک سیٹ لندن سے ممبئی کے لئے ڈائرکٹ مل پائی جس پر مولانا کی لخت جگر ہی کا زیادہ حق بنتا تھا چنانچہ وہ چلی گئیں اور الحمد للہ انہیں مولانا کا دیدار بھی نصیب ہوا۔

اہلیہ اور ان کے بڑے بھائی محترم جناب اسلم مختار صاحب اور بڑی بہن محترمہ قدسیہ مختار صاحبہ نے فون پر بتایا کہ مولانا کی زندگی کا آخری دن بڑا ایمان افروز اور قابل اطمینان تھا، حسن خاتمہ کی بہت ساری علامتیں دیکھی گئیں، حسب معمول فجر سے قبل اٹھ کر نفل نماز پڑھی، لیکن طبیعت میں نقاہت اور ضعف محسوس کر رہے تھے آپ کا معمول تھا روزانہ نماز فجر سے پہلے حسب توفیق قرآن کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، شاید طبیعت میں نقاہت کی وجہ سے اس روز آپ تلاوت نہ کر سکے ہوں، اپنی اہلیہ کو اپنے قریب بلایا اور کہا کہ میرے قریب بیٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرو اہلیہ نے حکم کی تعمیل فرمائی، تلاوت کی سماعت کے دوران فرمایا کہ بہت اچھا لگ رہا ہے، سکون مل رہا ہے، اپنی اہلیہ اور بڑی صاحبزادی سے کہا کہ لگتا ہے کہ آج میرا آخری دن ہے، مولانا کا معمول تھا کہ صبح اخبارات کا مطالعہ کرتے تھے، ادھر چند دنوں سے اخبارات کے باریک حروف کے مطالعہ میں دقت کی وجہ سے آپ کی اہلیہ محترمہ یا گھر کا کوئی اور فرد اخبار پڑھ کر سنایا کرتا تھا، حسب معمول اس کی تیاری ہوئی تو منع فرمادیا کہ آج مجھے دنیا کی کوئی خبر نہ سناؤ، آج میرا آخری دن ہے، حدیث رسول ﷺ "موت المؤمن بعرق الجبين" کے مصداق نہ صرف پیشانی بلکہ پورا بدن پسینے سے شرابور تھا، آپ کی بنیان بالکل بھیگ چکی تھی، آپ کی بڑی صاحبزادی نے چاہا کہ بنیان بدل دی جائے تو مولانا نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ نہ نکالو اب تو یہ کاٹ کر ہی نکلے گی، سبحان اللہ، مولانا بستر پر لیٹے ہوئے ہیں، پورے ہوش وحواس میں ہیں، اپنی اہلیہ اور بچی سے پوچھ رہے ہیں کہ میرا چہرہ قبلہ رخ ہے نا؟ پھر اپنے سب بچوں اور بہوؤں کو بلوا بھیجا چنانچہ جو بھی ممبئی میں موجود تھے وہ سب آئے، سب کو نصیحتیں کیں سب سے معافی مانگی، اور پھر سب سے یہ بھی کہا کہ میں نے بھی سب کو معاف کر دیا ہے، میرا سینہ سب کے لئے صاف ہے، پھر اپنی چھوٹی بہو حسنیٰ ارشد سے کہا کہ اپنی اماں (یعنی مولانا کی اہلیہ) کا خیال رکھنا، پھر نماز ظہر پڑھی، گھر والوں نے دیکھا کہ مولانا کی کمزوری بڑھتی چلی جا رہی ہے، آپسی مشورے کے بعد اسپتال لے جانا طے ہوا، اس کی اطلاع مولانا کو ہوئی تو مولانا نے فرمایا کہ مجھے اسپتال نہ لے جانا آج تو میرا چل چلاؤ ہے، آج کا دن میرے رب سے ملاقات کا دن ہے، بہر حال

جب بچے آپ کو سمجھا کر اسپتال لے جانے لگے تو فرمایا کہ مجھے وضو کرنے دو صاحبزادی قدسیہ نے کہا کہ ابا ابھی تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھی ہے، فرمایا مجھے وضو بنانے دو چنانچہ آپ نے وضو بنایا اور تین گھونٹ آب زمزم نوش فرما کر گھر سے اسپتال کے لئے رخصت ہو گئے، مسلمانوں کا ہسپتال تھا جہاں مسلمان ڈاکٹروں نے معائنہ کے بعد بتایا کہ نبض بہت کمزور ہو گئی ہے، چنانچہ ICU میں داخل کر دیا گیا، مولانا ہسپتال میں بھی ہوش میں رہ کر دعائیں پڑھ رہے ہیں اپنے رب کو یاد کر رہے ہیں، اسی کیفیت اور حالت میں اپنے حقیقی رفیق اعلیٰ سے جا ملتے ہیں ادھر اتوار کا سورج غروب ہوا ادھر مولانا کی زندگی کا سورج بھی۔ انا لله وانا اليه راجعون.

دوسرے دن بعد نماز ظہر ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں آپ کے سمدھی حضرت مولانا حافظ سلیمان میرٹھی صاحب حفظہ اللہ امیر صوبائی جمعیت اہلحدیث مغربی یوپی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، ممبئی کے اخبارات نے لکھا ہے کہ شہر ممبئی نے اتنا بڑا جنازہ کسی اور کا نہیں دیکھا، یہ ایک تاریخی جنازہ تھا اور کیوں نہ ہوتا اتنی عظیم شخصیت جو تھی۔

مولانا کے پسماندگان میں آپ کی اہلیہ اسماء خاتون ہیں میں نے اپنی زندگی میں شاید ہی ایسی خاتون کو دیکھا ہو، وفا شعار، خدمت گذار، مہمان نواز، ہمدرد، دکھ سکھ میں ساتھ دینے والی، دیندار، صبر وشکر کی پیکر، چٹان کی طرح مضبوط ایمان رکھنے والی، مضبوط حافظہ کی مالک، جن کا سینہ قرآن اور مسنون دعاؤں سے بھرا ہوا جن سے گھر کے تمام بچوں نے قرآن پڑھنا سیکھا، میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا نے جو کچھ دینی خدمات انجام دی ہیں اور دنیوی زندگی میں آپ کو جو کچھ ترقیاں میسر ہوئی ہیں ان سب میں مولانا محترم کی اہلیہ کا بہت بڑا عمل دخل رہا ہے، اس بڑھاپے میں بھی جن کو خود سہارے کی ضرورت ہے اللہ کے بعد، مولانا کا سب سے بڑا سہارا تھیں، مولانا ان سے بار بار کہتے تھے کہ دیکھو مجھ سے پہلے نہ مرنا، میں نے بھی کئی مرتبہ اپنی اہلیہ سے یہ کہا تھا کہ مرنا تو بھی کو ایک دن ہے لیکن مولانا کو اللہ تعالیٰ امی سے پہلے اپنے پاس بلا لے تو اچھا ہوگا ورنہ مولانا امی کے بغیر شاید ہی ایک دن بھی سکون سے گذار سکیں، بہر حال اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم سے نوازے اور اس ابتلاء میں پورا اتارے، مولانا کے پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں، میری اہلیہ نے بتلایا کہ یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ مولانا محترم کے بیڈروم میں متحدہ عرب امارات کا کیلنڈر لگا ہوا تھا اس کے ماہ شعبان اور ستمبر کے صفحہ پر جو پیغام عربی میں درج ہے وہ یہی ہے کہ "الدعاء عند المصيبة انا لله وانا اليه راجعون اللهم اجرني في مصيبتي واخلف لي خيراً منها" سبحان اللہ یہ پیغام کیسا فٹ آگیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مولانا محترم اس قدر خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے اپنے دین کی عظیم الشان خدمت لی ہے، آپ تھے تو فرد واحد لیکن ایک امت کا کام کر گئے ہیں۔

ادارہ اصلاح المساجد ممبئی کے تحت انڈیا میں کشمیر سے کنیا کماری تک مساجد کا جال بچھا دیا محسنین کے تعاون سے چھوٹی بڑی تقریباً چار سو مساجد تعمیر کروائیں، اتنے بڑے ملک کا شاید ہی کوئی ایسا صوبہ ہوگا جو آپ کے فیض سے محروم رہا ہو، مولانا نے ملک کے تقریباً ہر صوبے میں پہنچ کر توحید وسنت کو متعارف کروانے کی کوشش کی ہے اسی لئے اہل علم کے علاوہ ملک کے عوام بھی آپ

سے بھرپور واقف تھے۔

بچوں کی دینی وعصری تعلیم کے لئے مالیگاؤں، مئوناتھ بھنجن اور بنگلور وغیرہ میں قلعہ نما بڑے بڑے ادارے قائم کئے مجھے یاد ہے جب میں ۱۹۹۲ء میں منصورہ مالیگاؤں میں شیخ الجامعہ کی حیثیت سے کام کررہا تھا، عالم اسلام کی معروف شخصیت ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے تقریباً ۴۰ اصحاب حل وعقد کے وفد کے ساتھ چارٹرڈ فلائٹ سے ناسک پھر جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں تشریف لائے اور جامعہ کے معائنہ کے بعد حیران ہوکر فرمایا تھا کہ دیکھئے شیخ مختار کس قدر نشیط ہیں ملک کے سربراہوں اور سلطانوں کے کام آپ کررہے ہیں۔ والله جهود جبارة.

ہماری جماعت میں آپ غالباً پہلے شخص ہیں جنہوں نے لاکھ مخالفت کے باوجود بچیوں کے لئے بھی دینی تعلیم کا انتظام کرتے ہوئے اقامتی درسگاہیں کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں، کلیہ فاطمۃ الزہراء مئو، کلیہ عائشہ صدیقہ بنگلور، وغیرہ بنایا جہاں سے سینکڑوں بچیاں پڑھ کر دنیا کے کونے کونے میں حتی کہ یورپ، کینیڈا، امریکہ میں بھی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے رہی ہیں، مجھے کئی ساتھیوں نے بتایا کہ مولانا کے اداروں کی برکت ہے کہ بچیاں ابھی یہاں پڑھ کر فارغ بھی نہیں ہوتیں کہ انہیں اچھے رشتے آنے شروع ہوجاتے ہیں۔

مولانا نے سلفی العقیدہ کتب کی نشر واشاعت کے لئے عالم اسلام کا معروف ومشہور ادارہ ''الدار السلفیہ'' ممبئی قائم کیا جس کے ذریعے سے چھوٹی بڑی تقریباً ۳۰۰ کتابیں شائع کروائیں، پھر کمال یہ ہے کہ اس لٹریچر کو گھر گھر پہنچانے کی خاطر محسنین اور دوستوں کے تعاون سے پوری دنیا میں پھیلا دیا، خود برطانیہ کی جماعت کے لئے آپ نے دو مرتبہ دو کنٹینرز کتابیں ارسال کی تھیں، الحمدللہ برطانیہ کی جمعیت کے مرکز اور تقریباً اس کی ۴۵ برانچوں میں یہ کتابیں صدقہ جاریہ کا کام کررہی ہیں ملک میں بڑے بڑے ہسپتال بنائے، عصری مدارس قائم کئے، ملک کا ممتاز یونانی میڈیکل کالج اور ریسرچ سینٹر قائم کیا۔

آپ ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۹ء تک مرکزی جمعیت اہلحدیث کے نائب امیر پھر ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۰ء تک کارگزار امیر اور ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۷ء تک جماعت کے امیر کے منصب پر فائز رہے، اس دوران ملک میں جماعت کے مورال کو بہت بلند کیا نیز مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے امیر ہوتے ہوئے مرکزی جمعیت کے مرکز اور اس کے دفاتر کے لئے محسنین کے تعاون سے دہلی میں شاہی جامع مسجد سے قریب ایک بڑی عمارت جس کی مالیت آج کروڑوں میں ہے جو ''اہلحدیث منزل'' کے نام سے جانی جاتی ہے خرید کر جماعت کے تصرف میں دے دیا۔

مولانا موثر خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ نڈر صحافی اور منجھے ہوئے ادیب بھی تھے، عربی اور اردو ادب پر آپ کو کمال حاصل تھا آج سے اٹھارہ سال قبل اپنا ذاتی ماہنامہ ''البلاغ'' ممبئی جاری کیا یہ اپنی نوعیت کا منفرد ماہنامہ ہے جس کو قبولیت عام حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے گھر کعبۃ اللہ کے صحن مطاف میں حج کے دوران تقریباً دس سال تک کتاب وسنت کی خالص دعوت پھیلانے کے لئے دروس دینے کا سنہری موقع عنایت فرمایا، آپ حرم مکی میں حاجیوں کی برابر رہنمائی فرماتے تھے۔ میرے والد محترم جناب شیر خان محمد اسحاق صاحب حفظہ اللہ نے آپ کو یاد کرتے

ہوئے یہ گواہی دی کہ ۱۹۸۰ء میں کعبۃ اللہ کے صحن میں آپ کے دروس میں شریک ہوکرانہوں نے خوب استفادہ کیا تھااور مولانا نے اس موقع پر بہت ساری دینی کتابیں بھی انہیں ہدیہ میں دی تھیں۔

سماحۃ الشیخ ابن بازؒ سے آپ کا بہت ہی خاص تعلق تھا، شیخ محترم نے مولانا سے اپنی اور دوسرے مشائخ کی کئی کتابوں کا اردو ترجمہ کروایا، انہیں کتابوں میں سے ایک اہم کتاب "التحقیق والایضاح،لکثیر من مسائل الحج والعمرة والزيارة" بھی ہے، حج وعمرہ اورزیارت کے مسائل پر مشتمل مولانا کا ترجمہ کیا ہوا یہ کتابچہ پچھلے کئی سالوں سے برصغیر کے حاجیوں اور معتمرین کو حکومت سعودی عرب بطور ہدیہ برابر دیتی آرہی ہے، ہزاروں لاکھوں حاجی اس کے ذریعے سے حج وعمرہ ادا کرنے میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں پھر ماشاء اللہ کس قدر خوش بختی ہے کہ صدقہ جاریہ کے ضمن میں آنے والے تقریباً سارے ہی کام آپ کے حصہ میں آئے آپ کی تقریباً ساری اولاد دینی تعلیم سے آراستہ ہے، بچے تو عالم وفاضل ہیں ہی، مولانا نے اپنی بچیوں کو بھی دینی تعلیم دلوا کر اپنے لئے صدقۂ جاریہ بنادیا، مولانا کی وہ صاحبزادی جو میرے حصہ میں آئی ہے عائشہ مختار علم الفرائض کی ماہر ہے میراث کے استفتاء کے جوابات مسلسل دیتے آرہی ہے، الغرض مولانا کی حسنات اور خوبیوں کے تذکرے کے لئے ضخیم کتاب درکار ہوگی۔

اللہ تعالیٰ مولانا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، آپ کی جملہ حسنات کو قبول فرمائے اور آپ کی دانستہ وغیر دانستہ جملہ خطاؤں کو درگذر فرمائے۔ آمین ثم آمین

اللہ تعالیٰ کی ذات کریمی سے مجھے یہی حسن ظن ہے کہ وہ اپنے رحم وکرم سے اس توحید پرست دین کے سچے خادم کو یہ کہتے ہوئے کہ ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾ (الفجر: ۲۷-۳۰) اے اطمینان والی روح! تو اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش پس میرے خاص بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں چلی جا) جنت کے دروازے کھول دیئے ہوں گے۔

اخیر میں یہ کہوں گا کہ اتنی عظیم ہستی کو اتنے عظیم کارناموں کو سر انجام دینے میں ظاہر ہے ہزاروں لوگوں کا سامنا ہوا ہوگا، سینکڑوں فیصلے اور معاملات کئے ہوں گے، بشری تقاضوں کی وجہ سے اجتہادی غلطیوں کے امکان کو رد کئے بغیر میں کہوں گا کہ اگر مولانا سے کسی بھی مرحلہ میں کسی بھی طرح کی اگر کوئی تکلیف کسی کو پہنچی ہو تو میں ایسے تمام احباب وخواتین سے بڑی عاجزی سے التجا کرتا ہوں کہ اس عظیم ہستی کو ان کی خدمات کی بدولت درگزر کردیں اور ان کے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایسے لوگوں کو جو دوسروں کی خطائیں معاف کردیتے ہیں وہ ان کے قصوروں کو معاف کردیتا ہے۔ ﴿وليعفوا وليصفحوا الا تحبون ان يغفر الله لكم والله غفور رحيم﴾ (نور) اور انہیں معاف کردینا چاہئے اور درگزر کردینا چاہئے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کردے؟ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے۔

اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه وادخله فسيح جناتك جنات النعيم، آمین

☆☆☆

إلی رحمة الله

مولانا حافظ محمد سلیمان میرٹھی — امیر صوبائی جمعیت اہلحدیث، مغربی یوپی

حضرت مولانا مختار احمد ندوی کی رحلت کی خبر دینی وملی حلقوں میں بڑے ہی حزن وملال کے ساتھ سنی گئی اور اندرون ملک ہی نہیں بلکہ بیرون ملک سے بھی ان کی تدفین میں جم غفیر کی شرکت ان سے والہانہ عقیدت مندی کی آئینہ دار تھی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ.

مولانا مختار نے اپنی حیات ناپائیدار کا سفر مئو سے شروع کیا، یہاں کی نابغۂ روزگار علمی شخصیتوں سے بھرپور استفادہ کیا، برصغیر کی عظیم درسگاہ مدرسہ رحمانیہ میں بھی وارد ہوئے، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سیف بنارسی رحمہ اللہ سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا اور آخر کار ندوہ سے سند فراغت حاصل کی، مولانا کے والد حاجی ضمیر احمد صاحب مئو کی روایتی پارچہ بافی کی صنعت سے وابستہ متوسط گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے، مال ودولت سے کہیں زیادہ ان کا دل نور ایمان سے منور، توحید وسنت سے لبریز اور توکل علی اللہ کی دولت سے سرشار تھا، کلکتہ تک ان کے تجارتی اسفار ہوا کرتے تھے اور احقر راقم الحروف کے والد مولانا محمد حسین میرٹھیؒ سے ان کے بڑے عقیدتمندانہ مراسم تھے، اسی تعلق سے مولانا مختار احمد ندوی کلکتہ وارد ہوئے اور یہاں کی تاریخی مسجد اہلحدیث تانتی بگان کی امامت وخطابت کی ذمہ داری پر مامور کیئے گئے، مولانا موصوف سیماب صفت شخصیت کے مالک تھے، وقت پر بھرپور ان کی گرفت تھی، ان کی مصروفیت کے اوقات گھڑی کی سوئی کے ساتھ گزرتے تھے، قیام کلکتہ کے دوران انہوں نے مدرسہ دارالہدیٰ میں بھی نئی روح پھونکی، فخر کلکتہ جناب الحاج سیٹھ محمد یوسف صاحب کی زندگی کا رخ موڑا اور اس مشن کی تکمیل میں ان کو لگادیا جو ان کے والد حاجی عبداللہ مرحوم کی باقیات میں سے تھا، دارالہدیٰ لائبریری کو حاجی عبداللہ لائبریری میں منتقل کرکے نئے انداز سے اس کی ترتیب وتزئین کا زبردست فریضہ انجام دیا جو بین الاقوامی شہر کلکتہ کے علمی کارناموں میں شمار کیا جائے گا، امامت وخطابت اور درس وتدریس کے ساتھ انہوں نے تیاری کرکے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے ہائی اسکول کا امتحان اور اس کے بعد لائبریرین کا کورس بھی کیا، کلکتہ کے عوامی حلقوں میں اپنی تقریروں کے علاوہ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے بھی ''آزاد ہند'' کے صحافتی افق پر چھائے رہے اور یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ ان کے ذریعہ جماعت اہلحدیث کا عوامی سطح پر

تعارف ہوا، بیشار غلط فہمیاں دور ہوئیں اور مخالفین ومعاندین کا بڑا حلقہ راہ اعتدال کی طرف آیا، یہ وہ دور تھا جب تقسیم کا زخم بھرا نہیں تھا، ہر مسلمان کے پیچھے پاکستانی جاسوس ہونے کا عفریت لگا ہوا تھا، پاکستان سے اگر کسی کے پاس کوئی خط آتا تو امروز فردا ہی میں پولیس والے بھی تفتیش کے لئے پہنچ جاتے، ایسے پر آشوب حالات میں مولانا نے برصغیر کے نامور اہل قلم حضرت مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ کی کتابیں پاکستان سے منگوانی شروع کیں جو بڑے ہی دل گردے کا کام تھا" ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد" کے مصداق سیالکوٹی تصنیفات سے شرک وبدعت مطلع سے صاف ہونا شروع ہوگیا، احقر راقم الحروف بلاخوف تردید تحریر کرسکتا ہے کہ ہزار ہا لوگوں نے "صلوٰۃ الرسول" کے ذریعہ اپنی نماز اور "انوار التوحید" کے ذریعہ اپنا عقیدہ درست کیا اور یہ دونوں نیکیاں مولانا کے کھاتے میں جائیں گی۔ اللھم اغفرلھم وارحمھم وارفع درجاتھم.

ان باتوں کے علاوہ جماعتی دردمندی بھی مولانا کا طرۂ امتیاز تھا، تقسیم ہند کے بعد جماعت کی زبوں حالی سے مولانا بڑے فکرمند مگر حالات سے مرعوب نہیں تھے، ہندوستان میں خادم الحرمین شاہ سعود کی آمد اور جماعت کی طرف سے لال قلعہ میں ان کو استقبالیہ اور شاہ کی طرف سے "اخوانی اھل الحدیث اساعدکم فی الدین و المذھب" کے الفاظ سے ان کا خطاب اہلحدیث تحریک سے وابستہ حضرات کے لئے حیات نو کا پیغام ثابت ہوا، استقبالیہ میں سپاس نامہ قائد جماعت حضرت مولانا عبدالوہاب آروی رحمہ اللہ نے پیش کیا، جن کے انداز سے شاہ سعود ذاتی طور پر بہت متاثر ہوئے، اس استقبالیہ میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اور وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو بھی موجود تھے یہ ساری سرگزشت قلم بند کرنے والے جماعت کے نامور ادیب وصحافی حضرت مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی اور ان کے معاون حضرت مولانا مختار احمد ندوی موجود تھے جس کی یادگار ترجمان کا خصوصی شمارہ ہے۔

ملک کی تقسیم سے سب سے بڑا نقصان جماعت اہلحدیث کا ہوا، حالات کی ناسازگاری اور ناکردہ گناہوں کی پاداش میں اہلحدیث علماء کو بڑی بڑی اذیتیں اٹھانی پڑیں۔ جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا نذیر احمد رحمانی برسوں عدالتوں کے چکر لگاتے رہے، مدرسہ رحمانیہ کیا لٹا دہلی کی علمی درسگاہیں خاموش ہوگئیں، ایسے پر آشوب حالات میں جن حضرات کے دم سے توحید وسنت کی شمع فروزاں رہی ان میں حضرت مولانا عبدالسلام بستویؒ شیخ الحدیث اور حضرت مولانا تقریظ احمد صاحب سہوانی تھے جنہوں نے اپنی قدآور شخصیتوں سے سلفی تحریک کو سنبھالا۔ مولانا بستوی نے تدریس وافتاء کے ساتھ تصنیف وتالیف کا مورچہ سنبھالا اور مولانا سہوانی رحمہ اللہ نے تدریس کے ساتھ "اخبار اہلحدیث" بیادگار حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ذریعہ صحافتی میدان میں جماعت کو باوقار طور پر زندہ رکھنے کی کوششیں کیں، اخبار جب ضعف واضمحلال کا شکار ہوا تو حضرت مولانا مختار احمد ندویؒ نے نائب مدیر کی حیثیت سے اس کو سنبھالا، اپنے مضامین اور خاص طور پر اپنے نئے

مشہور کالم "دیدو شنید" کے ذریعہ بڑی خدمات انجام دیں، اسی دور میں جماعت کے مشہور صحافی اور مایہ ناز نقاد جناب مولانا سید تقریظ احمد، حضرت مولانا سید عبدالقدوس "ابن احمد نقوی" ملکی مطلع کے مستقل عنوان کے تحت حالات حاضرہ پر بہترین نقد فرمایا کرتے تھے۔جزاهم الله خيرا.

آج دنیا مختار احمد ندوی کو جماعت اہلحدیث کے امیر، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کورٹ کے ممبر، جامعہ محمدیہ مالیگاؤں، مولانا آزاد ہائی اسکول ممبئی، محمدیہ طبیہ کالج، عالیہ جنرل اسپتال اور نہ معلوم کتنے اداروں کے بانی ومنتظم اور سرپرست کی حیثیت سے جانتی ہے، جوصحیح ہے، مگر یہ بھی صحیح ہے کہ انہوں نے دختران اسلام کی تعلیم وتربیت کی اس ضرورت کی طرف اولین طور پر توجہ کی جوانہیں موجودہ دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرسکے، وہ دعوت وتبلیغ کے لائق بن کر اس لائق بن سکیں کہ کالج اور یونیورسٹیوں کے دروازے بھی ان کے لئے کھلے ہوں اس کے لئے انہوں نے "جامعہ محمدیہ" اور "کلیہ عائشہ صدیقہ" میں دینی و عصری علوم کے امتزاج کا مناسب تجربہ کیا اور پورے ملک کے لوگوں کو دعوت فکر دی۔

احقر راقم الحروف کا بھی "جامعہ فاطمۃ الزہراء" میرٹھ ہے جس میں عالمیت کے ساتھ یوپی بورڈ سے بھی ہائی اسکول تک کی تعلیم کا نظم ہے، ضروری نہیں کہ مولانا کی فکر اور طریقہ کار سے ہر شخص متفق ہو مگر یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کی فکری کاوشوں میں کوئی بھی گوشہ آپ کے لئے لائق تحقیر ہو۔

ہندوستان میں معیاری کتابوں کی فراہمی ہمیشہ سے ایک مسئلہ رہی، ماضی قریب میں ہم نے بھی دیکھا ہے کہ درسیات تک کی چھوٹی چھوٹی کتابیں بیرون ملک سے درآمد کی جاتی تھیں، الحمدللہ! اب کچھ ادارے یہ فریضہ انجام دے کر عوام کو خود کفالتی کی طرف لے جارہے ہیں۔ انہیں میں ایک معتبر نام "الدار السلفیہ" کا بھی ہے، مولانا نے اپنے قائم کردہ اس ادارہ سے درجنوں عربی اور انگریزی، ہندی وغیرہ میں کتابیں شائع کی ہیں۔ رحمۃ للعالمین ،تقویۃ الایمان، اور "درس حالی" وغیرہ کا عربی میں ترجمہ کرایا ہے، کتابت وطباعت کے ساتھ عمدہ کاغذ استعمال کرتے ہوئے منشی نول کشور ہی نہیں بلکہ تاج کمپنی لمٹیڈ لاہور کی یاد تازہ کردی ہے۔

ہر موضوع پر مناسب لٹریچر اور "البلاغ" کے مضامین اس پر شاہد ہیں۔

جسم تو خاک ہے اور خاک میں مل جائے گا
میں بہرحال کتاب، ہوں کتابوں میں ملوں گا تم کو

مولانا کے پسماندگان میں بیٹے اور بیٹیوں کے علاوہ احفاد کی کثیر تعداد ہے، مولانا نے اپنے بچوں کو دنیاوی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ دینی اعتبار سے بھی خوشحال اور خود کفیل چھوڑا ہے، ہمیں بجا طور پر امید ہے کہ مولانا کے لائق بیٹے مولانا کے مشن کو تیز رفتاری سے آگے بڑھاتے رہیں گے۔

☆☆☆

میرے والد میرے مربی

زبیدہ مختار - عمیدہ کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾

(بقرة:۱۵۵-۱۵۶)

دکھ اور غم کے وقت صبر کرنے والوں کو اللہ نے بشارت دی ہے۔ بے شک ہم اللہ کی رضا پر راضی ہیں لیکن بعض غم ایسے ہوتے ہیں جو دل میں پیوست ہو کر رہ جاتے ہیں۔ والد ماجد (مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ) سے جدائی کا غم بھی ایسا ہی ہے۔ اب تک دل اس بات پر یقین کرنے کو راضی نہیں کہ واقعی ابو اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ کبھی ان کی آواز تو کبھی آہٹ سی محسوس ہوتی ہے۔ وہ اپنی بے مثال یادوں کے ساتھ ہمارے ذہن ودل میں مجسم ہیں، اور ایسا کیوں نہ ہو وہ اپنی دیگر صفات کے ساتھ ایک مثالی باپ تھے۔

اپنی زندگی میں ابو نے دین کے لئے جو گراں قدر خدمات انجام دیں وہ قوم وملت کے لئے عظیم سرمایہ ہیں۔ ان کی تصانیف و تالیفات ابد تک لوگوں کے لئے منارۂ نور ثابت ہوں گی۔ انکی تعمیر کردہ مساجد سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوتی رہیں گی اور وہ سجدوں سے آباد رہیں گی۔ ان کے قائم کئے ہوئے مدارس سے طلباء و طالبات توحید اور حق کے پیامبر بن کر گمراہیوں کے اندھیرے میں روشنی اور نور بکھیرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالی۔ اللہ تعالی والد محترم کی ان تمام حسنات کو قبول فرمائے اور انہیں ان کیلئے صدقۂ جاریہ بنائے (آمین) ملک وملت کے لئے اپنی بے شمار خدمات اور کارناموں کے ساتھ ہی گھریلو زندگی میں وہ ایک مثالی شخصیت تھے۔ منصف سربراہ، مخلص رفیق حیات، مشفق باپ ہونے کے ساتھ ہی ہمدرد دوست، ملنسار پڑوسی اور بہترین میزبان تھے۔ نیز ان جیسی بے شمار صفات سے متصف تھے۔ اپنی بے انتہا مصروف زندگی میں بھی اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو احسن طریقہ سے نبھایا اور کلکم راغ و کلکم مسئول عن رعیتہ کے معاملہ میں بھی سرخرو رہے۔

میں اپنے مولائے کریم کا کس قدر شکر ادا کروں کہ اس نے مجھے اپنی دیگر بے بہا نعمتوں کے ساتھ اتنے نیک، صالح، مشفق اور مہربان والدین عطا کئے۔ میں اپنے ابو کی سب سے چھوٹی اولاد۔ انکی لاڈلی، آنکھوں کا تارا، جب سے ہوش سنبھالا، ابو کو مسجد مدرسے کے کام میں مصروف پایا۔ ہر وقت کسی جلسے، کسی پروگرام، کسی بنیاد، کسی افتتاح، کسی معائنہ کے تذکروں کو اپنے اردگرد پایا۔ لاشعوری طور پر ذہن میں یہ بات گھر کرتی گئی کہ ہماری زندگی کا مقصد دعوت الی اللہ، امر بالمعروف نہی عن المنکر ہے۔ یہی زندگی کی اساس ہے

اور یہی بندگی کا تقاضا بھی ہے۔

ابو کئی کئی دن گھر سے باہر رہتے۔ انکی واپسی کا بڑی شدت سے انتظار رہتا، کیونکہ جب وہ سفر سے واپس آتے تو میری پسندیدہ چاکلیٹ ضرور لاتے تھے۔ اپنی گود میں بٹھا کر شیر اور خرگوش کی، بندر اور مگر مچھ کی، ہاتھی اور درزی کی اور ان جیسی پیاری پیاری کہانیاں سناتے، کہانی سنانے کا انداز اتنا اچھا ہوتا کہ وہ خود ہی کہانی کے کردار میں ڈھل جاتے اور ہم کھو جاتے، سراپا شوق بن کر ڈوب جاتے اور سبق آموز کہانیاں سنتے رہتے۔ آخر میں کہانی کے سبق کو بڑے نرم انداز میں ہمارے دل میں اتارتے۔ اپنی پیٹھ پر بٹھا کر پورے گھر میں گھماتے۔ ابو کی گود میں بیٹھ کر ان کی داڑھی کی چوٹی بنانا میرا محبوب مشغلہ تھا۔ ابو کے ٹیبل میں دو درازیں تھی، ایک میں ان کا قلم اور دیگر لکھنے پڑھنے کا سامان ہوتا جبکہ دوسری دراز میں میری اور مجھ سے بڑی بہن عائشہ آپا کی گڑیاں اور گڑیوں کے لوازمات ہوتے، گویا ابو کا قلم اور میری گڑیا دونوں کو یکساں اہمیت حاصل تھی۔

والدین کی محبت اور شفقت کے سایے میں بچپن بہت شان سے گزرا۔ ابو نے ہر جائز خواہش اور تمنا کو بنا کہے پورا کرنے کی کوشش کی۔ امی ابو نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم پر خاص توجہ دی۔ ہم سبھی بھائی بہنوں نے بہت کم عمری میں ناظرہ قرآن مکمل کیا۔ اس کے بعد تقریباً سبھی نے دینی تعلیم حاصل کی۔ والدین کی محنت اور توجہ کی بناء پر میں نے ۵ رسال کی عمر میں ناظرہ قرآن مکمل کرلیا تھا۔ جس کی خوشی میں ابو نے بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ میں نے ڈھیر ساری دعائیں، انعامات اور داد وتحسین وصول کی تھی۔ وہ میری کامیابی کا پہلا زینہ تھا جس پر میرے ننھے قدموں کو میرے ابو کی شفقت ومحبت اور امی کی محنت وتربیت نے جمایا تھا اور مجھے کامیابیوں اور کامرانیوں کی راہ پر گامزن کیا تھا۔

بچپن گزرا، شعور کی کچھ منزلیں طے کرنے کے بعد کچھ سمجھدار ہوئی تو ابو کا انداز کچھ تبدیل ہوگیا۔ محبت وشفقت وہی تھی یا شاید کچھ اور بڑھ گئی تھی، لیکن انداز محبت بدل گیا تھا، اب ابو جانوروں کی کہانیوں کی بجائے زیادہ تر نبیوں کے قصے اور صحابہ کرام کے واقعات بتاتے، سبق آموز کہانیاں بھی سناتے۔ انداز بیان وہی دل پذیر اور سیدھا دل پر اثر کرنے والا ہوتا لیکن کہانیوں کا موضوع اللہ پر یقین، والدین کی خدمت، چوری کی سزا وغیرہ ہوتا، کہانیوں کے بیچ آیات واحادیث کا تذکرہ بھی نہایت سلیس انداز میں کرتے اور آخر میں ہمیں نیکیوں پر چلنے اور برائی سے بچنے کی تلقین کرتے۔

مجھے یاد ہے جب میں نے پہلا روزہ رکھا ابو بے حد خوش ہوئے اور میری حوصلہ افزائی وترغیب کے لئے مجھے انعام بھی دیا تھا اور روزے کے اجر وثواب کے بارے میں بھی بتایا۔ عید کے دن روزنامہ انقلاب کے معصوم روزہ دار کے صفحہ پر سب سے پہلا فوٹو میرا تھا جسے دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ الغرض وہ ہر اچھی بات کی بھرپور اور ہر طریقہ سے حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اسکول میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہونے پر یا کوئی مسابقہ جیتنے پر بہت خوش ہوتے، پسندیدہ انعامات دیتے ہر طرح سے ہمت اور حوصلہ بڑھاتے اور سیر وتفریح کے لئے لے جاتے۔

ابو کو اپنے بچوں کو سیر وتفریح کرانے کا بہت شوق تھا، کہیں بھی لے جانے سے پہلے اس جگہ کے بارے میں مختصر معلومات دیتے، ہمارے شوق کو اور ہوا دیتے اور پھر اس جگہ پہنچ کر گائیڈ کی طرح مفصل معلومات دیتے۔ اپنی بے انتہا مصروف زندگی میں بھی ابو ہمارے لئے وقت نکالتے، بمبئی کی تقریباً تمام جگہوں کی ہمیں سیر

کرائی۔ چڑیا گھر، مچھلی گھر، گیٹ وے آف انڈیا، جوتا گھر، ہینگنگ گارڈن، جوہو گارڈن اور چوپاٹی کی خودکار سیڑھیوں کی جو سیر ابو کی معیت میں کی، اسکی یاد اور نقش آج بھی ذہن میں تازہ ہے۔

جامعہ محمدیہ منصورہ اپنے ابتدائی تعمیری مراحل میں تھا۔ ابو اکثر ہمیں اپنے ساتھ مالیگاؤں لے آتے، ان دنوں ابو کا جوش اور ولولہ عجیب تھا۔ دن اور رات کے فرق کو بھول کر، موسموں کی سختی اور تغیر کو نظر انداز کر کے، بھوک اور پیاس کو فراموش کر کے، اپنے خون اور پسینہ کو ایک کر کے انہوں نے اس جامعہ کو پروان چڑھایا۔ اس جامعہ کی ہر اینٹ کو ہر پتھر کو ہر گوشہ کو ہر ڈالی کو ابو نے اپنے خون سے سینچا ہے۔ جامعہ کے قیام کے لئے وہ اپنا گھر بار، چین آرام سب بھول گئے تھے۔

جامعہ کے قیام کے بعد کلیہ عائشہ صدیقہ کی داغ بیل ڈالنے کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ جب میں نے سنا کہ ابو لڑکیوں کے مدرسہ کا نام ''عائشہ صدیقہ'' رکھ رہے ہیں تو مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے ابو سے شکایت کی کہ آپ میری دو بڑی بہنوں کے نام پر مدرسہ کھول رہے ہیں لیکن میرے نام پر نہیں۔

کلیہ عائشہ صدیقہ کے افتتاح کے بعد ہم تمام بہنیں یہیں تعلیم حاصل کرنے لگیں وہ جامعہ و عائشہ کے ابتدائی ایام تھے۔ اس پود ے کی جڑوں کو مضبوط کرنے، اسے سرد و گرم سے بچانے، اسکی اچھی آبیاری اور پروان چڑھانے اور خوب ثمر آور درخت بنانے کے لئے ابو نے بہت محنت کی۔ بہت ساری رکاوٹوں و مخالفتوں کا ہمت اور استحکام کے ساتھ مقابلہ کیا۔ وہ مدارس کی شبیہ بدلنا چاہتے تھے۔ عربی علوم کو عصری علوم کے ساتھ ہم آہنگ کر کے ایک نیا نصاب تعلیم تشکیل دینا چاہتے تھے تاکہ جب طلباء مدارس سے فارغ ہو کر عملی دنیا میں قدم رکھیں تو ان کے سامنے ایک وسیع میدان رہے۔ ساتھ ہی

بچیوں کی تعلیم کے فروغ کے لئے کوشاں تھے۔ ابو بچیوں کی تعلیم کے زبردست حامی تھے ان کا خیال تھا کہ ایک عورت کی تعلیم پورے خاندان کی تعلیم ہوتی ہے، ایک معاشرہ سدھار پاتا ہے، بچوں کی بہترین تربیت ہوتی ہے۔ اپنی اسی فکر کے تئیں انہوں نے بچیوں کے مدارس کی بنیاد ڈالی۔ یہ ان کے وہ خواب اور خواہشیں تھیں جن کی تکمیل انکا مقصد حیات بن گئی تھی جس کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔

ابو جب بھی منصورہ آتے ہماری تعلیم کا جائزہ لیتے اور خوب محنت سے پڑھنے کی تلقین کرتے، مصادر و مراجع کی ڈھیروں کتابیں مہیا کرتے، مسابقوں اور مقابلوں میں حصہ لینے پر ابھارتے بلکہ شرکت کو لازمی قرار دیتے اور ہمیشہ کی طرح ہر میدان میں کامیابی پر ڈھیروں پیار، دعائیں اور انعامات دیتے۔ میری طالب علمی کے ایام میں ابو نے مجھے کئی خطوط لکھے۔ ان کے خطوط محبت، شفقت اور نصیحت سے پر ہوتے تھے، ہر خط کے آخر میں یہ بات ضرور لکھتے کہ ''بیٹا خوب محنت سے دل لگا کر پڑھو تمہیں ساری عمر پڑھنے پڑھانے میں گزارنی ہے''۔ ابو کے خطوط کی یہ سطریں میرے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں، یہ سطریں میری عملی زندگی کی اساس ہیں۔

اچھے تعلیمی رزلٹ پر انعام کے طور پر چھٹیوں میں اکثر ابو ہمیں گھمانے لے جاتے۔ ہندوستان کے تقریباً تمام بڑے شہر اور کئی ہل اسٹیشن کی سیر ابو نے کرائی۔ یہ سفر محض تفریحی ٹور نہیں ہوتے تھے بلکہ یہ تعلیمی ٹور تفریحی ٹور اور دعوتی ٹور کا مجموعہ ہوتے تھے۔ سفر سے پہلے زور و شور کے ساتھ سفر کی تیاریاں ہوتی تھیں۔ ابو بہت باریک بینی سے سفر کی تیاریوں کا جائزہ لیتے سفر کے دوران بھی ابو نماز باجماعت کا مکمل اہتمام کرتے۔ ہم نے ابو کے ساتھ پہاڑوں پر

کبھی ساحل سمندر پر، جھیل کے کنارے، کبھی جھرنوں کے کنارے، وادیوں میں، کبھی جنگلوں میں، مرغزاروں میں، کبھی صحرا میں یہاں تک کہ اسپتال میں بھی نماز باجماعت ادا کی ہے۔ قدرتی مناظر اور حسن فطرت انہیں بہت مرغوب تھے، ایسے مقامات پر وہ بے ساختہ اللہ رب العالمین کی کبریائی بیان کرتے اور سجدہ ریز ہو جاتے، دعوتی پروگرام اس ہمیشہ ہمارے سفر کا حصہ ہوتے، جسمیں اکثر ابو ہم ٹوٹے پھوٹے طالب علموں کو بھی شریک کیا کرتے تھے، لہذا ہمارے سفر سے قبل کی تیاریوں میں ایک عدد تقریر کو اچھی طرح رٹ لینا بھی شامل تھا۔

ابو کے پاس معلومات کا خزانہ تھا۔ جہاں بھی لے جاتے اس جگہ کی تاریخ، جغرافیہ، سیاست، معیشت اور صنعت وغیرہ کے بارے میں بڑی مفصل معلومات دیتے۔ ساتھ ہی وہاں مسلمانوں کا تناسب اور ان کے حالات کے بارے میں بتاتے۔ جماعت اور اس کی کارکردگی کا جائزہ لیتے۔ سفر کے دوران ابو کی شخصیت بالکل تبدیل ہو جاتی۔ سارا سفر ہنستے ہنساتے، لطیفے، کہانیاں اور واقعات سناتے رہتے۔ مزاح اور بشاشت ان کی طبیعت پر غالب رہتی۔ خوب دل کھول کر خریداری کراتے۔

کلیہ عائشہ سے فراغت کے بعد ابو کی حسب خواہش بمبئی میں مزید تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کی۔ بڑے بھائی اکرم مختار کی کوشش سے میرا داخلہ گیارہویں جماعت میں ہو گیا۔ گیارہویں جماعت سے لیکر M.A. کرنے تک ایک طویل عرصہ ابو کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ اس دوران میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ میرا کمرہ ابو کے کمرے سے متصل تھا لہذا ان کے معمولات پر میری بڑی گہری نظر رہتی۔ ابو وقت کے بڑے پابند تھے۔ ان کے معمولات گھڑی کی سوئی کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ ان کی صبح تین بجے ہو جاتی۔ تہجد سے فارغ ہو کر بڑے دلنشین انداز میں قرآن کی تلاوت کرتے پھر فجر کی نماز کے لئے مسجد چلے جاتے۔ نماز کے بعد مسجد میں درس قرآن دیتے اس کے بعد مسجد سے قریب پارک میں چہل قدمی کے لئے جاتے ساتھ میں احباب کا پورا گروپ ہوتا۔ واپس آکر کچھ دیر مطالعہ اور لکھنے کا کام کرتے۔ غسل کرتے ناشتہ کرتے اور اپنے وقت مقررہ پر آفس کے لئے نکل جاتے۔ دوپہر کا کھانا آفس میں کھاتے۔ عموماً شام آٹھ ساڑھے آٹھ تک ان کی واپسی ہوتی، تھوڑی دیر آرام کرتے، نماز پڑھتے، خبر سنتے ہوئے رات کا کھانا کھاتے تھوڑی دیر بات چیت کرتے اور سو جاتے۔

موسموں کے تغیر اور شدت سے بھی ان کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ معمولی دکھ بیماری کو وہ کبھی خاطر میں نہ لاتے کام میں تساہل، اکتاہٹ یا تھکن کبھی ان کے معمول کا حصہ نہ بنی۔ کتنی ہی رات کو وہ سفر سے واپس آئیں صبح معمول کے مطابق اپنا بستر چھوڑ دیتے اور فجر کی نماز کے لئے مسجد جاتے۔

رفتار زمانہ کے ساتھ ابو کی صحت بھی متاثر ہوتی گئی۔ شوگر اور دل کے مرض نے دامن تھام لیا، گھٹیا کا درد بھی اکثر اٹھتا رہتا۔ لیکن ابو حرکت وعمل کا مجسمہ تھے، تکلیف میں تھوڑا سا بھی آرام ہوتا اور وہ اپنے کام کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔ اپنے مشن کی تکمیل کے لئے دیوانہ وار انتھک محنت کی۔ مختلف شہروں میں جامعہ کی شاخیں کھولیں۔ پورے ہندوستان میں مساجد کا جال بچھا دیا۔ بے شمار تصانیف وتالیفات، تراجم اور مضامین کے ذریعے مسلمانوں کو جھنجھوڑ دیا۔ جماعت میں ایک نئی روح پھونکی اور ملک وملت کے لئے بے شمار رفاہی وفلاحی خدمات انجام دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ان خدمات جلیلہ کو قبول کرے اور ان کے درجات بلند کرے (آمین)

گھریلو زندگی میں ابو دو متضاد مزاج رکھتے تھے۔ کبھی شبنم کی طرح سرد اور لطیف، کبھی شعلہ کی طرح گرم، سخت اصول پسند اور نظم وضبط کے پابند۔ ابو کو گھر میں بے ترتیبی بالکل پسند نہیں تھی۔ صبح اپنا بستر وہ خود تہہ کرتے تھے۔ اپنی الماری، کپڑوں اور دیگر لوازمات کو وہ گاہے بگاہے ترتیب دیتے رہتے تھے۔ ان کی ذاتی اشیاء اپنی جگہ پر ہمیشہ مرتب رہتی تھیں۔ شوروغل اور ہنگامہ کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ گھر میں کسی بھی قسم کی لغویات اور فضولیات کی ہرگز اجازت نہیں تھی۔ گھر میں خواتین کے لئے بھی نماز باجماعت کے اہتمام پر زور دیتے نتیجتاً ہمارے گھر میں خواتین بھی باجماعت نماز ادا کرتی ہیں جسکی امامت بیشتر امی کرتی ہیں۔

ابو کو کتابوں سے عشق تھا۔ جب تک نگاہیں اچھی تھیں، خصوصاً اتوار کے دن اپنا زیادہ تر وقت مطالعہ میں گزارتے۔ گھر میں بھی ایک لائبریری بنا رکھی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ کتابوں سے زیادہ خوبصورت اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔

ابو بہت ملنسار اور مہمان نواز تھے۔ لوگوں سے نہایت انکساری وخاکساری سے ملتے۔ کسی مہمان کی آمد پر بہت جاندار مسکراہٹ سے استقبال کرتے۔ پرتکلف ضیافتوں کا اہتمام ان کے محبوب ترین مشاغل میں سے تھا۔ اہل علم اور ہم ذوق لوگوں کو اکٹھا کرنے کا بہانہ ڈھونڈتے اور بڑی بڑی ضیافتوں کا اہتمام کرتے۔ ان کا حلقہء احباب بہت وسیع تھا ابو کے احباب میں عرب وعجم کے بڑے بڑے علماء ومشائخ بھی شامل تھے جن کی میزبانی کا شرف ہمیں اکثر حاصل ہوتا رہتا۔ علماء اور دانشوروں کی مجلسیں انہیں بہت عزیز تھیں اکثر ایسی محفلوں کا انعقاد کرتے۔ عام ضیافتیں ہوں یا گھریلو تقاریب، ہر مجمع میں وہ دعوتی اور اصلاحی پروگرام کو ضرور شامل رکھتے، اپنے ساتھ کام کرنے والوں کی بہت عزت کرتے تھے۔ اپنے ماتحتوں اور ملازمین کے ساتھ ان کا رویہ بہت نرم اور مشفقانہ ہوتا۔ ہم سے ہمیشہ گھر کی ملازمات کے ساتھ بہتر سلوک کی نصیحت کرتے۔ ان کے کھانے پینے، رہنے سہنے، لباس اور دیگر ضروریات کو احسن طریقے سے پورا کرنے کی بار بار تلقین کرتے۔ یہ حدیث اکثر سناتے، "عن أبی ذر قال: قال رسول الله ﷺ: إخوانكم جعلهم الله فتية تحت أيديكم فمن كان أخوة تحت يده فليطعمه من طعامه وليلبسه من لباسه. ولا يكلفه ما يغلبه فإن كلفه ما يغلبه فليعنه". (ترمذی کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی الاحسان)

تمہارے ملازمین تمہارے بھائی ہیں، جو کچھ تم کھاؤ انہیں بھی کھلاؤ، جیسا لباس پہنو انہیں بھی پہناؤ، ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالو، ضرورت کے وقت ہاتھ بھی بٹاؤ۔

غریبوں اور فقراء ومساکین کو کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تھے، گھر سے نکلتے وقت خصوصاً کچھ رقم لیکر نکلتے تھے۔ "اماطة الاذی عن الطريق صدقة" کی پیروی کرتے ہوئے ہر تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹاتے ہوئے گزرتے تھے۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے۔ سامنا ہونے پر سلام کلام اور خیریت معلوم کرتے۔ گھر میں کوئی ایسی بات نہیں کرتے تھے جس سے پڑوسیوں کو تکلیف ہو، یہاں تک کہ بچوں کے دوڑنے بھاگنے یا شور شرابہ کرنے پر بھی تنبیہ کرتے کہ اس سے پڑوسیوں کو تکلیف ہوگی۔ کوئی اچھا کھانا بنتا تو پڑوسیوں کے یہاں بھجواتے۔ اس بات کا بہت خیال رکھتے کہ گھر کے باہر راہداری میں ہمیشہ روشنی رہے نیز یہ بھی کہ کوئی ایسی چیز نہ پڑی رہ جائے جس سے گزرنے والے کو کوئی تکلیف پہنچے، خاکساری وانکساری ان کے

مزاج کا حصہ تھی۔ اکثر یہ دعا پڑھتے:" اللھم اجعل فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیر ا "اور واقعی انہیں اللہ نے عزت ومنزلت کا اعلیٰ مقام عطا کیا۔

گھر میں بیوی بچوں اور گھر کے دیگر افراد کے ساتھ ابو کا رویہ مشفقانہ ہوتا۔ خصوصا عورتوں کے ساتھ ابو نرم اور دھیمے لہجے میں بات کرتے۔ نہایت شائستگی سے کوئی بات سمجھاتے۔ ابو بہت زیادہ خیال رکھنے والے، محبت کرنے والے اور منصف مزاج سربراہ تھے۔ دردمند دل رکھتے تھے۔ ہماری تھوڑی سی تکلیف میں بھی بے چین ہو جاتے۔ ہر وقت ہماری خوشی کے لئے کوشاں رہتے۔

ابو عورتوں کو بے جا سختی اور پابندی میں رکھنے کے قائل نہ تھے، شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے ہمیں اپنی ضروریات کی تکمیل کی اجازت تھی۔ لیکن خلاف اصول کوئی بات ہونے پر بہت ناراض ہوتے اور نہایت سختی سے پیش آتے۔

ابو بہت نفیس اور اعلیٰ ذوق کے حامل تھے۔ ان کی شخصیت ان کے ذوق کی آئینہ دار تھی۔ صبح آفس کے لئے نکلنے سے قبل ٹوپی سے لے کر جوتے، خوشبو اور چھڑی تک ہر چیز کے انتخاب میں بہت تال میل رکھتے۔ ابو صرف سفید سوتی کپڑے پہنتے تھے۔ انکا لباس بالکل بے داغ اور چمکتا ہوا سفید ہوتا تھا۔ ابو کی الماری میں صدری، شیروانی، ٹوپی، موزے، جوتے اور چھڑی کی کثیر تعداد موجود رہتی۔ جس میں سے روزآنہ وہ بڑی باریک بینی سے انتخاب کرتے۔ ابو جب بھی بیرون سفر سے آتے ہمارے لئے بھی بہت عمدہ نفیس اور خوبصورت کپڑے ضرور لاتے۔ بلاشبہ ان کے لائے ہوئے لباس ہمیں ہر جگہ منفرد بناتے تھے۔

خاندان اور پاس پڑوس کی خواتین کی دینی تربیت کیلئے ابو ہر پندرہ دن کے بعد ایک بار گھر پر اور ایک بار اپنے آفس کے ہال میں خواتین کی دینی مجلس کا انعقاد کرتے۔ دو گھنٹہ کے اس پروگرام میں ابو خواتین اور معاشرتی مسائل پر نہایت آسان اور سلیس زبان میں دینی معلومات دیتے اور خواتین کے مسائل اور سوالوں کا مفصل جواب دیتے۔ ابو کو ادب اور شعر وشاعری سے بھی بہت لگاؤ تھا۔ جب بھی کوئی اچھی بات یا اچھا شعر سنتے تو اسے اپنی ڈائری اور ذہن میں محفوظ کر لیتے اور اپنی گفتگو میں بروقت اس کا استعمال کرتے۔

ابو کے مزاج میں مزاح کا رنگ بہت غالب تھا۔ اکثر لطیفے، واقعات اور اپنی ذاتی زندگی کے تجربوں کو بڑے مزاحیہ انداز میں بیان کرتے، دل کھول کر ہنستے اور ہنساتے، ان کی مسکراہٹ بہت پیاری تھی۔ اسی طرح اگر ان کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جاتی تو انہیں بہت شدید غصہ آتا تھا۔ انکا جلال بہت خطرناک تھا جس سے سبھی خوف کھاتے تھے۔ حتی المقدور ہماری کوشش ہوتی تھی کہ ایسی کوئی بات نہ ہونے پائے جس سے انہیں غصہ آئے۔ غصہ ٹھنڈا ہونے پر اسکا بہت احساس کرتے اور اس کی تلافی کی ہر ممکن کوشش کرتے۔

ابو کو اسپورٹس سے بھی خاص دلچسپی تھی، بالخصوص فٹ بال ان کا پسندیدہ کھیل تھا۔ غالباً اسلئے بھی کہ نوخیزی میں وہ فٹ بال کے اچھے کھلاڑی رہ چکے تھے۔ جب تک نگاہیں اچھی تھیں وہ فٹ بال کے میچ خصوصا ورلڈ کپ بڑے شوق اور اہتمام کے ساتھ دیکھا کرتے۔ اپنی پسندیدہ ٹیم کا گول ہونے پر بڑے جذباتی انداز میں خوشی کا اظہار کرتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی خاص میچ رات کے کسی پہر ہونا ہوتو اس کیلئے باقاعدہ گھڑی میں الارم لگا کر سوتے۔

ابو کو اپنے وطن کی تہذیب وثقافت بہت عزیز تھی۔ گھر میں کبھی کبھار امی سے اپنے وطن مئو کی زبان میں بات کرتے اور ہمیں بھی

بولنے پر اکساتے، اور ہمارے بولنے کی کوشش کرنے یا صحیح بولنے پر وہ بہت خوش ہوتے۔ وطن کے پکوان انہیں بہت پسند تھے، جنہیں وہ اکثر فرمائش کر کے بنوایا کرتے۔ وہاں کی ندی، باغ، گلی کوچوں اعزہ واقرباء، احباب اور متعلقین کو اکثر یاد کرتے اور ان سے متعلق ہمیں باتیں سنایا کرتے۔ ابو کو رشتہ داروں کے درمیان رہنے کا کم ہی موقع ملا پھر بھی رشتہ داروں سے متعلق اپنی ذمہ داری کو انھوں نے احسن طریقہ سے نبھایا۔ صلہ رحمی کی اہمیت کو ہمیشہ مدنظر رکھا اور ہمیں بھی گاہے بگاہے اسکی نصیحت کرتے رہتے۔ ابو نے اپنے تمام بیٹے بیٹیوں کو تعلیم مکمل کرتے ہی حج کرایا۔ امی اسے ایک بوڑھی عورت کی دعاؤں کا ثمرہ قرار دیتی ہیں، اس سلسلہ میں امی ایک واقعہ کا ذکر کرتی ہیں کہ ایک دفعہ امی ابو کے ساتھ سفر حج پر تھیں، ایک بوڑھی عورت زم زم کے کنویں کے پاس بیٹھی زاروقطار رورہی تھی، امی نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا شوہر بہت بیمار ہے اور اگر اس کے گھر آنے سے قبل وہ پانی بھر کر نہیں لے گئی تو وہ بہت ظلم کرے گا۔ امی نے ابو سے سارا ماجرہ سنایا تو ابو نے پانی بھر کر اس کے گھر تک پہنچادیا اس بوڑھی عورت نے روتے ہوئے دعادی تھی کہ اللہ تعالی تمہارے سارے بچوں کو حج کی سعادت نصیب کرے۔

ابو نے بیرون ہند کے بھی کئی سفر کرائے جس میں حج کے شاہانہ سفر کے علاوہ دیگر کئی عمرے، قاہرہ، اسکندریہ کا تاریخی سفر، جدہ، ریاض، دبئی، شارجہ، عجمان، ابوظبی وغیرہ کے یادگار سفر شامل ہیں۔

ابو جب مجھے اور مجھ سے بڑی بہن عائشہ آپا کو حج پر لے گئے اس سفر میں ہم رابطہ کے خصوصی مہمان تھے، جس کی بنا پر حج کا سفر نہایت آسان، سہل اور آسائشوں سے پر تھا۔ بیرون ملک کے سفر کے دوران ابو سفر کی مختلف کارروائیوں کے بارے میں معلومات فراہم کرتے اور اعتماد پیدا کرنے کیلئے چھوٹی ذمہ داریاں ہمارے سپرد کرتے۔ سفر کے دوران ابو بہت پر جوش ہوتے۔ وہ چاہتے تھے کہ سفر کی محدود مدت میں ہمیں اس جگہ کا چپہ چپہ دکھادیں، سارا بازار خرید کر ہمارے قدموں میں رکھ دیں۔

ابو کے ساتھ دبئی کے سفر کا ایک یادگار واقعہ

دبئی کے بازار میں ابو کے ایک قریبی شناسا سے ملاقات ہوگئی۔ جب مقابل کو معلوم ہوا کہ اپنی فیملی کے ساتھ چھٹیاں منارہے ہیں تو انہوں نے نہایت اصرار کے ساتھ ہمیں اپنے گھر پر مدعو کیا۔ یہ طے ہوا کہ ہم ان کے آفس پہنچ جائیں وہاں سے وہ ہمیں اپنے ساتھ گھر لے جائیں گے۔ اگلے روز پوری تیاری کے ساتھ وقت مقررہ پر ہم دعوت کھانے کی غرض سے ان کے دفتر پہنچ گئے۔ سلام دعا اور اظہار مدعا کے بعد ابو کے دوست کے چہرے پر حیرانی اور ابو کے چہرے پر پشیمانی کے بڑے واضح تاثرات نظر آئے اور پھر دونوں کے فلک شگاف قہقہے سنائی دئے۔ معلوم ہوا کہ دعوت آج نہیں کل ہے، حالانکہ ابو کے دوست نے پھر اپنے گھر چلنے کے لئے بہت اصرار کیا لیکن ابو نے سہولت سے منع کر دیا کہ ہم آپ کے یہاں ایمرجنسی والی دعوت نہیں بلکہ پر تکلف دعوت کھائیں گے اور ہمیں دبئی کے دہلی دربار ہوٹل لے گئے اور شاندار کھانا کھلایا۔ ابو اکثر اس واقعہ کو یاد کر کے محظوظ ہوتے۔

ہم بھی بھائی بہن کسی موقعہ پر اپنے بچوں کے ساتھ جب اکٹھا ہوتے تو ابو کی خوشی دیدنی ہوتی۔ اپنے بھرے پرے پریوار کو دیکھ کر پھولے نہ سماتے۔ ان کا بس نہ چلتا کہ دنیا کی کون سی نعمتیں لاکر ہمارے قدموں میں نچھاور کردیں۔ ابو کے ساتھ گذرے ہوئے لمحات ہمیشہ خوبصورت یاد بن کر ذہن و دل میں جگمگاتے رہیں گے۔ اللہ تعالی انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ان کی قبر

کو نور سے بھر دے۔ دنیا کی طرح آخرت میں بھی انہیں اعلیٰ مقام عطا کرے ہم سب کو ان کے لئے صدقۂ جاریہ بننے کی توفیق عطا کرے۔ (آمین)

اپنی تمام بیٹیوں کی شادی طے کرنے میں ابو نے دینداری، مسلک اور عقیدہ کو خاص ترجیح دی۔ انکی اسی فکر کا نتیجہ ہے کہ الحمدللہ انکی ہم تمام بچیاں سلفی دیندار گھرانوں میں صحیح مسلک پر دینی ماحول میں زندگی گزار رہی ہیں اور اپنی بساط کے مطابق دین کی تعلیم اور دعوت وتبلیغ کے کاموں میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو قبول کرے اور ہمیں اپنے والدین کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔ (آمین)

ابو کو اس بات کا شدید ارمان تھا کہ میں خوب پڑھوں کلیہ عائشہ میں تقرری کے بعد B.ED. کرنے کے لئے ابو کا اصرار بڑھ گیا یہاں بھی اکرم بھائی کی کوششوں سے میرا داخلہ B.ED میں ہو گیا اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ B.ED میں امتیازی نمبرات سے میری کامیابی نے ابو کو پھر پُر جوش کر دیا کہ میں مزید آگے تعلیم حاصل کروں۔ وہ چاہتے تھے میں ایجوکیشن میں Ph.D کروں اور علمی میدان میں خوب ترقی کروں۔ اس خواہش کا وہ اکثر تذکرہ کرتے، میری حوصلہ افزائی کرتے، مجھے اکساتے اور لبھاتے کہ کتنا اچھا لگے گا جب میں کہوں گا کہ یہ میری بیٹی ہے ڈاکٹر زبیدہ مختار..... میں پوری کوشش کروں گی کہ اپنے ابو کے اس ارمان کو جلد از جلد پورا کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ چھوٹے بھائی ارشد مختار کو جزائے خیر دے کہ ابو کی دلی تمنا اور میرے شوق کو سمجھتے ہوئے وہ اس کوشش میں ہیں کہ اپنی عملی زندگی کی ذمہ داریوں کو نبھانے کے ساتھ ساتھ میں مزید تعلیم حاصل کر سکوں اور اپنے والد کے خواب کو شرمندہ تعبیر کر سکوں۔ اللہ مجھے ہمت وتوفیق دے اور اس راستے کی رکاوٹوں کو دور کرے (آمین)

یہاں ایک خواب کا تذکرہ برمحل ہے جس کی تعبیر آج خوبصورت پیراہن لئے مجسم ہے...... ہمارے منصورہ آنے کے بعد اکثر مجھے یہ خواب نظر آتا کہ ہمارے گھر کے پیچھے گلابوں کا بڑا سا باغ ہے جس میں بیشمار رنگ برنگے خوشنما گلاب کھلے ہوئے ہیں، اور میں اس باغ کی آبیاری اور دیکھ ریکھ کر رہی ہوں۔ میں نے اس خواب کا تذکرہ ابو سے کیا تو انہوں نے بڑی محبت کے ساتھ تسلی دی کہ ”اللہ تعالیٰ بشارت دے رہا ہے کہ اس جگہ تمہارے ذریعے علم کی خوشبو بکھرے گی، لہٰذا حوصلہ رکھو اور محنت اور دیانت داری کے ساتھ دین کی خدمت کرتی رہو، ان شاء اللہ بہترین مستقبل تمہارا منتظر ہے“ ابو کی نصیحتیں ہمیشہ ایک نیا عزم اور حوصلہ عطا کرتی تھیں، تقریباً ۶ رسال بعد ۲۰۰۸ء کے اواخر میں جب مشفق بھائی محترم مدیر الجامعہ ارشد مختار حفظہ اللہ نے یہ مسرت آمیز خبر سنائی کہ کلیہ عائشہ کی جدید تعلیمی عمارت کی تعمیر کا منصوبہ منظور ہو گیا ہے اور اس کی تعمیر تمہارے گھر کے پیچھے جو خالی جگہ ہے وہاں ہوگی، یہ سننا تھا کہ مجھے اپنا خواب، ابو کی بتائی ہوئی تعبیر، ابو کی تسلیاں اور منزل کا نشان بتانا تمام باتیں یک لخت ذہن میں آباد ہو گئیں، جیسے جیسے کلیہ عائشہ کی اس عمارت کی تعمیر ہوتی رہی مجھے اس میں انہیں گلابوں کی جھلک نظر آتی رہی ایسا محسوس ہوتا جیسے ہر اینٹ کے ساتھ ابو کے خواب، ان کی خواہشات مجسم ہو رہی ہوں، آج یہ عظیم الشان عمارت مکمل ہو کر اپنی پوری آن وبان کے ساتھ جلوہ فگن ہے اور یہ پیغام دے رہی ہے کہ بانی جامعہ رحمہ اللہ نے قوم کی بچیوں کی تعلیم کا جو بیڑہ اٹھایا تھا اور جس کی خاطر انہوں نے کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کی ان کی شروع کی گئی وہ تحریک مسلسل ترقی کی منازل طے کر رہی ہے۔

صبح جب تمام طالبات ایک ساتھ اس عمارت کے صحن میں ترانہ پڑھتی ہیں تو ایسا لگتا ہے سینکڑوں گلاب فضا کو معطر کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس چمن کی خوشبو سے سارے عالم کو معطر کردے۔ آمین۔

ابو نے اپنی زندگی میں بڑی ثابت قدمی کے ساتھ بڑے بڑے غموں کو جھیلا۔ سخت محنت اور مصروفیت میں زندگی گزاری۔ الجھنیں، تناؤ اور فکر ان کی زندگی کا ایک حصہ بن گئی تھیں۔ حوادث زمانہ نے ان کی صحت پر بہت اثر ڈالا حتیٰ کہ وہ دل کے مریض ہوگئے یہاں تک کہ بائی پاس سرجری کی نوبت آگئی۔ مجھے یاد ہے جس صبح ان کے دل کا آپریشن ہونا تھا اس سے ایک دن قبل ہم تمام افراد خانہ ان کے پاس بریچ کینڈی اسپتال میں تھے۔ نماز کا وقت ہونے پر مغرب کی نماز ہم نے اسپتال میں ابو کے ساتھ باجماعت ادا کی تھی جسے دیکھ کر اسپتال کا عملہ متحیر تھا۔ یہاں ایک بات اور بتاتی چلوں کہ ابو کا دل سینے میں بائیں کی بجائے دائیں جانب تھا۔ گویا اللہ نے انہیں صرف ظاہری طور پر ہی نہیں بلکہ باطنی طور پر بھی انفرادی شان عطا کی تھی۔

آپریشن کے بعد ابو کی صحت بجائے سنبھلنے کے اور زیادہ خراب ہوتی گئی۔ ساتھ ہی شوگر کا مرض بھی بڑھتا گیا۔ بصارت بھی بہت تیزی سے متاثر ہوتی رہی۔ نتیجتاً لکھنے پڑھنے کے کاموں میں انہیں سہارا لینا پڑتا۔ جب نگاہیں اچھی تھیں تو وہ روزانہ صبح ناشتہ کے وقت روزنامہ انقلاب کا مطالعہ کرتے تھے۔ بصارت کمزور ہوجانے کے بعد روزانہ صبح امی اخبار پڑھ کر سناتیں۔ یہ منظر نگاہوں کو واقعی بہت بھلا لگتا۔ امی نیوز ریڈر کی طرح مخصوص رو میں خبریں پڑھتیں اور ابو بغور انہیں سنتے۔

ضعف، بصارت میں کمی، نسیان اور مختلف بیماریوں نے بھی ان کے سابقہ معمول پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا۔ تہجد، رات کے آخری پہر کی تلاوت، عبادت اور گریہ وزاری زندگی کے آخری دن تک ان کا معمول تھی۔ مسجد کی طرف ان کا دل لگا رہتا، اذان کے وقت سے بہت پہلے ہی مسجد جانے کی تیاری شروع کردیتے۔ بصارت جب زیادہ ہی کمزور ہوگئی تو چھوٹے بھائی ارشد مختار جن کی رہائش ابو کے ساتھ تھی ان کے بچے ضرور ابو کے ساتھ مسجد جاتے اگر کسی وقت ان میں سے کوئی موجود نہ ہوتو راستہ خراب ہونے کی بناء پر امی مسجد جانے سے منع کرتیں تو جواب میں کہتے کیا تمہیں ابن ام مکتوم کی وہ حدیث معلوم نہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ مجھے نظر نہیں آتا اور مسجد کا راستہ خراب ہے اور مجھے مسجد تک پہنچانے والا کوئی نہیں ہے تو کیا میں گھر میں نماز پڑھ لوں؟ آپ ﷺ نے رضامندی ظاہر کی پھر سوال کیا کہ تمہیں اذان سنائی دیتی ہے تو انہوں نے جواب دیا "ہاں" تو آپ نے فرمایا کہ پھر تم مسجد میں جا کر نماز پڑھو۔ جب نبی ﷺ نے انہیں اجازت نہیں دی تو میں کس طرح گھر میں نماز پڑھوں؟

روزانہ غسل کے وقت اپنا تہہ بند، بنیان اور موزے خود دھوتے اور رسی پر پھیلاتے۔ کسی بھی معاملہ میں تساہل یا تاخیر سخت ناپسند تھی۔ جس پر وہ بہت ناگواری اور غصہ کا اظہار کرتے تھے۔ صبح سے عصر تک اپنے آفس میں رہتے اور عصر بعد اپنی کتابوں کی دکان پر چلے جاتے۔ رات ۸ ربجے تک واپسی ہوتی۔ گھر آتے تو تھکن سے چور رہتے۔ حالانکہ صحت اب اس لائق نہیں تھی کہ وہ سارا دن مصروف رہتے لیکن اگر کوئی انہیں معمول سے ایک کام بھی کم کرنے کے لئے کہتا یا گھر جلدی آنے کا مشورہ دیتا تو اسکی شامت آجاتی کہ کیا تم نے مجھے بوڑھا سمجھ لیا ہے یا میرے اندر کام کرنے کی طاقت نہیں ہے؟ ابو نے نصرت الٰہی پر اپنے آہنی حوصلہ سے زندگی کے آخری دن تک اپنے معمول کے مطابق پورے کام کیے۔

ابو کلیہ عائشہ کی بتدریج ترقی سے بہت خوش تھے۔ اکثر مجھ سے تفصیلی رپورٹ طلب کرتے رہتے اور بڑی دیر تک اسکے منصوبوں کے بارے میں باتیں کرتے رہتے۔ دین کی خدمت کرنے پر ہمیں ڈھیروں دعائیں دیتے اور ساری زندگی دین کی خدمت میں صرف کرنے کی تلقین کرتے۔ بچوں کے ساتھ ساتھ مسلم بچیوں کی عصری تقاضوں کے ساتھ دینی تعلیم کی انہیں حد درجہ فکر رہتی۔

زندگی کے آخری دنوں میں بیٹیوں سے ابو کا پیار بہت بڑھ گیا تھا۔ تشنگی شاید اس لئے اور زیادہ بڑھ گئی تھی کہ ان کی تمام بیٹیاں بمبئی سے باہر مقیم تھیں۔ فرصت کے لحات میں امی سے بیٹیوں کے بارے میں باتیں کرتے رہتے اور ہمیں جلدی جلدی گھر آنے کی تلقین کرتے رہتے۔ ابو بڑی بے صبری سے ہماری چھٹیوں کا انتظار کرتے۔

گذشتہ گرمی کی چھٹیاں ہوتے ہی میں ان کے پاس پہنچ گئی۔ ابو نے فرط مسرت سے میرے ہاتھ چوم لئے، میری بیٹی آگئی کا نعرہ لگایا اور میری خاطر مدارات میں جٹ گئے۔ روزانہ صبح آفس جاتے ہوئے پوچھتے کہ آج تمہارے لئے کیا لاؤں اور پھر آفس سے نکلتے ہوئے فون پر پوچھتے کہ مزید کیا لاؤں۔ فرمائش کرنے میں ذرا بھی تامل کرتی تو فوراً کہتے جب تک باپ زندہ ہے خوب ناز اٹھوالو۔ پھر یہ باتیں صرف یاد بن کر رہ جائیں گی۔ اس دفعہ ابو کی صحت بہت متاثر نظر آئی ابو بہت تھکے ہوئے اور کمزور نظر آئے۔ باتیں بہت جلد بھول جاتے۔ بصارت بہت زیادہ کمزور ہوگئی تھی، یہاں تک کہ اکثر وہ شکل کی بجائے آواز سے پہچانتے۔ سر میں اکثر درد رہنے لگا تھا۔ ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ابو بے انتہا بیمار پڑ گئے۔ ملیریا کا شدید حملہ تھا۔ سخت بخار اور بے انتہا کمزوری ہوگئی۔ گھر پر علاج سے فائدہ نہ ہوا تو اسپتال میں ایڈمٹ کیا گیا۔ چار دن تک ابو آئی سی یو میں تھے۔ ڈاکٹر ابو کے متعلق کوئی امید افزاء بات نہیں کرتے تھے۔ اس وقت بھی وہ آنکھیں بند کئے ہوئے صرف اللہ اللہ پکارتے رہتے۔ ایک مرتبہ آئی سی یو میں میں ان کے پاس تھی۔ بڑی محبت سے انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا اور دوسرے ہاتھ سے میرے ہاتھ تھپکتے ہوئے گنگناتے تھے کہ "میری بیٹیاں میرے دل کا سرور ہیں"۔ آنکھیں بند تھیں، چہرے پر کمزوری اور نقاہت تھی، ہونٹ پپڑی زدہ تھے، زندگی امید ویاس کے مابین معلق تھی اور ابو بیٹی سے محبت کا راگ سنا رہے تھے۔ واللہ ...اتنا سخت لمحہ زندگی میں کبھی نہیں گزرا تھا۔ ٹانگیں کپکپا رہی تھیں۔ آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے، دل پھٹا جا رہا تھا، بے بسی ہی بے بسی تھی، سوائے دعا کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے سو اللہ کا دامن تھام لیا اور دن رات ابو کے لئے دعائیں کیں۔

میری خوش نصیبی کہ ان دنوں میں ان کے پاس تھی اللہ نے مجھے خوب خدمت کا موقعہ دیا۔ میں نے خود کو اور اپنے شیر خوار بچے کو بھلا دیا اور ابو کی تیمارداری میں جٹ گئی۔ ان کی خدمت کرکے دل کو بہت سکون اور اطمینان حاصل ہوتا۔ رات میں کئی بار ان کے پاس آکر دیکھ جاتی کہ انہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ کئی بار ایسا ہوا کہ رات میں انہیں دیکھنے آتی تو انہیں اپنے بستر پر بیٹھا ہوا پایا، پوچھتی کہ ابو کوئی ضرورت ہے؟ تو بڑے پیار سے جواب دیتے کہ بنا آواز دیئے تمہیں کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا آپ نے میری تمام ضروریات اور خواہشات کو بنا کہے پورا کیا ہے۔ اب آپ کے بنا کہے آپ کی ضروریات کا احساس مجھے ہوجاتا ہے تو بہت خوش ہوتے اور مجھے دعائیں دیتے۔ یہ میری بہت بڑی خوش نصیبی ہے کہ زندگی کے آخروقت میں میں نے ابو کی ڈھیر ساری محبت اور دعائیں سمیٹی ہیں۔ اللہ ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشے۔ (آمین)

دوران علاج ابو کے کئی ٹیسٹ ہوئے۔ دماغ کے ایم آر آئی کی رپورٹ تیار کرتے ہوئے ڈاکٹرس نے یہ جانکاہ خبر سنائی کہ ان کی زندگی کے اب کم دن رہ گئے ہیں۔ ان کے دماغ کی نس اسٹراک کی وجہ سے متاثر ہوگئی ہے۔ اس رپورٹ کو لے کر میں ابو کے ڈاکٹر کے پاس گئی، پھر اپنے فیملی ڈاکٹر کے پاس گئی لیکن جب انہوں نے بھی اس کی تصدیق کردی تو میرے حوصلے جواب دے گئے۔ دعاؤں میں پھر شدت آگئی اور دوا علاج کی جانب توجہ مزید بڑھ گئی۔

رفتہ رفتہ طبیعت میں کچھ بہتری آئی۔ کمزوری ونقاہت کچھ کم ہوئی اور وہ آفس اور مسجد جانے کے لئے تیار ہوگئے، حالانکہ ابھی اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی طاقت بھی نہ تھی۔ دونوں جانب سے سہارا لے کر چلتے تھے لیکن اس حال میں بھی انہیں گھر میں بیٹھنا اور آرام کرنا گوارہ نہ تھا۔ صبح معمول کے مطابق آفس جانے کے لئے تیار ہوجاتے اور اگر کوئی منع کرتا یا آرام کرنے کا مشورہ دیتا تو اس پر برس پڑتے۔ میری چھٹیاں ختم ہوگئیں اور واپسی کا وقت قریب آگیا، جیسے جیسے روانگی کا دن قریب آتا گیا ابو کی بے قراری بڑھتی گئی شاید وہ یہ جان گئے تھے کہ بیٹی اپنے پیارے باپ کی محبت اور خدمت کے شرف سے محروم ہونے والی ہے عین روانگی کے وقت جس طرح ضبط کا دامن چھوڑ کر ابو نے مجھے رخصت کیا ہر کسی کی آنکھ آبدیدہ ہوگئی۔ میں گیلی آنکھیں، بوجھل دل لئے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے روانہ ہوئی۔

تقریباً تین مہینے بعد میری ابو سے ملاقات ہوئی۔ انہیں دیکھتے ہی دل میں عجیب سی ہوک اٹھی، وہ بہت کمزور نظر آئے۔ خاموش اور چپ.....صرف تین مہینے میں ہی صحت بہت گر گئی تھی، لیکن معمولات زندگی میں اب بھی کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ صاف نظر نہیں آتا تھا۔ بنا سہارا لئے دو قدم بھی چل نہیں پاتے تھے۔ لیکن مسجد اور آفس جانے کی حرص ویسی ہی باقی تھی۔ خاص فرق یہ محسوس ہوا کہ اب بات چیت بہت کم کرتے تھے۔ اکثر اپنی چھڑی پر سر ٹیک کر خاموش بیٹھے رہتے، خصوصاً دنیوی معاملات سے ان کی طبیعت بالکل اچاٹ ہوچکی تھی۔ میں نے اپنے اس سات دن کے قیام میں ابو کو روزانہ انکی پسند کے کھانے بنا کر کھلائے اسلئے کہ وہ اچھے کھانے کے بہت شوقین تھے لیکن دل اور شوگر کے مریض ہونے کی بناء پر برسوں سے نہایت سادہ کھانا کھاتے تھے۔ میری روانگی سے ایک دن پہلے رات میں سونے جانے سے قبل انہوں نے مجھے اپنے پاس بلایا اور بہت دیر تک میرے بچوں اور گھر بار کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ میرے سسر حافظ سلیمان میرٹھی صاحب کو یاد کیا۔ میری زندگی پر بہت اطمینان ظاہر کیا، کلیہ عائشہ اور جامعہ محمدیہ کے متعلق بہت سی باتیں کیں۔ جتنے لوگوں کے نام یاد تھے سب کا نام لے کر اور عموماً تمام اساتذہ اور معلمات، طلباء وطالبات سب کی خیریت دریافت کی۔ کلیہ عائشہ کی سرگرمیوں خصوصاً تخصص اور دعوت وتبلیغ کا شعبہ شروع کرنے پر بہت خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا اور اسی طرح کلیہ عائشہ کی اچھی آبیاری کی تلقین کی۔ کچھ لکھنے پڑھنے، خصوصاً خواتین کے متعلق موضوعات پر قلم اٹھانے کی ترغیب دی اور ساری زندگی دین کی خدمت میں گزارنے کی نصیحت کی اور اپنا ذاتی قلم مجھے تحفہ میں دیا، میرے لئے ان کا یہ آخری تحفہ تھا، اگلے دن میں منصورہ کے لئے روانہ ہوگئی گویا یہ والد محترم سے آخری ملاقات تھی۔ صبح حسب معمول وہ آفس جانے کی تیاری کر رہے تھے اور میں ان کی تیاری میں مدد کر رہی تھی۔ ان کی آنکھ میں دوا ڈالی، ان کا چشمہ دیا، موبائیل اور قلم تھمایا۔ ان کی چھڑی نہیں مل رہی تھی، دوڑ کر باتھ روم سے چھڑی لاکر تھمائی، بہت خوش ہوگئے، خوب دعائیں دیں اور امی سے کہا

میری یہ بیٹی مجھے بہت اچھی لگتی ہے کیونکہ یہ بہت سمجھدار اور خدمت گزار ہے، میرے قدم زمین پر جم گئے، دل کی عجیب سی کیفیت ہوگئی، ابو کی زبان سے اپنے لئے اتنے اچھے کلمات کی خوشی اور ان سے بچھڑنے کا غم دونوں خلط ملط ہو گئے چہرے پر خوشی اور آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب سا آگیا۔اس کیفیت سے جب تک میں باہر آئی ابو سلام کر کے آفس کے لئے نکل گئے تھے ۔ یہ میری میرے پیارے ابو سے آخری ملاقات تھی۔

ٹھیک چار دن کے بعد...... آج اتوار کا دن تھا۔ اتوار کا دن ہمارے لئے خصوصی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ کیونکہ اس دن امی ابو اپنی تمام ہی بیٹیوں سے فون پر ضرور بات کرتے تھے۔ ہمیشہ کی طرح مجھے ابو کے فون کا انتظار تھا۔ حالانکہ ابھی سنیچر کی رات ہی امی اور بڑی بہن سے فون پر بات ہوئی تھی۔ ابو کی خیر خیریت بھی معلوم ہوئی اور بات کے دوران ان کی آواز بھی سنی لیکن معمول کے مطابق بہر حال اتوار کے فون کا انتظار تھا، عصر بعد مالیگاؤں میں کلیہ عائشہ کی جانب سے دعوت وتبلیغ کا پروگرام تھا۔ شام چار بجے پروگرام کے لئے جاتے وقت میں نے ابو اسامہ سے کہا کہ گھر سے فون آئے تو بتادیں میں پروگرام میں شریک ہوں اور ابو مغرب بعد مجھ سے ضرور بات کرلیں۔ دراصل میں ابو کو کلیہ عائشہ کی سرگرمیوں کی رپورٹ کے بارے میں بتانا چاہتی تھی جو صوت الحق کے تازہ شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔ مغرب سے کچھ قبل بانیء جامعہ کے لئے نیک دعاؤں کے ساتھ ہمارا پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ جامعہ میں داخل ہوتے ہی یہ روح فرسا خبر گیٹ پر سنائی دی کہ بڑے مولانا کا انتقال ہوگیا۔ بہت دیر تک سمجھ میں نہیں آیا کہ کس کی بابت کہا گیا ہے لیکن جب اپنے بچے اسامہ کو میں نے بلک بلک کر روتے دیکھا تو ان الفاظ کی سنگینی کا احساس ہوا اور پھر اشک اور ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔زبان مسلسل انا للہ وانا الیہ راجعون کا ورد کررہی تھی، لیکن عقل حیران اور دل بے یقین سا تھا۔ ہم فوراً بمبئی کے لئے نکل گئے۔ اللہ اکبر۔ بلاشبہ ابو کا اتنا مطمئن اور صاف شفاف چمکتا چہرہ میں نے اس سے قبل نہیں دیکھا تھا۔ ایسا لگا ایک دھیمی سی مسکراہٹ لئے، نرمی سے آنکھوں کو مونڈے، نفاست سے بال سنوارے ابو گہری نیند سو رہے ہیں اس وقت امی کا صبر واقعی ایک مثال ہے، اور یقیناً ایسے ہی صبر پر بشارت دی گئی ہے۔ میں اپنے اندر امی کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر پارہی تھی کہ کس طرح میں ان کا غم اور دکھ برداشت کر پاؤں گی۔ لیکن ان کو دیکھا تو ان کے صبر نے مجھے بھی حوصلہ دیا، امی نے ساری رات سجدہ میں گزار دی۔ جب بہت تھک جاتیں تو تھوڑی دیر بیٹھ جاتیں اور پھر وضو کر کے نماز کے لئے کھڑی ہو جاتیں، آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے لیکن ایک بار بھی انہیں تیز آواز سے روتے نہیں سنا۔ ظہر تک ابو کی تدفین کی تیاریاں مکمل ہوگئیں۔ ان کی خفیف سی مسکراہٹ لئے چمکتا جگمگاتا چہرہ دیکھ کر دل کو اطمینان ہوگیا کہ ابو دنیا کی تکلیفوں سے نجات پاکر ایک آرام دہ اور اچھی زندگی کے لئے روانہ ہوگئے ہیں جس کا اللہ نے قرآن میں بارہا وعدہ کیا ہے۔ آج ابو ہمارے درمیان موجود نہیں ان کی زندگی کا ہر صفحہ، ہر لمحہ ہمارے لئے ایک سبق ہے نصیحت اور رہنمائی ہے وہ ہمارے دل و ذہن میں اپنی بے شمار یادوں کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اللہ تعالی ہمارے اندر، ہمارے والد کے مشن کو پورا کرنے کی ہمت دے۔ ان کے ارادوں منصوبوں اور خواہشات کو تکمیل تک پہنچانے کی طاقت دے۔

والد محترم کی بعض نصائح اور وصیتیں

ابو کی زندگی کا ہر لمحہ ہمارے لئے درس اور سبق کی حیثیت رکھتا

ہے وہ اپنی بے مثال زندگی میں ہمارے لئے بے شمار نصیحتیں چھوڑ گئے ابو سے میری آخری ملاقات رحلت سے چار روز قبل ہوئی تھی اس ملاقات میں دیگر باتوں کے علاوہ ابو نے مجھے ساری زندگی دین کی خدمات میں گزارنے کی تلقین کی تھی۔خواتین کے متعلق دینی مسائل پر قلم اٹھانے کی ترغیب دی۔بچیوں کی تعلیم کے فروغ خصوصاً کلیہ عائشہ صدیقہ کی اسی طرح بہتر آبیاری اور ترقی کی پرزور نصیحت کی۔

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (طلاق:۲-۳)

اللہ کی ذات پر جو شخص بھروسہ اور یقین رکھتا ہے اللہ تعالی اس کیلئے سبیل پیدا کرتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق فراہم کرتا ہے جس کے بارے میں بندہ گمان بھی نہیں کرسکتا۔

جب ہم چھوٹے تھے ابو اس آیت کے مفہوم کو کہانی کی شکل میں بار بار ہمیں سناتے یہاں تک کہ اسے ہمارے ذہن میں پختہ کردیا اب بھی اکثر اس آیت کی تلاوت کرتے اور اس کے معنی کی گہرائی کو ہمیں سمجھاتے۔

وقت کی پابندی اور اہمیت کا ہمیشہ خیال رکھنا

ابو وقت کے بہت پابند تھے اور دوسروں سے بھی ایسی ہی وقت کی پابندی کی توقع رکھتے تھے اس سلسلے میں وہ کوئی عذر یا سمجھوتا ہرگز قبول نہیں کرتے تھے۔کسی کام کی پائیداری اور احسن طریقے سے انجام دہی کے لئے وقت کی پابندی کو اہم جزء قرار دیتے تھے۔

لاعبه سبعا ادبه سبعا صاحبه سبعا: بچوں کی تربیت کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کے اس قول کو ہمیشہ پڑھ کرسناتے اور اسکی بڑی مفصل وضاحت کرتے، بچوں کی بہترین تعلیم وتربیت اور عمدہ پرورش کے بارے میں اکثر نصیحتیں کرتے۔

علم سیکھنے اور سکھانے پرزور دیتے

ہماری طالب علمی کے ایام میں ابو نے جتنے بھی خطوط لکھے اس میں یہ نصیحت ضرور شامل رہتی کہ خوب محنت سے پڑھو تمہیں ساری زندگی پڑھنے پڑھانے میں گزارنی ہے۔تعلیم مکمل ہونے کے بعد تقریر، تحریر، تدریس کسی بھی طرح سے اس علم کو دوسروں تک پہنچانے کی ہمیشہ پرزور تلقین اور نصیحت کرتے۔

☆إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيراً وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً (احزاب:۳۵) تبلیغ دین میں عورتوں کی ذمہ داری کو اجاگر کرنے کیلئے اکثر سورۂ احزاب کی اس آیت کی تلاوت کرتے اور اس کا مفہوم سمجھاتے کہ جب ہر نیک عمل میں اللہ مرد وعورت دونوں کو یکساں حکم دیا اور یکساں اجر وثواب کا وعدہ کیا اسی طرح اللہ کے دین کی اشاعت وتبلیغ اسے سیکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ بھی مرد وعورت دونوں پر یکساں طور پر لازم ہے۔

☆" عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال سبعة يظلهم الله تعالى فى ظله يوم لا ظل الا ظله امام عادل و شاب نشافى عبادة الله ورجل قلبه معلق فى المساجد ورجلان تحابافى الله اجتمعا عليه وتفرقا عليه ورجل دعته امرأة ذات منصب وجمال فقال انى اخاف الله و رجل تصدق

بصدقة فاخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه ورجل ذكر الله خاليا ففاضت عيناه" (صحیح بخاری)

اکثر یہ حدیث ہمیں سناتے، اس کے مفہوم کو ہمیں سمجھاتے، اکثر ایسا ہوتا کہ سمجھانے کے درمیان ہی رو دیتے، آخر میں ہم سب کے لئے اس کی توفیق کی دعا کرتے۔

☆ خادموں کے ساتھ حسن سلوک کرنا:

"عن أبي ذر قال: قال رسول الله ﷺ: إخوانكم جعلهم الله فتية تحت أيديكم فمن كان أخوة تحت يده فليطعمه من طعامه وليلبسه من لباسه. ولا يكلفه ما يغلبه فإن كلفه ما يغلبه فليعنه". (ترمذی كتاب البر والصلة: باب ماجاء في الإحسان)

ابو ملازمین اور ماتحتوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کی تلقین کرتے ان کے کھانے، پینے، لباس، دکھ بیماری اور دیگر مسائل کی طرف ہمیشہ توجہ رکھتے اور ہمیں بھی بار بار یہ حدیث سناتے ہوئے ان کی ضروریات کا خیال رکھنے، انہیں بہتر رہن سہن کے ساتھ رکھنے کی نصیحت کرتے۔

☆"عن حفص بن عاصم قال قال رسول ﷺ كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع" (مسلم)

سنی سنائی باتوں کو ایک دوسرے سے کہنے سے سختی سے منع کرتے اور یہ حدیث سناتے۔ ہمیں ہمیشہ نصیحت کرتے کہ جب تک کسی بات کو خود اپنے کان سے نہ سن لو یا اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لو اسے کسی دوسرے سے نہ کہو۔ اسی طرح زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق ابو نے قدم قدم پر رہنمائی کی۔ ہمیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ قدم جہاں بھی ڈگمگائے جہاں بھی لڑکھڑائے ابو نے بڑھ کر سنبھالا دیا۔ ہمیں دونوں جہاں کی تکلیفوں اور آزمائشوں سے بچ کر دارین میں باسعادت اور سرخرو بن کر رہنے کا طریقہ اور سلیقہ سکھایا۔

آج وہ توحید کا پرستار، سنت نبوی کا پاسدار، مساجد، مدارس کا بانی، اشاعت دین کا علمبردار، قلم ولسان کا مجاہد، منبر ومحراب کی زینت، علم کا منارۂ نور، ہمارا راہبر، قوم وملت کی آبرو میرے پیارے ابو آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن ان کی شخصیت، ان کی نصیحت، ان کے اعمال، ان کے اقوال ہمارے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی باتیں، ان کی نصیحتیں ہر لمحہ، ہر قدم پر ہماری رہنمائی کرتی رہیں گی۔ ان کی تعمیر کردہ مساجد، مدارس کی پر شکوہ عمارتیں ہمارے عزم اور حوصلہ کو جلا بخشتی رہیں گی۔ اللہ تعالی ہمیں توفیق عطا کرے کہ ہم ان کے مشن کو آگے بڑھا سکیں۔ ان کی فکر اور سوچ کے مطابق پورے خلوص اور للہیت کے ساتھ دین کی خدمت کر سکیں۔ ہم سبھی بھائی بہنوں کو اللہ تعالی ان کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔ (آمین)

اللہ تعالی ہمارے والد کی تمام حسنات کو قبول فرمائے اور لغزشوں کو درگزر کرے۔ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے (آمین)

"اللهم ارحمه وادخله جنة الفردوس ووسع قبره وارفع درجته واغفر خطاياه"

اللہ تعالی ہمارے چھوٹے بھائی ارشد مختار کو بھی ہمت وحوصلہ عطا کر، جن کے ناتواں کندھوں پر ابو نے اپنی حیات میں ہی اپنے تمام اداروں کی تمام تر ذمہ داریاں ڈال دی تھیں، اور جو تقریباً ۳ر سالوں سے جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کے ملک بھر میں پھیلے ہوئے اداروں کو بحسن وخوبی نہ صرف چلا رہے ہیں، بلکہ ان کی قیادت میں سبھی ادارے ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین) ☆☆☆

وہ کارواں کا متاع گراں بہا

عبداللہ مدنی جھنڈا نگری-- صدر مرکز التوحید، نیپال

بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں برصغیر کی جن ممتاز ترین شخصیات کو امت مسلمہ کے دل میں جگہ ملی ان میں ایک نمایاں، تابندہ اور لائق احترام نام حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کا بھی ہے، جو عہد حاضر میں چمنستان سلفیت کے گل سرسبد تھے۔ ۹/ستمبر ۲۰۰۷ء کی شام ۶/بجے ممبئی میں جن کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ نے حرکت وعمل کے ساتھ بھرپور زندگی گزاری، آپ کا یہ امتیاز رہا کہ فاضلانہ امامت، دانش ورانہ خطابت عصری ودینی تعلیم کی ماہرانہ واقفیت، باوقار آبرومندانہ تجارت، دلپذیر مشفقانہ انداز تکلم اور معاشرہ کی دینی ضروریات کی آگہی کے ساتھ ہی فقہ وفتاوئی میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ خردنوازی آپ کا وصف خاص تھی، چھوٹوں پہ شفقت ومحبت کا انداز کچھ ایسا نرالا تھا کہ وہ حوصلہ مندی سے معمور ہوجاتے۔ جامعات ومدارس سے ہمیشہ لگاؤ رکھا، مساجد سے وابستگی رہی، اہل علم وفضل کے قدرداں رہے، جمعیۃ کو اپنی مدبرانہ امارت سے وقار عطا کیا، سلفیان ہند کی مرکزی دانش گاہ جامعہ سلفیہ بنارس کی تازگی کے اسباب مہیا کیے، کلکتہ، ممبئی، مالیگاؤں، بنگلور، مئو اور متعدد بستیوں کو اپنے جذبۂ عمل سے شاداب کیا، مکتبات کو علمی توانائی بخشی، عالم اسلام میں اعتبار حاصل کیا، وہ بھی اس طرح کہ آفاقی شہرت کے حامل اہل علم کی مجلس میں میر مجلس قرار دیئے گئے، جس کا مشاہدہ بیرون ممالک راقم الحروف نے خود کیا ہے۔ آپ معاشرہ کی خدمت میں ہمیشہ رواں دواں رہے اور یہی آپ کا شعار قرار پایا کہ ع: جہاں روشنی کی کمی ملی وہیں اک چراغ جلادیا۔

مبدأ فیض سے آپ کو دردمند دل عطا ہوا تھا، جو ملت کے لئے دھڑکتا تھا، مسلم پرسنل لابورڈ میں شرکت اور صدر محترم کی نیابت کے لئے آپ کا انتخاب اس کا شاہد عدل ہے، مساجد کی تعمیر آپ کی زندگی کا ایک نمایاں ودرخشاں باب ہے، ادارہ اصلاح المساجد کے ذریعے سیکڑوں مسلم بستیوں میں قائم کردہ بلند وبالا منارے اللہ کے گھر کی پہنچان تو ہیں ہی، مولانا رحمہ اللہ کی عظمت فکر کی نشاندہی بھی کرتے ہیں، جنھوں نے اس راہ کی مشقتوں کو برداشت کیا اور اپنی کہولت اور پیری کے ایام مساجد کی فکر میں گذارے، ہمیں تو حدیث رسول "رجل قلبه معلق بالمساجد" کی تصویر یہاں بہت واضح دکھائی دیتی

ہے، کیا عجب قادر مطلق انہیں انعام کے طور پر قیامت کے دن اپنے سائے میں جگہ عنایت کرے جس کا وعدہ صادق وامین ﷺ نے حدیث شریف میں کیا ہے۔

ایک ہمہ جہت وہمہ گیر، ملی جذبہ سے سرشار بزرگ عالم دین کی وفات ملت کا عظیم سانحہ ہے۔ ہم اسلامی تاریخ کے مقتدر امام شیخ الاسلام حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی شان میں عمار بن حسن کے کہے ہوئے اشعار کے ذریعے ملت کے سامنے مولانا رحمہ اللہ کا ذکر خیر کرتے ہیں:

اذا سار عبد اللہ من مرو لیلة
فقد سار منها نورها وجمالها
إذا ذکر الاحبار فی کل بلدة
فهم انجم فیها وانت هلالها

''عبداللہ بن مبارک ایک شب کے لئے مرو سے چلے جائیں تو اس کی رونق اور تابانی چلی جاتی ہے۔ اگر تمام شہروں کے علماء کا ذکر خیر ہو رہا ہو تو وہ سب ستارے نظر آئیں گے اور چاند تم ہو گے''۔

مولانا رحمہ اللہ کا وجود بے شمار افراد ملت کے ساتھ میرے لئے بھی شجر سایہ دار کی مانند تھا، جس سے محرومی مجھے کرب پیہم سے دوچار کئے ہوئے ہے، اللہ رب العالمین جملہ پسماندگان کے ساتھ مجھے بھی صبر کی توفیق بخشے۔

جہد مسلسل اور عمل پیہم کا یہ سورج اب غروب ہوگیا ہے، مگر اس کی روشنی دلوں میں باقی رہے گی۔ اللهم اغفر له وارحمه واعف عنه۔

☆☆☆

قرآن کے سائے میں

۲۹؍دسمبر 1995ء یوم جمعہ میری زندگی کا مبارک اور یادگار دن تھا جس دن فجر کی نماز کے بعد میں نے اپنی زندگی میں دوسری بار مکمل قرآن مجید کا درس پورا کیا۔ اس سے پہلے بھی میں نے ۱۹۷۸ء میں پہلی بار جامع مسجد اہلحدیث مومن پورہ ممبئی میں قرآن مجید کے تیس پاروں کی تفسیر پوری کی تھی۔

میں مغربی باندرہ ممبئی میں ۱۹۸۰ء میں آکر آباد ہوا ہوں، مغربی باندرہ کا یہ علاقہ نہایت نستعلیق، معیاری اور پڑھے لکھے کھاتے پیتے لوگوں کا علاقہ ہے نہایت پرامن، پرسکون، صاف ستھرا اور شہری زندگی کے ہنگاموں سے دور اور محفوظ ہے ممبئی کے کمر توڑ، پرشور اور نہایت مشغول اوقات سے فرصت پاکر جب شام کو لوگ اس علاقے میں واپس آتے ہیں تو دوسری صبح کو واپس ہونے تک پوری طرح چاق وچوبند مسرور ومطمئن ہوجاتے ہیں۔

(مولانا مختار احمد ندویؒ، بحوالہ: البلاغ: فروری:۱۹۹۶)

حضرت مولانا مختار احمد صاحب ندوی اور شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی رحمہما اللہ

ڈاکٹر عبد العزیز رحمانی مبارکپوری۔ کلیہ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ للبنات، مئوناتھ بھنجن

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (رحمان: ۲۶، ۲۷) یہ دنیا اور اسکی ہر چیز فانی اور ختم ہونے والی ہے سوائے ذات واحد قہار کے، اس دنیا میں جو بھی آیا اسے جانا ہے۔ اور اس دنیا سے جانیوالا دوبارہ واپس نہیں آتا ہے، لیکن جانیوالی شخصیتوں میں کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ان کے جانے کے بعد ایک خلا محسوس ہوتا ہے، کمی محسوس ہوتی ہے، جس کی بھرپائی بظاہر ممکن نظر نہیں آتی۔ اس لئے کہ جانیوالا اپنے پیچھے علم وعمل اور جہد مسلسل کا ایسا انمٹ نقوش چھوڑ جاتا ہے کہ قوموں اور جماعتوں پر جس کے اثرات دور رس اور دیرپا ہوتے اور آنیوالی نسلوں کے لئے مشعل راہ ہوتے ہیں۔

ان جانیوالی شخصیتوں میں ایک ہمارے مولانا مختار احمد ندوی صاحب رحمہ اللہ بھی ہیں۔ مولانا کی عملی زندگی تقریباً ۶ دہائیوں پر مشتمل ہے۔ مولانا ایک متحرک فعال اور ہردم رواں دواں رہنے والے انسان تھے، مایوسی اور یاس وقنوطیت ان کے نزدیک پھٹکنے نہیں پاتی تھی۔ جس کام کا بیڑہ اٹھالیتے اللہ تعالی کی توفیق سے اسے پورا کرکے دم لیتے۔

مولانا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، تجار، دولت مند، اصحاب ثروت، علماء، سیاست داں، مدیران مجلہ وجرائد، شباب و طلاب ہر ایک سے ان کے تعلقات تھے۔ مولانا ہر ایک سے ان کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق کام لیا کرتے تھے۔ ان کی گفتگو کا انداز نرالا تھا۔ ہر ایک سے اس کے مزاج اور عمر کے مطابق کام لیا کرتے تھے خاص کر اپنے ہم عمر دوستوں اور رفقائے درس سے کہ اس میں ہلکا پھلکا مزاح کا عنصر شامل ہوتا۔

مولانا ندوی رحمہ اللہ کا تعلق والد محترم حضرۃ الشیخ مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی رحمہ اللہ کے ساتھ بہت گہرا تھا۔ دونوں کے درمیان برابر مراسلت رہا کرتی تھی۔ اور باہم رائے مشورہ ہوا کرتے تھے۔ چاہے وہ جماعتی امور ہوں یا ملی وسماجی یا گھریلو و ذاتی معاملہ۔ مولانا بمبئی سے خط لکھ کر برابر حالات سے آگاہ کیا کرتے اور حضرۃ الشیخ سے رائے مانگا کرتے تھے۔ شیخ صاحب بھی خطوط کے جوابات برابر دیا کرتے تھے۔ مولانا اپنے خطوط میں حضرۃ الشیخ کو مخدوم ومطاع کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ مولانا موصوف جب بھی بمبئی سے وطن تشریف لاتے مبارکپور ضرور حضرۃ الشیخ سے ملنے آتے، اور بمبئی ومہاراشٹر کی جماعتی سرگرمیوں سے شیخ کو مطلع فرماتے۔

اس سلسلے کا ایک دلچسپ واقعہ ہے اور غالباً ۱۹۶۴ء کا جب میں نے حفظ قرآن مکمل کرلیا تھا۔ فجر کی نماز شیخ صاحب مجھ ہی سے پڑھوایا کرتے تھے۔ اور لمبی لمبی سورتیں پڑھواتے۔ اس سے قرآن

کا دور بھی ہوتا رہتا تھا۔ فجر میں بمشکل دو یا تین مصلی ہوا کرتے اور قرآن سننے کے بھی شوقین، لمبی نماز سے کسی کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ایک مرتبہ مولانا موصوف مئو تشریف لائے۔ والد صاحب کو خبر دی، شیخ ان سے ملاقات کرنے کے لیے مئو جانے کو تیار ہو گئے۔ اس وقت سٹھیاؤں مبارک پور کی سڑک بے حد خراب تھی، جیپ اور ٹمپو کا سلسلہ نہیں تھا۔ تانگے اور یکے چلا کرتے تھے۔ بسوں کی سواریاں بھی بہت کم تھیں اہل مبارکپور بنارس و مئو کا سفر زیادہ تر ٹرین سے کیا کرتے تھے۔ جو صبح ٦ یا ٧ بجے سٹھیاؤں ہو کر مئو جاتی تھی۔ یکے والے سدھے ہوتے اور برق رفتاری سے دوڑا کر ٹرین پکڑ وادیا کرتے تھے۔ ایک روز میں نے صبح کی نماز ذرا ہلکی پڑھادی غالبا سورۂ ذاریات اور طور پڑھائی۔ نماز کے بعد شیخ صاحب کہنے لگے تم نے آج نماز ہلکی پڑھادی۔ دوسرے دن مولانا سے ملنے جانا تھا اور فجر کے بعد فوراً یکے والے چلے جایا کرتے تھے اس دن ابا مرحوم نے کہا کہ نماز ذرا ہلکی پڑھانا ٹرین پکڑ کر مئو مولانا سے ملنے جانا ہے۔ کل کی بات میرے ذہن میں تھی اور میں نے اسکا عکس سمجھ لیا اور نماز خوب لمبی پڑھادی غالبا سورہ واقعہ اور سورہ حدید پڑھادی۔ نماز کے بعد کہنے لگے مجھے مئو جانا تھا میں نے نماز ہلکی پڑھانے کے لئے کہا تھا۔ بہر کیف سفر ملتوی ہو گیا۔ ٹرین کا وقت نکل چکا تھا۔ ناشتہ کے بعد حسب معمول اپنے کام میں جٹ گئے، اور کچھ ہی دیر کے بعد مولانا ندویؒ مبارکپور گھر پر آگئے۔ نماز میں اس تاخیر میں بھی خیر تھا اگر شیخ صاحب (والد محترمؒ) مئو کیلئے نکل گئے ہوتے تو شیخ مئو ہوتے اور مولانا مبارکپور۔ شاید ملاقات نہ ہو پاتی جب شیخ صاحب نے اس واقعہ کو سنایا تو مولانا ہنسنے لگے۔

اگر حضرۃ الشیخ کے خطوط مولانا کے نام اکٹھے کیے جائیں تو اس سے بہت سے جماعتی، دینی، ملی اور سماجی مسائل اور حالات کا احاطہ ہو سکتا ہے، مولانا کے ورثاء کے پاس غالبا خطوط محفوظ ہونگے، ان کو یکجا کر کے اس میں سے بہت سی مفید اور کارآمد اور مقصد کی باتیں جماعت کے تعلق سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ مولانا ندویؒ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے امیر بننے کے بعد جب پہلی مرتبہ مئو تشریف لائے تو حضرۃ الشیخ سے ملنے مبارکپور آئے شیخ نے گھر پر انکا استقبال کیا۔ جماعتی امور سے متعلق دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ان کے اعزاز میں مسجد اہلحدیث رانی پورہ جس میں شیخ صاحب نماز پڑھتے تھے۔ مغرب کے بعد ایک مختصر سا پروگرام رکھا گیا، جس میں شیخ صاحب اپنی پیرانہ سالی کے باوجود شریک رہے اور چند کلمات بطور نصیحت کے کہا۔ قرب وجوار کے اچھے خاصے لوگ مولانا کا خطاب سننے کیلئے آگئے تھے۔ چونکہ پہلے سے کوئی پروگرام نہیں تھا۔ اس لئے بہت سے لوگ ان کا خطاب سننے سے محروم رہ گئے۔

امیر بننے کے بعد بھی جب تک حضرۃ الشیخ بقید حیات رہے مولانا کا آنا جانا رہا۔ جب بھی مئو آتے شیخ سے ضرور ملنے آتے۔ انتقال سے دو تین روز قبل مئو آئے تو آپ سے ملنے مبارکپور تشریف لائے۔ شیخ بستر علالت پر تھے بولنے کی سکت نہیں تھی۔ سلام کا جواب دیا مصافحہ کیا چہرے اور داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور اشارہ سے حال چال پوچھا ان کے جانے کے دوسرے روز شیخ صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ جامعہ محمدیہ کے سنگ بنیاد کے موقعہ پر مولانا نے حضرۃ الشیخ کو دعوت دی آپ مالیگاؤں تشریف لے گئے اور جامعہ کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھا۔ اسی طرح اس کے تعلیمی افتتاح کے موقعہ پر بھی تشریف لے گئے تھے۔

حضرۃ الشیخ اور مولانا کے تعلقات تا حیات یکساں رہے انکیں

کبھی دراڑ نہیں پیدا ہوئی مولانا کے تعاون سے قصبہ کی تین اہلحدیث مساجد کی تعمیر ہوئی اور ایک مسجد کی جزوی ترمیم۔ حضرۃ الشیخ مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر تھے اسکی ایک بڑی اہم میٹنگ بمبئی میں ہونے والی تھی جس میں شیخ صاحب ڈاکٹر سید عبدالحفیظ صاحب سلفی رحمہ اللہ کے ہمراہ بمبئی تشریف لے گئے تھے۔ اس موقع پر مولانا برابر آپ کے ساتھ رہے اور جماعت کی نمائندگی سے متعلق باہم رائے ومشورہ ہوتا رہا۔

جب مولانا نے ''البلاغ'' نکالنے کا ارادہ کیا تو اس سلسلہ میں خطوط کے ذریعہ آپ سے مشورہ لیتے رہے۔ اور اس کی ظاہری وباطنی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں ملاحظات کے منتظر رہتے۔ ایک موقع پر البلاغ کے آخری صفحہ پر کسی جاندار کی تصویر چھپی، اس پر حضرۃ الشیخ نے فوراً نکیر کیا اور مولانا کو متنبہ کیا، مولانا نے بسروچشم اسے قبول کیا اور پھر دوبارہ البلاغ میں کسی جاندار کی تصویر نہیں چھپی۔

عالیہ جنرل اسپتال کے سنگ بنیاد کے موقع پر حضرۃ الشیخ کو دعوت دی اور آپ کے دست مبارک سے اسکا سنگ بنیاد رکھا گیا اس موقعہ پر شیخ نے ایک مختصر سی تقریر کی اور مولانا کی دینی، تعلیمی، ملی اور سماجی خدمات کو بڑا سراہا۔ اور ان کی خدمات کو سرسید کے عمل سے تشبیہ دی۔

مولانا نے اپنی کتاب حج مسنون پر مقدمہ لکھوایا اور اس کی بڑی تعریف کیا کرتے اور موقعہ بہ موقعہ اس کا اظہار بھی کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کتاب نے میری مادی ترقی کے دروازے کھول دیے۔ ریاض دار الافتاء سے کافی مقدار میں یہ کتاب حج کے ایام میں مفت تقسیم ہوئی۔ اس مقدمہ کیوجہ سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی۔ شیخ صاحب نے اس مقدمہ میں ہندوستانی حجاج کی میقات سے بحث کی ہے اور کہا کہ ان کی میقات جو بحری جہاز سے سفر کرتے ہیں۔ یلملم کے بجائے مکہ و جدہ کے درمیان ہے۔

۱۹۷۲ء میں شیخ صاحب اور مولانا نے ایک ساتھ سفر حج کیا تھا۔

۱۹۶۵ء میں جب حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ کا انتقال ہوگیا تو بہت سے لوگوں نے ان کے بارے میں مضامین لکھے جو جماعت کے مجلہ '' ترجمان'' میں چھپے تھے۔ اس میں ایک مضمون حضرت مولانا صفی الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ صاحب الرحیق المختوم مبارکپوری کا بھی تھا۔ جس کا عنوان تھا ''عصر حاضر کی ایک عظیم شخصیت'' مولانا کا مضمون بہت وزن دار اور حضرت مولانا کے شایان شان تھا جسمیں ان کی خدمات کو سراہا گیا تھا۔ مولانا ندوی کو یہ مضمون بہت پسند آیا شیخ صاحب کے نام ایک خط میں اس مضمون کی بڑی تعریف کی تھی اور اس کے کاتب کے بارے میں شیخ صاحب سے پوچھا تھا۔ شاید اس وقت مولانا کو صاحب الرحیق المختوم کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں رہی ہونگی۔

حضرۃ الشیخ کے انتقال کے بعد بھی مولانا ندوی رحمہ اللہ کے تعلقات ان کے اولاد واحفاد کے ساتھ مشفقانہ اور ہمدردانہ رہے ہیں جب بھی کسی سے ملاقات ہوتی اہل خانہ کی خیریت دریافت کرتے۔ خاص کر کاتب سطور سے۔ اللہ تعالی مولانا کی لغزشوں کو معاف فرمائے ان کو اعلی علیین میں جگہ دے۔ جماعت کے لئے علم وعمل کا جو ذخیرہ اور میراث چھوڑی ہے اسے آنیوالی نسلوں کے لئے مشعل راہ بنائے۔ آمین.

☆☆☆

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

حیات وخدمات کے چند گوشے

حافظ شکیل احمد میرٹھی - سابق آفس سکریٹری مرکزی جمعیت اہلحدیث، ہند

1977ء کی بات ہے جب میں نے الحمدللہ مسلک اہل حدیث قبول کیا تھا، اس وقت جماعت کے جن لوگوں سے رابطہ ہوا ان میں بھائی محمد سلطان صاحب قینچی والے رحمہ اللہ بھی تھے، بڑے مخلص، دیندار، محنتی اور علماء کرام کے نہایت قدردان، ان ہی کی زبان سے حضرت مولانا مختار احمد ندوی صاحب رحمہ اللہ کا نام پہلی بار سنا تھا، بھائی سلطان صاحب مولانا ندوی رحمہ اللہ کے روحانی شاگرد تھے، وہ قینچی کے کاروبار کے سلسلہ میں ممبئی جاتے تھے اور ہفتوں، مہینوں وہاں رہتے تھے۔ ممبئی میں قیام کے دوران وہ مولانا ندوی کے دروس اور خطبہ جمعہ میں برابر شریک ہوتے تھے۔ انہوں نے مولانا سے بہت کچھ سیکھا تھا وہ بڑی عقیدت کے ساتھ مولانا اور ان کی خدمات کا ذکر کرتے تھے وہ بتلاتے تھے: جس وقت مومن پورہ کی مسجد اہل حدیث کی تعمیر جدید شروع ہوئی تو مولانا رحمہ اللہ تعمیری کام میں عملی طور پر شریک ہوجاتے تھے ان کو دیکھ کر جماعت کے لوگ بھی تعمیری کام میں لگ جاتے۔

1979ء میں مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے تنظیمی نظام میں روح پھونکنے کیلئے ملکی سطح کی میٹنگ بلائی گئی تھی، یہ میٹنگ مسجد میاں صاحب گلی بنگا بیگ پھاٹک حبش خاں دہلی میں ہوئی تھی، اس میٹنگ میں ملک کے کونے کونے سے احباب وذمہ داران جماعت شریک ہوئے تھے، جامعہ اسلامیہ مدینہ کے ایک استاذ شیخ عبدالصمد محمد الکاتب اور کچھ ہندوستانی فضلاء بھی جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیر تعلیم تھے اس میٹنگ میں شریک ہوئے تھے، میں بھی میرٹھ سے اس میٹنگ میں حاضر ہوا تھا یہ میری جماعتی زندگی کی ملکی سطح کی پہلی میٹنگ تھی اس میٹنگ میں پہلی مرتبہ حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کو دیکھنے اور سلام ومصافحہ کا موقعہ ملا تھا اس وقت مولانا کی داڑھی پوری طرح سفید نہیں تھی بلکہ کالے سفید دونوں طرح کے بال تھے۔

1980ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا انتخاب ہوا تو مولانا عبدالوحید سلفی رحمہ اللہ صدر اور مولانا مختار احمد ندوی صاحب رحمہ اللہ نائب صدر بنائے گئے (اس وقت امیر ونائب امیر کی اصطلاح استعمال نہیں ہوتی تھی) اس کے بعد مولانا ندویؒ کا دہلی آنا جانا زیادہ ہوگیا۔ 1982ء کے اوائل میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے دفتر میں بحیثیت آفس انچارج میرا تقرر ہوا اس لئے مولانا ندوی سے ملاقاتوں کا سلسلہ رہنے لگا اور ان کو نزدیک سے دیکھنے کے مواقع میسر ہوئے۔ 1983ء میں بعض وجوہ کی

بنا پر مجھے مرکزی جمعیت کی ملازمت چھوڑنی پڑی، میں میرٹھ چلا گیا مگر مولانا ندوی رحمہ اللہ سے جو تعلق قائم ہو گیا تھا وہ برابر رہا۔

مولانا ندوی رحمہ اللہ کی دینی وجماعتی خدمات

مولانا ندوی رحمہ اللہ کی دینی و جماعتی خدمات کا اس مختصر مضمون میں احاطہ کرنا ناممکن ہے، کیوں کہ ان کی خدمات کا سلسلہ تقریباً ساٹھ سالوں پر محیط ہے، مولانا ندوی رحمہ اللہ کی خدمات پر باقاعدہ ایک مبسوط مقالہ کی ضرورت ہے، میرے جیسا کم علم اس موضوع پر کما حقہ لکھنے سے قاصر ہے مگر کچھ اہم خدمات جن کا میں عینی شاہد ہوں ضرور ذکر کرنے کی کوشش کروں گا ان شاء اللہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کیلئے پناہ گاہ یعنی اہل حدیث منزل

1906ء سے 1980ء تک آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا کوئی مستقل دفتر نہیں تھا، 1947ء تک اور اس کے بعد بھی حاتم جماعت حافظ حمید اللہ صاحب رحمہ اللہ کا دفتر ہی کانفرنس کا دفتر ہوتا تھا 1947ء کے بعد "کانفرنس" کا نام مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند رکھ دیا گیا، 1980ء تک مرکزی جمعیت کا دفتر کبھی مدرسہ والی کشن گنج آزاد مارکیٹ دہلی، کبھی مسجد حوض والی نئی سڑک اور کبھی مدرسہ ریاض العلوم جامع مسجد وغیرہ میں رہا یعنی کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں تھا، 1980ء کے انتخاب کے بعد صدر جمعیت مولانا عبدالوحید سلفی رحمہ اللہ اور نائب صدر جمعیت اہل حدیث مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے مرکزی جمعیت کیلئے بلڈنگ خریدنے کا تاریخی فیصلہ کیا اور پرانی دہلی کے قلب، جامع مسجد کے سامنے ایک بڑی اور کشادہ عمارت خریدی، اسی عمارت کو "اہل حدیث منزل" کے نام سے جانا جاتا ہے، "اہل حدیث منزل" کی خریداری میں عمارت کی تلاش، کاغذات کی تکمیل اور اہل حدیث منزل میں بقیہ کرایہ داروں سے انخلاء وغیرہ کے کاموں میں اس وقت کے ناظم جمعیت محترم حکیم اجمل خان صاحب حفظہ اللہ نے حضرت مولانا ندوی رحمہ اللہ کے ساتھ اہم رول ادا کیا، فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔ اہل حدیث منزل کی خریداری کے وقت سے اب تک الحمد للہ اسی عمارت میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا صدر دفتر ہے۔

اہلحدیث منزل کا افتتاح شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحب شکراوی رحمہ اللہ کے ہاتھوں ہوا تھا اسی موقعہ پر جامع مسجد دہلی کے دامن اردو پارک میں جلسہ عام بھی ہوا تھا، اہل حدیث منزل کی افتتاحی تقریب میں راقم الحروف کو شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی جس میں مولانا ندوی رحمہ اللہ نے کلیدی خطاب کیا تھا، اس افتتاحی تقریب میں ملک کے معروف دیوبندی عالم مفتی عتیق الرحمن عثمانی صاحب نے بھی شرکت فرمائی تھی، مفتی صاحب اہل حدیث منزل کے پڑوسی تھے اور نہایت کھلے ذہن ودماغ کے عالم دین تھے۔ 1987ء میں دوبارہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے دفتر میں بحیثیت ناظم دفتر میرا تقرر ہوا پھر مولانا ندوی رحمہ اللہ کو قریب سے دیکھنے کے بے شمار مواقع میسر آئے حالانکہ اس سے قبل یعنی 82ء تا 87ء تقریباً پانچ برس تک مولانا سے رابطہ رہا اس درمیان مولانا کے ادارہ اصلاح المساجد سے تین مساجد میرے توسط سے تعمیر ہوئیں الحمد للہ۔

اہلحدیث کمپلیکس

ابوالفضل اوکھلانئی دہلی کی جس جگہ کو اہل حدیث کمپلیکس کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یہ جگہ 1979ء میں خریدی گئی تھی، آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ 1979ء میں مسجد میاں صاحب پھاٹک حبش خاں دہلی میں ملکی سطح کی ایک میٹنگ ہوئی تھی جس میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے صدر محترم ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی رحمہ اللہ مستعفی ہوگئے تھے اور ایڈھاک جمعیت بنائی گئی تھی، میں ان سطور میں اس موضوع پر بحث نہیں کرونگا کہ اس میٹنگ کے عوامل کیا تھے اور ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے جس انداز میں استعفیٰ کا مطالبہ کیا گیا تھا اس کے پیچھے کیا تھا اور کیا نہیں، اس میٹنگ میں جو کچھ فیصلہ ہوا اس کو جمعیت کے کچھ اہم ذمہ داروں نے یہ کہہ کر قبول نہیں کیا تھا کہ یہ سب غیر دستوری ہے، ان ذمہ داروں میں اس وقت کے مرکزی جمعیت کے نائب صدر محترم حافظ محمد یحیٰ صاحب حفظہ اللہ (موجودہ امیر محترم) سرفہرست تھے۔

حافظ صاحب موصوف نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نام سے ہی تنظیم کو چلایا، اس وقت ان کے معاونین میں محترم غلام نبی ہارون صاحب رحمہ اللہ، حافظ نور الٰہی صاحب حفظہ اللہ اور مولانا ابوالکلام احمد حفظہ اللہ قابل ذکر ہیں۔ اس وقت مرکزی جمعیت کے بلڈنگ فنڈ میں جو رقم محفوظ تھی وہ اور دیگر اصحاب خیر کے تعاون سے حافظ صاحب محترم اور ان کے معاونین نے یہ جگہ مرکزی جمعیت کے نام خریدی تھی۔

اہل حدیث کمپلیکس اور مولانا ندوی رحمہ اللہ

مولانا عبدالوحید سلفی رحمہ اللہ کی وفات 1987ء کے اخیر میں ہوئی ان کی وفات کے بعد مولانا ندوی رحمہ اللہ مرکزی جمعیت کے قائم مقام امیر مقرر کیے گئے، اس کے بعد انتخاب ہوا جس میں مولانا ندوی غالب اکثریت سے امیر منتخب ہوئے، جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ میں ان دنوں مرکزی جمعیت کے دفتر میں بحیثیت ناظم دفتر خدمت انجام دے رہا تھا اور 1989ء میں صدر بازار کی معروف اہل حدیث مسجد ''مسجد کلاں'' میں خطابت کی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی تو ہر ہفتہ صدر بازار جانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ محترم حافظ یحیٰ صاحب کا دفتر مسجد کلاں کے قریب ہے حافظ صاحب موصوف ظہر، عصر، مغرب اور جمعہ وغیرہ مسجد کلاں ہی میں ادا کرتے ہیں اس طرح حافظ صاحب سے ملاقات اور قربت ہوتی گئی، میں کبھی کبھی حافظ صاحب سے گزارش کرتا کہ جمعیت کا جو تنازع ہے ختم ہونا چاہئے آپ بھی جمعیت کے قریب ہوں آپ فرمائیں تو میں مولانا ندوی سے بات کروں اس طرح محترم حافظ صاحب مولانا ندوی سے ملاقات کے لئے آمادہ ہوگئے، ادھر میں نے جب مولانا ندوی رحمہ اللہ سے اس بات کا ذکر کیا تو وہ حافظ صاحب سے ملاقات کے لئے تیار ہوگئے۔ اس وقت میں حافظ نور الٰہی صاحب کے برادر اکبر جناب محمد احمد راجہ صاحب کے مکان واقع دوائی ٹولہ احاطہ کالے صاحب بلی ماران میں مقیم تھا، اسی مکان میں دونوں بزرگوں کی ملاقات طے کی گئی اس موقع پر محترم حافظ نور الٰہی صاحب بھی موجود تھے۔ برسوں بعد دونوں بزرگوں کی ملاقات ہورہی تھی سلام ومصافحہ اور معانقہ کے بعد دیر تک دونوں ایک دوسرے کی خیر خیریت معلوم کرتے رہے یہی وہ ملاقات ہے جو اہل حدیث کمپلیکس کے مرکزی جمعیت کی تحویل میں آنے

اور آباد ہونے کی سبب بنی اور حافظ یحیٰ صاحب حفظہ اللہ مرکزی جمعیت میں دوبارہ شامل ہوگئے جس کے نتیجہ میں برسوں سے چلا آرہا اختلاف ختم ہوگیا الحمد للہ، اس ملاقات کے بعد اکثر ایسا ہوا کہ مولانا ندوی رحمہ اللہ مرکزی جمعیت کی کسی میٹنگ وغیرہ میں شرکت کیلئے دہلی تشریف لائے تو میٹنگ ہفتہ یا اتوار کو ہوتی اور مولانا جمعہ کے دن دہلی تشریف لے آتے، تو خطبہ جمعہ مسجد کلاں صدر بازار میں ارشاد فرماتے اور جمعہ کے بعد کھانا محترم حافظ یحیٰ صاحب کے ساتھ تناول فرماتے یہ سب پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوتا تھا، اس طرح حافظ صاحب نے ''اہل حدیث کمپلیکس'' والی زمین مرکزی جمعیت کی تحویل میں دے دی اسی وقت سے اس کمپاؤنڈ کو ''اہل حدیث کمپلیکس'' کا نام دیا گیا۔

مذکورہ سطور کا خلاصہ یہ ہے کہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) اپنے قیام 1906ء سے اپنے مستقل مستقر اور دفتر کے لئے دردر بھٹکتی رہی اور تقریبا پون صدی (74 سال) کا طویل سفر اسی جستجو میں گزر گیا۔

''مرکزی دفتر کیلئے بلڈنگ کی حصولیابی'' ہر میٹنگ کے ایجنڈے کا مستقل آئیٹم رہتا تھا، چھوٹی بڑی بہت سی اسکیمیں جاری کی گئیں، بلڈنگ فنڈ کے لیے بہت سے دورے ہوتے رہے، حافظ عبدالحلیم صاحب رحمہ اللہ کی دس پیسہ اسکیم بھی مدتوں چلی مگر اللہ کی طرف سے یہ سعادت مولانا مختار احمد ندوی صاحب اور مولانا عبدالوحید صاحب رحمہما اللہ کے لئے مقدر ہو چکی تھی، اس طرح ''اہل حدیث کمپلیکس'' والی زمین مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر انتظام لانے میں حضرت مولانا ندوی رحمہ اللہ کا بنیادی حصہ ہے۔

مولانا مختار احمد ندوی
بحیثیت صحافی، مصنف اور ناشر

مولانا ندوی رحمہ اللہ کی بہترین اور مثالی زندگی کا یہ ایک سنہری باب ہے، جس پر مستقل مضمون کی ضرورت ہے ان مختصر سطور میں اس عنوان کا حق ادا نہیں ہوگا ارباب علم وبصیرت جانتے ہیں کہ 47ء کے بعد دہلی سے اخبار اہل حدیث جاری ہوا تھا، مولانا کا وہ جوانی کا دور تھا، مولانا اخبار اہل حدیث کے معاون مدیر کی حیثیت سے مضامین اور اداریے لکھتے تھے، اس کے علاوہ دیگر جماعتی جرائد ورسائل میں مولانا کے مضامین شائع ہوتے رہے بعد میں مولانا نے اپنا ایک ماہنامہ ''البلاغ'' کے نام جاری کیا جو الحمد للہ تا حال جاری ہے مولانا کے مضامین پڑھنے والے جانتے ہیں کہ وہ بہترین ادیب اور انشا پرداز تھے۔ الدار السلفیہ ممبئی کے احباب کو چاہئے کہ مولانا کے تمام مضامین جمع کر کے کتابی صورت میں شائع کردیں یہ ایک دینی خدمت بھی ہوگی اور مولانا کے لیے صدقہ جاریہ بھی، مولانا ندوی رحمہ اللہ نے بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں، بہت سی عربی کتابوں کو اردو میں منتقل کیا، سینکڑوں کتابوں کو نہایت معیاری انداز میں شائع کیا ان پر ''عرض ناشر'' کے عنوان سے تعارفی کلمات لکھے، مولانا نے کتابوں کی اشاعت کا جو معیار قائم کیا تھا وہ بالکل منفرد تھا، کتابت، طباعت، رنگین ٹائٹل، معیاری کاغذ یعنی ہر اعتبار سے کتاب اعلیٰ معیار پر شائع کرتے تھے، مولانا نے لاکھوں کتابیں مفت تقسیم کیں، جماعت وملت کے دامن کو صحت مند، دینی وعلمی کتابوں سے بھر دیا۔

مولانا ندوی بحیثیت تاجر

مولانا رحمہ اللہ نے اپنی عملی زندگی کی ابتداء امامت وخطابت

سے کی مگر امامت وخطابت کو مستقل ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ محنت وجدوجہد کرتے ہوئے حلال تجارت کو ذریعہ معاش بنایا، مولانا نے دینی کتابوں کی اشاعت وتجارت کا پاکیزہ کام شروع کیا ممبئی جیسے بڑے شہر میں الدار السّلفیہ کے نام سے طباعتی ادارہ اور دار المعارف کے نام سے بک ڈپو قائم کیے، کتابوں کی طباعت کے لئے پریس قائم کیا جو بھاوے پریس کے نام سے آج بھی جاری ہے۔

مولانا وقت کے بڑے پابند تھے، انہوں نے اپنے دن بھر کے وقت کو تقسیم کیا ہوا تھا، وہ تہجد گزار تھے، فجر کی نماز سے بہت پہلے بیدار ہوجاتے تھے تہجد کی نماز کے بعد لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے، نماز فجر کی ادائیگی کے بعد گھر کے قریب والی مسجد میں درس قرآن دیتے تھے، پھر چہل قدمی کرتے تھے اس کے بعد ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوکر بھاوے پریس پہنچ جاتے تھے نماز ظہر تک پریس میں رہ کر کتابوں کی سیٹنگ، ایڈیٹنگ، ترجمے پر نظر ثانی یا خود ترجمہ کرنے وغیرہ کے کام کرتے تھے اور اسی میں البلاغ کے لئے بھی مضامین لکھتے تھے۔ کاروباری معاملات بھی دیکھتے تھے۔ کاروباری وقت میں جماعتی امور، مدارس ومساجد وغیرہ کے معاملات نہیں دیکھتے تھے۔ نماز ظہر کے بعد کھانے وغیرہ سے فارغ ہوکر بائیکلہ کے آفس میں بیٹھتے تھے۔ شام تک جماعتی کاموں میں مصروف رہ کر مغرب کے وقت یا اس سے قبل گھر جاتے، اس طرح مولانا نے اللہ کے فضل وکرم اور مسلسل محنت کے نتیجے میں بہت ترقی کی مولانا کی زندگی کا یہ پہلو تابناک ہے، علماء کرام کے لئے اس میں بڑا سبق ہے۔

مولانا ندوی کی علمی خدمات

مولانا ندوی رحمہ اللہ کی ہمہ جہت دینی وعلمی خدمات پر مستقل مقالہ کی ضرورت ہے ان چند سطور میں ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا نے ملک میں امت کی بچیوں کیلئے دینی تعلیم کے ادارے قائم کرکے تعلیم نسواں کی مردہ پڑی تحریک میں جان پھونک دی، کلیہ فاطمۃ الزہرا، مئو اور کلیہ عائشہ صدیقہ مالیگاؤں اس کی واضح مثال ہیں۔ لڑکیوں کے اداروں کے علاوہ لڑکوں کے لیے جامعہ محمدیہ کے نام سے مالیگاؤں، بنگلور اور دوسرے مقامات پر ادارے قائم کیے، ان اداروں میں دینی وعربی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی تعلیم کو بھی داخل نصاب کیا، طبی تعلیم کے حصول کے لئے محمدیہ طبیہ کالج مالیگاؤں قائم کیا۔ ان اداروں کے علاوہ بے شمار اداروں کی بنیادیں رکھیں، سرپرستی کی اور معاونت فرمائی۔ جماعت کے مرکزی ادارہ جامعہ سلفیہ بنارس کے قیام اور تعارف میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ملک کے مختلف شہروں، دیہاتوں اور قصبات میں سیکڑوں مساجد کی تعمیر کی، غرضیکہ مولانا نے دینی وعلمی خدمات سے بھرپور زندگی گزاری۔

اس مختصر تحریر کا حاصل یہ ہے کہ حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ بہترین خطیب وداعی، مصنف، ومؤلف، صحافی، ناشر کتب کثیرہ، معلم ومربی، مؤسس مراکز علوم دینیہ اور بہترین تاجر تھے۔

راقم الحروف نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ سب مشاہدات اور نجی جانکاری کی بنیاد پر عرض کیا ہے کیوں کہ راقم الحروف کو برسوں مولانا کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

دعا ہے کہ اللہ رب العالمین مولانا کی مغفرت فرمائے ان کے درجات بلند فرمائے ان کی بشری کوتاہیوں کو درگزر فرمائے اور ان کے ورثاء، اولاد واحفاد کو ان کے علمی ودینی ورثہ کو قائم رکھنے اور ترقی دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) ☆☆☆

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

چند حقائق اور تاثرات

پروفیسر محمد یسین-علیگڑھ

۱۰ر ستمبر ۲۰۰۷ء کو روزنامہ راشٹریہ سہارا، دہلی کے تعزیتی خبرنامہ سے معلوم ہوا کہ مولانا عبدالکریم پاریکھ اور مولانا مختار احمد ندوی نے ہمیں داغ مفارقت دے دی ہے اور ملت اسلامیہ دو جلیل القدر عالموں سے محروم ہوگئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں بزرگ رہنما اپنا دینی اور تبلیغی مشن مکمل کرکے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ سے میری غائبانہ ملاقات مجلّہ البلاغ کے توسط سے ۱۹۹۳ء میں ہوئی۔ بابری مسجد کی شہادت کے بعد اس بحرانی دور میں رسالہ کے چند شمارے میرے زیر مطالعہ رہے اور میں مولانا کے شذرات سے بے حد متاثر ہوا۔ چار سو سالہ مسجد کے انہدام، فسطائی غنڈوں کی مسلمانوں کے خلاف یلغار، فرقہ وارانہ فسادات میں قتل و غارتگری، حکومت کی بے حسی اور پولیس وسرکاری عملہ کی مجرمانہ غفلت کو مولانا نے اپنے منفرد انداز میں جس طرح اجاگر کیا اس سے ایک حد تک مسلمانوں کی ڈھارس بندھی، بے لاگ اور بے باک صحافتی مضامین میں تعمیر ملت اور تعلیمی تحریکوں کی تلقین اس دور میں مولانا کا خاص کارنامہ تھا۔ مرحوم پوری زندگی منبر ومحراب کی زینت بنے رہے اور اپنے دعوتی خطبوں سے فدایان رسول ﷺ کو سیراب کرتے رہے۔ البلاغ میں مولانا نے دینی، سماجی، ثقافتی اور سیاسی موضوعات پر جو مضامین لکھے ہیں ان سے ملت کی بیداری اور مسلمانوں کے مذہبی وثقافتی تشخص کو متعین کرنے میں بڑی مدد ملی ہے۔

راقم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ انگریزی میں تقریباً چالیس سال ملازمت کے بعد ۱۹۹۲ء میں سبکدوش ہوا تھا۔ اسی سال کے آخر میں بابری مسجد کے سانحہ نے ہر حساس مسلمان کی طرح میرے دل پر بھی گہرا اثر چھوڑا۔ ذہن میں مسلمانوں کی سلامتی، ملی شناخت اور مستقبل سے متعلق طرح طرح کے وسوسے پیدا ہوتے رہے۔ آخرکار فیصلہ کیا کہ ماتم کرنے اور کڑھتے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں، کچھ تعمیری کام کرنا چاہئے۔ اسی زمانہ میں معروف ماہر تعلیم اور سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی سید حامد صاحب نے یوپی رابطہ کمیٹی کے ذریعے ریاست میں تعلیمی مہم چلائی جس کے تعلیمی شعبہ سے میں وابستہ ہوگیا اور تعلیمی کارواں کے علاوہ ضلعی دوروں میں عام مسلمانوں سے رابطہ قائم کرتا رہا۔ میڈیا انچارج کی ذمہ داری بھی میرے سپرد رہی جسے میں نے حسب توفیق نبھانے کی کوشش کی، میرے لئے دوسرا میدان عمل البلاغ سے قلمی

تعاون کے ذریعے ملا۔ ۱۹۹۳ء سے ۲۰۰۷ء تک میں نے رسالہ میں مسلمانوں کی تعلیم، ریزوریشن پالیسی، مسلم پسماندگی، بھاجپا کی مہم بازی، مردم شماری اور ذات پات کی سیاست، ہندوتوا جیسے مضامین لکھ کران پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ علاوہ ازیں ذرائع ابلاغ پر ایک نظر کے تحت مستقل کالم بھی سپرد قلم کرتا رہا۔ وندے ماترم کے سلسلے میں مولانا وحید الدین کے مضامین کی بخیہ گری میں بھی میں نے بخل سے کام نہیں لیا۔ ظاہر ہے میری صحافتی زندگی میں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ چیف ایڈیٹر مجلہ البلاغ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

ابھی ہندوستانی مسلمان بابری مسجد کی شہادت کے بعد فرقہ وارانہ فسادات سے نبرد آزما تھے کہ اکیسویں صدی میں ملت پر آفات ارضی وسماوی کا نزول شروع ہوگیا۔ ۲۰۰۱ء میں گیارہ ستمبر کو دہشت گردوں نے سامراجی امریکہ کے تجارتی مرکز پر حملہ کیا تو اس کی پاداش میں مغرور امریکہ نے تمام مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے دیا۔ اس کا خمیازہ سب سے زیادہ افغانستان اور عراق کے مسلمانوں نے اٹھایا۔ ہندوستان میں اس زمانہ میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی قیادت میں NDA مرکز میں حکمراں تھی۔ اس کے تیور بھی امریکیوں سے کچھ کم نہیں تھے۔ سنگھ پریوار اور میڈیا نے مسلمانوں کو معتوب کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مسلم دشمنی کی بدترین مثال فروری-مارچ ۲۰۰۲ء میں گجرات کے انسانیت سوز فسادات تھے جس کی بدولت ساری دنیا میں ہندوستان کا وقار مٹی میں مل گیا۔ اس دور ابتلا میں مولانا کے شذرات اور حسن کمال صاحب کے مضامین بے حد پسند کئے گئے۔ خاکسار نے بھی مغربی استعمار کے خلاف چند مضامین...... چنگیزی جمہوریت کے امریکی تجربے، مغربی استعمار اور مسلمان، امریکی سامراجیت اور عراقی جنگ۔ قلم بند کئے۔ البلاغ نے ہندو فسطائی جماعتوں کو بے نقاب کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ اس سلسلہ میں راقم کے مضامین مسلمان کیا کریں۔ دھرم سنسد کا ۱۶ نکاتی پروگرام، اور سیکولر ہندوستان اور فسطائی چیلنج کو بھی البلاغ میں جگہ ملی، مجلہ سے پندرہ سال تک وابستگی کے دوران مولانا ندوی رحمہ اللہ کے چند خطوط بھی مجھے موصول ہوئے جن میں مضامین کے سیاق میں میری پذیرائی کی گئی۔ میں نے اپنے آخری خط میں جو مولانا کے انتقال سے چند روز قبل ایک طویل مضمون ''آزادی کے ساٹھ سال: احتسابی جائزہ'' کے ساتھ ارسال خدمت کیا تھا، مجلس البلاغ سے طویل غیر حاضری کیلئے معذرت کی تھی۔ پتہ نہیں مولانا میرا مراسلہ ملاحظہ کرسکے یا نہیں لیکن ادارہ نے مجلہ کے قیمتی صفحات پر مضمون کو شائع کر کے مجھے شکریہ کا موقع دیا۔

میری ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالاشاعت سیوراہی (ضلع کشی نگر سابق گورکھپور) میں ہوئی۔ بعد ازاں اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران صاحب نظر اساتذہ اور ممتاز دانشوروں سے استفادہ کا موقع ملا مگر حقیقت یہ ہے کہ اپنے مدرسہ کے مہتمم مولانا ظہور الحق قادری کی شخصیت اور ان کی تعلیمات کا اثر مجھ پر ہمیشہ قائم رہا۔ مسلم یونیورسٹی میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی (سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ اور بعد ازاں پروفیسر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی) سے مجھے خاص عقیدت رہی۔ مولانا علی میاں کی تصانیف اور مولانا پاریکھ کی تقاریر سے بھی فیضیاب ہونے کے مواقع ملے۔ میرے دل میں ہمیشہ عالموں کا احترام رہا۔ مولانا

ندوی رحمہ اللہ سے عقیدت دینی، علمی اور صحافتی تعلق کی بنا پر رہی۔ ۱۹۹۵ء میں آل انڈیا تعلیمی کارواں کے سلسلہ میں ممبئی میں مختصر قیام کے دوران مولانا سے ملاقات کی خواہش تھی لیکن ٹیلیفون سے رابطہ نہ ہوسکا۔ اب ان کے انتقال کے بعد ملاقات کی حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی۔ بہر حال مرحوم کی دینی وملی خدمات اور ان کی لازوال تصانیف ہمارے لئے مشعل راہ رہیں گی۔ یوپی رابطہ کمیٹی کے تعلیمی پروگرام میں پرائمری ٹیچروں کی تربیت کے سلسلہ میں مشرقی یوپی کے مردم خیز شہر مئو میں ایک ہفتہ قیام کے تاثرات آج بھی میرے دل پر نقش ہیں۔ کئی مخصوص مجلسوں اور عام مسلمانوں سے رابطہ کے دوران حضرت مولانا ندوی رحمہ اللہ کا ذکر خیر اوران کی دینی وتعلیمی اور فلاحی خدمات کا اعتراف ہمارے میزبانوں نے کھلے دل سے کیا۔ اس زمانہ میں البلاغ کے توسط سے میں مولانا سے بخوبی واقف ہوچکا تھا لیکن وقت گزرنے پر ان کی شخصیت کے دیگر درخشاں پہلو سامنے آتے رہے۔ جماعت اہل حدیث کی صدارت کے علاوہ سعودی عرب میں مولانا کی جو عزت افزائی ہوئی وہ ہمارے لئے باعث افتخار ہے۔ علم وعمل کے پیکر مولانا نے مئو سے کلکتہ اور کلکتہ سے ممبئی میں اپنے قیام کے دوران جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان سے ان کے عقیدتمندوں کا حلقہ بے حد وسیع ہوگیا۔ مولانا وسیع النظر عالم تھے، اس لئے قدامت پسند مولویوں کے برخلاف وہ مسلمانوں کے لئے دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کی تحصیل ضروری سمجھتے تھے۔ تعلیم نسواں سے بھی مرحوم کو خاص دلچسپی تھی۔ انہوں نے اس سلسلہ میں کئی ادارے قائم کئے۔ اکتوبر ۲۰۰۷ء کے حالیہ شمارہ میں زبیر احمد سلفی صاحب نے بجا طور پر خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''مولانا نے جہاں جامعہ محمد یہ جیسا عظیم الشان دینی ادارہ قائم کیا وہیں ٹیکنکل کالج بھی قائم کیا۔ انہوں نے جہاں پورے ہندوستان میں چارسو سے زیادہ مساجد کا جال بچھایا وہیں تعلیمی وسماجی کئی ویلفیئر سوسائٹیاں بھی قائم کیں اور جگہ جگہ اسپتال اور عصری اسکول بنوائے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مولانا ندوی رحمہ اللہ کی ہمہ جہت شخصیت بحیثیت عالم دین، فعال مصلح اور مخلص داعی کے اظہر من الشمس ہے لیکن عملی میدان میں بحیثیت ایک اعلیٰ دماغ منتظم اور ایک کامیاب تاجر کے ان کی حصولیابیاں کچھ کم قابل قدر نہیں۔ انہوں نے اپنی نگرانی میں کئی مسجدوں اور مدرسوں کی تعمیر کرائی۔ الدار السلفیہ جیسا اشاعتی ادارہ قائم کرکے مرحوم نے گویا دینی لٹریچر کے بیش بہا خزانوں کو عوام کی دسترس میں لادیا۔ یہ مکتبہ اب ہندوستان کے علاوہ بیرون ملک میں بھی کتابوں کی نشرواشاعت کا مرکز بن گیا ہے۔ مجلہ البلاغ جو ۱۹۹۰ء میں جاری ہوا آج تک دینی، علمی، ثقافتی اور سیاسی مضامین پر مشتمل واحد رسالہ ہے اور تقریباً اٹھارہ سال سے باقاعدگی کے ساتھ نکل رہا ہے۔ مولانا کی ذات سے ہزاروں نے فیض حاصل کئے اور ان کے قائم کردہ مدرسوں اور اسپتالوں سے آئندہ بھی لوگ مستفید ہوتے رہیں گے۔ اس صدقہ جاریہ سے یقیناً انہیں ''بقائے دوام'' حاصل ہوگی۔ اپنی زندگی میں مولانا نے دینی اور علمی حلقوں میں امتیازی مقام حاصل کیا۔ ذات باری کی رحمتوں سے امید ہے کہ جنت الفردوس میں بھی انہیں اعلیٰ مقام سے نوازا جائے گا۔ آمین۔

☆☆☆

ایک تاریخ ساز شخصیت
مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

شیخ عین الباری عالیاوی–امیر صوبائی جمعیت اہلحدیث مغربی بنگال

تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کی چند شخصیتیں بین الاقوامی شہرت یافتہ ہوئیں ان شہرت یافتہ لوگوں میں خصوصاً قابل ذکر ہیں: علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا زکریا اور مولانا مختار احمد ندوی رحمہم اللہ، مولانا مختار احمد ندوی کے علاوہ باقی تینوں ہستیوں کی شہرت ایک میدان میں محدود ہے، مگر مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کا کارنامہ کئی ایک میدان میں حاوی ہے۔

مولانا یوپی کے مردم خیز شہر مئو کے رہنے والے تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد آپ اس بنگال میں تشریف لائے تھے جس کے بارے میں گوکھلے نے کہا تھا:

What Bengal thinks today rest of India thinks tomorow آپ تقریباً ۱۹۵۴ء میں کلکتہ تشریف لائے تھے اور تانتی باغ نور علی لین مسجد میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیتے رہے، ساتھ ہی حاجی عبداللہ لائبریری کو عوام وخواص میں مقبول عام کرنے کی انتھک کوشش کرتے رہے، اسی لائبریری کے واسطے سے راقم الحروف کا مولانا سے تعارف ہوا ۱۹۶۳ء میں۔ یہاں مولانا تقریباً دس سال خدمت خلق کرنے کے بعد عروس البلاد ممبئی تشریف لے گئے۔ ممبئی جانے کے بعد مولانا عرب ممالک سے ربط قائم کرکے تعلیمی ورفاہی میدان میں ایسے ایسے کام کیے جس کی وجہ سے آپ تاریخ ساز شخصیت بن گئے۔ ہندوستان میں تعلیم یافتہ لوگ دو طرح کے ہیں: عصری تعلیم یافتہ، دینی تعلیم یافتہ۔ عصری تعلیم یافتہ طبقہ کے اکثر افراد دین سے بے خبر ہیں اور دینی تعلیم یافتہ گروہ کے اکثر افراد عصری تعلیم سے نابلد ہیں، اس لئے عصری تعلیم یافتہ عصری تعلیم کے فروغ میں تن من دھن کی بازی لگاتے رہے، اور دینی تعلیم یافتہ دینی تعلیم کے پرچار میں منہمک رہے۔

ایسی حالت میں مولانا مختار احمد ندویؒ کی ذات مذکورہ دونوں تعلیم کا سنگم تھا، اس لئے کہ دینی تعلیم کے لئے مولانا نے مہاراشٹر کے صنعتی شہر مالیگاؤں میں جامعہ محمدیہ قائم کیا، ساتھ

ہی عصری تعلیم کا ایک شعبہ طبیہ کالج بھی آپ نے وہیں قائم کرکے یک طرفہ تعلیم کے شیدائیوں کی آنکھیں کھول دیں۔ جزاه الله عنا خير الجزاء، راقم الحروف جامعہ محمدیہ مجلس عاملہ کا رکن عرصہ دراز تک رہا۔

نپولین بونا پارٹ نے کہا تھا: ''تم مجھے ایک تعلیم یافتہ ماں دو میں تمہیں ایک تعلیم یافتہ قوم دوں گا'' اس ضرب المثل کا ایک جیتا جاگتا نمونہ مولانا مختار احمد ندویؒ تھے، آپ نے اپنے ہجرت شدہ شہر مئو میں بہنوں اور بیٹیوں کی تعلیم کیلئے ایک مدرسۃ البنات قائم کرکے دورخی تعلیم کی اہمیت کا ثبوت پیش کیا، جو مخلوط تعلیم والوں کیلئے ایک قابل قبول نمونہ ہے۔

اور اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جو خطابت کے میدان میں شہسوار ہے وہ کتابت کے میدان میں صفر ہے، ایسی حالت میں مولانا مختار احمد ندوی مذکورہ دونوں میدانوں کے سربراہ تھے، آپ کلکتہ میں کم وبیش دس سال خطبہ دینے کے بعد ممبئی میں چالیس سال جمعہ کا خطبہ دیتے رہے، ساتھ ہی ماہنامہ البلاغ کے مدیر کی حیثیت سے دینی کتابت کے جوہر بکھیرتے رہے۔ ساتھ ہی دار المعارف قائم کرکے اور دینی کتابیں شائع کرکے، دور حاضر کے دینی تقاضے پورے کرتے رہے، آپ درجنوں کتابوں کے مصنف بھی تھے۔

ان تمام علمی کاموں کے علاوہ رفاہِ عام کے کاموں میں بھی آپ نے دل کھول کر حصہ لیا۔ اس کیلئے آپ نے ''ادارہ اصلاح المساجد'' قائم کیا جس کا ایک رکن یہ خاکسار بھی رہا، مذکورہ ادارے کے ذریعے مولانا نے پورے ہندوستان میں گئی سو مساجد قائم کیں، جن میں بنگال کی چالیس مساجد بھی شامل ہیں، جو اس راقم الحروف کے ذریعہ تعمیر کی گئیں۔ بنگال کی پہلی مسجد ۷۵ ہزار کی تھی اور آخری مسجد ۲۹ لاکھ کی تھی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔ بہرحال مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ ۱۹۵۴ء سے ۲۰۰۷ء تک کے عرصہ دراز میں خطابت و ماہناموں کی ادارت اور کتابوں کی تالیفات و طباعت اور لڑکے ولڑکیوں کی دینی وعصری تعلیم کے ادارے کا قیام اور سینکڑوں مساجد کی تعمیرات کا جاذب نظر کام کرتے ہوئے ایک تاریخ ساز شخصیت بن کر ۹/۹/۲۰۰۷ء بروز اتوار غروب آفتاب کے وقت اس عالم فانی سے غروب ہوگئے۔

آپؒ دو مرتبہ مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے امیر منتخب ہوئے، اس مدت میں یہ خاکسار بھی آپ کا نائب امیر تھا، آپ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تاسیسی رکن بھی تھے، آپ نہایت ہی سادہ دل اور ملنسار آدمی تھے، اللہ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور اس دنیا میں آپ کا نعم البدل بھی ہمیں نصیب فرمائے۔ آمین!

☆☆☆

علم وعمل کے پیکر
مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

محمد ارشد فہیم الدین المدنی -نائب رئیس جامعہ امام ابن تیمیہ، چندن بارہ، بہار

۹ر ستمبر ۲۰۰۸ء بروز اتوار شام چھ بجے مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے، وفات کے وقت آپ کی عمر تقریبا (۷۷) سال تھی۔آپ مرکزی جمعیت اہلحدیث کے سابق امیر، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر اور جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں، ادارہ اصلاح المساجد، الدار السلفیہ، محمدیہ طبیہ کالج اور کلیہ فاطمۃ الزہراء مئو، جیسے متعدد دینی وملی اداروں کے بانی اور سرپرست تھے۔آپ بیک وقت ایک معتبر عالم دین، ایک صاحب بصیرت داعی، ایک ماہر خطیب، ایک بلند پایہ منتظم، ایک کامیاب تاجر، ایک اچھے مصنف ومترجم اور ایک بے باک مسلمان صحافی بھی تھے۔

۱۹۳۰ء میں یوپی کے مشہور صنعتی شہر مئوناتھ بھنجن کے ڈشوناتھ پورہ محلہ میں پیدا ہوئے، اور ابتدائی تعلیم مدرسہ شاخ دار العلوم مئو اور مدرسہ عالیہ عربیہ مئو میں حاصل کی، اعلی تعلیم کیلئے دار الحدیث رحمانیہ دہلی کا قصد کیا، جو اس وقت جماعت اہل حدیث کا سب سے معروف اور عظیم ادارہ تھا، لیکن بعض وجوہ کی بناء پر آپ وہاں زیادہ دن نہ رہ سکے۔اور دو سال کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ منتقل ہوگئے۔یہ ۱۹۴۶ء کا زمانہ تھا، تقسیم ہند کے عظیم سانحہ کے بعد آپ دوبارہ لکھنؤ نہیں جاسکے اور تعلیم مکمل کرنے کے لئے اپنے آبائی شہر مئوناتھ بھنجن کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ فیض عام میں داخلہ لیا، اور یہاں سے فراغت حاصل کی، دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے پرائیوٹ طور پر بعض سرکاری ڈگریاں بھی حاصل کیں، جن میں منشی، منشی کامل، ادیب کامل، ادیب فاضل کے علاوہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ڈپلومہ اِن لائبریری سائنس کی ڈگری خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد (۱۹) سال کی عمر میں آپ نے عملی زندگی میں قدم رکھا، اور اپنے والد کی خواہش کے مطابق منبر رسولؐ سے وابستہ ہوکر دعوت وتبلیغ سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا، اور اس کے لئے جماعت کے معروف عالم دین مولانا عبد الجبار شکراوی کی سفارش پر تانتی باغ کلکتہ کی جامع مسجد اہل حدیث میں بحیثیت امام وخطیب مقرر ہوئے، اور تقریبا دس سالوں تک پوری ایمانداری اور اخلاص کے ساتھ اسی مسجد کے منبر سے توحید کی دعوت دیتے رہے، اس دینی ودعوتی خدمت کے نتیجہ میں اللہ تعالی نے آپ کو دین اور دنیا دونوں سے خوب نوازا۔کلکتہ کی دعوتی زندگی آپ کی علمی ترقی کے ساتھ آپ کی مادی ترقی کا بھی ذریعہ بنی، مولانا خود فرماتے

ہیں" مجھے یہ کہتے ہوئے بے حد خوشی ہورہی ہے کہ میرے والد رحمہ اللہ نے مجھے مسجد سے منسلک ہونے کی جو وصیت و نصیحت فرمائی تھی، یقیناً وہ میرے لئے علمی اور مادی طور پر بہت فائدہ مند ثابت ہوئی"۔(البلاغ ستمبر ۲۰۰۵)

مولانا مختار احمد ندوی ایک غیور اہل حدیث عالم تھے، توحید اور سنت آپ کے رگ وپے میں داخل تھی، آپ کے اس فکری منہج میں والدین کی تربیت کے ساتھ، کلکتہ کے جماعتی ماحول کا بڑا اثر تھا۔ چونکہ بنگال کی سرزمین تحریک شہیدین کا مرکز رہ چکی ہے، اور سید اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے رفقاء اور فدائیان کی ایک بڑی تعداد یہاں توحید کی امانت اپنے سینوں میں سجائے ہوئے ہے۔ اس ماحول میں مولانا مختار احمد ندوی کو دس سال کی مدت نے ایک ممتاز اہل حدیث عالم دین بنادیا، اور یہیں سے آپ کی شہرت ہونے لگی، آپ کی اس شہرت اور مغربی بنگال کی جماعت اہل حدیث کی نمائندگی کا اثر تھا کہ کم عمری ہی میں نوگڑھ کی مشہور آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس میں اسٹیج سے خطاب کا موقع ملا، اور آپ اس کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوش نصیبی اور کامیابی تصور کرتے تھے۔

کلکتہ کی کامیاب زندگی کے بعد آپ نے عروس البلاد ممبئی کو اپنی جائے سکونت بنایا، ۱۹۶۲ء سے تاوفات ۲۰۰۷ء تک اس شہر سے وابستہ رہے، اور علمی ومادی طور پر ترقی کے تمام مراحل یہیں سے طے ہوئے، جس طرح اپنے والد کے حکم اور مولانا عبدالجبار شکراوی کی سفارش پر آپ کلکتہ کی جامع مسجد سے منسلک ہوئے، اسی طرح اپنے والد کے مشورہ اور مولانا عبدالجبار شکراوی کی سفارش پر مومن پورہ ممبئی کی جامع مسجد اہل حدیث میں امام وخطیب مقرر ہوئے، کلکتہ کی زندگی میں کتابوں کی تجارت کا جو کام چھوٹے پیمانہ پر شروع کیا تھا، ممبئی آنے کے بعد اس کو باضابطہ اپنی زندگی کا وظیفہ بنالیا، اور مومن پورہ کی جامع مسجد سے متصل لب سڑک "الدار السلفیہ" کے نام سے ایک مکتبہ قائم کیا، جو بعد میں ہند وبیرون ہند میں کتابوں کی نشر و اشاعت کا ایک بڑا مرکز بن گیا۔ علمی وتجارتی مصروفیات کے ساتھ آپ نے جماعتی سطح پر بڑی اہم خدمات انجام دیں، مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے امیر کی حیثیت سے جمعیت کو ملک وبیرون ملک میں وقار بخشا، اور مادی طور پر مضبوط بنادیا، "جامعہ محمدیہ" قائم کرکے تدریسی میدان میں ایک اہم اضافہ کیا، اور مہاراشٹر کے علاقہ میں جماعتی ضرورت کو پورا کیا، ماہنامہ مجلہ "البلاغ" جاری کرکے اردو اور اسلامی صحافت میں ایک نیا باب قائم کیا۔

جامعہ امام ابن تیمیہ اور اس کے بانی جناب ڈاکٹر محمد لقمان السلفی سے مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کا رشتہ بڑا گہرا اور مضبوط تھا، جماعت کے یہ دونوں بزرگان فکری اور عملی اعتبار سے بہت حد تک مماثلت رکھتے ہیں، اور حقیقی دنیا میں بھی دونوں ایک دوسرے کی رفاقت اور دوستی کا حق ادا کرتے رہے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ ان دونوں بزرگان جماعت کی اجتماعی وانفرادی کوششوں سے جماعت اہل حدیث کو خلیجی ممالک کے علاوہ دوسری جگہوں پر بھی بڑا فائدہ ہوا ہے، اور پوری دنیا میں جماعت کی اچھی نمائندگی ہوتی رہی ہے۔ لیکن تعصب، تنگ نظری اور سستی شہرت کے حصول کیلئے گذشتہ پاکوڑ کانفرنس میں ان دونوں بزرگوں کے ساتھ جو ناروا سلوک ہوا تھا وہ کسی سانحہ سے کم نہیں تھا۔ موقع ملا تو کبھی اس سانحہ کے اسرار، اور اس کے پیچھے کام کرنے والی ذہنیت کو طشت از بام کیا جائے گا تاکہ جماعت کے افراد ایسے شاطر لوگوں سے ہوشیار رہیں۔

جامعہ امام ابن تیمیہ محل وقوع کے اعتبار سے ملک کے انتہائی شمال مشرق میں واقع ہے، جو ملک کا ایک پچھڑا ہوا علاقہ ہے، اور سفر کے آسان ذرائع سے اب تک محروم ہے، ان سب کے باوجود مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ یہاں چار مرتبہ تشریف لائے، اور ہر مرتبہ سفر کی انتہائی صعوبتیں برداشت کیں، آخری مرتبہ راقم الحروف کے ہمراہ پٹنہ سے جامعہ تک کا سفر بذریعہ کار مکمل ہوا تھا، چھ گھنٹہ کے اس سفر میں مولانا سے، بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا، اور جامعہ امام ابن تیمیہ کے تئیں ان کے نیک جذبات اور مفید خیالات کو جاننے کا بھی موقع ملا، اس سفر میں متعدد علمی وجماعتی موضوعات پر آپ کے نظریات کو سمجھنے کے لئے میں نے متعدد سوالات کئے، اور آپ نے کھل کر ان پر روشنی بھی ڈالی، یہ موقع اور یہ کالم ان تفصیلات کو ذکر کرنے کیلئے مناسب نہیں ہے، آئندہ اللہ نے توفیق دی تو بیان کیا جائے گا۔

ماہنامہ مجلہ "طوبیٰ" کی پہلی اشاعت پر آپ نے تحریری طور پر اپنی نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے، اس کی کامیابی کی دعا کی تھی، اور مجلہ کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھنے کے لئے بعض امور کی طرف رہنمائی بھی کی تھی، آج اللہ کا شکر ہے کہ "مجلہ البلاغ" اور "مجلہ طوبیٰ" ملکی وغیر ملکی سطح پر اپنی ایک شناخت بنا چکے ہیں، اور دونوں پوری پابندی کے ساتھ اپنے قارئین کے دینی وادبی ذوق کی تسکین کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

مسلمان متحدہ امت ہیں

مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں اللہ اور اس کے رسول نے دین کی مضبوط رسی میں مجموعی طور پر باندھ رکھا ہے، انہیں عقیدہ کی وہ بنیادی وحدت عطا فرمائی کہ کوئی سچا مسلمان اپنی متحدہ ملت اور اسلامی وحدت سے الگ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ تمام مسلمان ایک اللہ، ایک رسول، ایک قبلہ، ایک قرآن اور متحدہ اسلامی اخوت پر قائم اور دائم ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے فردعی اور غیر اہم جزئی مسائل سے بلند ہو کر آپس میں متحد ہو جائیں اور سیاسی، اجتماعی اور قومی پلیٹ فارم پر ایک سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں اور اپنے اسلامی اور روحانی کردار سے غیر مسلم اکثریت کا رخ موڑ دیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کیلئے عزت وآبرو اور امن وچین سے زندگی گذارنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں، اللہ نے ہمیشہ مسلمانوں کو اسلام ہی کے ذریعہ عزت دی ہے اور آئندہ بھی اسلام ہی ان کی عزت وناموس کی حفاظت اور سربلندی کا ذریعہ بنے گا۔

(مولانا مختار احمد ندویؒ، بحوالہ: البلاغ: جنوری: ۱۹۹۴ء)

مولانا مختار احمد الندوی رحمہ اللہ

سعودی عرب میں کچھ یادیں کچھ باتیں

انصار زبیر محمدی- الجبیل، سعودی عرب

تقریر آگہی کا سزوار میں ہی تھا
کم تو نہ تھا یہ جرم کہ فنکار میں ہی تھا
تم کو یقیں نہ آئے تو لفظوں سے پوچھ لو
ہر دور میں وسیلہ اظہار میں ہی تھا
کیوں ہیں مجھی پہ سنگ ملامت کی بارشیں
کیا شہر بھر میں صاحب کردار میں ہی تھا

(فضا ابن فیضی: سفینۂ زرگل صفحہ ۱۲۰)

سابق مدرس مسجد حرام مکہ مکرمہ، مدیر الجامعہ المحمدیہ منصورہ مالیگاؤں، سابق امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، موسس ورئیس جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی ممبئی، مدیر وسرپرست مجلہ صوت الحق و البلاغ، ہندوپاک میں بہت سارے دینی وملی، تعلیمی وسماجی اداروں کے نگراں وسرپرست، علماء ودعاۃ کے بہی خواہ مولانا مختار احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ وأسکنہ فسیح جناتہ، اب اس دنیا میں نہیں رہے۔

مولانا مختار احمد ندوی رحمۃ اللہ اس دور کے مجدد تو نہیں تھے لیکن آپ کے حسین وتاریخی کارناموں کو دیکھ کر راقم الحروف کو یہ کہنے میں ذرا بھی باک نہیں ہے کہ آپ نے مجددین دین کے تجدیدی کارناموں کا احیاء ایک تجدیدی انداز میں کیا ہے ہندوستان کا یہ وہ دور تھا جس میں اہل حدیثوں کو مساجد سے باہر نکال دیا جاتا، کسی مسجد میں داخلہ پر انہیں نجس سمجھ کر ان سے مساجد دھلوائی جاتیں، اس عہد میں آپ نے ادارہ اصلاح المساجد کے تحت ملک بھر میں کم وبیش ساڑھے چار سو مساجد تعمیر کروائی اور سلفیان ہند کی ایک بڑی ضرورت پوری کی، ان میں ائمہ وخطباء کا تعین کیا، درس قرآن ودرس حدیث کا اہتمام کیا اور بھارت بھر میں توحید وسنت کی دعوت کا ایک مضبوط نیٹ ورک قائم کیا۔

سعودی عرب کے مفتی عام علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ کے علمی ومادی تعاون ومشورہ سے مجدد عصر امام الدعوۃ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی بیشتر مولفات کو اردو میں منتقل کرایا، کچھ کا ترجمہ بقلم خود کیا، اور پھر ملک بھر میں مفت تقسیم کیا، تجارتی غرض سے چھاپی جانے والی کتابوں کو دار المعارف کے اسٹال سے فروخت کیا۔

ساتویں صدی کے امام ومجدد شیخ الاسلام ابن تیمیہ اوران کے شاگرد علامہ ابن القیم رحمہما اللہ کی بہت ساری علمی ودعوتی نگارشات کو اپنی زیر نگرانی اردو میں چھپوا کر عوام وقارئین تک پہنچایا، ہندوستان میں علامہ نواب صدیق حسن خان کے نقش قدم پر چل کر مال

ودولت کو دینی کتب کی نشر واشاعت کے لئے خوب خرچ کیا، مسلم قوم میں تعلیمی بیداری کیلئے آپ نے سرسید کے تعلیمی افکار و نظریات کو بھی پیچھے چھوڑ دیا، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے طرز پر چل کر مجلہ صوت الحق والبلاغ کے افق صحافت سے قوم وملت کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ فجر بعد درس قرآن کی پابندی اور پورے قرآن کو ترجمہ وتفسیر کے ساتھ دومرتبہ ختم کرنا، آخر عمر تک منبر ومحراب سے جڑے رہنا، اور قلم کے ذریعہ آخری ایام تک خدمت دین انجام دینا یہ تمام اعمال آپ ہی کے کارنامے ہیں، آپ کے حق میں اللہ کی طرف سے حسن توفیق ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی ان خدمات کو قبول فرما کر جنت الفردوس میں درجات کی بلندی کا ذریعہ بنائے، آمین۔

راقم الحروف ۱۹ر ستمبر ۱۹۹۳ء میں سعودی عرب آیا، اس سے قبل جامعہ محمدیہ سے فراغت کے بعد تین سال تک جمعیت اہل حدیث بھیونڈی سے وابستہ رہا، اس دوران مولانا سے برابر رابطہ رہا، سعودی عرب پہنچ کر جب میں نے آپ کو مکتب توعیۃ الجالیات میں بحیثیت داعی ومترجم اپنے کام کی اطلاع دی تو آپ نے بے پناہ خوشیوں کا اظہار کیا، اور برادرم ارشد مختار (حالیہ ناظم جامعہ محمدیہ) کو جواب دینے پر مامور کیا، ارشد مختار صاحب نے مولانا کی طرف سے جواباً لکھا کہ ''والد صاحب نے اپنی مصروفیات کی وجہ سے مجھے آپ کے خط کا فوری جواب دینے کا حکم دیا ہے، آپ کے سعودی عرب پہنچ جانے اور وہاں جا کر دعوت وتبلیغ کے عالمی مرکز ادارہ دعوۃ الجالیات میں دینی خدمات انجام دینے پر والد صاحب اپنی بے پناہ خوشیوں کا اظہار کر رہے ہیں، آپ کو ڈھیر ساری دعائیں دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اللہ سے دعا گو ہیں کہ میں نے جس مقصد کی خاطر جامعہ قائم کیا اللہ اسے پورا فرمائے، ان شاء اللہ سعودی عرب کے سفر میں آپ سے رابطہ بھی کریں گے''۔ (مکتوب از برادرم ارشد مختار بحکم مولانا مختار احمد ندوی:......نومبر ۱۹۹۳)

جامعہ محمدیہ کے توسیعی پروگراموں کی خاطر آپ خلیج عرب کا سفر برابر کیا کرتے تھے، عمومی طور پر آپ کا سفر ممبئی سے کویت، عرب امارات، ریاض، القصیم، مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور پھر آخری عشرہ میں آپ جدہ ائرپورٹ سے ممبئی پہنچ جایا کرتے تھے، جہاں پہنچ کر آخری عشرہ میں محفل وعظ گرمایا کرتے تھے، جس کی حسین یادوں کی خوشبو آج بھی اہل ممبئی کے ذہنوں میں تازہ ہے۔

چونکہ راقم کا قیام سعودی عرب کے درمیانی علاقہ منطقہ قصیم میں تھا، جو پورے ملک میں کھجور وگیہوں کی کاشت اور علم وعلماء کے لئے منفرد مقام رکھتا ہے، اس لئے میں اس تحریر میں قصیم ہی کے چند واقعات پیش کروں گا۔

ریاض میں آپ کا قیام معروف سلفی عالم ڈاکٹر محمد لقمان سلفی کے دولت کدہ پر ہوا کرتا تھا، ڈاکٹر صاحب آپ کی ضیافت اور دوستی کا حق برابر ادا کرتے رہے، وفات کے بعد بھی آپ کے مقالات اور مولانا رحمہ اللہ پر خصوصی نمبر کی اشاعت، مولانا کے تئیں ان کے خلوص ومحبت اور سچی دوستی کی واضح مثال ہے۔

شعبان ۱۴۱۵ھ ایک مرتبہ آپ نے ریاض سے فون کر کے مطلع کیا کہ آپ فلاں وقت تک القصیم پہنچ جائیں گے، ان دنوں برادرم ظفر عدیل نور الحق بریدہ، القصیم دعوۃ سنٹر میں مقیم تھے، مولانا

کی آمد کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مرکز توعیۃ الجالیات کے لکچر ہال میں آپ کا ایک دعوتی پروگرام منعقد کیا گیا، جب پروگرام کا وقت قریب آیا تو آپ نے فرمایا کہ آج میری تقریر سے پہلے حضرت مولانا انصار زبیر محمدی تقریر فرمائیں گے، بلا کسی پیشگی اطلاع وپروگرام کے مجھے اچانک آپ کے اس اعلان پر بڑی حیرت ہوئی، آپ نے فرمایا: "اجی، میں تمہاری تقریر سننا چاہتا ہوں" اس کے بعد راقم الحروف نے چند منٹ خطاب کیا، پھر اس کے بعد آپ نے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں ایک گھنٹہ سے زائد تک خطاب کیا۔

بلاشبہ مولانا رحمہ اللہ کا یہ انداز شفقت اور اسلوب تربیت میرے لئے کسی قیمتی سرمایہ سے کم نہیں تھا، مولانا کی پوری تقریر میں نے کیسٹ سے صفحۂ قرطاس پر نقل کیا، جو بعد میں مجلۂ صوت الحق میں شائع ہوئی تھی، چونکہ قصیم سے ہندوستان روانگی کے وقت پوری لائبریری ہندوستان بھیج دیا تھا، اسی لئے قصیم میں آٹھ سالہ قیام کے بہت سارے خطوط، اخبارات وجرائد وقت پر دستیاب نہیں ہو پاتے۔ اس واسطے یہاں میں صوت الحق کے اس شمارہ اور جلد کا حوالہ دینے سے قاصر ہوں۔

شعبان ۱۴۱۶ھ کے ایک سفر میں مرکز توعیۃ الجالیات بریدہ کے لکچر ہال میں جب آپ اپنے خطاب سے فارغ ہوئے تو اس موقعہ سے آپ نے مجھے خصوصی طور پر نصیحت کی کہ کسی قسم کی ملک دشمن تنظیم سے تعلق نہ رکھنا، ہمارے لئے سعودی عرب اور ہمارے وطن ہندوستان کی خارجہ سیاست بڑی اہمیت رکھتی ہے، کبھی ان کی مخالفت نہ کرنا، دعوت کا میدان بڑا وسیع ہے۔

اس کے بعد ۱۴۱۷ھ سے ۱۴۲۰ھ تک آپ جب بھی قصیم تشریف لاتے ریاض ہی سے مجھے فون کر کے خبر کر دیتے کہ میں کسی ہوٹل میں نہیں ٹھہروں گا، بلکہ تمہارے یہاں ٹھہروں گا، چونکہ راقم الحروف مرکز توعیۃ الجالیات کی ایک برانچ الشماسیہ میں دعوتی کام پر مامور تھا، الشماسیہ بریدہ سے مشرقی جانب ۲۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا شہر ہے، بلکہ ریاض سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے القصیم کا سب سے پہلا شہر یہی ہے، راقم الحروف نے وہاں کے دعوتی مرکز میں کم وبیش آٹھ سال گزارے، الشماسیہ ایک چھوٹا سا شہر تو ضرور ہے مگر علمی لحاظ سے بہت زرخیز علاقہ ہے، سعودی عرب میں تحفیظ القرآن کے اولین موسس ،فقہ کی کتاب "السلسبيل فی معرفة الدليل" کے مصنف شیخ صالح البلیہی رحمہ اللہ، شیخ محترم علامہ ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان، رکن سعودی افتاء سپریم کونسل، شیخ عبداللہ بن محمد الغنیمان سابق استاذ جامعہ اسلامیہ ومدرس مسجد نبوی، ومدرس جامعہ سلفیہ بنارس، ڈاکٹر ناصر بن عبدالکریم العقل، ڈاکٹر سلیمان بن عبدالکریم الملاحم، ڈاکٹر عبدالرحمن بن سلیمان المطر ودی اور ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالکریم الیحیی وغیرہم یہاں کی معروف علمی شخصیتیں ہیں، ملک بھر کی متعدد عدالتوں کے قضاۃ اور دعاۃ ہیں، جن میں جبیل شہر کے قاضی شیخ فیصل بن عبداللہ الفوزان بھی ہیں، میرے قیام کے دوران وہاں علماء ومشائخ کے علمی دروس کا سلسلہ قائم تھا، حفظ متون کا خصوصی اہتمام تھا، (ان میں سے بعض دروس آج بھی قائم ہیں) چنانچہ مولانا جب پہلی بار الشماسیہ تشریف لائے تو میری ملازمت کی دعوتی ذمہ داریوں کے ساتھ جب عرب مشائخ کے علمی دروس کے حلقہ میں شامل ہونے کا شیڈول جانا اور میری ذاتی

لائبریری دیکھی تو اپنی بے پناہ مسرتوں کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ”اجی انصار! اب مجھے تم پر اطمینان ہے“ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وغفرلہ۔

چونکہ آپ قیام اللیل کے پابند تھے، سفر وحضر میں برابر اس کا اہتمام کرتے تھے، ایک دن فجر کی نماز سے جب ہم لوگ فارغ ہوئے تو پوچھا فجر کے بعد آپ کا کیا پروگرام رہتا ہے؟ چونکہ آفس کی ڈیوٹی ۹ بجے شروع ہوتی تھی، اس لئے فجر بعد سونے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، آپ نے فرمایا ”صبح کا وقت بڑا قیمتی ہوتا ہے، ذہن تازہ ہوتا ہے، اگر اس وقت کا صحیح استعمال کرلیا جائے تو دن بھر کے برابر ہے، میں نے ایک عرصہ سے فجر بعد سونا اور دوپہر بعد لمبا قیلولہ (سونا) نہیں کیا ہے، بلکہ فجر سے لیکر ناشتہ تک لکھنا پڑھنا بڑا مفید ہے“۔

جب ہم لوگ فجر کی نماز کے لئے قریب کی مسجد میں گئے، اس دن امام نے بڑی ہلکی نماز پڑھائی، سلام پھیرنے کے بعد ہم لوگ واپس آرہے تھے کہ مسجد کے امام شیخ سلیمان بن محمد المطر ودی تیز چلتے ہوئے آئے، سلام ومصافحہ کے بعد افطار کی دعوت دی، (اس دن پہلا روزہ شروع ہوچکا تھا) مولانا نے اپنی مصروفیات کا ذکر کرکے معذرت کرلی، دوسرے دن جب مسجد کے امام شیخ سلیمان میرے پاس آئے اور کہا کہ میں نے صفوں کی درستگی کا اعلان کرنے کے بعد جب پیچھے مڑ کر مقتدیوں کی طرف دیکھا تو شیخ پر نظر پڑتے ہی مجھ پر ایک رعب طاری ہوگیا، میں نے محسوس کیا کہ یہ چہرہ کوئی عام چہرہ نہیں ہے، یہ تو آہ سحر گاہی سے آشنا اور تہجد گذار شخص نظر آتا ہے، اس لئے میں نے نماز ہلکی کردی۔ گویا مولانا رحمۃ اللہ علیہ قرآن کی آیت ”سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود“ کی سچی تصویر تھے۔

اواخر شعبان ۱۴۱۹ھ میں جب آپ تشریف لائے تو بریدہ میں ایک عرب علم دوست نوجوان نے آپ کو شام کے کھانے پر مدعو کیا، عرب روایت کے مطابق کھانے سے قبل چائے اور قہوہ کا دور چلتا رہا، اس دوران اس شخص نے ”المصباح المنیر فی اختصار تفسیر ابن کثیر“ کے چند صفحات آپ سے پڑھے، اور کہا کہ میری یہ تمنا تھی کہ آپ سے کسی کتاب کا درس لوں، الحمدللہ آج میری تمنا پوری ہوگئی۔

شیخ عبدالعزیز الخویطر مدیر مکتب دعوۃ وتوعیۃ الجالیات عنیزہ آپ کے بڑے قدرداں تھے، سعودی عرب میں اردو کتب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہونے سے قبل تک وہ الدار السلفیہ کی تمام مطبوعات منگوایا کرتے تھے، انہوں نے آپ کی چند کتابوں کا نیپالی اور ہندی میں ترجمہ کرایا ہے، علامہ القصیم شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے رابطہ کا بڑا اعمدہ ذریعہ بھی تھے۔

شیخ محمد بن ابراہیم التویجری (مولف کتاب ”مختصر الفقہ الاسلامی“ سے آپ کے گہرے روابط تھے، انہوں نے اپنی کتاب ”مختصر فقہ اسلامی“ کے ترجمہ کے لئے مجھ سے بارہا فون کروایا، بعض دفعہ کہتے کہ کافی دنوں سے شیخ مختار کی کوئی خبر نہیں ملی، ذرا فون کرکے ان کے حالات معلوم کرو، میں فون کرتا اور پھر خیریت دریافت ہوتی، شعبان ۱۴۲۳ھ میں قصیم سے جبیل آنے کے بعد اس رابطہ کا مجھے علم نہیں۔ ہندوستان میں یہ کتاب المرکز الاسلامی بسالت پور یوپی سے اردو میں دو جلدوں میں چھپ کر مفت تقسیم ہوچکی ہے۔

ان کے علاوہ عالم عرب کے اکثر وبیشتر ممتاز علماء کرام سے آپ کے دوستانہ مراسم تھے، جن میں شیخ ابن باز اور ابن عثیمین

رحمہما اللہ، امام حرم شیخ محمد بن عبداللہ السبیل، ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس، ڈاکٹر سعود الشریم، امام مسجد نبوی شیخ علی بن عبدالرحمن الحذیفی، رابطہ عام اسلامی مکہ مکرمہ کے شیخ ناصر العبودی، اور ڈاکٹر عبداللہ الترکی، کے علاوہ بہت سارے علماء ومشائخ سے آپ کے دوستانہ مراسم تھے۔

مولانا رحمہ اللہ جب سعودی آتے تو جامعہ اسلامیہ میں زیر تعلیم فارغین جامعہ محمدیہ سے ملاقات کے ساتھ مراکز دعوۃ الجالیات میں دعوتی خدمات پر مامور محمدی احباب سے بھی ممکن حد تک رابطہ کرتے تھے، حسب سہولت ان سے ملاقات کر کے اپنے مشوروں سے نوازتے تھے، اللہ کی توفیق سے اس وقت محمدیوں کی ایک بڑی تعداد مکاتب جالیات سے جڑی ہے۔

الشماسیہ، قصیم سعودی عرب میں ایک مرتبہ آپ نے دعوت میں حکمت وحاضر جوابی پر اپنا ایک واقعہ بیان کیا کہ جن دنوں میں کلکتہ میں امام وخطیب تھا ایک دن جمعہ کے خطبہ میں بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نور نہیں تھے بلکہ، بشر تھے، آپ کو نور کہنے والا کافر ہے، اس خطبہ سے کلکتہ میں خوب ہلچل مچی، بیچاری ملاؤں نے آپ کے قتل پر ابھارا، فرمانے لگے اسی روز رات کے وقت میرے پاس دو شخص ساتھ میں چھری لئے ہوئے آئے، اور پوچھا آج تم نے کہا ہے کہ نبی ﷺ کو نور کہنے والا کافر ہے، ہم لوگ صرف اس کی تاکید کرنا چاہتے ہیں اس لئے کہ ہمارے مولوی صاحب نے قتل کا فتوی دے دیا ہے، ہم لوگ تمہیں قتل کرنے سے قبل صرف تم سے تاکید کرنا چاہتے ہیں، یہ کہہ کر اس نے چھری تان لی، اور پھر پوچھا بتاؤ تم نے ایسا کہا ہے؟ میں نے اطمینان سے جواب دیا کہ نہیں، پوچھا پھر کس نے کہا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ تعالی نے، میرا جواب سن کر انہوں نے آپس میں گفتگو کی چلو واپس چلو یہ شخص تو کہہ رہا ہے کہ اللہ نے کہا ہے، چلو اب اس کی معلومات حاصل کرتے ہیں، اس کے بعد وہ دونوں چلے گئے اور پھر واپس نہیں لوٹے''۔ مولانا نے بتایا کہ اس وقت میری عمر تمہاری ہی طرح تھی، جب یہ واقعہ آپ نے مجھ سے بیان کیا تو اس وقت میں عمر کی تیسری دہائی میں تھا، آپ نے کہا کہ دیکھو جی اگر ہاں کہہ دیتا تو مار ڈالتے، مگر اللہ تعالی نے میری جان کی حفاظت فرمائی اور فوری طور پر مجھے یہ حاضر دماغی عطا کی، میں نے اس وقت ان سے الجھنے کے بجائے ایسا جواب دیا جسے پا کر وہ واپس چلے گئے۔ مولانا کی زندگی کا یہ واقعہ دعوتی زندگی میں حکمت کی بڑی واضح دلیل اور دعاۃ کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہے۔

سعودی عرب کی کسی مجلس میں جب جامعہ کا ذکر آتا تو اس کے تمام شعبے اور سرگرمیوں کا تفصیل سے ذکر کرتے۔ اساتذہ جامعہ میں شیخ الجامعہ، استاذ محترم ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی حفظہ اللہ کا بطور خاص ذکر فرماتے، ان کے بارے میں اپنے حسن ظن کا اظہار فرماتے، اور جامعہ میں ان کے وجود کو جامعہ کے لئے ایک نعمت قرار دیتے، محمدی اساتذۂ جامعہ میں برادرم ابو رضوان محمدی کی تحریر کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے، بلکہ بعض دفعہ راقم الحروف سے کہتے کہ میں چاہتا ہوں کہ ''اجی! صوت الحق کا ایک کالم لے کر تم بھی اسی طرح کچھ برابر لکھا کرو''۔ مولانا کا یہ خلوص، یہ محبت اور فارغین کے تعلق سے یہ اہتمام یقیناً اب ہمیں نہیں مل سکے گا، اس لئے کہ اب مولانا اس دنیا سے رخصت ہو کر وہاں جاچکے ہیں

جہاں سے جانے کے بعد کوئی واپس نہیں آتا اور نہ ہی وہاں جانے والا موجودہ دنیا والوں کو کچھ دے سکتا ہے، البتہ موجودہ دنیا والوں کی دعائیں ان تک پہنچ سکتی ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ جنت الفردوس میں آپ کے درجات کو بلند فرمائے، آمین۔ اپنے اساتذہ میں عبداللہ شائق صاحب کا تذکرہ خصوصی طور پر کیا کرتے تھے۔

وفات سے ایک سال قبل جب ممبئی میں آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے بنگالی مسجد میں جمعہ کا خطبہ دلوایا، دوپہر کے کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھے تو بہت ساری نصیحتیں کی، جامعہ کے مستقبل کے بارے میں اپنے اطمینان کا اظہار کیا، چونکہ ان دنوں جامعہ اور اس سے ملحق اداروں کی ذمہ داری اپنے چھوٹے فرزند برادرم ارشد مختار کے سپرد کردی تھی، آپ نے ارشد مختار کے تعلق سے اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ اسی مجلس میں مجھ سے فرمایا کہ: ”ہندوستان لوٹنے سے قبل اگر عرب مشائخ میں سے کسی کے ساتھ مزید کچھ وقت گزار لینے کا موقع میسر آجاتا تو کیا ہی بہتر ہوتا“۔

وفات سے ایک ماہ قبل جریدہ ترجمان میں آپ کی بیماری کی خبر پڑھ کر جب آپ سے رابطہ کیا تو چونکہ جن دنوں بیماری کی خبر شائع ہوئی تھی اس وقت تک آپ صحت یاب ہوچکے تھے، آپ نے ڈھیر ساری دعائیں دی، اپنی مسرتوں کا اظہار کیا اور صوت الحق والبلاغ منگوانے اور ان میں لکھنے کی نصیحت کی۔

سعودی عرب میں ایک مرتبہ جب آپ میرے یہاں وارد ہوئے تو آپ کو اپنی فائل پیش کی، جس میں جامعہ کی سند کے ساتھ حسب ضرورت چند توصیات وتزکیات شامل تھے، اساتذہ میں شیخ محترم ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی، عرب اساتذہ میں ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان اور ڈاکٹر ناصر بن عبدالکریم العقل، وغیرہم کے علاوہ متعدد مشائخ ودکاترہ کے تزکیات وتوصیات جب آپ نے ملاحظہ فرمائے تو میں نے آپ سے بھی تزکیہ طلب کیا، جس پر مولانا نے فرمایا کہ: ”اجی! تم ہر لحاظ سے اس کے مستحق ہو“ اور اسی وقت املا کرایا اور پھر دستخط کردی، مولانا کا تزکیہ آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔

صوت الحق اور البلاغ میں شائع ہونے والے میرے بہت سارے مضامین ہیں جنہیں ڈاک سے بھیجنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ مولانا جب سعودی عرب تشریف لاتے تو وہ مضامین ساتھ لیجاتے۔ حالانکہ مولانا کی ذمہ داریاں کوئی معمولی نہ تھیں بلکہ آپ تنہا ایک صوبہ یا ملک کے سربراہ سے زیادہ کام کرتے تھے، ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا بھر سے آپ کا تعلیمی، دعوتی اور رزق حلال کے لئے تجارتی نیٹ ورک تھا مگر اس کے باوجود اپنے سفر میں رسالہ کے لئے مضمون ساتھ لے جانا اور پھر ذمہ داری سے اسے شائع کرنا یہ امانت کی ادائیگی کی واضح مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی خدمات دینیہ کو قبول فرما کر گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنائے، اور آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

ممکن نہیں کہ اس کے بلاوے کو رد کروں
سب کچھ، بہ این مذاق وشغف چھوڑ جاؤں گا
سنتے رہو گے یوں ہی مجھے میرے بعد بھی
دہلیز جاں پہ لفظوں کے حرف چھوڑ جاؤں گا

(فضا ابن فیضیؒ پس دیوار حرف ص ۱۷۸)

☆☆☆

آہ! خادم قوم وملت نہ رہا

مختار احمد محمدی مدنی -الجبیل، سعودی عرب

بروز اتوار بتاریخ ۹/ستمبر ۲۰۰۷ م یہ اندوہناک وغمناک خبر موصول ہوئی کہ فضیلۃ الشیخ مختار احمد ندوی صلاۃ مغرب سے تھوڑی دیر قبل جب سورج کرہ ارض کو اپنی ضیا بار کرنوں سے منور کرنے کے بعد غروب ہوا جارہا تھا ٹھیک اسی وقت مولانا کی زندگی کا تابناک سورج امت اسلامیہ کو منور کرنے کے بعد ممبئی میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، یہ اللہ کا فیصلہ ہے جس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، پھر اگلے دن بعد صلاۃ ظہر ہند و نیپال کے مختلف شہروں سے آئے ہوئے ہزاروں سوگواروں نے مولا نا حافظ سلیمان میرٹھی کی امامت میں صلاۃ جنازہ ادا فرمائی، اس کے بعد جوہو قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی فلنصبر ولنحتسب......

لوگ کل تک جن کی عمر میں برکت اور صحت کی دعا کرتے تھے آج ان کیلئے رحمت ومغفرت کی دعا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ موصوف کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور ان کے ورثاء و پسماندگان، اعزاء واقارب اور پوری امت اسلامیہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

اطلاع ملنے کے بعد جب راقم نے مولانا موصوف کے فرزند ارجمند جناب ارشد مختار محمدی صاحب ناظم جامعہ محمدیہ منصورہ سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ موصوف کویت ایئرپوٹ پر ہیں، مولانا کی اچانک وفات ہوجانے سے وہ فوری طور پر ہندوستان جانے کے لئے فلائٹ کے منتظر ہیں، آپ کی آواز رندھی ہوئی تھی، اور بے ساختہ رونے کی آواز سنائی دے رہی تھی جس کی وجہ سے راقم کو مزید جانکاری حاصل کرنے کی ہمت نہ ہوئی، بڑی مشکل سے تعزیتی کلمات کہنے کے بعد موبائل بند کردیا، اس کے بعد مولانا موصوف کے منجھلے فرزند جناب اکرم مختار صاحب سے رابطہ کیا انہوں نے جو کچھ تفصیل بتائی وہ یوں تھی کہ مولانا کی طبیعت معمول کے مطابق تھی، صبح اچانک خراب ہوگئی، پھر وہی چیز آپ کیلئے جان لیوا ثابت ہوئی، مولانا آخری اوقات میں اپنی آل واولاد کو توحید کی بار بار وصیت فرمارہے تھے، ساتھ ہی ساتھ ان کی زبان سے کئی بار کلمہ توحید کی آواز بھی سنائی دی، اس کے بعد آپ کی روح جسد خاکی سے پرواز کرگئی، بلاشبہ یہ حسن خاتمہ نیک بختی اور حقیقی سعادت کی روشن دلیل ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "من کان آخر کلامہ لا الہ الااللہ دخل الجنۃ "جس کی آخری

گنفتگولا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ [ابوداؤد وترمذی وصححہ الألبانی رحمہ اللہ]

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی وفات سے ہندوستان کی نہ صرف جماعت اہلحدیث بلکہ پوری امت اسلامیہ غمزدہ وغمگین ہے کون کس کو تعزیت کرے، راقم کیوں نہ غمزدہ وغمگین ہو اس نے تو مہاراشٹرا میں مولانا موصوف کے قائم کردہ علمی تاج محل کے چشمہ صافی سے اس دور میں اکتساب علم اور سیرابی حاصل کی ہے جو جامعہ کا سب سے تابناک اور سنہری دور ہے، علم وعرفان کی انتہائی مقتدر ہستیاں مولانا موصوف نے تدریس وتعلیم اور تربیت کے لئے جمع کر رکھی تھیں، ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی، شیخ انیس الرحمن اعظمی عمری، ڈاکٹر محمد اقبال مدنی، ڈاکٹر عبدالحکیم مدنی، شیخ عبدالرقیب سلفی رحمہ اللہ، شیخ نورالعین سلفی، شیخ محمد رفیق سلفی، شیخ شہاب اللہ سلفی مدنی، شیخ نصیر احمد ملی، شیخ محمد ابراہیم سلفی مدنی، شیخ عبدالقدوس مدنی وغیرہم جیسی شخصیات مسند تدریس پر جلوہ افروز تھیں، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ستاروں کا یہ جھرمٹ لمبی مدت تک جامعہ میں برقرار نہ رہ سکا کئی ستارے یکے بعد دیگرے ٹوٹ کر بکھر گئے، مولانا موصوف کی وفات حسرت آیات سے یوں محسوس ہوتا ہیکہ مصیبت کا یہ پہاڑ موصوف کے خاندان وورثاء پر نہیں بلکہ ہم پر ٹوٹ پڑا ہے، لیکن یہ سوچ کر صبر ہو جاتا ہے کہ مولانا گرچہ ہمارے درمیان اپنی روح وجسم سے موجود نہیں ہیں لیکن وہ اپنی خدمات جلیلہ اور زرین کاموں سے ہم میں ہمیشہ موجود رہیں گے، مولانا تاریخ کا اٹوٹ انگ بن چکے ہیں، ہندوستان کی تاریخ میں ایسے گہرے اور انمٹ نقوش چھوڑے ہیں جنہیں ایک معاند مورخ بھی فراموش نہیں کر سکتا، دنیا میں ان کا نام ویسے ہی روشن رہے گا جیسے ان کی زندگی میں تھا، آپ اس دور کی عہد ساز شخصیت تھے، نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کی عظیم شخصیات میں آپ کا شمار ہوتا تھا، صدقات جاریہ کے نہ سوکھنے والے چشمے آپ کی نیکیوں اور درجات میں اضافہ کرتے رہیں گے، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی وفات سے ملت اسلامیہ ایک حقیقی خیر خواہ، مدبر، دانشور، بے لوث خادم، نامور عالم دین، مشہور زمانہ خطیب وادیب، بیباک صحافی اور تجزیہ نگار، عظیم مولف ومترجم، وعظیم ناشر، مشہور داعی ومبلغ، اور مفسر قرآن اور باصلاحیت وماہر منتظم سے محروم ہوگئی ہے، ہندوستان کے طول وعرض میں آپ کے قائم کردہ مدارس (برائے طلبہ وطالبات) اور سیکڑوں مساجد، اسپتالیں، طبیہ کالج ٹیکنیکل ادارے، الدار السلفیہ اور ادارہ اصلاح المساجد آپ کے عظیم ترین کارنامے ہیں جن سے آپ کی سنہری یادیں ہمیشہ تازہ ہوتی رہیں گی، مولانا رحمہ اللہ نے ملت اسلامیہ کے لئے جو یادگاریں چھوڑی ہیں صرف ان کے تذکرہ کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، اور بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انفرادی طور پر ملت اسلامیہ ہند کے لئے آپ نے جو خدمات انجام دی ہیں ان کی مثال پوری تاریخ ہند میں نہیں ملتی ہے۔

آپ نے ہر میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، تالیف وترجمہ کا میدان ہو، یا صحافت یا خطابت کا، مساجد ومدارس کی تاسیس ہو یا نشرواشاعت کا میدان ہو، جس میدان میں آپ نے قدم رکھا کامیابیوں اور کامرانیوں نے دست بستہ آپ کا خیر مقدم کیا۔

مالیگاؤں شہر سے باہر اس کے جنوب میں گرنا ندی کے پاس مولانا رحمہ اللہ نے منصورہ نام کی ایک علمی بستی آباد کی ہے جس سے شیراز وبغداد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، مولانا کا صرف یہی کارنامہ

انہیں تاریخ میں زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے، منصورہ میں آپ کے قائم کردہ اداروں میں جامعہ محمدیہ، کلیہ عائشہ، محمدیہ طبیہ کالج، بدر محمد السائر اسپتال، ٹیکنیکل ادارے قابل ذکر ہیں۔ ادارہ اصلاح المساجد کے ذریعہ ہندوستان کے طول وعرض میں سینکڑوں مسجدیں آپ نے تعمیر کروائی ہیں۔

آپ نے مختلف موضوعات پر دسیوں کتابیں تصنیف کی ہیں جو الدار السلفیہ سے شائع ہوکر لوگوں سے مقبولیت حاصل کر چکی ہیں، آں موصوف نے کئی کتابوں کے ترجمے بھی اپنے سیال قلم سے انجام دیئے ہیں، جن میں دو کتابیں انتہائی اہم ہیں، پہلی کتاب مجدد اسلام امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق کتاب کتاب التوحید ہے، جس کا انتہائی خوبصورت ترجمہ آں موصوف نے کیا اور اپنے ادارہ سے شائع بھی فرمایا، یوں آپ نے غالباً محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی ساری کتابوں کو اردو زبان میں منتقل کیا ہے، دوسری کتاب مملکت سعودی عرب کے سابق مفتی عام علامہ ابن باز رحمہ اللہ کی التحقیق والایضاح ہے جو حج وعمرہ کے احکام ومسائل پر مشتمل ہے اس کا انتہائی سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کیا جسے مملکت سعودی عرب کی وزارت اسلامی امور ہر سال ہزاروں کی تعداد میں شائع فرما کر اردو داں حجاج کرام میں مفت تقسیم کرتی ہے، مو لانا موصوف کے امام ابن باز رحمہ اللہ سے کافی گہرے تعلقات تھے غالب امکان یہ ہے کہ ان کے اشارے پر ان کی کتاب کا ترجمہ آپ نے کیا ہوگا، ان کے علاوہ سلفی علماء اور ائمہ توحید کی کئی اہم کتابوں کو الدار السلفیہ سے شائع کیا ہے، بطور نمونہ کچھ اہم کتابوں کے نام یہ ہیں: خطبات محمدی، تقویۃ الایمان، سبیل الرسول، صلاۃ الرسول، بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم ترجمہ شیخ رئیس الاحرار ندوی، معاشرہ کی مہلک بیماریاں اور ان کا علاج ترجمہ نصیر احمد ملی رحمہ اللہ، زاد المعاد، عقیدۃ المؤمن، نجات پانے والی جماعت حقہ کے عقائد، اسلام اور مسائل جاہلیت، اسلام میں غریبی کا علاج، طب نبوی، وسیلہ کی حقیقت، نصیحۃ المسلمین، جن وشیاطین، یہود ونصاریٰ تاریخ کے آئینے میں، قرآن خوانی اور ایصال ثواب، رشوت شریعت اسلامیہ میں ایک عظیم جرم ترجمہ نصیر احمد ملی رحمہ اللہ، اولیاء حق وباطل شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ترجمہ انصار زبیر محمدی وغیرہ۔

ایک عظیم کارنامہ آں موصوف کے ذریعہ یہ بھی انجام پایا کہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ کی سیرت پر عظیم ترین کتاب رحمۃ للعالمین کو ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری اور شیخ عبد السلام عین الحق سلفی (ناگپور) حفظہما اللہ کے ذریعہ عربی میں منتقل کروایا پھر اسے اپنے ادارہ سے شائع بھی فرمایا، آپ کتب ستہ کا ترجمہ بھی کروا رہے تھے، لیکن یہ منصوبہ کہاں تک پہنچا، راقم کو اس کا کوئی علم نہیں ہے۔

آں موصوف بہت بڑے ادیب ومحرر اور صحافی بھی تھے، جمعیت اہل حدیث کے سابق ترجمان وآرگن مجلہ اہل حدیث کے آپ کئی سالوں تک نائب مدیر رہے ہیں، جس میں آپ مستقل طور پر کالم نگار تھے، اور غالباً ملکی مطلع سے آپ کی قلمی نگارشات شائع ہوا کرتی تھیں، مجلہ صوت الحق منصورہ مالیگاؤں اور مجلہ البلاغ کے صفحات آپ کے رشحات قلم کے جولانگاہ ہیں، اگر آں موصوف کے سارے مضامین ومقالات، اور اداریئے جمع کردیئے جائیں تو مستقل ایک کتاب بن سکتی ہے۔ مجلہ البلاغ میں مختارات کے نام سے جو کالم آپ نے شروع کر رکھا تھا وہ لوگوں میں بے حد مقبول تھا، مذکورہ کالم آپ کے تجربات ومشاہدات سے پر عوام وخواص سب

کے لئے مفید ومشعل راہ تھا، اس کالم کی مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ لوگو ں کو بڑی بے صبری سے مجلہ البلاغ کا انتظار رہتا تھا۔

الدار السلفیہ کا قیام بھی مولانا موصوف کے عظیم ترین کارناموں میں سے ایک ہے، آں موصوف نے کافی جدوجہد اور انتھک کاوشوں سے اسے اوج ثریا پر پہنچادیا تھا، معاشرے کی ضرورت کے لحاظ سے مفید کتابوں کا انتخاب اور انتہائی عمدہ ودلکش طباعت اس کی خاص پہچان تھی، الدار السلفیہ نے اتنا اونچا مقام حاصل کرلیا تھا کہ وہاں سے کتاب کی اشاعت مولف کے لئے باعث افتخار ہوا کرتی تھی، مولانا موصوف نے عربی اردو انگلش اور ہندی میں سینکڑوں کتابیں شائع فرمائی ہیں، آپ کے علمی ذوق کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ آپ نے کئی نادر مخطوطات بھی الدار السلفیہ کے کتب خانہ میں جمع کر رکھا تھا، علماء ومحققین کی ایک ٹیم تھی جو مخطوطوں اور احادیث کی تحقیق کرتی پھر اس کے بعد اسے شائع کیا جاتا، امام بیہقی کی جامع شعب الایمان جو ۲۰ جلدوں میں ہے اور امام ابن ابی شیبہ کی مصنف جو غالباً ۱۸ جلدوں پر مشتمل ہے ان دونوں کو الدار السلفیہ کی شائع شدہ کتابوں میں انتہائی اہم مقام حاصل ہے، الدار السلفیہ کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے متعدد نادر مخطوطات کو بھی عظیم ترین محقق ڈاکٹر عبد العلی ازہری کی تحقیق سے شائع کرنے کا شرف بھی حاصل ہے، مصر میں مکتبۃ الریان ایک اشاعتی ادارہ ہے جس کے ساتھ الدار السلفیہ کا معاہدہ تھا کہ ڈاکٹر عبد العلی ازہری کی تحقیق سے جو بھی کتاب شائع ہوگی گئی سو نسخے اس کیلئے ریزرو ہوتے تھے، ان نسخوں پر اس کے نام بھی شائع کئے جاتے تھے، اسی طرح سعودی عرب میں مکتبۃ الرشد اور مکتبۃ الایمان آپ کی کتابوں کے بڑے خریدار تھے۔

مولانا رحمہ اللہ جمعیت اہل حدیث کے دوٹرم کے لئے امیر بنے، آپ ہی کے دور امارت میں مئو کی سرزمین پر اہل حدیثوں کی انتہائی عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی تھی، دہلی کے لال قلعہ سے مملکت توحید وسنت کے فرمانروا ملک سعود بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی ہند آمد پر جمعیت اہل حدیث کی طرف سے استقبالیہ پیش کرنے والی ٹیم میں آپ پیش پیش رہے۔

مولانا موصوف نے باندرہ کی اس مسجد میں جہاں صلاۃ ادا کرتے تھے باقاعدگی سے بعد صلاۃ فجر درس قرآن کا اہتمام کررکھا تھا اور برادرم شیخ انصار زبیر محمدی حفظہ اللہ کی اطلاع کے مطابق آپ نے دو مرتبہ قرآن کی تفسیر بھی ختم کی ہے، مجلہ البلاغ کے اپنے مخصوص کالم ''مختارات'' میں مولانا رحمہ اللہ نے یہ بات لکھی بھی ہے، خوشی کی بات تو یہ ہے کہ پوری تفسیر الحمد للہ ریکارڈ ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں کے فائدے کے پیش نظر اسے منظر عام پر لایا جائے، اور کیا ہی بہتر ہوگا اگر اسے کتابی شکل دے کر الدار السلفیہ سے شائع کردیا جائے، اس سے قرآن کریم کی عظیم خدمت ہوجائے گی ان شاء اللہ۔

مومن پورہ کی جامع مسجد اہل حدیث (کالا پانی) اس کے بعد مدنپورہ کی بنگالی جامع مسجد کے آپ مستقل خطیب رہے ہیں، جہاں آپ کا خطبہ سننے کے لئے لوگ دور دور سے آتے تھے، راقم جب الدار السلفیہ میں بحیثیت مترجم کام کرتا تھا تو اسے بھی کئی خطبے سننے کا موقع ملا، آپ کے ان خطبات اور دیگر دروس وتقاریر کو سی ڈیز میں لاکر نشر کرنے کی ضرورت ہے ساتھ ہی انہیں کتابی شکل میں شائع کرنے کی بھی ضرورت ہے، بنگالی مسجد اہلحدیث کے آپ کے سارے خطبے الحمد للہ محفوظ ہیں، قرآن کریم کی تلاوت بڑی خوش

الحانی سے کیا کرتے تھے، آپ کتنے عظیم مقرر وخطیب تھے، اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اجتماعات وکانفرنسوں میں آپ کا نام ان کی کامیابی کی ضمانت ہوتا تھا، جس طرح آپ اردو کے نامور خطیب وادیب تھے، عربی زبان پر بھی آپ کو عبور حاصل تھا، میں نے سنا ہے کہ جب آپ کویت تشریف لے جاتے تو وہاں کی نشریات سے عربی زبان میں آپ کا خطاب نشر ہوتا تھا۔

ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کی شخصیت کس قدر ہمہ گیر وہمہ جہت تھی اور آپ کے سینے میں ملت اسلامیہ کی فلاح وبہبود کے لئے کتنا درد، تڑپ، لگن اور کتنا اخلاص تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ نے امت مسلمہ کے لئے کیا کچھ نہیں کیا، مجھے علماء، اہل قلم اور دانشوروں سے امید ہے کہ مولانا موصوف کی زندگی کے مختلف گوشوں اور کارناموں پر ضرور خامہ فرسائی کریں گے، یہ مولانا رحمہ اللہ کا امت مسلمہ پر حق ہے، آپ نے امت مسلمہ کے حقوق کو کما حقہ انجام دے دیا ہے، اب امت مسلمہ کا فرض بنتا ہے کہ وہ مولانا کے حقوق ادا کرے، راقم نے آپ کی عظیم شخصیت اور کارناموں کے حوالہ سے صرف اشاریئے بیان کئے ہیں، تفصیل کیلئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، دیکھنا یہ ہے کہ یہ شرف کس بلند اقبال شخصیت کے حصہ میں آتا ہے، صرف خصوصی شمارے شائع کردینے سے آپ کا حق ادا نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کی خدمات اور ان کے زریں کارناموں کو شرف قبولیت بخشے، اور انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، ان کی بشری لغزشوں اور کوتاہیوں کو اپنی وسعت رحمت سے ڈھانپ لے اور آپ کی مغفرت فرمائے اور امت اسلامیہ کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

☆☆☆

زندگی سے فرار

مسلمانوں میں دینی مدارس کا رواج عام ہے کچھ تو مکتب کے نام سے مساجد میں چلائے جاتے ہیں جنہیں ان مساجد کے ائمہ اور کچھ ٹیوشن کرنے والے مدرسین مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دیتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بچوں کو اسلام کی بنیادی تعلیم دے کر ابتداء ہی سے ان میں دینی شوق وذوق اور اسلامی روح پیدا کرنا ان کو مسلمان زندہ رکھنے کے لئے ازبس ضروری ہے، کاش کہ ہم یہ بنیادی حق ادا کرپاتے۔ لیکن افسوس، اول تو ان مسجدی مدرسوں میں اعلیٰ خاندان اور معززین شہر کے بچوں کو داخل کرنا اپنی توہین سمجھا جاتا ہے، دوسرے ان مدرسوں کے لئے جن روحانی مربیوں اور مخلص اور ایثار پسند اساتذہ کی ضرورت ہے وہ عنقا ہے۔ جن مدرسین میں لکھنے پڑھنے اور لکھانے پڑھانے کی ذرا بھی شد بد ہوتی ہے وہ اپنے معیار کے مطابق خاطر خواہ وظیفہ نہ پانے کی وجہ سے بیوی کے زیورات بیچ کر یا چندہ کرکے خلیج کے جن ملکوں میں جو کام بھی ان کو مل جاتا ہے، کرنے چلے جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اچھے اچھے باصلاحیت علماء کہیں بنیا کی دوکان پر سودا بیچنے پر مامور ہیں۔ کہیں مسجدوں میں جھاڑو دینے اور اذان دینے پر لگے ہوئے ہیں اور اس طرح وہ کچھ دنوں میں پوری طرح مسخ ہوکر رہ جاتے ہیں۔

(مولانا مختار احمد ندویؒ، بحوالہ: البلاغ: جنوری: ۱۹۹۴ء شذرات)

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کا قیام کلکتہ

مولانا عبد الخلاق ندوی - کلکتہ

حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ سے میری ملاقات ۱۹۴۸ء کے اس پر آشوب زمانہ میں دارلعلوم ندوۃ العلماء میں ہوئی جب ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء میں ہندوستان دوسو سالہ انگریزی استعمار کی غلامی سے آزاد ہوا۔اور انگریزوں نے جاتے جاتے متحدہ ہندوستان کو ہندوستان اور پاکستان کے نام سے دوحصوں میں بانٹ دیا اور ہندو مسلم کے درمیان اختلاف کا بیج بودیا۔اس کے بعد ہندوستان و پاکستان میں ہندو مسلمان کے درمیان دنگا و فساد خونریزی وقتل وغارتگری کی آگ بھڑک اٹھی اور دونوں ملکوں میں ہندو و مسلم ایک دوسرے کی عزت وآبرو اور جان ومال پر حملہ کرنے لگے۔اسی کی زد میں آکر جامعہ رحمانیہ دہلی جو اہلحدیثوں کی قدیم مرکزی درسگاہ تھی جس نے سیکڑوں جید علماء اہلحدیث کو پیدا کیا تھا اجڑ گیا۔اسی درسگاہ کے اجڑے ہوئے طلباء کا قافلہ ۱۹۴۸ء میں دارلعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کیلئے آیا جس میں ضلع گونڈہ (بونڈھیار) کے مولانا عزیز احمد ندوی ،مولانا عابد حسن رحمانی،عبدالکریم ندوی (ششھیا) کے ساتھ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ مئوی اعظمی بھی تھے۔ندوہ میں دوسالہ قیام کے دوران مولانا موصوف نے عالمیت کی سند مکمل کر کے جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں داخلہ لیا اور اسی دوران چند ماہ کیلئے جامعہ سعیدیہ بنارس چلے گئے اور وہاں فضیلۃ الشیخ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ سے صحیحین کا درس حاصل کر کے دوبارہ جامعہ اسلامیہ فیض عام میں تشریف لائے۔اور تکمیل تعلیم کے بعد مولانا رحمہ اللہ دینی خدمت کی طرف مائل ہوئے۔اس سلسلہ میں سب سے پہلا دینی سفر آپ کا کلکتہ سے شروع ہوا۔آپ کو جامع مسجد اہلحدیث تانتی بگان (نور علی لین،کولکاتا، ۱۴) میں بحثیت امام وخطیب بلایا گیا۔تانتی بگان کا یہ محلہ شہر کلکتہ میں جماعت اہلحدیث کا مرکزی محلہ ہے۔اس مسجد کے بانی حاجی عبداللہ رحمہ اللہ بڑے مخلص مخیر وموحد رئیس تھے۔

کتاب وسنت کی تعلیم وتبلیغ کیلئے جہاں آپ نے مسجد قائم کی وہیں آپ نے ایک معیاری مدرسہ دارالہدیٰ کے نام سے قائم کیا جس میں آپ نے شیخ الحدیث مولانا یونس مظفر پوری جیسے تبحر جید عالم کو مدرس کی حیثیت سے رکھا۔حضرت مولانا محمد یحییٰ امیر جماعت اہلحدیث تانتی بگان اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل تھے۔ان دینی کاموں میں حاجی عبداللہؒ کے مشیر کار و دست راست مولانا یحییٰؒ کے والد ماجد حاجی الطاف حسین صاحب تھے۔اسی تاریخی اور مرکزی مسجد کی امامت وخطابت سے حضرت مولانا مختار احمد ندوی نے اپنی دینی خدمت کا آغاز کیا۔

چنانچہ یہاں آپ کو صوفی عبدالرحمٰن جیسے مخلص، نیک طینت اور ڈاکٹر سعید جیسے دانشمند مشیر کار اور حاجی حبیب الرحمٰن جیسے مخیر بزرگوں کی صحبت حاصل ہوئی جنہوں نے ہر موڑ پر آپ کی ہر طرح

معاونت اور مخلصانہ رفاقت کا حق ادا کیا۔ان تمہیدی کلمات کے بعد کلکتہ میں مولانا موصوف کی دینی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے ہم ذکر کریں گے کہ ان کے اثرات سے مستقبل میں مولانا موصوف نے وہ کارنامے انجام دیئے جن کی بدولت آپ ہندوستان کے صف اول کے علماء میں شمار ہونے لگے۔

قیام کلکتہ کی اہمیت اور یہاں کی دینی خدمات کے دوررس اثرات

مولانا مختار احمد ندویؒ نے جن جن دینی خدمات کو کلکتے میں انجام دیا وہ آپ کی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔گویا وہ کام بیج کی حیثیت رکھتے ہیں جو کلکتہ کی سرزمین میں بوئے گئے اور ننھے ننھے پودے نکلے اور آئندہ ممبئی کے قیام کے دوران وہ تناور درخت بن کر نمودار ہوئے جن سے ہندوستان کے مسلمانوں اور اسلامی دنیا کو فیض پہنچا۔ یہاں ہم ان کارناموں کا ذیل کی سطروں میں جائزہ لیں گے۔اور ان کے عظیم اثرات کی طرف اشارہ کریں گے۔

اس سے قبل یہ بات بتائی گئی ہے کہ کلکتہ میں مولانا موصوف کا سب سے پہلا دینی کام مسجد اہلحدیث تانتی باغ میں امامت وخطابت کا تھا۔چنانچہ آپ نے مسلسل تقریباً دس سال تک اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ چنانچہ جب پہلی بار اس عظیم المرتبت منبر پر خطبہ کیلئے جلوہ افروز ہوئے جس منبر سے شیخ الحدیث مولانا محمد یونسؒ صاحب علم وفضل جیسے خطیب برسوں خطبہ دیتے آرہے تھے، اس منبر کے رعب وجلال کا اثر نمایاں تھا لیکن آپ نے بحسن وخوبی خطبے کو پورا کیا۔بعد خطبہ آپ کے مخلص ہمدرد و خیر خواہ ڈاکٹر محمد سعید اور صوفی عبدالرحمٰن آپ سے ملے اور آپ کی ہمت افزائی کی اور آپ کو پرخلوص مشورہ دیا کہ یہاں دارالہدیٰ لائبریری ہے۔اس سے آپ استفادہ کریں۔چنانچہ مولانا نے ان کے مشورے کو قبول کیا اور کتابوں کے مطالعہ سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔جس کے نتیجے میں آپ کا خطبہ دن بدن مؤثر ہوتا چلا گیا اور اب آپ کا خطبہ سننے کیلئے دور دراز محلوں سے لوگ آنے لگے اور روز افزوں جمعہ میں سامعین کی بھیڑ بڑھنے لگی۔اس فریضہ کو اس محبت ولگن سے انجام دیا کہ اللہ رب العزت نے آپ کے دل میں مسجد کی محبت پیوست کردی اور مسجد آپ کی زندگی کا لازمی جزء بن گئی۔اور پوری زندگی مسجد سے جڑے رہے۔یہاں کی دس سالہ خدمت کے بعد آپ نے ممبئی میں مومن پورہ کی جامع مسجد اہلحدیث میں اس فریضہ کو انجام دیا۔پھر وہاں سے جب الگ ہوئے تو ایک گمنام بنگالی مسجد کو اعزازی طور پر آباد کیا اور آپکی بدولت یہ مسجد پورے ہندوستان میں مشہور ہوئی۔غرضیکہ زندگی کی آخری سانس تک مسجد سے وابستہ رہے۔

ادارہ "اصلاح المساجد" کا قیام

مسجد سے تعلق اور مسجد کی خدمت کا جذبہ آپ کی روحانی غذا بن گئی اور اسی جذبہ کے تحت آپ نے ۱۹۸۲ء میں اصلاح المساجد کا عظیم ادارہ قائم کیا۔اس ادارہ کے تحت تقریباً پانچ سو مساجد ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اپنی مخصوص نگرانی اور اپنے ماہر تعمیرات کی نگرانی میں تعمیر کرائی۔جو اپنی نفاست وصفائی اور حسن تعمیر میں اپنا جواب نہیں رکھتی ہیں۔صرف تعمیر ہی نہیں کروائی بلکہ اس کی آبادکاری کیطرف بھی توجہ فرماتے رہے۔اس سلسلہ میں اللہ نے جو خدمت آپ سے لی اس کی نظیر تاریخ میں نایاب ہے۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

دارالہدیٰ لائبریری کلکتہ

کلکتہ میں آپ کا دوسرا اہم کارنامہ دارالہدیٰ لائبریری کی نشأۃ

ثانیہ ہے۔آپ نے اپنے بہی خواہوں کے مشورے سے جب دارالہدیٰ لائبریری سے استفادہ اور مطالعہ کیلئے لائبریری کی کتابوں کو دیکھا تو ایک ڈھیر کی شکل میں گرد وغبار سے اٹی ہوئی اور بے توجہی کا شکار بنی ہوئی تھیں۔آپ نے ایک ایک کتاب کو جھاڑ پونچھ کر صاف کیا۔اوران کی نئی جلد سازی کرائی اور آپ نے نیشنل لائبریری کے اسسٹنٹ لائبریرین جناب مقیت الحسن کی معاونت سے ان کتابوں کے نئے کیٹلاگ اور مضمون اور فن کے لحاظ سے درجہ بندی کر کے نئے نمبر اور لیبل لگا کر الماریوں میں سجایا۔اس سلسلے میں مسجد کے متولی سیٹھ محمد یوسف صاحب نے بھرپور سرپرستی کی بلکہ لائبریری کیلئے اپنی رہائشی بلڈنگ کی نچلی منزل میں لب سڑک ایک کشادہ کمرہ وقف کردیا۔مولانا ندویؒ نے جہاں دارالہدیٰ لائبریری کو نئی زندگی بخشی وہیں اس گرانقدر علمی ذخیرہ سے خود بھی بہرہ مند ہوئے۔اوراس کے قیمتی ذخیرہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ احباب کے مشورے سے اس لائبریری کے بانی حاجی عبداللہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس لائبریری کا نام بانی کے نام سے حاجی عبداللہ لائبریری سے موسوم کیا تا کہ لائبریری سے استفادہ کرنے والے حاجی عبداللہ کو دعائے خیر سے یاد کریں۔اس کے افتتاح کے موقع پر مولانا ندویؒ نے کلکتہ کے بلند پایہ اہل علم اور دانشوروں کو مدعو کیا۔جس میں مولانا فضل الرحمن باقی (مولانا عبداللہ غازی پوری کے نواسے) پروفیسر کلکتہ یونیورسٹی نیز ڈاکٹر زبیر احمد صدیقی پروفیسر کلکتہ یونیورسٹی، مولانا ابومحفوظ الکریم معصومی پروفیسر مدرسہ عالیہ کلکتہ ونیشنل لائبریری کے لائبریرین ڈاکٹر کیشوان وغیرہ شامل تھے۔اس کی رپورٹنگ کلکتہ کے اخباروں میں ہوئی جسکی وجہ سے لائبریری کی شہرت اس قدر ہوئی کہ باہر کے اسکالر بھی استفادہ کیلئے آنے لگے۔مولانا موصوف کے اندر کتابوں کی بھرپور دلچسپی اورلگن نے وہ جذبہ پیدا کیا جس کے اثر سے مولانا نے ممبئی میں شاندار مطبع ''الدارالسلفیہ'' قائم فرمایا جہاں سے آپ نے نادر اور غیر مطبوعہ کتابوں کی تصحیح وترتیب کرا کے اعلیٰ اور نفیس ایڈیشن عمدہ کاغذ اور اچھی طباعت کے ساتھ شائع کیا جن کو اہل علم حضرات نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔اوران کتابوں کی ہندو بیرون ہند اسلامی دنیا میں خوب خوب اشاعت ہوئی جس سے زرمبادلہ کی اتنی بڑی رقم حکومت ہند کو حاصل ہوئی کہ صدر جمہوریہ ہند نے آپ کو اس کیلئے ایوارڈ دیا اوراس سے آپ کی شہرت پوری دنیا میں ہوئی۔

اور کلکتہ میں آپ کا تیسرا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اس مسجد کا قدیم ادارہ دارالہدیٰ جو برسوں سے بند پڑا تھا دوبارہ جاری کیا اور اس میں عالمیت تک کی تعلیم دینے لگے۔آپ کے قابل ذکر طلبہ میں مولوی محمد اکبر (ضلع چوبیس پرگنہ) اور مولوی اکبر علی (ضلع ہوگلی) کو عالمیت تک کی تعلیم دی تھی کہ مولانا نے کلکتہ کو الوداع کہا اور تعلیمی سلسلہ بند ہوگیا لیکن یہ پرخلوص جذبہ باقی اور قائم رہا جسکی بدولت مولانا موصوف نے جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کو قائم فرمایا۔اوراس میں دینی تعلیم کے ساتھ طبی اور ٹیکنیکل شعبے قائم کئے اور تعلیم نسواں کیلئے عائشہ صدیقہ مالیگاؤں اور کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ بنگلور اور کلیۃ فاطمۃ الزہرا مئو کو قائم فرمایا۔ان پرخلوص خدمات کی بنا پر آپ کا شمار صف اول کے علماء میں ہونے لگا۔اور ۱۹۹۰ء میں آپ کو جماعت اہلحدیث ہند نے صدر کا عہدہ پیش کیا جسکو آپ نے ۱۹۹۵ء تک بحسن وخوبی نبھایا۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم. ☆☆☆

حیات جس کی امانت تھی اس کو لوٹا دی

مولانا رؤف احمد عمری - مدراس

میرے رب کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ گزشتہ پچاس پچپن سالوں سے میرا کام اور قیام ایک ایسے مقام پر ہے جہاں اہل علم اور اہل فضل سے ملاقاتوں اور استفادے کے مواقع کثرت سے نصیب ہوتے رہتے ہیں۔ جماعت کی قابل ذکر شخصیتوں کے مواعظ سننے اور ان کی بابرکت مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے کی سعادت حاصل ہے۔ کسی کا وعظ ونصیحت میرے لئے ناقابل فراموش ہے، کسی کی طہارت وتقویٰ وپاکیزہ نفسی میرے دل پر اثر انداز ہے۔ کسی کی علمی صلاحیت اور کسی کی ملی اور دینی خدمت میرے لئے سرمایہ حیات ہے۔ ایسی برگزیدہ ہستیوں کی فہرست بڑی طویل ہے اور ان میں ایک ایسی شخصیت بھی ہے، جس کو میں نے صرف سنا اور دیکھا ہی نہیں بلکہ بہت قریب سے جانچا اور پرکھا بھی ہے وہ ہر طرح سے میرے لئے مثالی کردار سے متصف تھی۔

میرا یہ تجربہ ایک دو ملاقاتوں یا ایک دو سال کی پہچان پر مبنی نہیں ہے پورے پینتالیس سال میں نے حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ سے واقفیت اور قربت میں گزارے ہیں۔ سفر میں، حضر میں، مسجد میں، مدرسہ میں، نجی ملاقاتوں میں، بھرے عوامی اجلاسوں میں افراد خانہ کے ساتھ، ملک وملت کے دانشوروں کے ساتھ، قرطاس وقلم کے ساتھ اور کتابوں کے درمیان، ہر جگہ آپ کی ذات بڑی متوازن ہوتی تھی۔ باوقار وذی احتشام رہتی تھی۔ ملک وملت کے حالات سے باخبر اور جماعت وجمعیت کی اصلاح کے لئے اپنے دل میں ایسی تڑپ رکھتے تھے کہ دن رات اسی ذکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ کوئی بھی موقع ہوتا، کیسی بھی مجلس ہوتی اپنے درد کا اظہار کئے بغیر نہیں رہتے۔ آپ کے خلوص اور للہیت کا گواہ ہر وہ شخص ہے، جس نے زندگی میں ایک بار بھی آپ کی صحبت میں کچھ وقت گزارا ہو۔ میں تو جیسا کہ کہہ چکا ہوں ۴۵ سالوں سے مولانا کو قریب سے جانتا ہوں اور میری واقفیت کی روداد کچھ اس طرح ہے۔

میں کبھی کبھار اپنے نجی کام سے بمبئی جایا کرتا تھا تو نماز جمعہ کے لئے مومن پورہ کی مسجد اہل حدیث جاتا تھا اس وقت مولانا وہاں امام وخطیب تھے۔ ۱۹۶۲ء میں کلکتہ سے بمبئی میں مولانا عبدالجبار صاحب شکراوی رحمہ اللہ کے مشورے پر مولانا مومن پورہ تشریف لائے تھے۔ اس وقت جب بھی بمبئی جانے کا اتفاق ہوتا تو ضرور مولانا سے ملاقات کرتا۔ شاید یہ طرفین کا خلوص وللہیت تھی کہ ہم دونوں میں الفت ومحبت اس قدر پیدا ہوئی تھی کہ مولانا ہر کام میں مجھے یاد فرمایا کرتے تھے۔ مولانا آزاد ہائی اسکول ۱۹۷۶ء کے افتتاح کے وقت خاص طور سے فون پر دعوت دی۔ ایک ہفتہ ساتھ رہا، اس وقت دارالسلفیہ کا قیام مومن پورہ کی ایک دکان میں جو مسجد

کے بغل میں تھی شروع ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مولانا کا پہلا آفس دار المعارف بھنڈی بازار ممبئی میں تھا۔ میرا قیام ٹملناڈو بیت الحجاج میں رہتا تھا جو دار المعارف کے بالکل قریب میں ہے اس طرح مولانا کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کا موقع ملتا تھا۔

۱۹۷۸ء میں جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں میں سنگ بنیاد کے وقت بھی ہفتہ عشرہ ساتھ میں رہ کر مولانا کا تعاون کرتا رہا جس میں شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کے علاوہ ہندو بیرون ہند کے مشاہیر علماء نے شرکت فرمائی۔ مولانا سے قربت کی وجہ سے ان علماء کرام کی خدمت کا موقع نصیب ہوا۔

۱۹۸۰ء میں مولانا نے ادارہ اصلاح المساجد قائم کر کے الحمد للہ پورے ہندوستان میں ۴۰۰ سے زائد جہاں جہاں ضرورت تھی سلفی مساجد تعمیر کرائی۔ ہر تین ماہ میں (اصلاح المساجد کی) ایک میٹنگ ہوا کرتی تھی پوری تفصیلات پیش کی جاتی تھیں۔ اکثر مقامات میں مولانا بذات خود تشریف لے جاتے تھے۔ بعض مقامات کا سفر اس قدر تکلیف دہ ہوتا تھا کہ مولانا مجھ سے فرمایا کرتے تھے واپس آکر مجھے سنبھلنے کے لئے ایک ہفتہ لگ جاتا تھا۔ اس کے باوجود آپ نے مساجد کی تعمیر میں ذرہ برابر بے توجہی نہیں فرمائی۔

الحمد للہ خاکسار کے ذمہ آندھرا، کرناٹک اور ٹملناڈو کے صوبے تھے۔ ان تینوں ریاستوں میں ۱۲۵ سے زیادہ مساجد تعمیر ہوئی ہیں۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔ کوئی بھی مسجد کسی بھی حیثیت سے نامکمل نہ رہی۔

لڑکیوں کی تعلیم کے سلسلے میں بھی سب سے پہلے اس کی سخت ضرورت اور اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے علماء کے سامنے پیش کیا۔ سوئے اتفاق کہ بعض احباب نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ اس کے باوجود مولانا نے لڑکیوں کی تعلیم کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے جامعہ محمدیہ مالیگاؤں میں کلیہ عائشہ صدیقہ کے نام سے جاری کیا۔ آج الحمد للہ ہزاروں بچیاں یہاں سے تعلیم حاصل کر کے فارغ ہو چکی ہیں۔ ۷۰۰ سے زیادہ لڑکیاں وہاں دینی وعصری تعلیم پا رہی ہیں اور تبلیغ دین کا کام بھی کر رہی ہیں۔

اسی طرح مولانا کے وطن مئو اور شہر بنگلور میں بھی لڑکیوں کو دینی تعلیم دی جا رہی ہے۔ فی الحال بنگلور میں ۴۰۰ سے زائد بچیاں زیر تعلیم ہیں مولانا نے تعلیمی نصاب میں سب سے اہم خصوصیت یہ پیدا فرمائی کہ خالص دینی تعلیم پانے کے بعد بچے صرف مساجد کے امام وخطیب بن کر رہ جاتے ہیں یا اپنے آباء واجداد کی تجارت میں شریک ہو کر ایک تاجر بن جاتے ہیں۔ اس خیال سے دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کو ضم کر دیا جائے تاکہ طلبہ عالم کے ساتھ ساتھ کم ازکم دسویں جماعت کی عصری تعلیم سے آراستہ ہو سکیں۔ اس کے بعد وہ اپنے طور پر جس لائن پر جانا چاہتے ہوں جا سکیں۔ آج الحمد للہ جامعہ کے فارغ ڈاکٹر بھی ہیں، اچھے آڈیٹر بھی ہیں اور انجینئر بھی ہیں اور بہت سے فارغین مختلف شعبوں میں اعلیٰ تعلیم پا رہے ہیں۔

مولانا نے جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کا ایک اہم ٹرسٹ بھی بنایا۔ اس ٹرسٹ کے ماتحت تمام ادارے مالیگاؤں، مئوناتھ بھنجن اور بنگلور وغیرہ میں چل رہے ہیں۔

مولانا کام کے ایسے دھنی تھے کہ زندگی کے آخری ایام تک کبھی آرام نہیں کیا۔ حالانکہ دل کے آپریشن کے بعد ڈاکٹروں نے آرام کے لئے کہا تھا۔ گھر پر رہنے کے باوجود بار بار آفس فون کر کے حالات دریافت فرما لیا کرتے تھے۔ چند ماہ سے بہت کمزوری

وناتوانی کے باوجود برابر اپنے مکان سے دفتر جو تقریباً ۱۵ کلو میٹر ہے جایا کرتے تھے۔ انتقال کے تین ہفتہ قبل ٹرسٹیوں کی میٹنگ میں شرکت کا موقع ملا۔ دوسرے تمام معاملات حل ہونے کے بعد جب میں مدراس واپس جانے لگا تو میرے ہمراہ میرے عزیز حامد انصاری سلمہ تھے جو باوجود بے حد مصروفیت کے اس وقت جامعہ محمدیہ بنگلور کی پوری ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین۔

مولانا ہم دونوں کے ہاتھوں کو پکڑ کر رونے لگے اور بار بار یہ کہتے جارہے تھے کہ شاید یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ ان کی آخری بات یہی تھی کہ میں نے اپنے بچوں کو جو کچھ دینا تھا دے دیا ہے۔ اب ارشد مختار سلمہ، تمام جامعات کو دیکھ رہے ہیں۔ مجھے ان کے کام سے پورا اطمینان ہے۔ ہم دونوں کو خطاب کر کے فرمایا پوری طرح ارشد کا ساتھ دیں۔ یہ میری آخری وصیت ہے۔

یہ وقت بڑا دل دہلانے والا تھا۔ ہم بھی بے قابو ہو کر رونے لگے۔ بہر حال یہ آخری ملاقات تھی بڑے حزن وملال کے ساتھ اشکبار آنکھوں سے ہم مولانا سے رخصت ہوئے۔ رب العالمین سے دعا کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی زندگی میں برکت عطا فرما کر اور بھی دین کی خدمت لیتا رہے۔ لیکن "وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ" اللہ کی طرف سے جو بھی ہوتا ہے اس میں ضرور کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ دعا ہے کہ رب العالمین مولانا کے لگائے ہوئے تمام چمن کو ہرا بھرا، صدا بہار رکھے۔ اس میں خیر عطا فرمائے۔ روز افزوں ترقی اور اقبال حاصل رہے۔ آمین۔ مولانا کی آخری ملاقات کے الفاظ مجھے بار بار کھٹک رہے تھے کہ آپ نے وصیت کی بات کیوں کی۔ شاید اللہ والوں کو اپنے چل چلاؤ کے وقت کا کچھ

احساس ہو جاتا ہے اس بات پر تین ہفتے بھی نہیں گزرے تھے کہ اتوار کی شام ۲۰۰۷/۹/۹ کو مولانا کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کئی مرتبہ میں ممبئی کا سفر تنہا کر چکا ہوں لیکن اس وقت مجھے ہمت نہیں ہوئی تو میں اپنے عزیز فرزند عطاء الرحمن سلمہ کو ساتھ لیکر دوسرے دن علی الصبح ممبئی روانہ ہوا، دیدار نصیب ہوا، صرف ایک منٹ یا آدھے منٹ سے زیادہ مولانا کو نہیں دیکھ سکا، حالانکہ احباب بار بار دیکھ رہے تھے۔ مجھ میں ہمت نہیں رہی۔ وہ چہرہ جو ہمیشہ مجھ سے مسرت ومحبت سے ملتا تھا اسے کیسے اس خاموش حالت میں دیکھ سکوں گا۔ دل پر پتھر رکھ کے مولانا کو سپرد خاک کیا گیا۔ سنت کے مطابق کچھ مٹی اوپر ڈال دی گئی۔ یہ ہے وہ تاریخ جو ۱۹۶۲ء سے شروع ہوئی اور ۲۰۰۷ء کی طویل مدت پر محیط رہی۔

یہ تعلق خاطر صرف اور صرف اللہ کے لئے تھا۔ اس کے دین کی سر بلندی کے لئے اور اس کی راہ میں مل جل کر کام کرنے کے لئے قائم ہوا تھا۔ ہر آنے والا دن بڑھتا ہی تھا اور مضبوط سے مضبوط تر ہوتا تھا۔ پوری مدت میں کبھی کوئی تلخی نہیں ہوئی اور نہ ذاتی غرض داخل رہی۔ خلوص وللہیت کی بدولت روز اول کی الفت ومحبت میں اضافہ اور استواری ہی حاصل رہی۔ رب العالمین مولانا کی لغزشوں کو درگزر فرمائے، بال بال مغفرت فرمائے، جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی صالح اولاد کو اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے نامکمل کارناموں کی تکمیل اور ادھورے کاموں کو بروئے کار لانے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائے۔ تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی ہمت اور حوصلہ بخشے۔ آمین

☆☆☆

زباں سے زور بیاں گیا ہے

مولانا سعید احمد بستوی - ناظم صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی

محترم قارئین کرام! ۹ر ستمبر ۲۰۰۷ء بروز اتوار مدرسہ تعلیم القرآن سوناپور بھانڈوپ میں صبح ۱۱ بجے سے طلباء کا سالانہ اجلاس بڑے زور وشور کے ساتھ رواں دواں تھا طلباء اپنا تعلیمی مظاہرہ حمد و نعت تقریر نیز مکالمے کی شکل میں پیش کر رہے تھے اور سامعین کثیر تعداد میں موجود تھے، تقسیم انعامات کے بعد آخری سیشن بعد نماز مغرب تا دس بجے شب مقرر تھا، جس میں علماء کرام کے خطابات مختلف عناوین کے تحت رکھے گئے تھے، تلاوت قرآن پاک کے بعد پہلی نشست میں خطاب کے لئے ناظم اجلاس مولانا حکیم اللہ صاحب محمدی حفظہ اللہ نے ناچیز کو ''اسلام اور انسانی حقوق'' کے عنوان سے خطاب کی دعوت دی تقریباً ایک گھنٹہ کا خطاب رہا بعد ازاں حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب مدنی استاذ جامعہ رحمانیہ نے خواتین کے عنوان سے خطاب کیا اس کے بعد فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب مدنی حفظہ اللہ استاذ جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کا محدثین کرام اور ان کی مساعی جمیلہ کے تعلق سے محاضرہ تھا چنانچہ حسب پروگرام ڈاکٹر کا خطاب شباب پر تھا اسی دوران مولانا عبدالسلام صاحب سلفی حفظہ اللہ امیر صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی نے موبائل پر مجھ سے گفتگو فرمائی اور مجھے اشارہ کیا میں نے امیر محترم کے چہرے پر اضطراب دیکھا تو خود مضطرب ہوگیا خیریت دریافت کی تو آپ نے سرگوشانہ انداز میں مجھ سے کہا کہ ابھی مولانا منظر احسن سلفی حفظہ اللہ کا فون آیا تھا اور انہوں نے یہ اطلاع دی ہے کہ حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ فإنا لله وانا اليه راجعون.

امیر محترم نے فرمایا باہر جاکر مولانا عبدالصمد صاحب سلفی حفظہ اللہ سے مزید وضاحت و جانکاری حاصل کیجئے پھر مجھے مطلع کریں بہرکیف شدہ شدہ جملہ علماء کرام و سامعین کے فون آنے شروع ہوئے اور پوری فضا جو کیف و مسرت میں ڈوبی ہمہ تن گوش علماء کے خطابات سماعت فرما رہے تھے کہ اچانک مولانا کی وفات کی خبر سے تمام چہرے مضمحل و سوگوار سے ہوگئے ڈکتور کا خطاب جاری ہی تھا کہ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالحکیم مدنی حفظہ اللہ مدیر جامعہ اسلامیہ کوسہ ممبرا نے کہا کہ فوراً چلو مولانا کے گھر کی طرف چلتے ہیں، چنانچہ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب مدنی حفظہ اللہ خود ہی ڈرائیونگ کر رہے تھے اور آپ کے ہمراہ ناچیز سعید احمد بستوی، فضیلۃ الشیخ عبدالحکیم مدنی و محفوظ سراجی اور الحاج جمیل الدین صاحب تھے حضرت مولانا کے دولت کدے پر حاضر ہوئے محمود منزل باندرہ گئے تو جملہ اعزہ و احباب سے ملاقات ہوئی، حضرت مولانا مرحوم کے بڑے خلف الرشید جناب اسلم مختار صاحب تمام امور کی نگرانی بدرجہ اتم

فرما رہے تھے لوگوں کے فون کا جواب دے رہے تھے اور آنے والوں سے مل رہے تھے، نیز جملہ اہل خانہ کو تسلی بھی دے رہے تھے اور انتہائی صبر وحوصلہ مندی کا آپ نے ثبوت دیا دو صاجزادگان مولانا اکرم مختار و مولانا ارشد مختار صاحبان صبح حضرت مولانا سے اجازت لے کر شہر سے باہر سفر پر تھے، جملہ حاضرین نے حضرت مولانا کے دیدار کا اصرار کیا کہ ایک نظر حضرت مولانا کو دیکھ لیں چنانچہ جناب اسلم مختار صاحب نے اس گذارش کو قبول فرمایا با چشم نم حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کا آخری دیدار کیا گیا، بقول شخصے

نشان مرد مومن باتو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

شب کو بارہ بجے کے قریب مولانا عبدالسلام صاحب سلفی امیر صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی و مولانا عبدالحق قاسمی قافلے کے ساتھ حضرت مولانا مرحوم کے دولت کدے پر پہنچے اور پوری جماعت و پورے ہندوستان عرب وعجم سے فون آنے شروع ہو گئے، تقریباً پوری رات یہ سلسلہ جاری رہا، صبح بھی کافی ہجوم تھا سوگواروں کا کافی مجمع تھا، جوہو گارڈن قبرستان پر پولس کا کافی بندوبست تھا نماز جنازہ جناب مولانا حافظ محمد سلیمان صاحب میرٹھی حفظہ اللہ امیر مغربی یوپی نے پڑھائی اور ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں بعد نماز ظہر جوہو قبرستان میں اس رجل رشید، مرد مومن کی جسد خاکی کو قبر کی آغوش میں رکھ دیا گیا، ان کے اعمال صالحہ کی بنا پر یقین ہے کہ جنت الفردوس کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے گئے ہوں گے اور ملاء اعلیٰ سے ندا آئی ہوگی ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ○ وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾ (الفجر: ۲۷-۳۰)

محترم قارئین کرام! حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ سابق امیر مرکزی جمعیت اہل ہند، نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، سرپرست جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں، مدیر الدار السلفیہ، صدر ادارہ اصلاح المساجد ممبئی، بارعب شخصیت کے مالک، جلال و جمال کا حسین امتزاج، رقت قلب کا اعلیٰ نمونہ اور انکسار و تواضع کا خوب صورت اور مؤثر ترین پیکر تھے آیئے! اب اس پیکر خیر وصلاح اور مرد حق آگاہ کی صحبت بابرکت میں چند لمحے گذارنے کی کوشش کرتے ہیں ممکن ہے اس بہانے ہم سنگ دل گنہگاروں کے ضمیر و روح میں رقت اور بھلائی کا کچھ تاثر ابھر آئے اور خیرات وحسنات کے کسی گوشے سے تھوڑی سی آشنائی پیدا ہو جائے۔

آپ بہت سی خصوصیات کے مالک تھے، نہایت ہمدرد، خیر خواہ اور خیر میں تعاون کرنے والے تھے، دل کے صاف، معاملے کے کھرے، طلباء کے لئے سراپا شفقت، اساتذہ کے لئے پیکر احترام، سب کے دکھ درد میں شریک، وسیع معاشرتی تعلقات رکھنے والے، گفتگو میں نرم اور سنجیدہ، کبھی کبھی وقت ضرورت طنز و مزاح و بذلہ سنجی بھی فرماتے تھے، دوسروں کی بات غور سے سنتے تھے، گفتگو میں انتہائی محتاط اور خلاف واقعہ باتوں سے سخت متنفر تھے، علماء کرام کے قدرداں، غریبوں کے معاون تھے، مستحقین کی مدد کرنا ضروری سمجھتے تھے، اگر کسی کو کوئی بات سمجھانا ضروری ہوتا تو موعظہ حسنہ سے کام لیتے اور میٹھی زبان میں اس سے مخاطب ہوتے، اللہ نے آپ کو وعظ و نصیحت کا ایک خاص جذبہ، بلکہ ایک خاص ملکہ، ایک خاص داعیہ اور خاص سلیقہ وقرینہ مرحمت فرمایا تھا جس کی وجہ سے لوگ آپ کے قریب آتے تھے اور چند مجلسوں کی حاضری کے بعد آپ

کے گرویدہ ہوجاتے تھے پھران کا کاروان حیات خود ایک نئی سمت چل پڑتا تھا اور یہ وہ سمت تھی جسے قرآن کی اصطلاح میں صراط مستقیم سے تعبیر کیا جاتا ہے، ہر معاملہ میں اسوۂ پیغمبر کو پیش نگاہ رکھتے اور اسی کے مطابق چلنے کو دین ودنیا کی فلاح قرار دیتے اور اپنے متعلقین اور عقیدت مندوں کو بھی یہی نصیحت فرماتے تھے، نہایت نرم خو اور رقیق القلب تھے، اللہ نے دنیا میں جو چھوٹی بڑی نعمت آپ کو عطا فرمائی تھی انفرادی نشستوں میں اس کا ذکر کرتے، اس پر اللہ کا بیحد شکر بجالاتے نیز جدید وقدیم علوم پر نگاہ رکھتے تھے، مطالعہ وسیع تھا، آپ کا اپنا ذاتی کتب خانہ تھا جس میں تفسیر حدیث، فقہ، رجال، تاریخ، سیرت، فلسفہ، منطق، ادبیات، معاشیات، سیاسیات، سماجیات وغیرہ موضوع پر کتابیں موجود ہیں یہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کی بے پناہ سعی اور ہمت کا مرہون منت ہے اور کتابوں کے وسیع ذخیرے کی صورت میں اصحاب ذوق کے سامنے ہے، آپ کے حریم قلب میں فروغ علم کا ایک خاص داعیہ اور جذبہ کارفرما تھا جس کا اظہار حضرت مولانا کے قول وعمل اور نقل وحرکت سے ہوتا رہتا تھا۔ اس دور پرفتن ومعصیت کیش میں اس صاف وستھری تہذیب کا چلتا پھرتا نمونہ تھے جو اسلام پیش کرتا ہے، اس ثقافت کا حسین مزین پرتو تھے جس کی سنت نبوی ﷺ کے مطالعہ سے نشاندہی ہوتی ہے، آپ کی مساعی جمیلہ کے پیش نظر اس گنہگار کی آپ کے متعلق یہ رائے ہے کہ اس میں حضرت مولانا رحمہ اللہ کے خلوص، تقویٰ، جذبۂ اطاعت کتاب وسنت، دین داری، صالحیت، اور صلاحیت کار اور اشاعت علم اور نشر دین کے سوا کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی، حضرت مولانا ممدوح رحمہ اللہ کے فیض صحبت میں تقریباً چھ سالہ دور میں نے گذارا اگر آپ نے کبھی کسی بات پر خفگی یا ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا، ہمیشہ نجی نشستوں میں دعوت وجماعت کے متعلق گفتگو فرماتے تھے اور منبر ومحراب کے حوالے سے فرماتے تھے کہ میرے والد محترم اللہ انہیں غریق رحمت فرمائے ہمیشہ تلقین کرتے تھے کہ بیٹا کبھی منبر ومحراب نہ چھوڑنا، یہ دعوت کتاب وسنت اور نشر واشاعت کے ذرائع ابلاغ ہیں، چنانچہ آپ نے تاحیات دعوت کتاب وسنت اور ترویج واشاعت فرمائی، دعوت کا کام بہت مشکل اور نازک کام ہے، اس پرآشوب دور میں دعوت وتبلیغ کا کام انجام دینا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، حضرت مولانا کا ذہن اس سلسلہ میں بالکل صاف اور واضح تھا، آپ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ داعی کو اس راہ میں نہایت صبر وضبط سے کام لینا چاہئے اس میں مختلف ذہن وفکر کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے کبھی انتہائی سخت مزاج لوگوں سے گفتگو کرنی پڑتی ہے، کبھی تعلیم یافتہ گروہ کو خطاب کرنا ہوتا ہے، کبھی بالکل انپڑھ (جاہل) طبقہ سے بات چیت کا موقعہ ملتا ہے، داعی کا فرض ہے کہ پہلے ماحول اور لوگوں کی ذہنیت کا جائزہ لے پھر دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع کرے، نجی مجلس یا اجلاس عام میں سختی کا مظاہرہ نہ کرے، نہ فتویٰ بازی پر اترے اور نہ کسی کو کافر ومشرک قرار دے کر فضا کو مکدر کرے، تحمل اور نرمی سے گفتگو کرے، اپنے طرز عمل اور اسلوب کلام سے کسی کو اپنا مخاطب نہ بنائے بلکہ بات چیت اور گفتگو کے ذریعے سب کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کرے، واعظ ومبلغ کا کام کسی سے دنگا یا فساد کرنا نہیں بلکہ اپنی بات لوگوں کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کرنا ہے اور یہ فریضہ تحمل وبردباری ہی سے سرانجام دیا جاسکتا ہے۔ آپ کے نزدیک تبلیغ کا یہی موثر طریقہ تھا، اس باب میں اسوۂ رسول ﷺ ہمیں نرمی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے، تشدد اور زبردستی سے دامن

بچانے کی تلقین کرتا ہے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا فراغت کے بعد مختلف جگہوں پر خدمت انجام دی مگر تعلیم وتعلم، درس وتدریس نیز امامت وخطابت سے کبھی پہلوتہی نہیں برتی۔ کلکتہ سے ممبئی کی مرکزی جامع مسجد مومن پورہ بعدازاں بنگالی مسجد کی تعمیر وتزئین فرمائی اور آپ اس مسجد کے خطیب نیز جھولا میدان میں عیدین کی امامت وخطابت کے فرائض تادم حیات ادا کرتے رہے، رمضان المبارک کی طاق راتوں میں آہِ سحر گاہی میں حضرت مولانا کی پرسوز دعا میں لوگ دور دور سے شرکت کرنے کے لئے آتے تھے۔ آپ کسی خارجی سفر سے تشریف لاتے تو سیدھے دفتر آنا ہوتا تھا اور اگر جمعہ کا دن ہوتا تو خطبۂ جمعہ کے بعد ہی گھر جاتے، الدار السلفیہ میں جہاں حضرت مولانا کا دفتر تھا وہاں ہفتہ واری پروگرام منعقد فرماتے تھے عصر تا مغرب مرد وخواتین کا کافی ہجوم ہوتا تھا، سوالات کے جوابات بھی عنایت فرماتے تھے، آپ ایک بے لوث خطیب وداعی تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ اہل مدراس نے حج ہاؤس میں ایک پروگرام منعقد کیا، ایک ہوٹل میں پر تکلف عشائیہ کا اہتمام کیا، حضرت مولانا رحمہ اللہ بنگلور سے مدراس پہنچے، اس ہوٹل میں اجلاس عام وعناوین وخطباء کرام کے تعلق سے گفتگو چل رہی تھی ذمہ داران میں سے ایک صاحب نے کہا عنوان طے کیا جائے، مولانا نے برجستہ کہا کہ صبح اسٹیج سے کتاب وسنت ہی کی دعوت دی جائے گی اور کسی طرح کی اس میں کوئی مصالحت نہیں ہوگی۔ آپس میں بحث وتکرار ہوئی لیکن جب صبح حضرت مولانا نے تقریر فرمائی تو تمام مجمع دم بخود ساکت تھا اور محترم شیخ کا کا سعید صاحب جامعہ دار السلام کے ناظم کو تو میں نے بچشم خود دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ مولانا کی تقریر ختم ہوتے ہی بغل گیر ہوئے اور بے پناہ مسرت کا اظہار فرمایا، مولانا مرحوم کسی سے کبھی جزاء وشکور کے طالب نہیں ہوئے بلکہ آپ جماعتی جذبے سے سرشار تھے، صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی نے شان مکھا نند ہال میں ۲۹/اکتوبر ۲۰۰۶ء کو "اسلام اور رواداری" کے عنوان سے ایک اہم کانفرنس منعقد کی تھی جس کی سرپرستی وقیادت حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ فرمارہے تھے قدرآور اور معروف واہم شخصیات ایسے مواقع پر آخری وقت ہی میں عموماً تشریف لاتی ہیں جب کہ انتظامیہ کی آنکھیں پتھرا جائیں۔ مگر حضرت مولانا ان تمام باتوں سے قطعاً احتراز واجتناب فرماتے تھے اسلام اور رواداری کانفرنس میں دیکھا گیا کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ اپنے چھوٹے صاحبزادے مولانا ارشد مختار حفظہ اللہ (ناظم جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں) کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں اور ابھی ہال میں کوئی اہم شخص آیا ہی نہیں تھا مولانا عبدالسلام صاحب سلفی حفظہ اللہ امیر صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی نے حضرت مولانا کی تشریف آوری پر آپ کو اہلاً وسہلاً مرحبا کہا اور جملہ ذمہ داران کے چہرے اولین ساعت میں آپ کی آمد سے مسرت کے ساتھ ٹمٹما اٹھے۔ مولانا باوجود پیرانہ سالی کے اس اہم کانفرنس میں شروع سے اخیر تک قیادت فرماتے رہے اور آپ کی پرسوز دعا کے ساتھ کانفرنس کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔ آپ تصنع وریا نمود وشہرت سے بہت دور رہتے تھے۔

۱۹۷۲ء میں جامعہ الملک عبدالعزیز جدہ کی طرف سے مکۃ المکرمہ میں "رسالۃ المسجد" کے عنوان سے ایک انٹرنیشنل کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دنیا کے تقریباً تمام مشہور علماء ودعاۃ اور اسلام کی نشر واشاعت پر مامور ذمہ دار علمائے اسلام جمع ہوئے جن کی تعداد چار سو سے بھی اوپر تھی، اس عظیم تاریخی اجتماع میں مولانا مرحوم کو

شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، دنیا میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس تھی جس کا عنوان تھا مسجد کا پیغام۔ایک بہترین جامع مقالہ حضرت مولانا نے اس پر تحریر فرمایا تھا بعنوان" مساجد اور ان کا پیغام "اور ادارہ اصلاح المساجد کا قیام فرمایا اور اس پر آپ نے اعتراف شکر کے عنوان سے لکھا کہ یہ حقیقت ہے کہ ادارہ اصلاح المساجد آج دنیائے اسلام کا ایک ممتاز اور منفرد ادارہ ہے جس نے مساجد کی ہمہ گیر خدمات کا جو تاریخی ریکارڈ قائم کیا ہے اس کی مثال میرے علم کی حد تک دنیا کے کسی ملک میں غیر سرکاری طور پر نہیں پائی جاتی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل واحسان ہے کہ اس نے ہم کارکنان ادارہ اصلاح المساجد کو ہندوستان کی سرزمین پر اپنے گھر کی تعمیر اور ان کو ہدایت سے معمور کرنے کی توفیق عطا فرمائی، بلاشبہ یہ صرف اسی اللہ کا فضل وکرم ہے جس کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔(فالحمد لله الذی هدانا لهذا وما كنا لنهتدی لولا ان هدانا الله)

آج ہندوستان کی سرزمین پر تقریباً چار سو مساجد تعمیر واصلاح وترمیم کے مرحلے سے کامیابی کے ساتھ گذر کر مسلمانوں کی ایمانی اور جماعتی زندگی میں مقدس مرکزی مقام حاصل کر چکی ہیں جن کی تفصیلات ادارہ اصلاح المساجد کی مطبوعہ رپورٹ سے معلوم کی جاسکتی ہیں، الحمد للہ آج بھی یہ ادارہ اپنی بساط بھر سرگرم عمل ہے اور یہ خیر جاری وساری ہے، ذالک فضل اللہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مسجد کے منبر ومحراب کے خطبے عوام کی رہنمائی کا بہترین ذریعہ ہیں، آپ ہمیشہ زمینی صداقتوں کے قائل رہے، جب بھی اہم کانفرنس یا اجلاس منعقد ہوتے تھے اس میں آپ بنفس نفیس تشریف لاتے تھے۔ انتخاب جدید کے بعد صوبائی جمعیت نے باندرہ کرلا کمپلیکس میں "دین رحمت" کانفرنس جو منعقد کی تھی اس میں بھی حضرت مولانا رحمہ اللہ بذات خود تشریف لائے تھے اور سارا انتظام وانصرام دیکھتے نیز اس سلسلے میں استفسار بھی فرماتے تھے یہ مولانا کا جماعتی زندگی سے لگاؤ تھا جماعت کے کاموں کو ہمیشہ سراہتے اور ذمہ داران کو دعائیں ضرور بالضرور دیتے تھے اور حوصلہ بھی بڑھاتے تھے فرمایا کرتے تھے، میں ۱۴ سال کی عمر سے جماعتی پروگرام اور نظم سے جڑا ہوا ہوں میں نے خود جھولا میدان میں کرسیاں اٹھائی ہیں، محض جماعت کی ترقی فلاح وبہبود وکامرانی کے لئے میں نے خود ایک ورکر کی طرح کام کیا ہے۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ ایک سچے مجاہد تھے، آپ نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اللہ کی راہ میں صرف کردیں، وہ سر فروش بھی تھے اور طوفان بدوش بھی اور صاحب عقل وہوش بھی، وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے پیچھے کام کرنے والوں کے لئے ایک وسیع تر میدان چھوڑ گئے اور ایک دلکش طرز انداز چھوڑ گئے ایک دلآویز روایت چھوڑ گئے، جدوجہد کا دل پسند محاذ چھوڑ گئے، زبان کو تلوار بنانے کا طریقہ اور قلم سے تلوار کا کام لینے کا سلیقہ چھوڑ گئے ایسے نقوش وخطوط لوگوں کے لئے کامل رہنمائی کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں، فهل من مدكر.

اولئک آبائی فجئنی بمثلهم
إذا جمعتنا يا جرير المجامع

بقول شخصے:

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

غرضیکہ علمی دنیا کے آفتاب وماہتاب، خطابت وقلم کے دھنی و شہسوار حضرت مولانا رحمہ اللہ ۹ رستمبر ۲۰۰۷ء کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے، بروز پیر بعد نماز ظہر جوہو گارڈن قبرستان میں

ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں تدفین عمل میں آئی ،۱۱ر ستمبر بروز منگل مولانا رحمہ اللہ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے الدار السلفیہ کے ہال میں ایک نشست معززین شہر کی منعقد کی گئی، جب میں دفتر پہنچا تو حضرت مولانا کی نشست خالی نظر آئی دل بھر گیا مولانا عبدالصمد صاحب سلفی حفظہ اللہ جو آفس سیکریٹری ہیں ان سے ملاقات ہوئی اور جملہ اسٹاف جو شعبۂ تحقیق وریسرچ یا البلاغ میں یا طبیہ سے متعلق خدمات پر مامور تھے سب کی آنکھوں میں نمی تمام فضا افسردہ اور پورا ماحول حزن وملال میں ڈوبا ہوا تھا کسی نے سچ کہا ہے:

بکت عینی وحق لها بکاء

ولکن البکاء ولا عویل

جگر صاحب نے کہا تھا:

جان کر من جملہ خاصان میخانہ مجھے

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

جس شخص کے ذہن ودماغ میں اپنے بزرگوں کی کچھ باتیں، یادیں، نقوش وخطوط موجود ہیں اسے جان لینا چاہئے کہ اس کے پاس بہت کچھ سرمایہ موجود ہے اور اس کے قلب کی دنیا پوری طرح آباد ہے اور ہمیشہ آباد رہے گی، اس میں کبھی ویرانی نہیں آئے گی، بقول شخصے:

از صد سخن پیرم یک حرف مرا یاد است

عالم نه شود ویران تا میکده آباد ست

غرض یہ کہ اللہ نے مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کے اندر ملت کی خدمت کا جذبہ اور خیر خواہی بدرجہ اتم پیدا فرمایا تھا، ملت کی فلاح وبہبود کے لئے آپ کا دل ہمیشہ تڑپتا اور فکر مند رہتا تھا، ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود عروس البلاد کی تمام کانفرنسوں واجلاس میں شرکت فرماتے اور ملت اسلامیہ کے بارے میں اہم مشورے دیتے، انتہائی وسیع النظر وعالی ظرف معتدل مزاج وباخبر علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا، آپ کا قلم جو علم وحکمت کے موتی ولعل وگہر لٹاتا رہا اور آپ کے خطابات جو عوام وسامعین کے کانوں میں رس گھولتے رہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خموش ہو گئے، بقول شخصے:

متاع لوح وقلم چھنی ہے زبان سے زور بیاں گیا ہے

بدل گئے منزلوں کے رستے امیر کیا کارواں گیا ہے

آپ کے انتقال سے پوری امت اسلامیہ ایک بابصیرت عالم دین سے محروم ہوگئی۔ اسی مناسبت سے صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی کی موقر مجلس عاملہ کا اجلاس ۲۳ر ستمبر ۲۰۰۷ء مسجد اہلحدیث جامعۃ الرشاد میں مولانا عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ کی صدارت میں منعقد ہوا تھا، جملہ ارکان مجلس عاملہ نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور حضرت مولانا کی وفات کو عالم اسلام کے لئے ایک عظیم خسارہ قرار دیا مولانا محترم کی جماعت وملت کے تئیں جو خدمات ہیں ان کو سراہا اور خراج تحسین پیش کیا۔

"علیه سلام الله وقفاً فانني اری الموت وقاعا لكل شريف" (آپ پر اللہ کی رحمت ہو موت ایک دن ہر شریف کو آنے والی ہے)۔

جملہ قارئین البلاغ وصوت الحق سے گذارش ہے کہ حضرت مولانا کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور اللہ تعالیٰ آپ کے مشن کو آگے بڑھانے کی جملہ اعزہ واحباب وابناء واحفاد کو توفیق ارزانی بخشے۔ آمین۔

☆☆☆

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

ایک تاریخ ساز شخصیت

مولانا ابوانس راحت اللہ فاروقی — استاذ جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں

حضرت مولانا مختار احمد ندوی کا سانحہ ارتحال قوم وملت اور خصوصا جماعت اہلحدیث کا عظیم خسارہ ہے، اللہ نے آپ کو متنوع اور گونا گوں صلاحیتوں اور خصوصیات سے نوازا تھا۔ آپ بیک وقت اعلیٰ پایہ کے خطیب، بہترین فکار اور مصنف قائد ورہنما اور بے پناہ انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اپنی انہیں صلاحیتوں کی وجہ سے ملک اور بیرون ملک اپنوں اور بیگانوں میں آپ حددرجہ عزت وتکریم کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، آپ نے دینی تعلیم کے فروغ اور اشاعت کیلئے نیز پورے ملک میں مساجد کی تعمیر کی جو تحریک چلائی وہ یقیناً تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ آپ کی ان خدمات کو ہندوستانی مسلمان کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔

میرے لئے یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ طویل عرصے تک مجھے مولانا کی رفاقت کا شرف حاصل رہا۔ میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا، ماہ وسال کے ساتھ مولانا کی انسانیت نوازی، علم کی قدردانی اور خوش اخلاقی نے مجھے ان کا گرویدہ بنادیا، الحمدللہ، ان سے محبت کا یہ تعلق آخری وقت تک قائم رہا۔ مولانا میرے مربی تھے۔ سرپرست تھے، ہر قدم پر میری رہنمائی فرماتے تھے ان کی وفات سے میں خود کو یتیم وبیسر محسوس کرتا ہوں، مولانا کی رفاقت کے دوران بے شمار ایسے واقعات گذرے جس سے مولانا کی عظمت اور مختلف شعبوں میں آپ کی صلاحیت، آپ کی اصول پرستی، دینی اور مسلکی غیرت اور حمیت آپ کی علمی قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ انہیں میں سے چند واقعات جو میری یادداشت کے نہاں خانوں میں محفوظ رہ گئے ہیں ذکر کررہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ مولانا کی شخصیت کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ واقعات مددگار ثابت ہوں گے۔

۱۹۶۸ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس میں پہلی جماعت میں میرا داخلہ ہوا، جامعہ سلفیہ میں موصوف کی مسلسل آمدورفت رہتی تھی، مولانا کے بڑے صاحبزادے جناب اسلم مختار اس وقت جامعہ سلفیہ میں زیر تعلیم تھے، مولانا جب بھی بنارس تشریف لاتے ان کی آمد کی خبر بنارس کے حلقہ جماعت میں آگ کی طرح پھیل جاتی تھی، اس وقت میں نے یہی جانا کہ یہ ہماری جماعت کے بہت بڑے عالم دین اور خطیب ہیں، جن کے آگے اور پیچھے ایک خلقت ہوتی ہے۔ چالیس برس کا عرصہ بہت ہوتا ہے۔ یہ یادنہیں کہ مولانا سے میری ملاقات ہوئی تھی یا نہیں۔ ۱۹۷۲ء میں مدرسہ عالیہ عربیہ میں داخلہ لیا اس وقت مولانا محمد صاحب اعظمی حفظہ اللہ عالیہ کے باوقار استاد تھے، وہ مولانا کے دوست اور رفیق تھے وہ اکثر مولانا کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

۱۹۷۵ء میں بڑے عجیب وغریب طریقے سے شوق ملاقات

شرمندۂ تعبیر ہوا، مولانا ممبئی جارہے تھے، الہ آباد میں ٹرین لیٹ ہوجانے کی وجہ سے کئی گھنٹے انہیں رکنا پڑا، میں بھی ممبئی جارہا تھا، پلیٹ فارم پر انہیں ٹہلتے دیکھا بڑھ کر ہاتھ ملایا اور اپنا تعارف کرایا، مولانا کو جب معلوم ہوا کہ میں مولانا سیف بنارسی کا رشتہ دار ہوں اور پریوا کا رہنے والا ہوں تو بہت خوش ہوئے اور ٹرین چھوٹنے تک مجھ سے بات کرتے رہے، میری مسرت وشادمانی ناقابل بیاں تھی کہ جماعت کے عظیم قائد نے مجھے گفتگو کے لائق سمجھا۔

۱۹۷۸ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں میرا داخلہ ہوگیا، اس وقت مولانا ہر سال ایام حج میں مکہ مکرمہ تشریف لاتے تھے اور دوران حج حرم شریف میں آپ اردو میں مغرب سے عشاء تک وعظ فرمایا کرتے تھے، آپ کا قیام میمن رباط میں ہوتا تھا، جب بھی مجھے موقع ملتا مولانا کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا اور آپ سے استفادہ کرتا تھا، مولانا اپنا کھانا خود اپنے ہاتھوں سے تیار کرتے تھے آپ اپنے رفقاء کو زحمت نہیں دیتے تھے، اپنے ہاتھوں سے انہیں کھانا بھی تیار کرکے کھلاتے تھے۔

مولانا کے اندر جماعتی اور دینی غیرت اس قدر تھی کہ اگر سلفیت پر کوئی شخص تنقید کرتا یا خلاف شرع کوئی عمل دیکھتے تو فوراً اپنا ردعمل ظاہر کرتے تھے۔ چنانچہ رابطۃ العالم الاسلامی کے ایک اجلاس میں ہندوستانی اور پاکستانی علماء شریک تھے، ہندوستان کے کسی عالم نے اپنی تقریر میں مسلک اہلحدیث کے خلاف زہر افشانی کی تو مولانا نے فوراً جواب دینا ضروری سمجھا۔ آپ نے مفتی اعظم شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے اجازت طلب کی کہ جواب کے لئے انہیں مزید پانچ منٹ دیئے جائیں۔ مفتی اعظم نے تلخی سے بچنے کے لئے آپ کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ کسی دوسری مجلس میں آپ اپنے موقف کی وضاحت کردیجئے گا اس وقت مناسب نہیں، بادل نخواستہ آپ رک گئے، اسی طرح بوہرہ جماعت نے جب اپنے پیشوا برہان الدین کا مقبرہ بنانا چاہا تو انہوں نے ہندو بیرون ہند کے ممتاز علماء کو ممبئی مدعو کیا آپ نے سخت مخالفت کی اور اس کے خلاف اجلاس کیا اور لوگوں کو بتایا کہ قبروں پر مزار بنانا کسی طرح درست نہیں ہے اور اس کی حرمت کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

مولانا محترم اور جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں

''جامعہ محمدیہ'' مولانا کی دیرینہ خواہش تھی وہ آپ کے خوابوں کی تعبیر تھا، اس لئے اس سے محبت فطری تھی، ممبئی سے مالیگاؤں کا فاصلہ تقریباً تین سو کلومیٹر کا ہے، اس کے باوجود آپ کا معمول تھا کہ جب تک ممبئی میں سکونت پذیر رہتے ہفتہ میں ایک بار جامعہ محمدیہ ضرور تشریف لاتے تھے، کبھی ٹرین سے اور کبھی اپنی کار سے آتے تھے، جب آپ جامعہ تشریف لاتے تھے ایک ڈائری میں اہم نکات نوٹ کرلیتے تھے، تاکہ کوئی چیز یادداشت سے نکل نہ جائے، اگر کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو عشاء بعد آپ اساتذہ اور ذمہ داروں کو طلب کرتے اور اسی وقت میٹنگ کرتے اور دوسرے دن اس کی تفصیل بیان کردیتے تھے۔ فجر سے پہلے آپ بیدار ہوتے، جماعت سے قبل راقم الحروف کو اشارہ کرتے کہ نماز میں موجودہ اساتذہ کی حاضری نوٹ کرلینا اور جو اساتذہ غیر حاضر ہیں ان کے نام بھی نوٹ کرکے مجھے دے دینا، جماعت میں حاضر نہ رہنے والے اساتذہ سے آپ بازپرس کرتے اور کبھی کبھی آپ نہایت سخت لہجہ اختیار کرتے تھے، آپ ایسے حضرات کو سخت ناپسند فرماتے تھے جو نماز کے معاملے میں سست تھے، آپ کہتے تھے یہ حضرات اس لائق نہیں ہیں کہ جامعہ میں تدریس کے فرائض انجام دیں۔

فجر بعد آپ درس قرآن دیتے تھے، درس قرآن کے بعد جامعہ کا ایک چکر لگاتے اور اس کے بعد مہمان خانہ میں آکر غسل کرتے

اس کے بعد ناشتہ کرتے تھے، ناشتہ سے فراغت کے بعد آفس تشریف لاتے تھے، جامعہ میں کوئی اجلاس ہوتا اور کوئی اہم پروگرام ہوتا تو آپ کی مشغولیت اور بڑھ جاتی تھی، رات میں آپ بار بار اٹھتے اور دیکھتے کہ ذمہ دار حضرات اپنا کام خوش اسلوبی سے ادا کر رہے ہیں کہ نہیں، مہمانوں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔

جامعہ کی عمارتوں سے مولانا کا خصوصی لگاؤ تھا۔ اس کی تعمیر اور توسیع میں ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے، مولانا جامعہ کے تعلیمی معیار کو بلند تر کرنے کے لئے ہر ممکن جدوجہد کرتے تھے، آپ کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ جامعہ کو باصلاحیت، قابل اور دیندار اساتذہ کی خدمات حاصل ہوں تاکہ یہاں سے فارغ طلبہ اور طالبات جامعہ کا نام روشن کریں، آپ کی دلی خواہش تھی کہ یہاں کے طلبہ اور طالبات خود زیور علم وعمل سے آراستہ ہو کر نکلیں اور عوام کے لئے مثال بنیں، آپ نے اس کیلئے کچھ اصول وضوابط بنائے تھے جس پر سختی سے عمل پیرا تھے، آپ نے مقامی طلباء کو بھی جامعہ میں رہنا لازمی کر دیا تھا، ہفتہ میں صرف ایک دن گھر جانے کی اجازت تھی تاکہ تعلیم کا زیادہ نقصان نہ ہو۔

راقم تقریباً ۱۵ سال تک شعبۂ دعوت وتبلیغ کا ذمہ دار تھا آپ ہمیشہ یہی تاکید کرتے تھے کہ دوران تعلیم اساتذہ کو دعوت وتبلیغ کی اجازت نہیں دینا چاہئے اس سے تعلیم کا بہت نقصان ہوتا ہے، ہاں امتحان اور تعطیل کے موقع پر کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں تعلیم کا نقصان کم ہوتا ہے، آپ فرماتے تھے میری نظر میں مدرس سے بیک وقت تبلیغ وتدریس کا کام لینا درست نہیں ہے کیونکہ جس مدرس کو کسی جلسہ میں شرکت کے لئے بھیجا جائے گا واپس آنے کے بعد اپنی مقبولیت اور دعوت طعام کا ذکر ضرور کرے گا۔ جس سے دیگر مدرسین پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔ مولانا کا یہ خیال میرے گلے سے نہیں اترتا تھا کیونکہ اس طرح قابل اساتذہ کے خطاب سے عوام محروم رہیں گے، دوسرے یہ کہ دعوت وارشاد تدریس سے کم اہم فریضہ نہیں ہے۔ اسی دوران میں نے جناب فاروق اعظمی صاحب کا شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ کے حالات پر ایک مضمون پڑھا اس میں فاروق صاحب نے لکھا تھا کہ شیخ صاحب نے دارالحدیث رحمانیہ دہلی مرحوم کی ترقی کے جو اسباب بتلائے اس میں ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ رحمانیہ دہلی کے کسی استاد کو جلسوں میں دہلی سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ تاکہ طلباء کی تعلیم کا نقصان نہ ہو اس کے بعد میں نے قلبی اطمینان محسوس کیا۔

آپ کی نظر میں جامعہ کے استاد کو صرف تدریس کے لئے وقف ہو جانا چاہئے اس کی تمام تر مصروفیات تعلیم سے متعلق ہونی چاہئے، تدریس کے علاوہ دیگر کسی قسم کی مصروفیات فرائض منصبی سے غافل کر سکتی ہے، اس طرح اگر وہ روزانہ دو تین گھنٹہ کے لئے شہر جائے گا تو صرف اپنا وقت برباد کرے گا اور اپنے تدریسی فرائض کو بحسن وخوبی انجام نہیں دے سکے گا۔

آپ دوران تعلیم اساتذہ کے ساتھ میٹنگ کرنا سخت ناپسند فرماتے تھے اور شدت سے اس کی مخالفت کرتے تھے آپ کا کہنا تھا کہ میٹنگ تعلیمی اوقات کے دوران ہوگی تو طلبا کا نقصان ہوگا، طلبا کی تعلیم وتربیت اور ان کے مسائل کی طرف آپ خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ طلباء کو مارنے پیٹنے اور ان کے ساتھ ہتک آمیز رویہ اپنانے کے آپ سخت خلاف تھے اور اساتذہ کے سامنے آپ اپنے موقف کا اظہار فرماتے تھے۔ آپ بالمشافہ طلباء سے ملتے ان کی پریشانیاں معلوم کرتے تھے۔ پھر ذمہ دار اساتذہ کو بلا کر اس کے بارے میں بات کرتے یا پرنسپل کو مشورہ دیتے کہ اگر ان کی شکایات درست ہیں تو فوراً ان کو دور کیا جائے اور ڈسپلن اور ضابطہ میں کوتاہی

آپ کو قطعا برداشت نہیں تھی۔ اگر کوئی استاد درسگاہ میں تاخیر سے پہنچتا ہے تو آپ کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ جامعہ محمدیہ آپ کو اپنے فرزند سے زیادہ عزیز تھا۔ جامعہ کے فروغ اور ترقی کیلئے آپ ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کیلئے تیار رہتے تھے۔ آپ شب وروز محنت کرتے اور اپنی صحت کا مطلق خیال نہ کرتے اور ہمیشہ یہی دعا کرتے تھے۔ یارب العالمین جامعہ کو تو ہمارے لئے صدقہ جاریہ بنادے۔ جامعہ میں تشریف لانے والے ضیوف کرام کی خدمت کیلئے خود کو وقف کردیتے تھے، ہر طرح سے ان کی دیکھ بھال کرتے تھے، اس میں ذراسی لاپرواہی آپ کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ ایک واقعہ سے اس بارے میں آپ کے جذبے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایک پروگرام کے موقع پر مہمان حضرات جامعہ کی جامع مسجد میں کھانا کھا رہے تھے، مولانا مہمانوں کے درمیان ٹہل ٹہل کر دیکھ رہے تھے کہ مہمانوں کے پاس کھانے کی اشیاء موجود ہیں کہ نہیں۔ راقم الحروف بھی اس مجلس میں موجود تھا، مولانا مسجد کے دروازہ سے نکل رہے تھے کہ اچانک جوتا گیٹ کے اندر لوہے میں پھنس گیا، آپ اپنے جسم کو سنبھال نہ سکے، دروازہ کے بعد پانچ سیڑھیاں تھیں، مولانا اوپر سے گرتے ہوئے نیچے کی سیڑھی پر چلے آئے، آپ کے سر اور چہرے پر کافی چوٹ آئی، ہاتھ فریکچر ہوگیا، آپ کو تین آدمیوں کے سہارے سے بستر پر لٹادیا گیا، پرنسپل طبیہ کالج حکیم ابوبکر الہ آبادی رحمہ اللہ فوراً وہاں پہنچے شیخ انیس الرحمٰن سابق شیخ الجامعہ اور دیگر اساتذہ بھی پہنچ گئے۔ آپ نے ان سب سے فرمایا مجھے چھوڑو، تم لوگ جاکر مہمانوں کو دیکھو اور ان کا خیال رکھو، اس نازک وقت میں بھی آپ مہمانوں کو نہیں بھولے۔

حاکم ابوظہبی کی مجلس میں مولانا کا خطاب

مولانا کے دل میں اللہ نے دعوت وتبلیغ کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھردیا تھا۔ آپ ہمہ وقت پند ونصائح کا موقع تلاشتے رہتے تھے اور موقع ملنے پر اپنی بات ضرور کہتے تھے۔ ایک بار مولانا نے فرمایا کہ "ایک مرتبہ میں مشہور سلفی عالم مولانا عبدالصمد شرف الدین صاحب کے ہمراہ شارجہ کے حاکم کا مہمان تھا، اسی درمیان ابوظہبی کے حاکم پیٹرول دریافت ہونے کے بعد جشن منارہے تھے۔ انہوں نے شارجہ کے حاکم کو بھی دعوت دی، حاکم شارجہ نے مجھے اور مولانا عبدالصمد صاحب کو اپنی جانب سے گاڑی دے کر جشن میں روانہ کردیا، جب ہم دونوں ابوظہبی کے حاکم کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک جم غفیر ہے، ہر شخص حاکم کو مبارکبادی اور دعادے رہا تھا، مجھے حاکم شارجہ کے نمائندہ کی حیثیت سے طلب کیا گیا اور صرف دو منٹ بات کرنے کے لئے موقع دیا گیا عالم دین سمجھ کر حاکم نے مجھ سے نصیحت کرنے کا حکم دیا، میں نے مناسب موقع دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنائی "سبعة یظلهم الله فی ظله یوم لا ظل الا ظله امام عادل" (بخاری ومسلم) ابھی یہیں تک پہنچا تھا کہ حاکم نے کہا بس کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے اس کام کی توفیق عطا کرے۔ (آمین) اس کے بعد حاکم نے نہایت عزت واکرام کے ساتھ ہم دونوں کو واپس بھجوادیا" مولانا محترم کیلئے یہ تنہا موقع نہیں تھا۔ آپ جب بھی امراء کی مجلس میں شریک ہوتے تو انہیں نصیحت کرنے کا موقع تلاش کرلیتے تھے۔

کچھ مخالفین نے مولانا کو پریشان کرنے کیلئے آپ پر مقدمہ قائم کردیا، مقدمہ کافی دنوں تک چلتا رہا، ایک مرتبہ مولانا کے ساتھ میں بھی کورٹ گیا، کیس کی سماعت ہورہی تھی، وکلاء حضرات بحث کررہے تھے، مخالفین آپ کو دیکھتے ہوئے کورٹ سے باہر بھاگ گئے، کیس کی سماعت مکمل ہوئی تو مولانا کا وکیل مولانا سے انگریزی زبان میں باتیں کرنے لگا، مولانا بھی انگریزی بول رہے

تھے،اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مولانا کو انگریزی زبان پر بھی عبور حاصل ہے۔آپ انگریزی ضرور بول لیتے تھے لیکن اردو یا عربی میں باتیں کرنا زیادہ پسند کرتے تھے، جب راقم الحروف ادارہ اصلاح المساجد سے وابستہ تھا تو مولانا اکثر فرماتے تھے کہ کسی آفس میں جاکر مرعوب نہیں ہونا چاہئے اگر تم انگریزی نہیں جانتے ہو تو جس زبان میں عبور ہو اس میں گفتگو کرو۔

جامعہ سلفیہ اور جامعہ محمدیہ کے بنیادی مقاصد

محترم رحمہ اللہ کہنے لگے کہ جس وقت دار العلوم دیوبند سے بڑی تعداد میں اہلحدیث طلبہ نکال دیئے گئے اور پورے ہندوستان میں علماء اہلحدیث میں ایک ماتم کی سی کیفیت ہوگئی اس وقت میں اپنی جوانی کو پہنچ چکا تھا اور جب میں سوتا تو مجھے چین نہیں آتا تھا سکون نہیں مل رہا تھا اور خاص طور سے ہمارے شہر مئوناتھ بھنجن میں علماء کی تعداد بھی زیادہ تھی اور مدارس بھی زیادہ تھے۔اس لئے یہاں کے لوگوں کی کیفیت الگ تھی اور چاروں طرف سے یہی آواز اٹھ رہی تھی کہ اپنا ایک مرکزی ادارہ ہونا چاہئے اور الحمدللہ یہ کام اللہ تعالیٰ نے پورا کرادیا اور نوگڑھ کے اجلاس میں اس کام کو عملی جامہ پہنادیا اور مجھے اس کام پر متعین کردیا گیا چنانچہ اس وقت سے میں نے جامعہ سلفیہ کیلئے جامعہ کے مخلص ہمدردوں کے ساتھ محنت کرنی شروع کردی۔اگر جامعہ سلفیہ کے بارے میں کوئی غلط بات کہہ دیتا تو میں لڑنے کیلئے تیار ہوجاتا تھا اس کی ترقی کیلئے مجھ سے جو ہوسکا میں نے کیا۔جب جامعہ سلفیہ اپنے قدم پر کھڑا ہوگیا تو میں نے مہاراشٹر کی جانب نظر گھمائی تو معلوم ہوا کہ یہاں کا علاقہ ترقی کے اعتبار سے بہت آگے ہے لیکن دینی اعتبار سے بہت پیچھے ہے میں نے یہ بات مولانا عبدالوحید صاحب سابق ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس اور علامہ عبیداللہ صاحب مبارکپوری صاحب مرعاۃ المفاتیح سے ذکر کی اور حالات سے آگاہ کیا۔ان حضرات کے مشورہ سے اور شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ہاتھوں سے جامعہ محمدیہ کی بنیاد ۱۹۷۸ء میں رکھی گئی۔اور ساتھ ہی ساتھ لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کیلئے بھی ہاسٹل کے ساتھ تعلیم کا انتظام کیا جس کا الحمدللہ نتیجہ یہ ہے کہ جامعہ محمدیہ کے طلباء وطالبات پورے مہاراشٹر میں چند سالوں کے بعد پھیل گئے اور اگر اس وقت یہ کام نہ کیا ہوتا تو آج ہم تعلیم میں بہت پیچھے جاچکے ہوتے۔میں نے جامعہ محمدیہ میں عربی اور عصری تعلیم کو ضروری قرار دیا تھا اور اس معاملہ میں مجھے بہت کچھ سننا پڑا لیکن اس کا نتیجہ الحمدللہ اب ظاہر ہونے لگا ہے اور اس وقت ہندوستان کے تمام مدارس عربیہ والے عصری علوم کو بھی لازم قرار دے رہے ہیں جو آج سے چند سال پہلے عربی علوم کے ساتھ عصری علوم کے سخت مخالف تھے۔وہ آج ہماری تقلید تعلیم سے متعلق کررہے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ میرا مقصد یہ تھا کہ مسلم طلباء کے لئے میڈیکل کالجز اور انجینئرنگ کالجز بھی قائم کئے جائیں لہذا میں نے جامعہ سے متصل یونانی میڈیکل کالج اور اسپتال قائم کیا تاکہ قوم کے نونہالان یہاں سے دینی معلومات کے ساتھ ساتھ ترقی کے کسی دور میں دوسروں سے پیچھے نہ رہ جائیں حالاں کہ اس پُر خطر اور پیچیدہ راہ میں مجھے بہت گالیاں بھی کھانی پڑیں لیکن میں اپنے ارادے پر ڈٹا رہا اور حالات کا مقابلہ کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ رہی۔

طب اسلامی

مولانا رحمہ اللہ کی یہ کوشش تھی کہ طب یونانی کی جگہ پر طب اسلامی کا نام عام کیا جائے اس لئے کہ اس فن میں جتنی کتابیں ہیں سب عربی زبان میں ہیں اور مسلمانوں نے اس فن میں مہارت حاصل کی تھی ،اس فن کو سنبھالا اور سنوارا ہے اور مسلمانوں کے

بڑے بڑے علماء نے اس فن میں کتابیں لکھی ہیں جیسے زکریا رازی، ابن البیطار ابن سینا وغیرہم، بعض کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ الحاوی الکبیر ۲۳ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اگر علماء اسلام یہ کتابیں نہ لکھے ہوتے تو یہ فن مٹ گیا ہوتا جیسا کہ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے کہا:

یونان مصر وروما سب مٹ گئے جہاں سے

محترم رحمہ اللہ جب بھی طبیہ کالج میں خطاب کرتے یا کسی طبی کانفرنس میں شرکت فرماتے یا طلبہ سے ملتے تو آپ کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ اس فن کو طب اسلامی سے شہرت دی جائے ورنہ مسلمانوں کا یونانی فن سے کیا تعلق؟

آپ یہی فرماتے تھے کہ ہندوؤں کا ایک فن علاج ہے انگریزوں کا بھی، چینیوں اور جرمن کا بھی، اگر باقی ہے تو طب اسلامی اور دشمنوں کی یہی کوشش ہے کہ اس نام سے یہ فن شہرت نہ پاسکے، بلکہ آپ مسلمانوں کے بڑے بڑے حکماء سے کبھی کبھی ناراض ہوتے اور کہتے کہ یہ حضرات علاج اسلامی طریقے پر کرتے ہیں لیکن نام طب یونانی کا استعمال کرتے ہیں اگر یہ حضرات اس جانب خصوصی توجہ دیتے تو طب اسلامی کے نام سے لوگ اس فن کو پہچانتے۔

ہندوستان کی اسلامی جماعتیں اور مولانا محترم

ہندوستان کی تمام اسلامی جماعتوں کے ذمہ داروں سے مولانا کے تعلقات خوشگوار اور دوستانہ تھے اور آپ ان حضرات کا بڑا احترام کرتے تھے، ہندوستان کی جماعت اسلامی کے سابق امیر مولانا ابواللیث ندوی سے مولانا کے گہرے تعلقات تھے۔ ۱۹۸۳ء میں امیر جماعت جب ممبئی تشریف لائے تھے تو مولانا نے بنگالی مسجد میں جماعت اسلامی کا پروگرام کرنے کی اجازت دی تھی، افسوس کہ اس وقت جماعت اسلامی کے چند مرکزی ذمہ داروں نے اپنے رویے سے مولانا کو سخت تکلیف پہنچائی۔ دراصل اس واقعہ کا ایک تاریخی پس منظر تھا جس کی وجہ سے کئی بار جماعت کے ذمہ داروں نے مولانا کو زک پہنچانے کی کوشش کی۔ یہ مولانا ہی کا ظرف تھا کہ آپ نے اسے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔ ہاں اگر سلفیت اور سلفی عقیدہ کے خلاف کوئی بات ہوتی تو آپ خاموش نہیں بیٹھتے تھے بلکہ دندان شکن جواب دیتے تھے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ پس منظر بھی ذکر کردوں تاکہ خلش باقی نہ رہ جائے۔

جماعت اسلامی کا نظریہ تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کو الیکشن میں حصہ نہیں لینا چاہئے کیونکہ یہ طاغوتی طاقتوں سے تعاون کرنا ہے۔ مہاراشٹر کے جماعت اسلامی کے امیر جناب شمس پیرزادہ مولانا مودودی کے اس نظریے کے مخالف ہوگئے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہندوستانی مسلمان الیکشن میں حصہ نہیں لیں گے تو سیاسی طور پر ان کی حیثیت صفر ہوجائے گی۔ اپنے اس نظریے کی وجہ سے انہوں نے جماعت اسلامی سے استعفیٰ دے دیا، کچھ لوگوں نے یہ مشہور کردیا کہ جناب شمس پیرزادہ کو استعفیٰ دینے پر مولانا نے آمادہ کیا ہے۔ حالانکہ یہ غلط تھا اس واقعہ کے بعد جماعت اسلامی کے کچھ افراد مولانا سے پرخاش رکھنے لگے۔

چنانچہ رابطۃ العالم الاسلامی کی ایک کانفرنس میں جب مولانا نے یہ تجویز رکھی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کیلئے میڈیکل کالجز اور انجینئرنگ کالجز کی سخت ضرورت ہے ورنہ ہندوستانی مسلمان تعلیمی میدان میں بہت زیادہ پیچھے ہوجائیں گے تو پاکستان کی جماعت اسلامی کے ذمہ دار اور مولانا مودودی کی کتابوں کے مترجم جناب خلیل حامدی نے مولانا کی یہ تجویز کسی صورت میں پاس نہیں ہونے دی۔ خلیل حامدی کی اس اوچھی حرکت سے مولانا سخت ناراض ہوئے۔

اسی طرح ایک مرتبہ ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف رابطۃ العالم

الاسلامی کے ذمہ دار مولانا رحمہ اللہ کی دعوت پر جامعہ محمدیہ تشریف لائے تھے۔ مولانا نے ان کیلئے ایک چارٹر جہاز بک کرایا تھا جس میں پچاس آدمیوں کی گنجائش تھی۔ ممبئی سے وہ جہاز ناسک فوجی ایئرپورٹ پہنچا۔ راقم الحروف جامعہ کی طرف سے ان حضرات کا استقبال کرنے کے لئے ناسک گیا تھا۔ شیخ عبداللہ عمر نصیف ابھی جامعہ پہنچ کر ناشتہ کئے تھے کہ ان کا سکریٹری مولانا سے کہنے لگا کہ آپ کے جامعہ کی زیارت عبداللہ عمر نصیف نے کرلی اب انہیں جماعت اسلامی کے ادارہ جامعۃ الہدیٰ جانے کی اجازت دی جائے اور جامعۃ الہدیٰ کے ذمہ دار اس وقت جامعہ محمدیہ میں موجود تھے۔ مولانا نے سخت موقف اختیار کیا کہ پہلے مجھے اطلاع نہیں دی گئی میں نے مدعو کیا ہے اور جہاز کا کرایہ ادا کیا ہے، اور سخت لہجہ آپ نے اختیار کیا یہاں تک کہ ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے مداخلت کی اور کہا کہ صرف مولانا کی دعوت پر میں آیا ہوں اگر مولانا اجازت دیں گے تو میں چند منٹ کیلئے جاؤں گا ورنہ نہیں۔ میں نے پہلی مرتبہ مولانا کا غصہ دیکھا تھا۔ آپ کا کہنا تھا کہ ان حضرات نے ہمارے پروگرام کو خراب کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔

مولانا کا تحمل وبردباری

مالیگاؤں شہر سے پچاس کلومیٹر دور دھولیہ شہر آباد ہے۔ آپ کے پاس دھولیہ کے کچھ حضرات مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں آئے۔ آپ ان حضرات کا جذبۂ ایمانی دیکھتے ہوئے مسجد کی تعمیر کیلئے تیار ہوگئے آپ نے مسجد کے ساتھ اس سے ملحق ایک مدرسہ بھی قائم کردیا۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ بچے دینی تعلیم حاصل کرنے کیلئے اس مسجد میں آئیں اور مسجد بھی آباد رہے، مسجد کیلئے ۸ دکانیں بھی بنائی تاکہ مسجد کی مستقل آمدنی کا انتظام ہوجائے اور امام مسجد کو تنخواہ بھی دی جاسکے۔ اس کے بعد شیطان نے اپنا کام شروع کردیا اور اختلافات سامنے آگئے۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ جن لوگوں کے کہنے پر مولانا نے مسجد بنائی تھی انہیں مسجد کی ذمہ داری سے سبکدوش کردیا جائے۔ اس نزاع کو حل کرنے کیلئے آپ دھولیہ گئے۔ جامعہ محمدیہ کے اساتذہ بھی تھے۔ راقم الحروف بھی تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد مخالفین نے زبردست شوروہنگامہ کیا، برا بھلا کہا مگر مولانا صبر کے ساتھ خاموش رہے اور اساتذہ کو بھی صبر کی تلقین کرتے رہے ،مخالفین کا اصرار تھا کہ ہم نے تعمیر کے مد میں ایک لاکھ تیس ہزار روپے خرچ کئے ہیں، لہٰذا انہیں دیا جائے جس پر مولانا فوراً تیار ہوگئے، انہیں رقم ادا کی گئی اور مسجد کو اس تنازعہ سے آزاد کیا۔

مولانا کے مباحثے

مولانا محترم کا ممبئی میں رہنے کی وجہ سے منحرف عقائد کے حاملین سے بھی ٹکراؤ ہوتا تھا۔ خصوصاً منکرین حدیث سے متعلق ایک واقعہ یہاں ذکر کررہا ہوں جسے خود مولانا نے بیان فرمایا تھا کہ: "جب آپ ممبئی آئے اور چند سالوں کے بعد لوگ جماعت اہلحدیث کے بارے میں جاننے لگے تو اس وقت ممبئی میں کیمونسٹ خیال لوگوں کا ایک گروپ تھا جو کسی عالم کو درس قرآن کیلئے چوپاٹی یا سمندر کے کنارے لے جاتے اور درس قرآن کے بعد سوالات کا سلسلہ شروع ہوتا۔ ایک مرتبہ درس قرآن کے لئے انہوں نے مولانا کو بھی مدعو کیا۔ مولانا ان کے پروگرام میں پہنچے اور درس قرآن کے بعد سوالات کا سلسلہ شروع ہوا۔ انہوں نے مولانا سے ہدی للناس اور ہدی للمتقین کا مفہوم پوچھا اور قرآن کے بارے میں اعتراضات کرنے لگے۔ مولانا نے فرمایا آپ حضرات عربی جانتے ہیں، اگر آپ عربی نہیں جانتے تو آپ کو قرآن پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پہلے آپ عربی زبان اور اس کے قواعد پڑھیے اس کے بعد لغت میں ہدی کا معنی دیکھئے کہ کن کن

معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اس کے بعد مجھ سے اعتراض کیجئے۔ آپ نے ان حضرات کو ڈانٹا پھٹکارا اس کے بعد دونوں آیات کا صحیح مفہوم اور معنی بتلایا۔ وہ حضرات کہنے لگے اس لفظ میں ہم نے دسیوں عالم کو الجھا دیا اور وہ ہمارا جواب نہ دے سکے۔ صرف آپ نے ہمارا تسلی بخش جواب دیا۔ اس کے بعد ان حضرات کا یہ پروگرام جو برابر ہوا کرتا تھا ختم ہو گیا'۔

وقت کی پابندی اور اس کی اہمیت

مولانا محترم رحمہ اللہ وقت کی سخت پابندی کیا کرتے تھے۔ آپ آفس میں وقت سے پہلے پہنچ جاتے تھے۔ میں مولانا محترم رحمہ اللہ کے ساتھ کافی دنوں تک رہا لیکن مجھے نہیں معلوم کہ آپ کسی پروگرام میں تاخیر سے پہنچے ہوں۔ جو حضرات وقت کی پابندی نہیں کرتے آپ ان کے بارے میں سخت موقف اختیار کرتے تھے اور ایسے حضرات کو آپ پسند نہیں کرتے تھے، اگر آپ کو ٹرین پر سوار ہونا ہے تو ٹرین کے آنے سے ایک گھنٹہ پہلے ہی اسٹیشن پر پہنچ جاتے۔ اگر آپ ہوائی جہاز سے سفر کرتے تو ایئر پورٹ وقت سے پہلے پہنچ کر وہاں پر کتاب کا مطالعہ کرتے یا مضمون لکھنے میں مشغول ہو جاتے۔ آپ کے آفس میں کام کرنے والے حضرات اگر تاخیر کر دیں تو آپ اس کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ مولانا رحمہ اللہ نے ایک واقعہ ذکر کیا کہ جب میں مومن پورہ میں تھا تو میرے آبائی وطن مئو ناتھ بھنجن کا ایک وفد دبئی جانے کیلئے آیا اور میرے یہاں ٹھہرا چند دنوں کی محنت اور کوشش کے بعد ویزا دستیاب ہوا اور صبح نو بجے معلوم ہوا کہ فلائٹ آج ہی شام میں ہے۔ یہ حضرات کئی روز کے تھکے ہوئے تھے۔ گہری نیند سو گئے میں بار بار جگاتا رہا کہ تیار ہو کر ایئر پورٹ چلے جاؤ لیکن یہ حضرات گھڑی دیکھنے کے بعد کہتے ابھی بہت وقت ہے اور سو جاتے غرض جب یہ حضرات بیدار ہو کر ایئر پورٹ پہنچے تو اس وقت دبئی کا جہاز روانہ ہو چکا تھا۔ وہاں سے شرمندہ ہو کر پھر میرے یہاں پہنچے اور کھسیانی ہنسی کے ساتھ کہنے لگے کہ ایئر پورٹ پہنچے تو جہاز روانہ ہو چکا تھا۔ لہذا ہم لوگ واپس آئے۔ مجھے سخت غصہ آیا میں نے انہیں حکم دیا کہ میرے کمرے سے سامان نکال کر یہاں سے چلے جاؤ میں ایسے لوگوں سے تعلق نہیں رکھتا جو وقت کی اہمیت کو نہ سمجھ سکیں۔ وقت کی پابندی کے بارے میں مولانا رحمہ اللہ کا موقف بہت ہی سخت تھا۔

مولانا رحمہ اللہ اپنے اوقات کو کس طرح سے استعمال کرتے تھے میں اپنی معلومات کے مطابق بیان کر رہا ہوں۔ آپ عشاء کی نماز کے بعد بہت جلد سو جایا کرتے تھے، فجر سے پہلے آپ بیدار ہوتے، تہجد کی نماز ادا کرتے اور اس وقت اگر مطالعہ کرنا ہوتا تو مطالعہ کرتے یا کچھ لکھا کرتے تھے۔ فجر کی اذان کے بعد آپ گھر سے وضو کر کے مسجد جاتے، مسجد جاتے وقت بلند آواز سے کچھ دعائیں پڑھتے یا قرآن کی آیتیں پڑھتے، اکثر جو دعا آپ پڑھا کرتے تھے وہ دعا یہ ہے: "اللهم اجعلني صبورا وشكورا واجعلني في عيني صغيرا وفي اعين الناس كبيـــرا" اس کے علاوہ مختلف مسنون دعائیں آپ مسجد جاتے ہوئے پڑھا کرتے تھے، مسجد پہنچنے سے پہلے گھر میں یا مہمان خانہ میں اکثر فجر کی دو سنت پڑھ لیا کرتے تھے۔ پھر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے اس کے بعد آپ درس قرآن دیتے اس سے فراغت کے بعد آپ کچھ دیر کے لئے باہر ٹہلنے نکل جاتے یا اگر آپ جامعہ محمدیہ میں ہوتے تو تمام بلڈنگوں کا معائنہ کرتے، پھر گھر تشریف لاتے۔ مطالعہ کرتے یا کچھ لکھتے، دن بھر کیا کام کرنا ہے اور کس کو ٹیلیفون کرنا ہے اس کو اپنی ڈائری میں لکھ لیتے پھر ناشتہ کے بعد آفس کیلئے نکل جاتے۔ یہاں پہنچ کر اپنا کام شروع کر دیتے کی

کتاب کا ترجمہ کرتے یا البلاغ کیلئے مضمون لکھتے یا کوئی علمی کام کرتے، ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد دوپہر کا کھانا کھاتے۔ کھانے سے فارغ ہوکر دس منٹ قیلولہ کرتے پھر اس کے بعد اپنا کام شروع کردیتے اس وقت ادارہ اصلاح المساجد یا جامعہ محمدیہ یا جماعت اہلحدیث کا کام دیکھتے۔ عصر کی نماز کے بعد درس حدیث دیتے یا پھر مہمان حضرات سے ملاقات کرتے یا جو حضرات آپ سے فتویٰ پوچھنے آتے ان کا جواب دیتے۔ مغرب کی نماز ادا کرنے تک پورا وقت صرف جامعہ محمدیہ ادارہ اصلاح المساجد اور جماعت کے کام میں صرف کرتے۔ بعد نماز مغرب دار المعارف کتب خانہ میں ایک گھنٹہ بیٹھتے۔ پھر گھر جاتے کھانا کھانے۔ اور عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ سوجاتے۔ آپ کا زیادہ تر یہی معمول تھا۔

مولانا رحمہ اللہ سے میری آخری ملاقات

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مولانا رحمہ اللہ کی زندگی کے آخری تقریبا چار ماہ کے عرصہ میں میری تین ملاقاتیں ہوئیں اور آخری ملاقات جب ہوئی تو اس کے پچیس دن کے بعد آپ اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ آخری مرتبہ ملاقات کے وقت مولانا رحمہ اللہ نے مجھ سے دریافت کیا کس مقصد سے آنا ہوا؟ میں ممبئی تین روز کی رخصت پر علاج کے سلسلے میں آیا تھا۔ میری کمر میں سخت تکلیف تھی۔ جس کی وجہ سے مسلسل دو گھنٹہ بیٹھنا میرے لئے مشکل تھا۔ مولانا رحمہ اللہ نے ہمت دلائی اور کہا گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ حوصلہ رکھو مجھ کو دیکھو میں اس عمر میں صبح ۹ بجے سے شام ۸ بجے تک کام کرتا ہوں۔ اور اپنی محنت کی روزی کھاتا ہوں۔ میں اپنے لڑکوں سے کچھ نہیں لیتا ہوں بلکہ گھر کے لئے اپنے اخراجات ادا کرتا ہوں کافی دیر تک آپ باتیں کرتے رہے اور جامعہ کے کوائف اور ناظم اعلیٰ ارشد مختار حفظہ اللہ کے بارے میں پوچھتے رہے۔ جامعہ کی عمارتوں اور اساتذہ، مالیگاؤں سے متعلق باتیں کرتے رہے اور کہا کہ آپ دعا کے وقت جامعہ کو نہ بھولیں اور ناظم اعلیٰ انسان ہیں انہیں ضرور نصیحت کرتے رہیں "وذکر فان الذکری تنفع المومنین" اس کے بعد میں نے اپنے شیخ سے کہا کہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ ۲۲ رنومبر ۲۰۰۷ء کو میری تدریس کا ۲۵ سال پورا ہوجائے گا۔ اس موقع پر ایک مختصر سا پروگرام کرنا چاہتا ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ میرے اس پروگرام میں ضرور شریک ہوں۔ ہمارے شیخ محترم رحمہ اللہ۔ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ میں انشاء اللہ تمہارے پروگرام میں ضرور شریک ہوں گا۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ گرچہ مجھے سفر کرنے میں تکلیف ہوتی ہے لیکن میں تکلیف برداشت کروں گا۔ ۲۵ سال نہیں بلکہ رات کو بھی شمار کرلیا جائے۔ سرکاری اعتبار سے تو جامعہ میں تم نے ۵۰ سال مکمل کرلیا۔ جامعہ میں بڑے بڑے انقلابات آئے لیکن تم جامعہ میں جمے رہے۔ اس کے بعد آپ نے مجھے دعائیں دیں۔ کس کو معلوم تھا کہ چند دنوں بعد ہمارے شیخ سب کو چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جاملیں گے۔

مولانا رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے صدیقین وصالحین جیسی موت دی جب ان کی روح پرواز ہوئی تو ان کی زبان پر تسبیح وتہلیل کے کلمات جاری تھے۔ جب تک زندہ رہے ایک لمحہ کیلئے ان پر غفلت طاری نہ ہوئی۔ پورے ہوش وحواس میں رہے اور اپنے مالک حقیقی کو یاد کرتے ہوئے اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے اور یہ وہ نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے شیخ پر رحمتوں کی بارش کرے اور انہیں انبیاء وصدیقین وشہداء وصالحین کے ساتھ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

ایک تاریخ ساز شخصیت کی وفات

شیخ سلطان احمد ندوی -استاذ جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں

﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ﴾ یہ دنیا زوال پذیر وفانی ہے، انسان ایک مقررہ ومحدود وقت کے لیے اس پرفریب دنیا میں آنکھیں کھولتا ہے، پھر وہ بحکم الٰہی اس دارفانی کو خیر باد کہتا ہوا اپنے پیچھے سینکڑوں سوگوار انسانوں کو چھوڑ جاتا ہے' اگر کوئی چاہے کہ اور کچھ دن دنیا کی رنگارنگی اور اس کی رعنائیوں سے مزید لطف اندوز ہو یا اس دنیا کو دارالعمل سمجھ کر مزید اپنے دائرۂ عمل کو وسیع کرے' لیکن اللہ کی طرف سے اس کی موت کا حکم صادر ہو چکا ہو تو اس کی مہلت ہی کہاں؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فاذا جاء أجلهم لا يستأخِرونَ ساعةً ولا يستقدِمون﴾ جس وقت ان کی میعادِ متعین آجائے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ (سورۂ اعراف رآیت: ۳۴)

یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض موتیں نہ صرف اپنے اہل خانہ اور متعلقین کے لیے شدید صدمے اور تکلیف کا باعث بنتی ہیں بلکہ پوری قوم وملت کے لیے اندوہناک المیہ بن جاتی ہیں، انہی اموات میں سے فضیلۃ الشیخ مختار احمد ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی موت ہے، جس کو ملتِ اسلامیہ کبھی فراموش نہیں کر سکے گی، موصوف ہمارے درمیان نہیں رہے، لیکن ان کے شاندار کارنامے انہیں سدا زندہ رکھیں گے، اس کی صحیح عکاسی کرتے ہوئے ایک عربی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے:

أخو العلم حيٌّ خالد بعد موته
وأوصاله تحت التراب رميم

یعنی صاحبِ علم مرنے کے بعد بھی زندہ جاوید رہتا ہے، حالاں کہ زیر زمین اس کے اعضاء ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔

اس کے برخلاف جاہل کے بارے میں کہتا ہے:

وذو الجهل ميت وهو ماش على الثرى
يظن من الأحياء وهو عديم

یعنی جاہل آدمی مردہ ہے' حالاں کہ وہ زمین پر چلتا پھرتا ہے، اس کا شمار زندوں میں ہوتا ہے حالاں کہ وہ مردہ ہے۔

یہاں پر شاعر نے اہل علم اور جاہل کے درمیان ایک تقابلی جائزہ پیش کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ اہل علم کو اس کے علمی کارنامے لوگوں کے بیچ ہمیشہ زندہ رکھتے ہیں جب کہ جاہل چوں کہ گمنامی کا شکار ہوتا ہے اس لیے زندہ رہتے ہوئے بھی اس کا کوئی نام لیوا نہیں ہوتا۔

علم وحکمت کا یہ چراغ ۹ رستمبر ۲۰۰۷ء بروز اتوار غروبِ آفتاب کے وقت گل ہو گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون، یہ نظام کائنات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے علماءِ حق پیدا کیے ہیں جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں، اپنے پیکرِ عمل اور نور ایمان ونور بیان سے گمراہ کن خیالات وافکار کی گھٹا ٹوپ تاریکیاں مٹائیں اور دلوں میں ایمان وعمل کا چراغ جلا دیا، یہ حقیقت ہے کہ علماءِ کرام کی مؤثر ذات سے زمین اس طرح روشن رہتی ہے جس طرح چاند سے

آسمان روشن رہتا ہے، ارشاد نبوی ہے: "عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے چاند کی تاروں پر" (ترمذی)

شیخ مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی شخصیت ایسے ہی علماءِ حق کی کڑی کہی جاسکتی ہے جنہیں ﴿اِنما یخشی اللہ من عبادہ العلماءُ﴾ کا جیتا جاگتا نمونہ کہا جاسکتا ہے۔

شیخ رحمہ اللہ ریاست اتر پردیش کے مشہور شہر مئو کے وشوناتھ پورہ نامی محلے میں ۳۰؍جون ۱۹۳۰ء کو پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم الحاج ضمیر احمد بن عبداللہ اعظمی اگرچہ سند یافتہ عالم نہ تھے، تاہم اہل علم اور دانشوروں کی علمی مجالس اور محفلوں سے برابر استفادہ کرتے اور اہل علم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، علمی حلقوں سے بے لوث تعلق کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دل میں یہ تمنا انگڑائی لینے لگی کہ ان کا نونہال ایک باکمال عالم دین بنے، اس نیک آرزو کے مطابق قدم قدم پر اللہ کی رہنمائی اور مدد بھی ہوتی رہی اور ایک دن آیا کہ والد محترم کا یہ خواب کماحقہ شرمندۂ تعبیر ہوا۔

شیخ رحمہ اللہ نے اپنے تعلیمی سفر کا آغاز اپنے ہی محلے وشوناتھ پورہ سے کیا، بعد ازیں ابتدائی درجات کی تعلیم "مدرسۂ عالیہ" مئو میں حاصل کی، پھر دارالحدیث رحمانیہ میں داخلہ لے کر دو سال گذارے، حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو وہاں کی تعلیم ترک کرنی پڑی، پھر اہل علم کے مشورے سے دارالعلوم "ندوۃ العلماء" میں داخلہ لیا، لیکن ابھی فراغت میں ڈیڑھ دو سال باقی تھے کہ ناگاہ ملک کی حالت سخت کشیدہ ہوگئی، جس بنا پر آپ کے والد محترم نے آپ کو وطن واپس بلالیا اور جامعہ فیض عام میں داخل کیا جہاں آپ نے شرعی تعلیم مکمل کی، اس کے بعد آپ نے علی گڑھ سے لائبریری سائنس میں "ڈپلومہ" اور پھر "بی، اے" کی ڈگریاں بھی حاصل کیں، علاوہ ازیں الٰہ آباد بورڈ سے منشی، کامل اور عالم کی سندیں بھی حاصل کیں۔

آپ کے والد محترم رحمہ اللہ خاص دینی مزاج کے حامل تھے، اس لیے ان کی دلی تمنا تھی کہ یہ لڑکا پڑھ لکھ کر منبر ومحراب کو اپنے دعوتی مشن کا ذریعہ بنائے اور امت مسلمہ کی رہنمائی کرے، اسی نیک جذبے اور دینی ولولے کا نتیجہ تھا کہ بقول شیخ رحمہ اللہ: "میں ابھی ابتدائی جماعت کا طالبِ علم تھا کہ ایک جمعہ کو میرے والد محترم رحمہ اللہ نے اچانک مجھے خطبۂ جمعہ کے لیے کھڑا کردیا، میں کافی کشمکش اور تردد کی حالت میں خاموشی کے ساتھ منبر پر کھڑا رہا، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ خطبے میں کیا کہوں؟ تو میرے والد محترم نے اشارہ کیا کہ اب تک تم نے جو کچھ پڑھا ہے وہی سنادو، چناں چہ میں نے صرف کی گردانیں سنانی شروع کردیں"۔

تعلیم سے فراغت کے بعد شیخ رحمہ اللہ نے عملی میدان میں قدم رکھا اور سب سے پہلے اپنے والد رحمہ اللہ کے منشاء کے مطابق جامع مسجد اہل حدیث تانتی بگان کولکاتہ میں امامت وخطابت کا فریضہ سنبھال لیا، آپ کی تقریر انتہائی پراثر و پرمغز اور دلوں کو چھونے والی ہوا کرتی تھی، اس لیے جلد ہی لوگوں میں آپ کی تقریر، انداز بیان اور طرز سخن کا چرچا ہونے لگا، آپ ایک ممتاز خطیب اور باکمال مقرر ہی نہ تھے بلکہ ایک کہنہ مشق صاحب قلم اور منجھے ہوئے صحافی بھی تھے، تقریر کی طرح تحریر بھی بڑی مؤثر اور جامع ہوا کرتی تھی، جس سے باشندگان کولکاتہ مستفید ہوا کرتے تھے، کولکاتہ میں قیام کے دوران آپ نے اپنی تقریری اور تحریری صلاحیتوں کو مزید نکھارا تھا۔

اس کے بعد آپ کی سرپرستی اور زیر نگرانی ماہنامہ "صوت الحق" (جامعہ محمدیہ کا ترجمان) شائع ہوتا رہا، ساتھ ہی آپ نے ممبئی سے "مجلّہ البلاغ" کا اجرا کیا، جس نے مختصر سی مدت میں دنیائے صحافت میں اپنا لوہا منوالیا، اس مجلّے میں آپ کے گراں قدر مضامین اور علمی واصلاحی مقالات شائع ہوتے تھے، "مختارات، شذرات، بہتے آنسو اور مسکراتے چہرے" آپ کے مستقل کالمز

ہوتے تھے، جو اس مجلّے کے ہر شمارے میں پابندی کے ساتھ شائع ہوتے رہے، لکھنے کا یہ سلسلہ تاحیات قائم رہا، آپ نے تالیف وتصنیف اور نشر اشاعت کیلئے ''الدار السلفیہ'' قائم کیا جو اپنی نمایاں کارکردگی کی بنا پر صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ بیرون ہند میں بھی مشہور ومعروف ہے، اس ادارے کے زیر اہتمام سینکڑوں دینی، علمی اور اصلاحی کتابوں کے اردو، انگریزی اور ہندی تراجم وشروحات زیور طبع سے آراستہ ہوئیں، خود مولانا رحمہ اللہ نے درجنوں کتابوں کے مقدمات لکھے، ان کی تصحیح وتقدیم کی، تراجم کیے، اسی کے ساتھ متعدد کتابوں کے مؤلف ومصنف بھی تھے، گویا ''الدار السلفیہ'' پاور ہاوس کی حیثیت رکھتا ہے' جہاں سے امت مسلمہ کو علمی اور دینی خزانے سپلائی کیے جاتے ہیں، اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ یہ علمی خزانے اور مرحوم کی کوششیں ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنیں گی۔

شیخ رحمہ اللہ ہر دینی، علمی اور تعمیری کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، چنانچہ جب ۱۹۶۳ء میں جامعہ سلفیہ کا قیام عمل میں آیا تو آپ کو اس کا نائب صدر نامزد کیا گیا، آپ صرف نائب صدر ہی نہ تھے بلکہ جامعہ کی تعمیر وترقی اور اس کے لیے فنڈ مہیا کرنے کی ساری ذمیداری آپ پر ہی تھی، گویا آپ ہی اس کے روح رواں تھے، آپ نے اس کی خاطر ہر طرح کی آزمائشیں اور صعوبتیں برداشت کیں، شیخ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ ''جب جامعہ سلفیہ بنارس کے تبرعات کے لیے پہلی بار سعودی عرب گیا تو مجھے لوگوں کے دھکے تک برداشت کرنے پڑے، لیکن ہمت نہیں ہاری''۔

مولانا رحمہ اللہ کے عظیم اور نمایاں کارناموں میں سے تاریخ ساز کارنامہ ''جامعہ محمدیہ وکلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ، طبیہ کالج اور بدر السائر ہسپتال، مالیگاؤں میں، جامعہ محمدیہ وکلیہ عائشہ صدیقہ بنگلور اور کلیہ فاطمہ مئوناتھ بھنجن'' جیسے عظیم الشان اور منفرد تعلیمی اداروں کا قیام ہے۔

۱۹۷۸ء میں آپ نے جامعہ محمدیہ منصورہ کی بنیاد ڈالی تھی، جو ترقی کے منازل طے کرتا ہوا آج ۵۶ ایکڑ وسیع وعریض رقبے پر رواں ہے۔

لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے جامعہ کے ہی کیمپس میں کلیہ عائشہ صدیقہ قائم ہے، یہ دونوں ہی ادارے دینی اور عصری تعلیم کے کامیاب ترین مراکز ہیں، اسی طرح طب کی تعلیم کے لیے طبیہ کالج اور علاج ومعالجے کے لیے بدر السائر ہسپتال قائم ہیں، گویا جہاں روحانی علاج کا انتظام ہے وہیں جسمانی علاج کا بھی پورا انتظام موجود ہے۔

بلاشبہ شیخ مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی شخصیت ایک تاریخ ساز شخصیت تھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ برصغیر کی تاریخ میں آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جدید طرز تعلیم کا کامیاب تجربہ کیا، ان کا کہنا ہے کہ ''جب میں نے لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے جدید طرز تعلیم کا ادارہ جامعہ محمدیہ قائم کرنے کا منصوبہ بنایا تو مجھے شدید مخالفت اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا تاہم میرا حوصلہ سرد نہ ہوا اور مخالفتوں کی لہروں کی تیزی کے ساتھ ہی میرا یہ مشن مزید مضبوط بنتا چلا گیا، پھر ایک دن ایسا بھی آیا کہ اس کے مخالفین بھی اس کی ضرورت واہمیت محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے''۔

آپ اپنے قائم کیے ہوئے سبھی اداروں کو بے پناہ عزیز رکھتے تھے، خاص طور سے جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں سے آپ کو شدید محبت تھی، جب تک آپ صحت مند تھے' یہاں برابر تشریف لاتے اور اساتذہ وطلبا کو گراں قدر وبصیرت افروز نصائح سے نوازتے تھے، یہاں کے تمام ہی افراد سے بڑی خندہ پیشانی سے ملتے تھے، دل کے آپریشن کے بعد گرتی ہوئی صحت کے پیش نظر آپ سفر سے دور رہتے تھے، اس کے باوجود جب بھی شوق دیدار بڑھ جاتا' جامعہ آجاتے۔

آپ ایک پکے موحد، متبع کتاب وسنت اور سلف صالحین کے عمدہ طریقے پر عامل تھے، اتباع کتاب وسنت کی طرف رہنمائی کرنا آپ کا طرۂ امتیاز تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ اٹھارہ سالوں تک نہ صرف تحریک اہل حدیث سے وابستہ رہے بلکہ دس سالوں تک جمعیت اہل حدیث کے نائب صدر اور آٹھ سالوں تک اس کے صدر رہے، ملک میں اس تحریک کا تعارف کرایا اور اس کو ترقی کے بام عروج تک پہنچایا، اس کے علاوہ آپ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر بھی رہ چکے ہیں۔

شیخ رحمہ اللہ نے ہندوستان میں تعمیر مساجد میں جو رول ادا کیا ہے، وہ تو بے نظیر ہے اور بہت ہی کم لوگوں پر اللہ کی یہ خصوصی عنایت ہوتی ہے، آپ نے اس اہم کام کے لیے "ادارۂ اصلاح المساجد" قائم کیا، جس کے تحت ہندوستان کے طول وعرض کے مختلف علاقوں میں چارسو سے زائد مساجد تعمیر کروائیں اور یہ آپ کی زندگی کا بہت ہی اہم کارنامہ ہے۔

آپ نے کبھی بھی مستقل طور سے تدریس کو پیشہ نہیں بنایا، شروع سے ہی آپ کو سماجی اور رفاہی کاموں سے دلچسپی رہی، یہی وجہ تھی کہ سعودی عرب کی طرف سے آپ کو حرم مکی میں مستقل مدرس بننے کی پیش کش کی گئی تو آپ نے صاف انکار کردیا، بقول بعض: شیخ رحمہ اللہ نے آٹھ سالوں تک حرم مکی میں حج کے دوران درس دیا ہے، آپ کی کرسی مقام ابراہیم اور حطیم کے درمیان ہوا کرتی تھی، سعودی عرب کی طرف سے کی گئی پیش کش کو ٹھکرانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے ملک کو آپ کی زیادہ ضرورت ہے اور آپ اپنی زندگی صرف درس وتدریس میں نہیں بلکہ عوام کے درمیان رہ کر عوامی، سماجی اور رفاہی امور وخدمات میں گذارنا چاہتے تھے، وہاں رہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ کے دل میں امت مسلمہ کی فلاح وبہبود کے لیے جو عزائم ومنصوبے تھے، انہیں پایۂ تکمیل تک پہنچانا ممکن نہیں ہوتا، پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے اس نیک بندے کی آرزو کی لاج رکھی، ان کی بھرپور مدد کی اور ان کی زندگی کو امت مسلمہ کے لیے نافع بنادیا۔

درازئ عمر اور انتہائی بڑھاپا' انسان کو دوسروں کا محتاج بنادیتے ہیں' اور وہ زندگی انتہائی تکلیف دہ ہوتی ہے، اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عمر سے اللہ کی پناہ مانگی ہے، لیکن شیخ رحمہ اللہ پر اللہ کا خاص فضل رہا کہ آپ ۷۷ رسال کے ہونے کے باوجود بھی ایک دن کے لیے بھی دوسروں پر بوجھ نہ بنے، بلکہ وفات سے ایک دن پہلے تک معمول کے مطابق آفس جاتے رہے اور جس دن وفات ہوئی' اس دن بھی اگر اتوار یعنی چھٹی کا دن نہ ہوتا تو شاید آفس میں ہی ہوتے، اسی مصروفیت اور معمول کی رواں دواں زندگی کی انتہا اچانک اور غروب آفتاب کے ساتھ ہی ہوئی۔

۹ر ستمبر ۲۰۰۷ء بروز اتوار کس کو خبر تھی کہ آج کے سورج کے ڈوبنے کے ساتھ ہی علم وحکمت کا یہ سورج بھی ڈوب جائے گا، یہ صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے کس کی موت کب، کہاں اور کن حالات میں لکھی ہے۔

شیخ مختار احمد ندوی رحمہ اللہ ایک خدا ترس انسان، متبع کتاب وسنت اور باعمل جید عالم تھے، ان کی ساری تگ ودو اور کدوکاوش توحید کی دعوت ، اتباع کتاب وسنت کی طرف رہنمائی، تعلیمی بیداری، اصلاح معاشرہ اور سماجی وملی کاموں کے لیے صرف تھی، ملت اسلامیہ کی فلاح وبہبود کے لیے جو رول آپ نے ادا کیا ہے، اس کی نظیر تاریخ میں کم ہی ملے گی، اللہ مرحوم کی تمام قربانیوں کو قبول فرماکر انہیں غریق رحمت کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔

☆☆☆

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

مختار کل کے جوار رحمت میں

عطاء اللہ خان امینی- بھیونڈی

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين وعلىٰ اله واصحابه اجمعين ومن تبعهم بإحسان الى يوم الدين . امابعد:

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم . بسم الله الرحمن الرحيم

﴿كل نفسٍ ذائقة الموت﴾ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

﴿كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذوالجلال والاكرام﴾ روئے زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں، صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور احسان والی ہے باقی رہ جائے گی۔

اللہ کی یہ سنت رہی ہے اور ہے اور یہی جاری رہے گی کہ اس دنیا کی ہر چیز ہر انسان کو اپنا مقررہ وقت پورا کر لینے کے بعد اپنی جان جان آفرین کے بغیر کسی حیل وحجت کے حوالے کر دینی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی اسی سنت جاریہ کے مطابق ہندوستان گیر اور عالمی شہرت کی حامل شخصیت جو ایک بلند پایہ عالم دین، داعی، مبلغ، مصنف، علم کے شیدائی، رفاہی کاموں کے ایک معمار عظیم حضرت مولانا مختار احمد ندوی صاحب ۹ ستمبر ۲۰۰۷ء کو مغرب وعشاء کے درمیان راہی ملک عدم ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

اگلے روز مولانا رحمہ اللہ کے جسد خاکی کو جوہو گارڈن قبرستان مسجد میں نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد مسجد سے متصل قبرستان میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں آغوش لحد کے سپرد کر دیا گیا، اللہ ان کی قبر کو پر نور کرے اور اپنی رحمتوں کے سائے میں ڈھانپ لے اور انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، ان کی روح کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین.

مولانا یوپی کے مشہور پارچہ بافی کے مردم خیز شہر میں پیدا ہوئے جو مئوناتھ بھنجن کے نام سے مشہور ومعروف ہے اور اب مستقل ایک ضلع کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا نے ابتدائی تعلیم مدرسہ عالیہ عربیہ مئو میں حاصل کی، اس کے بعد دارالحدیث رحمانیہ دہلی اپنی علمی پیاس بجھانے کیلئے گئے جو اس زمانہ میں سلفیان ہند کی ایک اہم درسگاہ تھی، پھر وہاں سے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور پھر جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو سے فضیلت کی سند حاصل کی۔

میدان عمل:

فراغت کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کلکتہ کی مشہور تانتی بگان کی جامع مسجد اہل حدیث میں امامت وخطابت کے منصب کی ذمہ داری بدرجہ احسن سنبھالی اور مستقل دس سال تک زینت منبر و

محراب رہے، اسی زمانہ میں مولانا نے حاجی عبداللہ لائبریری قائم کی جس کا فیض جاری رہا اور اسی سلسلہ میں غالباً مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے آپ کو تحسینی خط بھی لکھا جو مولانا کی کارکردگی کی ایک اہم سند ہے۔ پھر ۱۹۶۲ء کے بعد مولانا رحمہ اللہ کلکتہ سے ممبئی منتقل ہو گئے اور اب آپ نے اپنا میدان عمل ممبئی شہر کو بنایا، آپ نے ممبئی میں جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ کی امامت وخطابت کی ذمہ داری سنبھالی، آپ نے اپنی کوششوں سے مذکورہ جامع مسجد کی ازسرنو تعمیر کروائی، بیس سال تک آپ مذکورہ مسجد میں اپنے خطبات ودروس ومواعظ سے مصلیان مسجد کو مستفیض کرتے رہے۔

اس کے بعد بنگالی مسجد مدن پورہ کے منبر کو آپ نے اپنے خطبات ودروس اور مواعظ حسنہ کیلئے منتخب کیا اور اس مسجد کی شکل کو بھی آپ نے اپنی کوششوں سے ایک عالیشان مسجد میں بدل ڈالا۔

اس کے بعد ۱۹۷۰ء میں آپ نے جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ سے متصل مولانا آزاد ہائی اسکول قائم کیا جس کی عمارت سات منزلوں پر مشتمل ہے، جو اب بھی جاری ہے، اس کے علاوہ حرم مکی میں آپ تقریباً دس سال تک رکن یمانی کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر ایام حج میں حجاج کرام کو درس دیتے رہے، اس دوران آپ سعودی حکومت کے مہمان ہوا کرتے تھے، جس کی وجہ سے بہت سارے عرب علماء وشیوخ سے آپ کی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور ان سے آپ کے روابط وتعلقات قائم اور استوار ہوئے، ان حضرات کا اعتماد آپ کے تعلق سے بڑھا اس تعلق واعتماد کے بعد میں خاطر خواہ نتائج سامنے آئے جو علمی، تصنیفی، اشاعتی، دعوتی اور رفاہی میدانوں میں عملی شکل میں رونما ہو کر خراج تحسین حاصل کرتے رہے، آپ کے ان کارناموں کا اعتراف آپ کے حاسدوں کے سوا سب کو ہے اور لطف یہ ہے کہ دبی دبی زبان سے اعتراف بدخواہ بھی کرتے رہے، بہر حال مولانا کے کارہائے نمایاں سورج کی روشنی کی طرح عیاں ہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

الدار السلفیہ کا قیام:

۱۹۷۰ء میں آپ نے تصنیفی، تحقیقی، اشاعتی ادارہ ”الدار السلفیہ“ کے نام سے قائم کیا، جس نے رفتہ رفتہ ہندوستان اور عالم اسلام میں ایک اہم مقام حاصل کیا، اس کی مطبوعات ہندو بیرون ہند بڑے ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں اور استناد کا درجہ رکھتی ہیں، اس ادارہ کے تحت تقریباً ۵۰ سے زائد عربی کتب منصۂ شہود پر آئیں اور اردو مطبوعات کی تعداد غالباً دو سو سے زائد ہیں۔

مولانا کی تصنیفات سترہ اٹھارہ ہیں، اس کے علاوہ مولانا نے دو درجن سے زائد عربی کتابوں کو اردو زبان کے قالب میں ڈھال کر اردو زبان کے قاریوں کے لئے استفادہ کا موقع فراہم کیا۔

ادارہ اصلاح المساجد:

ادارہ اصلاح المساجد کے تحت ہندوستان کے مختلف شہروں، قصبوں، دیہاتوں وغیرہ میں غالباً چار سو سے زائد چھوٹی بڑی مسجدوں کی تعمیر کروائی، اس ادارے کی فیض رسانی سے ہندوستان کا کوئی ایسا صوبہ نہ ہوگا جہاں مولانا مرحوم نے کوئی نہ کوئی مسجد تعمیر نہ کروائی ہو۔

مجھے اس تعلق سے حکیم عبیداللہ کشمیری رحمہ اللہ کی بات یاد آتی ہے وہ کہا کرتے تھے کہ مغل بادشاہ جو عمارتوں اور مسجدوں کی تعمیر سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے، ان سے بھی اتنے بڑے پیمانے پر تعمیر مساجد کا کام نہ ہو سکا، جب کہ وہ حکومت کے مالک تھے، اللہ نے ایک بوریہ نشین مولانا مختار احمد ندوی سے جو تعمیر مساجد کا کام لیا ہے، وہ شاہوں کے لئے بھی قابل رشک ہے، اتنی بڑی تعداد میں

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے مساجد کی تعمیر مولانا کی باقیات صالحات کا بہت بڑا ذخیرہ ہیں، یہ مساجد جب تک آباد رہیں گی اس وقت تک مولانا کو اس کا اجران شاء اللہ، اللہ کے یہاں ملتا رہے گا۔

تعلیمی خدمات:

مولانا نے جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی نامی ایک تعلیمی ٹرسٹ قائم کیا تھا، اس کے تحت دینی وعصری علوم کے امتزاج کے ساتھ مندرجہ ذیل مدارس وجامعات قائم کئے:

۱-جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں، مہاراشٹر
۲-کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں، مہاراشٹر
۳-کلیہ فاطمۃ الزہراء مئوناتھ بھنجن، یوپی
۴-جامعہ محمدیہ منصورہ، بنگلور، کرناٹک
۵-کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ، بنگلور، کرناٹک
۶-مدرسہ محمدیہ، مہسلہ، کوکن، مہاراشٹر

ان کے علاوہ بھی مولانا نے ناگپور، اورنگ آباد، دھولیہ، آکوٹ، وغیرہ میں مدارس قائم کئے ہیں ان مدارس کے احوال و کیفیت کا تفصیلی علم تو مجھے نہیں ہے یہ کام اس خوش نصیب کا ہوگا جو مولانا پر کوئی تحقیقی کام کرے گا اور مجھے امید ہے کہ مستقبل قریب میں ان شاء اللہ کا کوئی بندہ اٹھے گا اور اس کام کو انجام دے گا ایک موقع پر میں کئی سال پیشتر مالیگاؤں گیا ہوا تھا تو دوران ملاقات ایک قاسمی عالم نے کہا کہ مولانا کی خدمات ایسی ہیں کہ ان پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنا چاہئے، میں نے جواباً کہا کہ حضرت آپ کی بات صدفی صد درست ہے، مگر آپ کو غالباً اس حقیقت کا علم ہوگا کہ ہم ہندوستانی وہ لوگ ہیں جو مردوں کی قدر کرتے ہیں کسی بھی کام کے آدمی کی زندگی میں ہم اس کی خدمات کا اعتراف کرنے کے عادی نہیں ہیں۔

مذکورہ بالا اداروں سے اب تک فارغین و فارغات کی تعداد ہزاروں ہوگی جو اپنے اپنے میدان عمل میں کسی نہ کسی طرح دینی، جماعتی، ملی، نیز رفاہی خدمات انجام دے رہے ہوں گے یہ سب کے سب ان شاء اللہ مولانا کے لئے باقیات الصالحات کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کے درجات کی بلندی کے سبب ہوں گے۔ آمین

طبی خدمات:

مولانا کی طبی خدمات کے شاہکار نمونے محمدیہ طبیہ کالج، منصورہ مالیگاؤں، السائر ہسپتال منصورہ مالیگاؤں اور محمدیہ جنرل اسپتال مئوناتھ بھنجن یوپی ہیں۔

صحافتی خدمات:

مولانا کی صحافتی زندگی کا شاہکار نمونہ ماہنامہ "البلاغ" کا اجراء تھا جو اپنے متنوع مضامین کے اعتبار سے روز بروز ترقی کی منزلیں طے کرتا رہا، اس کے قارئین کو شدت سے اس کے نئے شمارے کا انتظار رہا کرتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ورثاء کو اسی آن بان کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین.

مولانا سے میرے ذاتی مراسم:

یوں تو میں مولانا سے بہت پہلے سے متعارف تھا لیکن جب میں ۱۹۷۵ء میں بھیونڈی آیا اس وقت سے مولانا سے قربت بڑھتی گئی، جماعت سے وابستگی کی بناء پر میں اس وقت سے مولانا کے قریب رہا جب مولانا مومن پورہ کے آفس میں بیٹھتے تھے، پھر ایک وقت آیا کہ مولانا اپنے ذاتی تجارتی مکتبہ دارالمعارف کے عقبی حصہ میں بیٹھنے لگے، کبھی ایسا ہوا کہ میں پہنچا اور مولانا نے مجھے اپنے آفس میں بلالیا، مولانا نے متعدد بار اپنی زندگی کے نشیب وفراز کا تذکرہ بڑی دلسوزی سے کیا اور اپنوں کے تجاہل عارفانہ اور ہم

عصروں کے بشری زیادتیوں کا تذکرہ باچشم نم کیا، مولانا کو مجھ پر اعتماد تھا اس لئے وہ میرے سامنے کھل کر باتیں کیا کرتے تھے کہ یہ ان باتوں کو صیغۂ راز ہی میں رکھے گا یہ میرے لئے سعادت کی بات تھی کہ ایک بہت بڑا آدمی جو ہر اعتبار سے مجھ سے بڑا تھا اپنے خرد پر ایسا اعتماد رکھتا تھا، آج جب وہ باتیں یاد آتی ہیں تو یقین جانئے کہ دل پاش پاش ہو جاتا ہے کہ کیسا دور ہے کہ آدمی اپنوں ہی کے حملوں سے، عیاریوں سے کیسے ٹوٹ پھوٹ کر اپنے مشن کو جاری رکھتا ہے اور خدمت کرتا رہتا ہے۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم

کہ بامن کرد آں چہ آشنا کرد

بہر حال مولانا بہت مضبوط اعصاب کے مالک تھے یہ اللہ کا ان پر بہت بڑا فضل تھا۔

بھیونڈی کا فساد:

بات جماعتی زندگی کی آگئی ہے تو مولانا نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی کیوں کہ میں جماعتی زندگی سے جڑا ہوا تھا اور مقامی جمعیت کا ذمہ دار بھی تھا، مولانا نے جب تک وہ صوبائی جمعیت کے روح رواں رہے، ہمیشہ مجھ جیسے کم علم ناتجربہ کار کو اپنے ساتھ رکھا، میں مولانا کے اس بڑپن کو فراموش نہیں کرسکتا، ۱۹۸۴ء میں جب بھیونڈی میں ہولناک فساد ہوا، مولانا اپنے رفقاء کے ساتھ بھیونڈی تشریف لائے، ہمیں ڈھارس بندھائی اور حوصلہ و ہمت سے کام کرنے کی نصیحت کی، مقامی جمعیت کے سامنے ایمبولنس کی خریداری کا منصوبہ تھا اس سلسلے میں کچھ رقم بھی جمعیت کے پاس موجود تھی بقیہ رقم کا بندوبست کر کے مولانا نے مقامی جمعیت کی ایمبولنس سروس جاری کرائی۔

مولانا نے کہا کہ فساد میں شہداء اور زخمیوں کے خاندانوں کا سروے کر کے بتاؤ جب سروے رپورٹ میں نے مولانا کو پیش کی تو مولانا نے کہا کہ شہداء کے خاندان والوں کو (غالباً) فی نفر ڈھائی سو روپئے کا وظیفہ ایک سال تک دیا جائے گا اور مجروحین کے خاندان والوں کو اسی حساب سے چھ ماہ تک وظیفہ دیا جائے گا، چنانچہ ہر ماہ مولانا کے آفس سے مذکورہ رقم میں لاتا رہا اور مستحقین کے حوالے کر کے ہر ماہ کا حساب ان کے آفس کے حوالے کرتا رہا۔

اس کے علاوہ اطراف بھیونڈی میں فساد سے بے گھر ہوئے متاثرہ افراد کے لئے آپ نے رسول آباد اور بھیونڈی سے قریب مہاپولی میں مکانات تعمیر کرا کے متاثرین کی باز آبادکاری کے مسئلے کو حل کر دیا، یہ مولانا کا بہت بڑا کام تھا اور اللہ کی ذات سے حسن ظن رکھتے ہوئے مجھے یہ امید واثق ہے کہ اللہ اس کے اجر سے مولانا کو نوازتا رہے گا اور یہ بھی مولانا کی باقیات الصالحات میں شمار ہو کر ان کے رفع درجات کا عنداللہ سبب خاص ہوگا۔

مولانا کی دیگر ذمہ داریاں:

ذاتی مراسم کی باتیں تو جملۂ معترضہ کے طور پر بیچ میں آگئی ہیں، مولانا کی ذات گرامی سے مہاراشٹر جماعت کو کافی فائدہ ہوا، مولانا ممبئی اور اطراف و اکناف میں اپنے مخصوص انداز میں کتاب و سنت کی دعوت دیتے رہے، جس دلسوزی سے آپ توحید و سنت کے مضامین کو بیان کرتے وہ سامعین پر اثر انداز ہوتا، لوگ ممبئی شہر کے مختلف علاقوں سے آپ کے خطبات کو سننے کے لئے جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ اور بنگالی مسجد مدن پورہ کا رخ کرتے تھے۔

مولانا برسوں صوبائی جمعیت مہاراشٹر انیز ممبئی کے امیر رہے، اس دوران بڑے بڑے اجلاس عام مختلف موضوعات پر منعقد

کراتے رہے جس کا خاطر خواہ فائدہ ہوتا رہا۔ ساتھ ہی مولانا مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی شوریٰ اور عاملہ کے رکن رہے اور ایک وقت وہ بھی آیا کہ جب مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب امیر اور پھر امیر منتخب ہوئے اور اپنے فرائض منصبی کو حسب توفیق الٰہی انجام دیتے رہے، مرکزی جمعیت کے تعلق سے مولانا کے عزائم اور پروگرام بہت کچھ تھے کہ جس سے جماعت مستحکم سے مستحکم ہوتی، مگر اس دنیا میں ہر کام "کل امر مرھون بأمر اللہ" کا پابند ہے۔

ساتھ ہی مولانا مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس کے اہم رکن اور اہم مناصب پر بھی فائز رہے اور دارالعلوم کے ساتھ ہمیشہ خیر خواہانہ جذبہ اور تعلق رکھتے رہے، مولانا آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ابتداء ہی سے نائب صدر رہے، القصہ مختصر مولانا بہت سارے ملکی اور عالمی اداروں سے وابستہ رہے، ہر محفل میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، آپ کے مشوروں اور آراء میں وزن ہوتا تھا، بات دلیل کے ساتھ کرتے تھے، چنانچہ ان کے مفید مشوروں کو عملی جامہ پہنایا جاتا تھا۔

مولانا کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ ہر حلقۂ فکر میں معتبر مانے جاتے تھے، مولانا بہت سی خوبیوں اور محاسن وکمالات کے حامل تھے، ان کی وفات سے ایک ایسا خلاء پیدا ہوا ہے کہ جس کا پر ہونا ناممکن تو نہیں لیکن مشکل ضرور ہے، مولانا کی وفات سے صرف جماعتی ہی نہیں بلکہ ملی خلاء بھی پیدا ہوا ہے، جو جماعت وملت کے لئے سوہان روح سے کم نہیں ہے۔

میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ اللہ ہم کو مولانا کا نعم البدل عطا فرمائے، ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے، ان کی خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے، ان کی باقیات الصالحات کو تادیر قائم ودائم رکھے اور ان کے اجر وثواب کے ذریعہ ان کے درجات کو بلند کرتا رہے۔ آمین یارب العالمین.

میری اللہ سے دعا ہے اور میرا یقین ہے کہ مولانا انسان تھے۔ اے اللہ! اے ستار! اے غفار اگر ان سے انسانی فطری تقاضوں کے تحت کچھ فروگذاشتیں ہوئی ہوں تو مولائے کریم تو اپنی رداء عفو وکرم سے ان کو ڈھانپ لے اور ان کی پردہ پوشی فرما۔ آمین.

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیر گل
افسوس کہ انہیں کے ہزاروں گلے ہوئے

اخیر میں میں مولانا کی اہلیہ محترمہ، مولانا کے صاجزادگان اسلم واکرم وارشد مختار اور ان کی دختران نیز مولانا کے اعزہ واقارب سے اظہار تعزیت اپنا فرض تصور کرتا ہوں اور ان سے ماثور تعزیت "للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل شئی عندہ باجل مسمی فلتصبر ولتحتسب" کرتا ہوں اور یہ یقین دلاتا ہوں کہ میں ان کے غم میں رسمی طور پر نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں شریک ہوں، اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! تو ان سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرما اور ان کو صحیح معنوں میں مولانا کا جانشین بنا، مولانا نے اپنے پیچھے جورواں دواں زرخیز ثمر بار ادارے چھوڑے ہیں ان کی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انہیں انجام دینے کی توفیق عطا فرما۔ آمین.

بر کریما کارھا دشوار نیست

☆☆☆

سارا چمن اُداس ہے مالی کہاں گیا

عبدالصمد سلفی - ممبئی

کل تک حضرت مولانا مختار احمد ندوی حفظہ اللہ لکھتا تھا آج حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہوئے قلم کانپ رہا ہے میں ۱۹۸۶ء سے مولانا کے زیر اشراف کام کر رہا ہوں، دل ودماغ کو اب بھی یقین نہیں آرہا ہے کہ حضرت مولانا کو رحمہ اللہ کہا جائے مگر کل نفس ذائقه الموت "پر ہر مومن کا کامل ایمان ہے۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ ۲۸ رجون ۱۹۳۰ کو یوپی کے مشہور ومعروف صنعتی شہر مئو میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن مئو ہی میں حاصل کی جامعہ فیض عام مئو سے فراغت کے بعد اس دور کے مشہور ومعروف ادارہ، دارالحدیث رحمانیہ میں داخل ہوئے بعدہٗ ندوۃ العلماء لکھنو میں داخلہ لیکر وہاں سے بھی اکتساب علم کیا، فراغت کے بعد مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ کی خدمت میں رہ کر ان سے بھی صحیحین کا درس لیا۔

فراغت کے بعد مولانا عبدالجبار شکراوی رحمہ اللہ کے اشارہ پر جامع مسجد اہلحدیث کلکتہ میں بحیثیت خطیب وامام ایک عرصہ تک خدمت انجام دی، کلکتہ میں فساد ہونے کی وجہ سے وطن واپس آگئے، اسی درمیان ممبئی کی مشہور ومعروف مرکزی جامع مسجد محلہ مومن پورہ میں ایک اچھے مقرر وخطیب کی ضرورت تھی۔ ٹرسٹیان مسجد نے ۱۹۶۴ء میں مولانا کو بحیثیت امام وخطیب مقرر کرلیا۔

مومن پورہ میں قیام کے دوران مولانا نے ممبئی میں ایک ایسے اسکول کی ضرورت کو محسوس کیا جو عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دین کی بنیادی تعلیمات سے طلباء کو مستفیض کرے۔ اور ایسے اسکول کے بچے نہ صرف ایک اچھے ڈاکٹر، انجینئر، افسر، فوجی یا سپاہی بنیں بلکہ سب سے پہلے وہ ایک نیک انسان بنیں سچے وپکے مسلمان بنیں۔ لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لئے ایک میٹنگ منعقد ہوئی جس میں جمعیت اہلحدیث کے چنندہ اشخاص شریک ہوئے تھے، جس میں ایک اسکول کے قیام پر اتفاق کیا گیا اور یہ طے پایا کہ ایک رجسٹرڈ سوسائٹی کے تحت کام کیا جائے چنانچہ اس سوسائٹی کا نام جمعیت اہلحدیث ایجوکیشن سوسائٹی طے کیا گیا، چند حضرات نے تجویز پیش کی کہ بائیکلہ اہلحدیث جماعت کے نام سے سوسائٹی ہو، چونکہ بائیکلہ اہلحدیث جماعت ایک خاص حلقہ اور علاقہ کی جماعت تھی اس لئے طے ہوا کہ نیا نام تجویز کیا جائے تاکہ اس میں ممبئی شہر کی ممتاز اہلحدیث شخصیات شریک ہوں، عالم اسلام کی عبقری شخصیت اور قرآن وحدیث کے جید عالم اور ملک کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کے نام پر اسکول کا نام طے ہوا۔ ۱۹۷۱ء میں سوسائٹی کی بنیاد کے بعد اسکول کی بلڈنگ کی تعمیر کیلئے کافی عرصہ درکار تھا اس لئے جامع مسجد اہلحدیث کے ٹرسٹیان

کی اجازت وتعاون سے ابتداء میں یہ اسکول مسجد کے پہلے اور دوسرے منزلہ پر شروع ہوا، شیخ محمد علی بجاشؒ کے ساتھ مولاناؒ نے ابو ظبی کے شاہ شیخ زائد بن سلطان النہیان رحمہ اللہ تک اپنی درخواست شیخ ثانی بن عبداللہ رحمہ اللہ کے ذریعہ پہنچائی۔ مومن پورہ مسجد اہلحدیث سے متصل ایک دری کا کارخانہ خرید کر اس پر تعمیر کے لئے ۱۹۷۵ء میں شیخ زائد بن سلطان النہیان رحمہ اللہ سے بلڈنگ کی تعمیر کا فنڈ ملتے ہی تعمیری کام شروع ہوگیا۔ اللہ کے فضل وکرم سے ۲۲ رمئی ۱۹۷۶ء کو اسکول کا افتتاح ہوا۔ اسکول کو مسجد سے اس نئی عمارت میں جس کا نام اہلحدیث منزل طے ہوا منتقل کیا گیا۔ آج ماشاء اللہ اسکول دن بدن ترقی کر رہا ہے۔

اس کے بعد بنگالی مسجد اہلحدیث مدنپورہ کی از سرِ نو تعمیر کرائی اور دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا، زندگی کے آخری وقت تک منبر ومحراب کی زینت بنے رہے، فن خطابت کے ساتھ ساتھ صحافت اور تصنیف وتالیف سے کافی لگاؤ تھا۔ آپ کا مضمون اخبار اہل حدیث میں برابر شائع ہوتا تھا، اسی لگاؤ کی بناء پر ممبئی میں ایک ادارہ "الدار السلفیہ" کے نام سے قائم کیا جس میں پرانے مخطوطات اور احادیث کی تخریج و تحقیق کا کام اعلیٰ معیار کے ساتھ شروع کیا۔ اس ادارہ سے سیکڑوں کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

مولانا موصوف رحمہ اللہ عروس البلاد میں جمعیت اہلحدیث کا تعارف کرایا۔ بذات خود ہر مسلک میں مشہور ومعروف تھے۔ البتہ سیاست کو کبھی منہ نہیں لگایا، آپ کا خطبۂ جمعہ سننے کے لئے لوگ ممبئی کے کونے کونے سے آیا کرتے تھے، لوگ صبح ہی سے آفس میں فون کر کے معلوم کرتے کہ مولانا خطبہ دیں گے یا نہیں، اور اسی طرح رمضان المبارک کی طاق راتوں میں آپکی تقریر سننے اور دعا میں شرکت کیلئے سیلاب کی طرح عوام ٹوٹ پڑتے تھے۔ مولانا کے وعظ وتبلیغ اور درس وخطابت کے اثر سے لاتعداد لوگوں نے مسلک اہلحدیث اختیار کر لیا۔ اللہ نے آپ کی زبان میں زبردست تاثیر دی تھی حکومت سعودی عرب نے موسم حج میں آٹھ سال تک بحیثیت مدرس مسجد حرام خدمت لی۔

نئی نسل کو عصری ودینی تعلیم کے سانچے میں ڈھالا جائے۔ اس اہم موضوع پر ۱۹۷۵ء میں مکۃ المکرمہ میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں مولاناؒ بذات خود شریک ہوئے اور حرم شریف سے نیت کر کے ہندوستان واپس آئے کہ عصری ودینی علوم کے امتزاج اور ان میں باہمی ہم آہنگی کے ساتھ ایک جامع نصاب تعلیم تیار کر کے اس کے عملی نفاذ کیلئے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے۔ چنانچہ اللہ کے فضل وکرم سے ۱۹۷۸ء میں عالم اسلام کے مقتدر علماء کی معیت میں جامعہ محمدیہ کی بنیاد رکھی، اس طرح آپ ہندوستان میں لڑکیوں کے مدرسہ کے موسس ہیں (خصوصا جماعت اہلحدیث میں)، لڑکیوں کا مدرسہ قائم کرنے کے بعد لوگوں نے آپ کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا، پھر بھی آپ نے ہمت نہیں ہاری۔ اور پورے ملک میں مدارس وجامعات اور مراکز کا جال بچھا دیا، ساتھ ہی ساتھ ہندوستان میں مساجد کا جال بچھا دیا۔ ملک کا کوئی صوبہ نہیں بچا ہوگا جہاں پر مسجد کی تعمیر نہ ہوئی ہو، تقریباً ۴۰۰ رسو مساجد از سرِ نو تعمیر ہوئیں اور ۱۰۰ مساجد کے قریب جزوی امداد کے ذریعہ توسیع اور تعمیر نو سے ہمکنار ہوئیں۔ آپ نے مساجد کا مستقل ادارہ بنام "ادارہ اصلاح المساجد" قائم کیا جو سرکاری محکمہ میں رجسٹرڈ ہے۔

تعلیم بالغاں کے نام پر ادارہ کی طرف سے تعمیر ہونے والی اور

بعض دیگر مساجد میں مرکز تعلیم الاسلام قائم کیا تا کہ نئی نسل دین کے بنیادی مسائل سے نابلد نہ رہے۔ ماشاء اللہ اس کا بہتر نتیجہ نکلا۔

مولاناؒ کی تقریروں کا ایک جملہ اکثر لوگوں کو یاد ہے ''ایک مرد کی تعلیم ایک فرد کی تعلیم ہے اور ایک عورت کی تعلیم ایک خاندان کی تعلیم ہے''۔

اللہ کے فضل وکرم سے مولانا رحمہ اللہ مشکل سے مشکل کام کو نہایت ہی آسانی سے حل کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس خصوصی نعمت وصلاحیت کی بدولت موصوف نے بڑے بڑے کام کیے، عظیم تعلیمی، رفاہی اور اشاعتی ادارے قائم کیے اور تا عمر ان اداروں کو اپنی نگرانی وسرگرمی کے ذریعہ رواں دواں رکھا، ساتھ ہی ساتھ مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے ایک مدت تک امیر بھی رہے۔ اور تاحیات مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر تھے۔ مختلف ملی تنظیموں کے ممبر اور عہدیدار تھے۔ جامعہ سلفیہ بنارس کے بانیوں میں سے تھے۔ جامعہ کی ترقی وارتقاء کے لئے ہمہ وقت متفکر رہتے تھے۔

آج اگر جماعت اہلحدیث سے باشندگان ملک آشنا، شناسا، واقف اور متعارف ہیں تو اس میں بھی مولانا رحمہ اللہ کا کردار جسم میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت سے مسلم ہے۔ اگر تعمیر وترقی کی طرف قدم رکھنا ہے تو مولانا ندوی رحمہ اللہ کی عنایات، التفاتات خاص اور خدمات کو طاق نسیاں نہیں بنایا جاسکتا۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث کی قیادت وسیادت اور صدارت وامارت فرما کر جو حسین وجمیل نمونہ پیش فرمایا ہے وہ بھی آئندہ نسل کے لئے سبق آموز اور مثالی کردار ہے۔ کاش ان حقائق کو سمجھا جائے، انھیں باور کیا جائے اور ردی کی ٹوکری میں نہ ڈال کر (ھل جزاء الاحسان الا الاحسان) کی قرآنی تعلیم کو مدنظر رکھا جائے کہ تاریخ کی نظروں سے حقائق اوجھل نہیں رہا کرتے اور تاریخ نگار کی نظر ہر پہلو پر ہوتی ہے اسے دھوکہ وفریب میں مبتلا نہیں کیا جاسکتا۔

کلکتہ میں قیام کے دوران آپ نے حاجی عبداللہ لائبریری قائم کی، شروع ہی سے آپ کو کتاب صحافت اور تصنیف وتالیف کے میدان سے لگاؤ تھا۔ ۱۹۹۱ء میں جب البلاغ کا اجراء ہوا تو اس کی تقریب اجراء میں مولانا رحمہ اللہ کے ایک دوست اور معروف صحافی نے فرمایا کہ مولانا آپ بہت ہی جلد آؤٹ ہو جائیں گے صحافت کا میدان آسان نہیں ہے مولانا رحمہ اللہ نے مسکرا کر جواب دیا کہ اللہ مالک ہے اور کبھی ہمت نہیں ہاری۔ ماشاء اللہ البلاغ مسلسل نکل رہا ہے، آپ البلاغ اور صوت الحق کے نگران اعلیٰ تھے۔

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے ہم نے پالے ہیں

آپ نہایت نرم خو اور رقیق القلب تھے اللہ نے دنیا میں جو چھوٹی بڑی نعمتیں انھیں دی تھی اس پر اللہ کا بے حد شکریہ ادا کرتے۔ بلند اخلاق، کریم النفس عالم تھے، علماء وطلباء سے محبت کا برتاؤ کرتے اور لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے۔ ہر آنے والے زائر وملاقاتی کا مسکرا کر استقبال کرتے۔ اتباع سنت میں سخت اور عام گفتگو میں نرم، تبلیغ دین کے نہایت حریص تھے۔ ۸ ستمبر ۲۰۰۷ء کو حسب معمول آفس میں شام ۵ بجے تک کام کیا اور افسوس ۹ ستمبر ۲۰۰۷ء کو معمولی طبیعت خراب ہوجانے کی وجہ سے اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ مولانا رحمہ اللہ کے اہل خانہ وپسماندگان اور متعلقین ادارہ کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین تقبل یارب العالمین۔

☆☆☆

آہ! مولانا مختار احمد الندوی رحمہ اللہ

مولانا زبیر احمد سلفی

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

عالم اسلام کے ایک جید عالم، ایک معروف ومشہور داعی ومبلغ اور سماجی خدمت گار حضرت مولانا مختار احمد ندوی علیہ الرحمۃ اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ انا لله وانا اليه راجعون.

اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

میں نے مولانا محترم کو بہت قریب سے دیکھا ہے بلکہ میں نے اپنی علمی زندگی کا آغاز مولانا کی صحبت ومعیت اور رہنمائی وسرپرستی میں کیا ہے اس لئے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مطابق "اذکرو محاسن موتاکم تم اپنے مُردوں کی خوبیوں کو بیان کرو۔ مولانا مرحوم کی زندگی کے بارے میں کچھ باتیں قارئین ''البلاغ'' کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

مولانا مرحوم زہد وتقویٰ کے پیکر، منکسر المزاج، خوش اخلاق، عفو ودرگزر کا مجسمہ اور درویش صفت انسان تھے۔ خشیت الٰہی ان کی رگوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ ہر ایک کے ساتھ انتہائی نرم گفتگو کرتے، تواضع ان کی خاص صفت تھی بلکہ شاید تواضع ہی نے ان کو اس بلند مقام تک پہنچایا کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: " من تواضع لله رفعه الله "جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کیا اللہ اسے بلند کرے گا۔

مولانا حرکت وعمل کے داعی تھے، وہ کاہلی وسستی، جمود وتعطل کو سخت ناپسند کرتے تھے، عمر کے آخری لمحات تک وہ خود بھی متحرک وفعال رہ کر دینی وسماجی خدمت میں لگے رہے اور دوسروں کو بھی حرکت وعمل کی دعوت دیتے رہے، مولانا علم دوست تھے انہیں علماء سے بہت محبت وعقیدت تھی، وہ کہا کرتے تھے کہ ''علماء باران رحمت ہیں''، مولانا تعلیم وتربیت کے معاملہ میں ایک منفرد سوچ رکھتے تھے وہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم پر بھی زور دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جہاں انہوں نے جامعہ محمدیہ جیسا عظیم الشان دینی ادارہ قائم کیا وہیں میڈیکل اور ٹیکنیکل کالج بھی قائم کئے۔ انہوں نے جہاں پورے ہندوستان میں ۴۰۰ سے زیادہ مساجد کا جال بچھایا وہیں تعلیمی وسماجی کئی ویلفیئر سوسائٹیاں بھی قائم کیں اور

جگہ جگہ اسپتال اور عصری اسکول بنوائے۔

سچ یہ ہے کہ مولانا اپنی ذات میں تنہا ایک انجمن تھے۔ مولانا جیسی شخصیتیں بار بار نہیں بلکہ صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا پوری زندگی منبر ومحراب کی زینت بنے رہے اور انہوں نے اس پر کبھی اجرت نہیں لی، وہ ایک عمدہ خطیب اور بلند پایہ مصنف تھے ان کی بہت سی کتابیں عوام وخواص میں بے حد مقبول ہیں مثلاً نماز مسنون، کتاب الدعاء، تعلیم الاسلام وغیرہ۔

مولانا کا ایک بہت بڑا کارنامہ ممبئی میں ''الدار السّلفیہ'' کا قیام ہے جہاں سے صحیح عقیدہ کے مطابق اور خالص کتاب وسنت پر مبنی اردو اور عربی میں ۲۵۰ سے زیادہ کتابیں طبع ہو چکی ہیں مولانا مرحوم سے میری علمی دوستی اس وقت شروع ہوئی جب میں نے جامعہ ملیہ دہلی میں اپنے طالب علمی کے زمانہ میں علامہ ابن قیم کی بلند پایہ کتاب ''ھدایۃ الحیاریٰ فی أجوبۃ الیھود والنصاریٰ'' کا ترجمہ کیا۔ مولانا نے اس کتاب کی اہمیت وافادیت کو دیکھتے ہوئے اسے اپنے مؤقر ادارہ ''الدار السّلفیہ'' سے ''یہود ونصاریٰ تاریخ کے آئینے میں'' کے نام سے شائع کیا۔ جامعہ ملیہ میں ایم اے مکمل کرنے کے بعد جب مجھے ممبئی میں متحدہ عرب امارات کے کونسلیٹ میں بحیثیت عربی انگریزی مترجم سروس ملی تو میں سب سے پہلے مولانا مرحوم سے ملنے آیا۔ مولانا نے میرے ہاتھ میں ایک اہم کتاب ''تصویر کا حکم'' تھما دی تا کہ میں اس کا ترجمہ کر ڈالوں اور مجھے اس بات کی تاکید کی کہ اپنی سروس کے ساتھ ساتھ دین کی خدمت کرتے رہو۔ پھر مولانا جب بھی کونسلیٹ میں کسی کام سے تشریف لاتے تو مجھ سے یہی کہتے۔

آخر کار اللہ کی مرضی کے مطابق پھر میں ''الدار السّلفیہ'' سے وابستہ ہو گیا اور مولانا کی سرپرستی میں میں نے کئی کتابیں لکھیں اور تقریباً پچاس کتابوں کا ترجمہ کیا، جن میں ''دارقطنی'' (چار جلدوں) کا مکمل ترجمہ، ''شعب الایمان کی بیں'' (۲۰) جلدوں کی تلخیص وترجمہ، منذری کی ''صحیح الترغیب والترھیب'' کا مکمل ترجمہ (تین جلدوں میں) امام بیہقی کی کتاب ''الآداب'' اور تویجری کی کتاب ''مختصر الفقه الاسلامی'' جو ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اور ''المتجر الرابح'' کا ترجمہ جو کہ فضائل اعمال کے نام سے چھپی ہے قابل ذکر ہیں۔ درحقیقت یہ سب دینی کام اس ناچیز کے ہاتھوں اللہ کی توفیق ومدد ہی سے ہوا ہے اور مولانا کی رہنمائی وسرپرستی اور ہمت افزائی کا اس میں بہت بڑا دخل ہے، افسوس کہ وہ شخصیت اب ہم میں نہیں ہے۔ وللہ ما اعطی وما اخذ.

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ مولانا محترم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کے تمام رفاہی ودینی اعمال کو ان کیلئے صدقہ جاریہ بنائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

صہیب احمد شکیل احمد خان -ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

اسلام کی کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی نسیم صبا کے خوشگوار جھونکوں نے ہندوستان کے گلی کوچوں کو توحید کی جاں نواز خوشبوؤں سے معطر کیا تو نیک بخت روحوں نے جہاں ان کا پرتپاک استقبال کیا اور اپنے مشام جاں معطر کر لئے وہیں بد بخت روحوں نے ان جاں نواز جھونکوں کو بد بودار ہواؤں سے تعبیر کیا، مگر راہ توحید کبھی بھی گل پوش نہ رہی، اس پر چلنا ہمیشہ سے آبلہ زدہ پاؤں کو کانٹوں پر رکھنے اور پہاڑوں سے جوئے شیر لانے کے مترادف رہا ہے مگر ان آلام ومصائب کے باوجود علماء ودعاۃ نے اعلاء کلمۃ اللہ کا پرچم لہرانے میں ذرا سی بھی کسر نہ چھوڑی، انہیں سعید روحوں میں سے جنہوں نے آوازہ حق کو دل کی گہرائیوں سے قبول کرنے میں ذرا بھی پس وپیش اور تردد وتامل سے کام نہیں لیا جماعت اہلحدیث کے رہبر، کتاب اللہ وسنت رسول کے پیکر اور جلیل القدر عالم مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ تھے جن کا نام بھی باکمال شخصیتوں کے زمرے میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔

علم وعرفان کا یہ آفتاب صوبہ اتر پردیش کے افق پر مئو شہر کے محلہ وشوناتھ پورہ میں اپنی ضیا پاش کرنوں کے ساتھ طلوع ہوا آپ کی پرورش وپرداخت علم وفضل سے معمور گھرانے میں ہوئی۔ آباء واجداد کے نقش قدم پر چلنے کے سبب آپ کو اسلامی علوم سے گہری دلچسپی ہوگئی، مسلکی اعتبار سے آپ اہلحدیث تھے، اس لئے اس فن میں کافی مہارت اور وسیع معلومات رکھتے تھے، مزید برآں علم پسند، زہد وورع اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ وپیراستہ تھے۔ چنانچہ آپ کی نشو ونما علمی اور اخلاقی ماحول میں ہوئی جس کا آپ کی زندگی پر گہرا اثر ہوا اور عہد طفولیت سے ہی علم وفن اور اوصاف حمیدہ سے معطر فضا میں سانس لینے لگے۔

علمی خوشگوار ماحول ملنے کے سبب مئو کے مختلف سلفی اداروں سے بھرپور استفادہ کیا اور پھر اعلی تعلیم کے حصول کیلئے ہندوستان کی عظیم دینی درسگاہ دار العلوم ندوۃ العلماء کا رخت سفر باندھا جہاں ماہر فن اساتذہ سے مستفید ہو کر فراغت کی سند حاصل کی بعد ازاں ایک طویل عرصہ تک مسجد اہلحدیث کلکتہ میں بحیثیت امام وخطیب اور مفتی خدمت انجام دیتے رہے، اپنی خداداد صلاحیت اور ذوق صحافت کے طفیل آپ اخبار اہل حدیث کی مجلس ادارت سے وابستہ ہو گئے اور طویل مدت تک اپنی وقیع معلومات سے پر مقالات و مضامین سے وہاں کے دیگر اخبارات وجرائد کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس دوران آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں اور فن ترجمہ پر عبور ہونے کی وجہ سے کئی ترجمے اور تحقیقی کام کیے۔ اپنی مسلسل جہد پیہم سے بہت کم دنوں میں عوام وخواص کے درمیان

بہت مقبول ہوگئے۔

مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس کی تاسیس میں آپ نے اہم کردار ادا کیا جسے جماعت اہل حدیث کبھی بھی فراموش نہیں کرسکتی اس کے علاوہ آپ ہندوستان کی مختلف ملی، قومی، جماعتی اور رفاہی خدمات میں پیش پیش رہے، تعلیمی اور اشاعتی کاموں میں آپ نے انتھک اور بیش بہا خدمات انجام دیں جسے ہم آج " الدار السلفیہ، کلیہ عائشہ صدیقہ، کلیہ فاطمۃ الزہراء، محمدیہ طبیہ کالج اور جامعہ محمدیہ" کی شکل میں دیکھ رہے ہیں اور ان اداروں کی سرپرستی کے ساتھ آپ نے "من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا فى الجنة" کو پیش نظر رکھتے ہوئے" ادارہ اصلاح المساجد" قائم کر کے نہایت خلوص کے ساتھ ملک کے گوشے گوشے میں عالیشان مساجد تعمیر کرائیں اور اسے اپنے خون پسینے سے اس طرح سیراب کیا کہ آج کی تاریخ میں وہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

آپ علوم قرآن وحدیث میں اپنی مجتہدانہ کاوشوں اور سعی پیہم کی بنا پر یکتائے روزگار اور اس فن کے منبع ومصدر تصور کئے جاتے تھے، ادارتی اعمال میں بھی آپ ایک ماہر فن تھے شاید آپ کی انہیں صلاحیتوں اور مہارتوں کے باعث ۱۹۷۹ء سے مسلسل نو سال تک مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے نائب امیر رہے پھر آپ کی کاوشوں نے ۱۹۹۰ء میں آپ کو امارت کی باگ ڈور سنبھالنے کا موقع فراہم کیا اس دوران آپ نے بڑی دلجمعی کے ساتھ قوم وملت کی قیادت کی، جمعیت وجماعت کو اپنے مفید تجربات کی روشنی میں نئی سمتوں سے روشناس کرایا اور بڑی محنت ولگن سے کام کرتے رہے اس منصب سے سبک دوشی کے بعد بھی آپ جمعیت کی سرپرستی کرتے رہے نیز اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ایک لمبی مدت تک ہمیشہ رفاہی وسماجی کاموں میں منہمک رہے ساتھ ہی آخری عمر تک مذہب اسلام کی بقا کے خاطر دعوت وتبلیغ کا اہم کام اپنے نحیف شانوں پر اٹھائے رہے، نشر وصحافت کی انجام دہی میں بھی آپ نے کلیدی کردار ادا کیا ماہنامہ " البلاغ" اسی شعبہ کا عظیم شاہکار ہے جس کی ادارت آپ خود اپنی پوری زندگی کرتے رہے۔ آپ بیک وقت جامعہ محمدیہ اور دیگر اداروں کی سرپرستی کے ساتھ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر بھی رہے۔

مولانا موصوف نہایت نیک طبیعت، حلیم وبردبار، مخلص ومنکسر المزاج، عابد وزاہد اور فرشتہ صفت انسان تھے، طالبان علوم نبویہ اور بالخصوص تشنگان علوم حدیث کے لئے آپ کا دل صحرا کے سراب سے بھی زیادہ وسیع وعریض تھا، اصابت رائے، دور اندیشی اور جفا کشی آپ کا طرۂ امتیاز تھا نیز آپ اخلاق کریمانہ کے حامل اور عدل وانصاف کے پیکر تھے علاوہ ازیں آپ ایک متبحر عالم تھے، دینی مسائل میں گیرائی وگہرائی کے ساتھ دقیق النظر بھی تھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ مسلک اہلحدیث کے معمار تھے اور "خيركم من تعلم القرآن وعلمه" کے سچے ترجمان بھی، آپ ہمیشہ "ولتنظر نفس ما قدمت لغد" کے تحت آنے والے کل کی تیاری میں مصروف رہتے تھے، انہیں معلوم تھا کہ "من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين" کا سہرا ان کے سر اسی لئے باندھا گیا ہے تاکہ وہ "العلماء ورثة الانبياء" کا مشن لے کر اور سیف محمدی بن کر دین محمدی کی حفاظت کریں اور اپنے علم کی ربانی قوت سے تمام ادیان باطلہ کو سلف صالح کے صحیح عقائد سے روشناش کراسکیں۔

آپ کو میدان صحافت کا عظیم شہسوار کہا جاسکتا ہے اخبار اہلحدیث دہلی سے آپ کی وابستگی اور اس کے بعد متعدد کتابوں کی تصنیف اس کا واضح ثبوت ہے اور یہیں سے آپ کی علمی شہرت کا

چرچا بڑھا، آپ نے ہزاروں طلباء کو اپنے علمی فیض سے فیضیاب کیا علم وفن کا یہ چراغ ایک طویل عرصہ تک تاریک دلوں کو روشن اور نور علم سے منور کرتا رہا حدیث اور علم حدیث کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کردی چنانچہ مختلف صوبوں سے طلباء وعلماء اپنی تشنگی بجھانے کے لئے آتے اور آپ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کردیتے اور آپ بصد خلوص قبول کرلیتے، آپ کے درس سے ایسے باوثوق اور معتبر طلباء کی جماعت تیار ہوئی جنہوں نے تقلید وتعصب کی دھجیاں اڑادیں اور دلوں پر لگی ہوئی جمود وتعطل کی کائی کھرچ کر رکھ دیا جس کی وجہ سے ہزاروں تاریک دل مجلی ومصفی ہوکر شاہراہ ہدایت پر جالگے۔

جس طرح آپ کی علمی زندگی ہمارے لئے باعث افتخار ہے اسی طرح آپ کی عملی زندگی بھی ایک نمونہ ہے چونکہ آپ کی تربیت تقوی وطہارت اور دیانت داری پر ہوئی اسی لئے فریضہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کو بھی ذمہ داری کے ساتھ ادا کرتے تھے، اپنی ذات گرامی سے کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچایا طلباء کے مفاد کی خاطر آپ نے مختلف مدارس ومعاہد قائم کئے کیونکہ آپ تعلیمی بیداری کے نقیب تھے اور وہ قوم اور ملک وملت کے ہر فرد کو زیور تعلیم سے آراستہ ومزین دیکھنا چاہتے تھے جماعت اہلحدیث کی تاریخ میں موصوف کی علمی اور عملی معاونت ناقابل فراموش رہی ہے جس کا تذکرہ ہمیشہ سنہرے حروف میں کیا جاتا رہے گا شاید اسی وجہ سے اللہ تعالی نے آپ کو پروقار شخصیت کا مالک بنادیا تھا، جملہ اعزاء واقارب، اساتذہ وطلباء اور اراکین وعہدیداران مدرسہ آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

صحافتی خدمات کے علاوہ آپ فن خطابت کے ماہر تھے اپنی پوری زندگی ہندوستان کے گوشے گوشے میں روح پرور وسحر آفریں خطبہ دیتے رہے نیز بیرون ہند کے پروگراموں اور کانفرنسوں میں شرکت کرتے رہے، آپ کی تقریروں اور خطبوں کا اصل ہدف شرک وبدعات اور تقلید وتعصب کی پھیلی ہوئی چادر کو تار تار کرنا اور قال اللہ وقال الرسول کا غلغلہ بلند کرنا تھا آپ کی علمی مجالس میں دانشوران ملک اور ملت کی نامور ہستیاں جلوہ افروز ہوتی تھیں۔

علم وعمل کا یہ سورج اسی جوش وخروش کے ساتھ ملک وملت کی خدمت میں مصروف رہا مگر ربانی نظام ''کل من علیها فان'' اور ''کل نفس ذائقة الموت'' کے تحت اچانک حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے مورخہ ۹ ستمبر ۲۰۰۷ء کو علم کا یہ بحر ذخار، راتوں کا عبادت گذار، امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا پاسدار ہزاروں لوگوں کو سوگوار چھوڑ کر اس دار فانی کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ گیا'' إنا لله وانا الیه راجعون'' اس عظیم سانحہ کے بعد ہند وبیرون ہند میں صف ماتم بچھ گئی، جماعت اہلحدیث نے شدید غم وافسوس کا اظہار کیا اور ملک کے گوشے گوشے میں تعزیتی پروگراموں کا اہتمام کیا گیا جس میں خلق کثیر نے آپ کے کارہائے نمایاں کو سراہا اور آپ کی وفات کو امت محمدیہ کے حق میں بہت بڑا فقدان وخسارہ بتایا۔

آپ کی نماز جنازہ میں ہندوستان کی سرکردہ شخصیات، ملی رہنماؤں نے شرکت کی آپ کی نعش کو کندھا دینے کے لئے لوگ ٹھہرے ہوئے سراب کے مانند امڈ پڑے، نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد آپ کے جسد خاکی کو ہمیشہ کے لئے سپرد خاک کردیا گیا۔ دوسرے دن ملک وبیرون میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی اور آپ کے لئے دعاء مغفرت کی گئی۔

☆☆☆

کیا بھولوں کیا یاد کروں

ڈاکٹر خالد شفاء اللہ رحمانی

ملک ہندوستان کے دولخت ہونے کے بعد مسلمانوں کو جو عظیم خسارہ اٹھانا پڑا تھا اس کی بھرپائی کے لئے صدیاں درکار تھیں، ملت اسلامیہ خصوصاً اہلحدیثوں کے لئے تو یہ بڑا صبر آزما اور کرب وبلا کا زمانہ تھا، دلی جو ایک مرکز تھا وہ اجڑ چکا تھا، کبار علماء اہلحدیث کی اکثریت پاکستانی ہو چکی تھی، جماعتی شیرازہ بکھر چکا تھا، علامہ عبدالوہاب آروی رحمۃ اللہ علیہ جماعت کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو دلی میں جلائے ہوئے تھے، بچے کھچے علماء اہلحدیث اپنی اپنی بساط کے مطابق ''جماعتی کاز'' کو آگے بڑھانے کے سوچ بچار میں لگے ہوئے تھے، اسی جیص بیص میں آٹھ نو سال کا عرصہ بیت گیا، نوجوانوں کا طبقہ جماعتی نظم ونسق کے لئے بے چین وبے قرار تھا، اس وقت کے اہلحدیث (دلی) اخبار میں جماعت کو فعال ومتحرک بنانے کے لئے مضامین وخطوط برابر نکلتے رہتے تھے، بالآخر اللہ تعالی نے جماعت اہلحدیث کے کبار علماء کو ان نوجوانوں کی خواہشات اور ان کی تمناؤں کو پورا کرنے کیلئے کما حقہ اقدام کرنے کی توفیق بخشی اور اس کیلئے نوگڑھ کے اجلاس کا انتظام فرمایا، یہ اجلاس ہی نہیں تھا بلکہ جماعت اہلحدیث ہند کی نشاۃ ثانیہ تھی، اسی اجلاس میں مرکزی دارالعلوم کے قیام کی تجویز پاس ہوئی اور اس کے بعد جماعتی شیرازہ بندی کی ابتدا ہوگئی۔

مرکزی دارالعلوم کے قیام کا اعلان بنارس میں ہوا، علماء سے لے کر عوام تک ہر کسی نے جس جوش وخروش کے ساتھ اس اعلان کا استقبال کیا وہ نظارہ تاسیس کے موقع پر جو لوگ حاضر تھے کبھی بھی بھول نہیں سکتے۔ اسی موقع پر جبکہ ملک کے طول وعرض سے علماء کا جم غفیر تھا، جن میں معمر بھی تھے اور جوان بھی تھے اس وقت یقیناً مولانا مختار احمد ندوی (جن کو اب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے قلم کانپ رہا ہے) کو جوانوں کے زمرہ ہی میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ میں نے اس وقت کے تمام علماء کو دیکھا اور پہچانا تھا کیونکہ رحمانیہ کے اکثر اساتذہ کی ڈیوٹی علماء کی میزبانی کے لئے الحاج محمد صدیق رحمۃ اللہ کے گھر پر لگی ہوئی تھی، ان کے ناشتے سے لے کر کھانے تک کی دیکھ بھال کرنا یہ سب ذمہ داریاں اساتذہ رحمانیہ کو سونپی گئی تھیں، اسی موقع پر ایک شگفتہ مزاج، بذلہ سنج مرنجاں مرنج شخصیت شیروانی میں ملبوس نظر آئی جو کلکتہ والوں کے ساتھ تھی، معلوم ہوا کہ یہی صاحب مولانا مختار احمد ندوی خطیب ہیں۔ میرا نام پوچھا، والد کا نام پوچھا، جواب میں بس اتنا مسکرا کر بولے ''اچھا آپ مولانا ابوالخیر فاروقی کے صاحبزادے ہیں'' یہ ہے میری ملاقات، ذاتی طور پر ہم لوگوں نے ان کے بارے میں اچھی رائے قائم کی، کیونکہ کھانے پینے میں تکلفات سے یا آرڈر وغیرہ سے کام نہیں لیا تھا ماحضر تناول کیا اور الحمد للہ کہا، یہ ادا ہم لوگوں کو اچھی لگی اس پر ہم لوگوں نے یہ رائے قائم کرلی کہ یہ مولوی اچھا ہے۔

جماعت اہلحدیث کے نوجوانوں میں جذبۂ عمل کا جو فقدان چلا آرہا تھا، ان میں یاس ومحرومی کی کیفیت طاری ہوگئی تھی وہ دور ہونے لگی، سارے ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام سلفیوں میں مرکزی دارالعلوم کا جو تصور تھا اس کو زمین پر دیکھنے کی تمنا جو صدیوں سے چلی آرہی تھی ان میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا مختار احمد ندوی نے اپنی صلاحیت اور لیاقت کو بروئے کار لاکر جماعت کے نام کو جس طرح روشن کیا وہ تاریخ میں ہمیشہ ثبت رہے گا۔

اہلحدیث علماء کے ساتھ ہمیشہ سے یہ المیہ چلا آرہا ہے کہ ان کی حیات میں ان کے کارناموں کو مدون ومرتب کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ،بعد وفات ان کے چند کارناموں پر روشنی ڈال دی جاتی ہے۔بس، تراجم علماء اہلحدیث مرتبہ محمد یحیٰ نوشہروی کو مثال کے طور دیکھ لیجئے کس قدر مختصر ہے۔ہاں اللہ تعالی جزائے خیر دے مولانا اسحاق بھٹی عم فیوضہ کو کہ انہوں نے کئی کتابیں لکھ کر علماء سلف کو محفوظ کر دیا ہے۔

علماء سلف کے اوصاف عالیہ میں سے ایک خاص صفت زہد وتقوئی کے ساتھ قناعت پسندی بھی ہوتی تھی، یہ بے چارے مسجد کی چٹائیوں پر بیٹھ کر روکھا سوکھا پر کس طرح گذارا کرتے تھے ہمارے لئے یہ اب ناممکن سا لگتا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے اس سے انکار ممکن نہیں، علماء سلف کے بہت سے کارنامے اس لئے بھی پردہ خفا میں چلے گئے کہ ان لوگوں میں تقوئی اور خشیت الٰہی کا جذبہ اس قدر طاری رہتا تھا کہ ان کے خیال میں ضبط تحریر سے کہیں ریا ونمود کی بو نہ آنے لگے اسی لئے وہ پرہیز کرتے تھے۔لیکن آنے والی نسل ان کارناموں سے محروم ہو جاتی ہے اور یہ سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں کلکتہ سے بمبئی تک کے سفر میں مسجد سے رشتہ نہ توڑا اور اسی مسجد کے دائرے میں رہ کر نہ جانے کتنی مسجدوں کو تعمیر کروایا، وہ سب کو معلوم ہے، اسی طرح مالیگاؤں میں جامعہ محمدیہ اور طبیہ کالج اور دیگر شہروں میں تعلیم گاہوں کو قائم کر کے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا، یہ سب ان کی بلند حوصلگی، ارادوں کی پختگی کے بین ثبوت ہیں۔کوئی ریسرچ اسکالر جب ان کی شخصیت اور کارناموں پر قلم اٹھائے گا تو انشاءاللہ ملت اسلامیہ کے لئے ان کی شخصیت ایک روشن منارہ ثابت ہوگی، اور جوانوں کے لئے مہمیز کا کام کرے گی۔

جو انسان متحرک وفعال ہوتا ہے اس کو اپنے مقصد کے حصول میں کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں ہوتی وہ بس صرف کام کی دھن میں لگا رہتا ہے، چنانچہ مولانا رحمہ اللہ نے جو کارنامے اللہ کے فضل سے انجام دیئے وہ کسی سے مخفی نہیں، اتنا بڑا کام ایک انسان کیسے انجام دیتا ہے؟ بس یہ اللہ کے فضل ہی کے سہارے انجام پذیر ہوتا ہے، ایسے لوگ نہ تو وقت کی تنگی کا گلہ کرتے ہیں اور نہ کسی عذر معذرت کا بہانہ۔

مولانا نے تعلیم کی اشاعت وترویج کے لئے بڑے بڑے ادارے قائم کرنے کے ساتھ اپنا رشتہ کتابوں کے ساتھ بھی برقرار رکھا، یہ ان کی اپنی ہابی تھی اور اس میں مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ ناظم اعلی مرکزی دارالعلوم کی حوصلہ افزائی کا بھی بڑا دخل تھا جس کی وجہ سے مولانا ندوی رحمہ اللہ نے ہندوستان کے ناشرین کتب میں اپنا ایک مقام پیدا کر لیا تھا۔حافظ محمد عباس بناری رحمہ اللہ کا بیان ہے، پہلی بار میں مولانا کو خسارہ اٹھانا پڑا تھا لیکن ناظم اعلی مرکزی دارالعلوم کے حوصلہ دلانے پر دوبارہ اس میدان میں سرگرم عمل ہو گئے، اور اللہ تمام راہیں ہموار کرتا چلا گیا۔

یہ سب کارہائے نمایاں مولانا رحمہ اللہ نے بڑی لگن، جتن دھن کے ساتھ انجام فرمایا، اب ان تعلیم گاہوں، دانشکدوں، درسگاہوں کو بقائے دوام بخشنے کے لئے مضبوط ومستحکم حکمت عملی کی ضرورت پڑے گی ،اللہ سے یہی دعا ہے کہ وہ مولانا رحمہ اللہ کے ان اعمال صالحہ کو قبول فرمائے۔آمین! اور ان کی قبر کو منور کردے اور ان کے بنائے ہوئے گلستاں کو آباد رکھے۔مولانا رحمہ اللہ کے تعلقات اہالیان پریوا سے بڑے گہرے تھے بمبئی میں دھاراوی محلے میں پریوا والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے، مسجد اہلحدیث بھی ہے، مولانا پریوا بھی تشریف لائے تھے، انتقال کی خبر بذریعہ فون ملی، گاؤں والوں نے جامع مسجد میں جنازہ کی نماز ادا کی اور دعائے مغفرت مانگی۔

ایک عرصہ سے خاکسار علیل چل رہا ہے اس لئے صحت اجازت نہیں دے رہی ہے ورنہ دل تو یہی چاہتا ہے کہ ان کی زندگی کے عملی کارناموں کو آنے والی نسل کے لئے یوں مدون ومرتب کردوں جو آئیڈیل کا کام دے سکے۔عرصہ سے مولانا سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی جس کا افسوس ہے، اب انشاءاللہ جنت میں ملاقات ہوگی۔اللھم اغفرلہ وارحمہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ

☆☆☆

شیخ رحمہ اللہ کی گھریلو زندگی

زبیدہ مختار - عمیدہ کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (سورۃ رحمٰن: ۲۶-۲۷)

روئے زمین پر موجود ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ صرف رب ذوالجلال کی ذات باقی رہنے والی ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہر ذی روح کو ایک دن فنا کی طرف لوٹنا ہے۔ لیکن بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو فنا ہو کر بھی امر رہتی ہیں۔ ان کے کارنامے ان کے وجود کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔ وہ اپنی بے مثال یادوں کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں زندہ رہتے ہیں۔ والد ماجد کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔

اپنی زندگی میں ابو نے دین کے لئے جو گراں قدر خدمات انجام دیں وہ قوم وملت کے لئے عظیم سرمایہ ہیں۔ انکی تصانیف و تالیفات ابد تک لوگوں کیلئے منارہ نور ثابت ہونگی۔ ان کی تعمیر کردہ مساجد سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوتی رہیں گی اور وہ سجدوں سے آباد رہیں گی۔ ان کے قائم کئے ہوئے مدارس سے طلباء و طالبات توحید اور حق کے پیامبر بن کر گمراہیوں کے اندھیرے میں روشنی اور نور بکھیرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالی، اللہ تعالی والد محترم کی ان تمام حسنات کو قبول فرمائے اور انہیں ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ (آمین)

ملک وملت کے لئے اپنی بے شمار خدمات اور کارناموں کے ساتھ ہی گھریلو زندگی میں وہ ایک مثالی شخصیت تھے۔ منصف سربراہ، مخلص رفیق حیات، مشفق باپ ہونے کے ساتھ ہی ہمدرد دوست، ملنسار پڑوسی اور بہترین میزبان نیز ان جیسی بے شمار صفات سے متصف تھے۔ اپنی بے انتہا مصروف زندگی میں بھی اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو احسن طریقہ سے نبھایا اور "کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ" (بخاری کتاب الجمعہ: باب الجمعۃ فی القری والمدن) کے معاملہ میں بھی سرخرو ہے۔ آیئے ہم انکی گھریلو زندگی کے کچھ پہلوؤں پر نظر ڈالیں۔

بچوں کی تعلیم وتربیت:

بچوں کی تعلیم وتربیت میں ابو کا نظریہ حضرت عمرؓ کے قول "لاعبہ سبعا، ادبہ سبعا، صاحبہ سبعا" پر مبنی تھا۔ یعنی سات سال کی عمر تک بچوں کے ساتھ کھیلو، اسکے بعد اگلے سات سال یعنی ۷ سے ۱۴ ربرس کی عمر تک انہیں ادب وتمیز سکھاؤ اور پھر اگلے سات سال انہیں اپنے ساتھ ساتھ رکھ کر دین ودنیا کے رموز سکھاؤ۔

چھوٹے بچوں کے ساتھ ان کا رویہ نہایت مشفقانہ ہوتا۔ وہ بچوں کے ساتھ کھیلتے، اپنی پیٹھ پر بیٹھا کر گھر میں گھماتے، گود میں لے کر ہنساتے انہیں کہانیاں سناتے، بچوں کی ذرا سی رونے کی

آواز پر بے چین ہو جاتے، بچوں کیساتھ سختی، مار پیٹ اور تلخ کلامی ابو کو سخت ناپسند تھی۔ بچوں کو دیکھ کر وہ اپنی تھکن اور ناراضگی بھول جایا کرتے، بے ساختہ انہیں گود میں اٹھالیتے اور پیار کرتے، انکی نصیحتوں میں بچوں کیساتھ پیار ومحبت اور بہترین تربیت کا جزء ضرور شامل رہتا۔ بچوں کیساتھ بات چیت میں آداب کالحاظ رکھتے اور ابتداء سے ہی بچوں کو سنت کے مطابق امور سکھانے اور انکا عادی بنانے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ ابو کی عمر کا بیشتر وقت گھر سے باہر گزرا، تاہم جب بھی گھر آتے تو ہماری تعلیمی کارکردگی کا جائزہ لیتے، اچھے تعلیمی رزلٹ پر انعامات دیتے اور سیر وتفریح کے لئے لے جاتے۔ مزید آگے بڑھنے کے لئے رہنمائی کرتے، مسابقوں اور مقابلوں میں حصہ لینے کیلئے ابھارتے بلکہ شرکت کو لازمی قرار دیتے، خارجی مطالعہ کے لئے ہمیشہ زور دیتے، اس کے لئے مصادر ومراجع کی کتب بھی مہیا کرتے، تعلیمی میدان میں زیادہ سے زیادہ آگے بڑھنے کے لئے ہمیشہ ہم سب کی خوب حوصلہ افزائی کرتے۔

بچوں کی تربیت کے معاملہ میں قرآن وحدیث کو سامنے رکھتے اور اس کی روشنی میں بہت غیر محسوس طریقے سے ہماری رہنمائی کرتے۔ بچپن میں کوئی بات بتانے یا سکھانے کیلئے اکثر کہانیوں کا سہارا لیتے۔ انبیاء اور صحابہ کرام کے واقعات سناتے۔ اپنی باتوں کے بیچ آیات ونصوص بھی سناتے اور نہایت نرم اور دلنشین انداز میں اپنی بات ہمارے دل کی گہرائی میں اتار دیتے۔ کوئی غلط بات یا غلط کام سرزد ہونے پر فوراً ٹوک دیتے بار بار وہی غلطی ہونے پر ایک دو بار دھیمے سے منع کرتے اس کے بعد بہت سختی سے بات کرتے، اسی طرح اچھی باتوں اور نیک کاموں پر خوب حوصلہ افزائی کرتے۔

بچوں کی بہترین تربیت کیلئے گھر کی خواتین کو گاہے بگاہے نصیحت کرتے رہتے جس کے لئے ہر پندرہ دن بعد گھر پر خواتین کا پروگرام رکھتے جس میں پاس پڑوس کے علاوہ دور دراز سے بھی ڈھیروں خواتین اکٹھا ہوتیں۔ اس پروگرام میں بچوں، خواتین اور معاشرتی مسائل پر دینی معلومات دیتے اور خواتین کے سوالوں کے مفصل جواب دیتے۔

گھر میں کسی قسم کی لغویات کی ہرگز اجازت نہیں تھی۔ شریعت کی پابندی ہر ہر چیز پر مقدم تھی۔ گھر کے اندر کسی نامحرم کا داخلہ یا بات چیت سخت ممنوع تھی۔ بیٹیوں کی شادیاں طئے کرنے میں بھی مسلک، عقیدہ اور دینداری کو خاص ترجیح دی، نتیجتاً انکی تمام ہی بیٹیاں سلفی دیندار گھرانوں میں زندگی گزار رہی ہیں اور الحمدللہ دعوت وتبلیغ کے کاموں میں مصروف ہیں۔

ابو بچیوں کی تعلیم کے زبردست حامی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ایک عورت کی تعلیم پورے خاندان کی تعلیم ہوتی ہے، ایک معاشرہ سدھار پاتا ہے، بچوں کی بہترین تربیت ہوتی ہے۔ اپنی اسی فکر کے تئیں انھوں نے بچیوں کے مدارس کی بنیاد ڈالی جہاں سے سیکڑوں طالبات زیور علم سے آراستہ ہوکر ساری دنیا میں علم کا نور بکھیر رہی ہیں۔

اخلاق:

"عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: إذا احب الله عبداً نادى جبريل إن الله يحب فلانا فأحبه فيحبه جبريل فينادي جبريل في اهل السماء إن الله يحب فلانا فاحبوه فيحبه اهل السماء ثم يوضع له القبول في اهل الارض"۔ (بخاری: کتاب الادب)

ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جب اللہ کسی بندے کو اپنا محبوب بناتا ہے تو اسکی محبت اپنی مخلوقات کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور لوگ اس سے ٹوٹ کر محبت کرنے لگتے ہیں۔ ابو اپنے بہترین اخلاق وعادات کی بناء پر لوگوں میں بے حد محبوب ومقبول تھے۔ وہ بے شمار لوگوں کے آئیڈیل تھے۔ ان کے جنازہ میں شریک لوگوں کا جم غفیر اس بات کا بین ثبوت ہے کہ کتنے لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت جاگزیں تھی۔

جب کسی سے ملتے تو نہایت خندہ پیشانی اور خاکساری سے ملتے۔ خوشگوار سی مسکراہٹ سے استقبال کرتے۔ دھیمے اور شیریں لہجے میں بات کرتے۔ نہایت ملنسار اور مہمان نواز تھے۔ لوگوں کو اکٹھا کرنے اور ان کی تواضع اور خاطر ومدارات کا بڑا شوق تھا۔ خصوصاً اہل علم اور ہم مزاج لوگوں کیساتھ خوب گزرتی تھی۔ اپنے ساتھ کام کرنے والوں کی بہت عزت کرتے تھے۔ اپنے ماتحتوں اور ملازمین کے ساتھ ان کا رویہ بہت نرم اور مشفقانہ ہوتا۔ ہم سے ہمیشہ گھر کی ملازمات کے ساتھ بہتر سلوک کی نصیحت کرتے۔ ان کے کھانے پینے، رہنے سہنے، لباس اور دیگر ضروریات کو احسن طریقے سے پورا کرنے کی بار بار تلقین کرتے۔ یہ حدیث اکثر سناتے "اخوانکم جعلهم الله فتية تحت ايديكم فمن كان اخوة تحت يده فليطعمه من طعامه وليلبسه من لباسه ولا يكلفه مايغلبه فان كلفه مايغلبه فليعنه" (ترمذی کتاب البر والصلة باب ماجاء فی الاحسان : ۲۹٤)

تمہارے ملازمین تمہارے بھائی ہیں، جو کچھ تم کھاؤ انہیں کھلاؤ، جیسا لباس پہنو، انہیں بھی پہناؤ، ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالو، ضرورت کے وقت ہاتھ بھی بٹاؤ۔

غریبوں اور فقراء ومساکین کو کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تھے۔ گھر سے نکلتے وقت خصوصاً کچھ رقم سائلین کے لئے لیکر نکلتے تھے۔ ''اماطة الاذى عن الطريق صدقة'' کی پیروی کرتے ہوئے ہر تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹاتے ہوئے گزرتے تھے۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے۔ سامنا ہونے پر سلام کلام اور خیریت معلوم کرتے۔ گھر میں کوئی ایسی بات نہیں کرتے تھے جس سے پڑوسیوں کو تکلیف ہو، یہاں تک کہ بچوں کے دوڑنے بھاگنے یا شور شرابا کرنے پر بھی تنبیہ کرتے کہ اس سے پڑوسیوں کو تکلیف ہوگی۔ کوئی اچھا کھانا بنتا تو پڑوسیوں کے یہاں بھجواتے۔ اس بات کا بہت خیال رکھتے کہ گھر کے باہر راہداری میں ہمیشہ روشنی رہے نیز یہ بھی کہ کوئی ایسی چیز نہ پڑی رہ جائے جس سے گزرنے والے کو کوئی تکلیف پہنچے۔ خاکساری وانکساری ان کے مزاج کا حصہ تھی۔ اکثر یہ دعاء پڑھتے ''اللهم اجعل في عيني صغيرا وفي اعين الناس كبيرا'' اور واقعی اللہ نے انہیں عزت ومنزلت کا اعلیٰ مقام عطا کیا۔

اہل خانہ، رشتہ داروں اور احباب کے ساتھ سلوک

گھر میں بیوی بچوں اور گھر کے دیگر افراد کے ساتھ ابو کا رویہ مشفقانہ ہوتا۔ خصوصاً عورتوں کے ساتھ ابو نرم اور دھیمے لہجے میں بات کرتے۔ نہایت شائستگی سے کوئی بات سمجھاتے۔ ابو بہت زیادہ خیال رکھنے والے، محبت کرنے والے اور منصف مزاج سربراہ تھے۔ دردمند دل رکھتے تھے۔ ہماری تھوڑی سی تکلیف میں بھی بے چین ہوجاتے۔ ہر وقت ہماری خوشی کے لئے کوشاں رہتے۔

ابو عورتوں کو بے جا سختی اور پابندی میں رکھنے کے قائل نہ تھے۔ شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے ہمیں اپنی ضروریات کی تکمیل کی اجازت تھی۔ لیکن خلاف اصول کوئی بات ہونے پر بہت ناراض

ہوتے اور نہایت تختی سے پیش آتے۔ابو کو رشتہ داروں کے درمیان رہنے کا کم ہی موقعہ ملا پھر بھی رشتہ داریوں سے متعلق اپنی ذمہ داری کو انھوں نے احسن طریقہ سے نبھایا۔صلہ رحمی کی اہمیت کو ہمیشہ مد نظر رکھا اور ہمیں بھی گاہے بگاہے اسکی نصیحت کرتے رہتے۔اکثر فارغ اوقات میں رشتہ داروں اور متعلقین کے بارے میں ہم سے باتیں کرتے۔اپنے وطن کے گلی کوچوں، کھیتوں اور باغات سے بھی انہیں بہت محبت تھی۔وطن کی تہذیب وثقافت سے دلی لگاؤ تھا۔

ابو کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔دوست واحباب کے درمیان ان کا مزاج بہت خوشگوار رہتا۔جب تک صحت اچھی تھی روزانہ صبح فجر کے بعد احباب کے ساتھ سمندر کے کنارے چہل قدمی کرتے۔اتوار کے دن انکی محفلیں جمتیں، مختلف موضوعات پر بحثیں ہوتیں، فلک شگاف قہقہے لگتے اور پر تکلف ضیافتوں کا اہتمام ہوتا۔ابو کے احباب میں عرب وعجم کے بڑے بڑے علماء ومشائخ بھی شامل تھے جن کی میزبانی کا شرف اکثر ہمیں حاصل ہوتا تھا۔

اہم مصروفیات میں اہل خانہ کیلئے وقت نکالنا

اپنی بے انتہا مسروف زندگی میں بھی ابو نے اپنے گھر اور بیوی بچوں پر بھر پور توجہ دی، ابو ہمارے درمیان بیٹھتے، ہم سے مختلف موضوعات پر باتیں کرتے، اپنی زندگی کے تجربات اور واقعات ہمیں سناتے، ہماری خیر خیریت دریافت کرتے۔ابو کو سیاحت کا بہت شوق تھا۔کئی ممالک کی خاک چھانی، ہمیں بھی اکثر سیر وتفریح کے لئے لے جاتے، جب ہم چھوٹے تھے ابو نے ہمیں ممبئی کی تمام اہم جگہیں دکھائیں، اس کے بعد ہندوستان کے تقریباً تمام بڑے شہر اور کئی ہل اسٹیشن کی سیر کرائی۔سبھی افراد خانہ کو حج کرایا اس کے علاوہ بیرون ہند کے سفر میں دبئی، شارجہ، عجمان، ابوظہبی وغیرہ اور مصر میں قاہرہ، اسکندریہ وغیرہ کے سفر شامل ہیں۔

سفر کے دوران ابو کا مزاج بہت شگفتہ رہتا۔خوب ہنستے ہنساتے۔مختلف جگہوں کے بارے میں مفصل معلومات دیتے۔ڈھیر ساری خریداری کراتے، سفر میں بھی نماز باجماعت کا اہتمام کرتے۔ہم بھی بھائی بہن کسی موقعہ پر اپنے بچوں کیساتھ جب اکٹھا ہوتے تو ابو کی خوشی دیدنی ہوتی، اپنے بھرے پرے پریوار کو دیکھ کر پھولے نہ سماتے۔ان کا بس نہ چلتا کہ دنیا کی کونسی نعمتیں لاکر ہمارے قدموں میں نچھاور کردیں۔ابو کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات ہمیشہ خوبصورت یاد بن کر ذہن ودل میں جگمگاتے رہیں گے۔اللہ تعالی انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔انکی قبر کو نور سے بھردے۔دنیا کی طرح آخرت میں بھی انہیں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ہم سب کو ان کیلئے صدقۂ جاریہ بننے کی توفیق عطا کرے۔(آمین)

ان کی بعض وصیتیں

ابو کی زندگی کا ہر لمحہ ہمارے لئے درس اور سبق کی حیثیت رکھتا ہے۔وہ اپنی بے مثال زندگی میں ہمارے لئے بے شمار نصیحتیں چھوڑ گئے۔

دین کی خدمت میں اپنی زندگی صرف کردینا

ابو سے میری آخری ملاقات رحلت سے چار روز قبل ہوئی تھی، اس ملاقات میں دیگر باتوں کے علاوہ ابو نے مجھے ساری زندگی دین کی خدمات میں گزارنے کی تلقین کی تھی۔خواتین کے متعلق دینی مسائل پر قلم اٹھانے کی ترغیب دی۔بچیوں کی تعلیم کے فروغ خصوصاً کلیہ عائشہ صدیقہ کی بہتر آبیاری اور ترقی کی پرزور نصیحت کی۔

"وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" (الطلاق:۲-۳)

اللہ کی ذات پر جو شخص بھروسہ اور یقین رکھتا ہے اللہ تعالی اس کیلئے سبیل پیدا کرتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق فراہم کرتا ہے جس کے بارے میں بندہ گمان بھی نہیں کرسکتا۔

جب ہم چھوٹے تھے ابو اس آیت کے مفہوم کو کہانی کی شکل میں بار بار ہمیں سناتے یہاں تک کہ اسے ہمارے ذہن میں پختہ کردیا۔ اب بھی اکثر اس آیت کی تلاوت کرتے اور اس کے معنی کی گہرائی کو ہمیں سمجھاتے۔

وقت کی پابندی اور اہمیت کا ہمیشہ خیال رکھنا

ابو وقت کے بہت پابند تھے۔ اور دوسروں سے بھی ایسی ہی وقت کی پابندی کی توقع رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ کوئی عذر یا سمجھوتا ہرگز قبول نہیں کرتے تھے۔ کسی کام کی پائیداری اور احسن طریقے سے انجام دہی کیلئے وقت کی پابندی کو اہم جزء قرار دیتے تھے۔

لاعبه سبعا، ادبه سبعا، صاحبه سبعا

بچوں کی تربیت کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کے اس قول کو ہمیشہ پڑھ کر سناتے اور اسکی بڑی مفصل وضاحت کرتے، بچوں کی بہترین تعلیم وتربیت اور عمدہ پرورش کے بارے میں اکثر نصیحتیں کرتے۔

علم سیکھنے اور سکھانے پر زور دیتے

ہماری طالب علمی کے ایام میں ابو نے جتنے بھی خطوط لکھے اسمیں یہ نصیحت ضرور شامل رہتی کہ، "خوب محنت سے پڑھو تمہیں ساری زندگی پڑھنے پڑھانے میں گزارنی ہے"، تعلیم مکمل ہونے کے بعد تقریر، تحریر، تدریس کسی بھی طرح سے اس علم کو دوسروں تک پہچانے کی ہمیشہ پر زور تلقین اور نصیحت کرتے۔

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيراً وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً﴾ (احزاب:۳۵)

تبلیغ دین میں عورتوں کی ذمہ داری کو اجاگر کرنے کیلئے اکثر سورہ احزاب کی اس آیت کی تلاوت کرتے اور اس کا مفہوم سمجھاتے کہ جب ہر نیک عمل میں اللہ نے مرد وعورت دونوں کو یکساں حکم دیا اور یکساں اجر وثواب کا وعدہ کیا اسی طرح اللہ کے دین کی اشاعت وتبلیغ اسے سیکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ بھی مرد وعورت دونوں پر یکساں طور پر لازم ہے۔

"عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: سبعة يظلهم الله تعالی فی ظله يوم لاظل الا ظله۔ امام عادل و شاب نشأفی عبادة الله ورجل قلبه معلق فی المساجد ورجلان تحابافی الله اجتمعا عليه وتفرقا عليه ورجل دعته امرأة ذات منصب وجمال فقال انی اخاف الله ورجل تصدق بصدقة فاخفا هاحتی لاتعلم شماله ماتنفق يمينه ورجل نكر الله خاليا ففاضت عيناه". (صحیح بخاری، مسلم)

اکثر یہ حدیث ہمیں سناتے، اس کے مفہوم کو ہمیں سمجھاتے، اکثر ایسا ہوتا کہ سمجھانے کے درمیان ہی رو دیتے، آخر میں ہم سب کیلئے اسکی توفیق کی دعا کرتے۔

خادموں کے ساتھ حسن سلوک کرنا

ابو ملازمین اور ماتحتوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کی تلقین کرتے ،ان کے کھانے ، پینے ،لباس ،دکھ بیماری اور دیگر مسائل کی طرف ہمیشہ توجہ رکھتے اور ہمیں بھی بار بار یہ حدیث سناتے ہوئے انکی ضروریات کا خیال رکھنے ،انہیں بہتر رہن سہن کے ساتھ رکھنے کی نصیحت کرتے۔

''عن حفص بن عاصم قال قال رسو ل ﷺ کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ماسمع ''(مسلم)

سنی سنائی باتوں کو ایک دوسرے سے کہنے سے سختی سے منع کرتے اور یہ حدیث سناتے۔ہمیں ہمیشہ نصیحت کرتے کہ جب تک کسی بات کو خود اپنے کان سے سن نہ لو یا اپنی آنکھ سے دیکھ نہ لو اسے کسی دوسرے سے نہ کہو۔

اسی طرح زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق ابو نے قدم قدم پر ہماری رہنمائی کی ،ہمیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔قدم جہاں بھی ڈگمگائے جہاں بھی لڑکھڑائے ابو نے بڑھ کر سنبھالا دیا۔ہمیں دونوں جہاں کی تکلیفوں اور آزمائشوں سے بچ کر دارین میں باسعادت اور سرخرو بن کر رہنے کا طریقہ اور سلیقہ سکھایا۔آج وہ تو حید کا پرستار، سنت نبوی کا پاسدار، مساجد ومدارس کا بانی، اشاعت دین کا علمبردار، قلم ولسان کا مجاہد، منبر ومحراب کی زینت ،علم کا منارۂ نور، ہمارا راہبر، قوم وملت کی آبرو میرے پیارے ابو آج ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن انکی شخصیت ،ان کی نصیحت، ان کے اعمال، ان کے اقوال ہمارے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی باتیں، ان کی نصیحتیں ہر لحہ ہر قدم پر ہماری رہنمائی کرتی رہیں گی۔ان کی تعمیر کردہ مساجد ومدارس کی پر شکوہ عمارتیں ہمارے عزم اور حوصلہ کو جلا بخشتی رہیں گی۔اللہ تعالی ہمیں توفیق عطا کرے کہ ہم ان کے مشن کو آگے بڑھا سکیں۔ان کی فکر اور سوچ کے مطابق پورے خلوص اور للہیت کے ساتھ دین کی خدمت کر سکیں۔ہم بھی بھائی بہنوں کو اللہ تعالی ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔

اللہ تعالی ابو کی تمام حسنات کو قبول فرما۔ان کے درجات بلند کردے۔ان کی دین کی خدمتوں کو ان کیلئے صدقۂ جاریہ بنادے۔

اللہ تعالی ہمارے چھوٹے بھائی ارشد مختار کو بھی ہمت وحوصلہ عطا کر ان کے ناتواں کندھوں پر ابو نے اپنی حیات میں ہی اپنے تمام اداروں کی تمام تر ذمہ داریاں ڈال دی تھیں، اور جو گذشتہ تقریباً ۳رسالوں سے جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کے ملک بھر میں پھیلے ہوئے اداروں کو بحسن وخوبی نہ صرف چلا رہے ہیں، بلکہ ان کی قیادت میں سبھی ادارے ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔اللہ تعالی انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔(آمین)

☆☆☆

دنیا میں منہج سلف کی اشاعت

البلاغ تجدید وتحریک منہج سلف صالح کا ترجمان ہے، اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان کروڑوں سلفیوں کی دینی، تحریکی، دعوتی اور اعلاء کلمۃ اللہ کا داعی اور ترجمان ہے، جو آج پوری طاقت سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو مذہبی فرقہ پرستی اور تقلیدی گروہ بندی سے پاک وصاف کر کے خالص قرآن اور احادیث صحیحہ کی دعوت اور تعلیم کو عام کر رہے ہیں۔

(مولانا مختار احمد ندویؒ، بحوالہ مجلہ البلاغ: اگست ۲۰۰۱)

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

گلشاد محمد اعظمی، معلمہ کلیہ فاطمہ الزہراء الاسلامیہ للبنات، مئوناتھ بھنجن

شعبان المعظم کی ۲۶؍تاریخ پورے عالم اسلامی بالخصوص جماعت اہل حدیث ہند کیلئے بے حد اندوہناک اور کربناک ہوئی جب کہ ہندوستان کے نامور داعی، صحافی، خطیب علم دوست اور ادب نواز شخصیت کو شان کریمی نے چن لیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

درحقیقت حضرت علامہ کی رحلت پوری ملت اسلامیہ کے لئے عظیم سانحہ اور ناقابل تلافی خسارہ ہے جوایک مدت تک محسوس کیا جاتا رہے گا۔ اللہ رب العالمین اس خلا کو پر کرے۔ اور ملت کو آپ کانعم البدل عطا فرمائے۔ (آمین)

محترم مولانا رحمہ اللہ نے اپنی علمی، دینی، تبلیغی، دعوتی، تصنیفی اور رفاہی کارہائے نمایاں کے ذریعہ ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں نمایاں مقام حاصل کیا آپ کی حیات مستعار سب کے لئے درس عبرت ہے آپ نے مذہب اسلام کی نشرواشاعت کی وہ زبردست خدمت انجام دی ہے۔ جسے عالم اسلام کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ آپ نے ہندوستان میں دین حنیف کے ایسے روشن چراغ جلائے جنکی روشنی میں شیدائیان علم اپنی منزل طے کرسکتے ہیں۔ کلیہ فاطمہ الزہراء جومئو میں صنف نازک کی اسلامی تعلیمات کا سب سے عظیم اور منفرد اور ملک کا مشہور ادارہ ہے یہاں کی متعدد فارغات اس وقت سعودی عرب کی مختلف جامعات میں اپنی علمی پیاس بجھارہی ہیں۔ کلیہ فاطمہ الزہراء اور آپ کی شخصیت لازم وملزوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کہ کلیہ کا نام آتے ہی آپ کی قدآور شخصیت ہماری نگاہوں میں گردش کرنے لگتی ہے۔

مولانا نے تن تنہا جو دینی وعلمی اور رفاہی کام کیا وہ ایک جماعت نہ کرسکی کون سا ایسا میدان ہوگا جس سے آپ کا قدم پیچھے رہا ہو زندگی کا ہر ہر لمحہ آپ نے بامقصد زندگی کی تکمیل میں گزار صحافت وخطابت کا میدان ہو یا تجارت کا یا پھر طب وصحت کا۔ ہر میدان عمل میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اوراسے نقطۂ عروج تک پہنچانے کی کوشش کی۔ مولانا نے تعلیمی مراکز کے قیام کے علاوہ بہیترے فلاحی وسماجی کارنامے انجام دئے۔ نہ جانے کتنے کنبوں کی کفالت کا انتظام فرمایا۔ یتیم ومفلس بچیوں کی شادی کرائیں۔ میدان طب میں رفاہی خدمات کی انجام دہی کے لئے محمدیہ جنرل اسپتال مئو، بدرالسائر اسپتال منصورہ مالیگاؤں اور محمدیہ طبیہ کالج منصورہ مالیگاؤں جیسے ادارے قائم کئے۔ اور پورے ہندوستان میں مدارس ومساجد کا جال بچھادیا۔

جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کے تحت قائم ادارے کلیہ فاطمہ الزہراء، کلیہ عائشہ صدیقہ، جامعہ محمدیہ مالیگاؤں، کلیہ عائشہ بنگلور، جامعہ محمدیہ بنگلور، اصلاح المساجد اور الجمعیۃ المحمدیۃ الخیریہ آپ کی وسعت فکر کی پہچان ہیں۔

علامہ مرحوم کی ہمہ جہت شخصیت اپنی ذات میں ایک انجمن تھی

جو مخالف اور موافق دونوں کو یکساں متاثر کرتی اور ہر ایک سے اپنے علمی وقار اور حسن اخلاق کا لوہا منوالیتی تھی۔ مسلمانوں کی گرتی ہوئی علمی ساکھ اور اقتصادی کمزوری کی بحالی کے لئے آپ ہمیشہ فکر مند رہتے تھے۔

مولانا کا ملت اسلامیہ پر عموما اور صنف نازک پر خصوصا سب سے بڑا احسان رہا ہے کہ آپ نے تعلیم نسواں کی تحریک کو بڑی جرأت سے آگے بڑھایا۔ اور پورے عزم کے ساتھ اپنے ارادوں میں ثابت قدم رہے۔ آپ نے قوم کو ایسی ہزاروں بچیاں دیں جو زیور علم وتربیت سے مرقع ہو کر اپنے گھر، خاندان اور معاشرے کی اصلاح کی ذمہ داریاں نبھانے کی اہل ہوئیں۔

اسی طرح آپ نے نصاب تعلیم میں جدیہ کاری اور انفرادیت پیدا کرتے ہوئے مدارس کے عربی نصاب کو عصری نصاب کے ساتھ ہم آہنگ کردیا۔ ''لیس للانسان الاماسعیٰ'' کا درس دیا نتیجتاً آج وہی طالبات جو کبھی صرف علم دین کی تعلیمات لیکر دنیا سے بالکل ناآشنا رہتی تھیں اور احساس کمتری میں مبتلا رہتی تھیں۔ علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ سے بھی واقفیت رکھنے کی بناء پر کسی بھی ماحول اور سوسائٹی میں اجنبی نہیں رہتیں۔ اور بڑی ہی خود اعتمادی کے ساتھ اسلام کی سچی ترجمانی کررہی ہیں۔

مولانا کہ طبیعت کا خاصہ تھا کہ آپ ہر حال میں خوش رہتے تھے اور کبھی بھی لوگوں کے طعن وتشنیع اور مخالفتوں نے آپ کو رنجیدہ نہیں کیا۔ اور آپ کی پیشانی پر شکن نہ آئی۔ آپ کبھی اپنے نیک مقاصد سے باز نہیں آئے خوب سے خوب ترکی جستجو اور فزوں سے فزوں ترکی تلاش میں مولانا کا ہر قدم آگے ہی بڑھتا جاتا تھا۔ ممبئی جیسے پرشور اور تلاطم خیز شہر میں مولانا اپنے علمی کارناموں فلاحی اور رفاہی پروگراموں اور نئے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں ہمہ وقت رواں دواں رہتے تھے۔ آپ کی جہد مسلسل کا یہ عالم تھا کہ آپ فجر کے وقت سے مصروف ہوتے تو دن بھر کبھی آرام نہیں کرتے تھے حتی کہ دوپہر میں قیلولہ کے نام پر بھی محض دس پندرہ منٹ لیٹتے تھے سفر ہو یا حضر یہی آپ کا معمول رہتا تھا۔

سفر کی صعوبتوں سے کون واقف نہیں ہوگا مگر کبھی سفر کی مشکلات نے آپ کو تھکایا نہیں سفر کے بعد آپ آرام کرنے کے عادی نہیں تھے بلکہ اپنی منزل پر پہنچتے ہی فی الفور اپنے علمی ودینی کارناموں میں مصروف ہوجاتے۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد صاحب اعظمی کے مولانا سے بہت قریبی دیرینہ تعلقات تھے جس کی وجہ سے میں بچپن ہی سے آپ کی شخصیت سے واقف تھی مولانا کسی امیر وکبیر گھرانے کے رئیس زادہ نہیں تھے کہ سارے لوازمات اور وسائل وذرائع مہیا ہونے کی وجہ سے انہوں نے اتنے بڑے امور کو انجام دیا ہو۔ بلکہ مئو کے ایک غریب یا متوسط مگر دیندار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ماضی میں جس قدر انہوں نے محنت کی اس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا پوری پوری رات موم بتی اور لالٹین کی روشنی میں ہینڈ لوم سے ساڑیاں تیار کرتے تھے۔ مگر ''رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد'' آپ نے اپنے ذوق کے مطابق علم وفن کا میدان اختیار کیا اور اللہ نے آپ کو وہ مقام عطا کیا جو کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ﴿ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء﴾

حضرت مولانا رحمہ اللہ وہ مشفق رہنما تھے جو قدم قدم پر ہر ایک لئے سہارا بنتے تھے ادنیٰ ہو یا اعلیٰ ہر ایک کی بات بڑے غور سے سنتے اور حتی الامکان ان کو تسلی بخش جواب دیتے کلیہ فاطمۃ الزہراء میں جب بھی انھوں نے قدم رکھا اپنی کرم فرمائیوں سے ہر ایک کو نوازا فرداً فرداً ہر ایک معلمہ کے مسائل کو سنتے اور فوراً جتنے مسائل حل

کرنے کے لائق ہوتے حل کرتے۔

حضرت مولانا کی جدائی یقیناً شاق ہے لیکن انہوں نے جو تابناک زندگی بسر کی ہے اور عالم اسلام کو جس طرح اپنے فیضان علم وفضل سے بہرہ ور کیا ہے اس پر نظر جاتی ہے تو یہی آیت زبان پر آتی ہے۔ ﴿لا خوف علیهم ولا هم یحزنون﴾

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی دینی وعلمی اور دعوتی وتبلیغی مساعی جمیلہ اور ان کی مایہ ناز تصنیفات اور مدارس ومعاہد اور مساجد کی طویل خدمات کو ان کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے ان کی نیکیوں اور خوبیوں کو قبول فرمائے، ان کی لغزشوں کو در گزر فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، علم وتحقیق، تحریر کی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے اسے پر فرمائے اور امت مسلمہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، اور ان کے خلف الرشید شیخ ارشد مختار حفظہ اللہ کو حضرت مولانا رحمہ اللہ کے قائم کردہ علمی قلعوں کی حفاظت اور انہیں مزید ترقی دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

یہ حق کبھی بھولا یا نہیں جائے گا

میرے والد کو وفات پائے کافی عرصہ ہوا لیکن ان کی یاد اس طرح تازہ اور ان کی شخصیت اس طرح آنکھوں میں سمائی ہوئی ہے کہ گویا زندگی انہیں کی سرپرستی اور سایۂ عاطفت میں گذر رہی ہے، کوئی چیز پرانی اور بھولی بسری یاد نہیں بنی ہے، زندگی کے ہر موڑ پر وہ دکھائی دیتے ہیں، مطمئن اور مسرور اور ہم سب سے خوش اور ہماری ہر چیز میں دخیل وشریک نظر آتے ہیں، خصوصا مجھے ان کی شفقت اور دلی چاہت کا ایسا احساس ہو رہا ہے کہ گویا وہ زندہ اور میرے دینی، علمی، تبلیغی اور تعلیمی مشاغل میں میری انگلی پکڑے ہوئے ہیں ان کی زندگی کا بڑا ارمان تھا کہ ان کے گھر میں توحید وسنت کا چرچا ہو، اہل علم کی آمد ورفت ہو، کتابیں، مدارس، دینی پروگرام اور تبلیغ ودعوت کے ہنگامے ہر وقت برپا ہوں۔

ان کی آنکھوں کے سامنے ہماری جماعتی زندگی کا عروج ہو چکا تھا، پورے ملک کے علماء اہلحدیث سے ہمارا جماعتی رشتہ قائم ہو چکا تھا، الحمد للہ الدار السلفیہ کا کام انکے رہتے ہوئے پوری دنیا میں پھیل چکا تھا، اور وہ بفضل الٰہی اپنی دعاؤں اور تربیت خاص کی برکت سے ہماری آسودہ زندگی کی خوش کن بہاریں دیکھ چکے تھے، وہ ہم سے بیحد خوش اور پوری طرح مطمئن تھے، ہم سب بھائی بہن ان کے قدموں میں تھے اور وہ اپنی چادر شفقت میں ہم سب کو ڈھانپے ہوئے تھے، جب وہ دنیا سے تشریف لے گئے تو ایسا محسوس ہوا کہ زندگی کے تمام کام انکی عادات کے تابع اور ان کی تعلیمات کی روشنی میں چل رہے ہیں اگرچہ آج وہ دنیا میں نہیں لیکن ان کی یاد اور تربیت وتعلیم کی تمام باتیں ہماری رہنما ہیں اور انکی پر جلال اور صاحب جمال پیاری صورت ہمارے قلب ودماغ میں رچی بسی ہے۔ تغمده الله برحمته واظله فی ظله آمین.

(مولانا مختار احمد ندویؒ، بحوالہ: البلاغ: اپریل: ۱۹۹۷)

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

ہواؤں میں بھی وہ اپنا دیا جلاتا رہا

عبدالرزاق عبدالغفار سلفی – دبئی

مولانا مختار احمد ندویؒ کی زندگی کے کئی پہلو تھے دانشورانہ، مدبرانہ، ادیبانہ، صحافیانہ، قائدانہ، داعیانہ، خطیبانہ، مربیانہ، معمارانہ، مجاہدانہ، تاجرانہ، وغیرہ۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

البتہ مولانا کی شہرت ان کی خطابت، قیادت، تجارت، اور تعلیم وتربیت کے نقطۂ نظر سے زیادہ رہی ہے، میں کوشش کروں گا کہ انہیں پہلوؤں پر قدرے روشنی ڈال دی جائے۔

خطابت:

سب سے پہلے مولانا کی شہرت ان کی ہفتہ وار خطابت سے ہوئی یعنی خطبہ جمعہ سے ان کی شہرت میں چار چاند لگ گئے، میں نے مولانا کا خطبۂ جمعہ براہ راست سنا ہے اور کئی جلسوں میں ان کی خطابت کے جلوے بھی دیکھے ہیں، مگر یہ یاد نہیں کہ کب اور کہاں ان کی خطابت سے پہلی بار کان آشنا ہوئے البتہ یہ بات اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ مولانا کے اندر خطابت کے تمام اوصاف پائے جاتے تھے، ان کی خطابت میں جان تھی، زبان میں طلاقت تھی، بیان میں ندرت تھی، الفاظ کے زیر وبم میں گداز اور حلاوت تھی، مولانا کی ہر تقریر پرتاثیر اور دل پذیر ہوتی تھی، بھاری بھرکم آواز کی وجہ سے دلوں پر چھا جاتے تھے، آواز میں رقت بھی تھی کہ سامعین آبدیدہ ہو جاتے تھے تقریر کا انداز بہت دلکش اور جاذب ہوتا تھا، ہر بات دل میں نشتر کی طرح اتر جاتی تھی گویا۔

جو دل میں ڈوب نہ جائے وہ گفتگو کیا ہے
جو چھا نہ جائے وہ پیغام آرزو کیا ہے

وہ محفل پر ایسے چھا جاتے تھے جیسے آسمان پر برسنے کے لئے بادل چھا جاتے ہیں گویا کہ میر کی زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں

میر دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی
اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اسکی
مینہ تو بوچھار کا دیکھا ہے برستے تم نے
اسی انداز سے تھی اشک فشانی اس کی

خطابت میں اثر پذیری کے لئے ضروری ہے کہ خطیب اعلی سیرت اور عمدہ کردار کا مالک ہو، خطیب کو جو چیز دوسروں سے ممتاز کرتی ہے وہ اسکی سیرت ہی ہے، اگر ایک خطیب یا مقرر داغدار سیرت رکھتا ہے اور اخلاق سے معری ہے تو کامیاب مقرر نہیں ہو سکتا اور نہ اسکی طلاقت لسانی عوام میں وہ اثر پیدا کر سکتی ہے جو خطابت کے فن کی طلب یا تاثیر ہے، خطابت کی اصل بنیاد خطیب کی سیرت ہے اگر ایک خطیب کے دامن پر کوئی دھبہ ہے یا وہ اخلاق کی ابدی قدروں میں سے کسی ایک قدر سے محروم ہے تو وہ عزت

مند نہیں ہوسکتا، اور ایک خطیب کے لئے عزت مندی ہی قبول عامہ کی اساس ہے اس اعتبار سے خطابت خاردار وادی ہے جس سے صحت مند قدم ہی گزر سکتے ہیں، خطیب کی سیرت اسکی دولت اور اسکا کریکٹر اسکا خزانہ ہے جو خطباء اور مقررین اس سے محروم ہیں وہ دماغوں اور دلوں پر کوئی نقش نہیں جما سکتے، ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ اس خوش آواز گداگر کی ہوتی ہے جو مکانوں کی چوکھٹ پر صدا دیتا اور ناکام لوٹتا ہے یا پھر اس ڈھولک کی تھاپ ہے جو بالا خانوں پر بجتی ہے اور رات کی چمک دمک گزرنے کے بعد تماشائی کیلئے منتشر و مضمحل صبح لے کر طلوع ہوتی ہے، خطابت بدن ہے تو سیرت اس کی روح ہے، خوبصورت روح ہی تندرست بدن قائم رکھتی ہے"۔

مولانا مختار احمد ندویؒ خطابت کی اس خاردار وادی سے بہت صحت منداور خوبصورت انداز میں گزر گئے۔ مولانا کی تقریر بڑی رقت انگیز ہوتی تھی مولانا اپنی تقریر یا خطبہ میں خود بھی روتے تھے اور اوروں کو بھی رلاتے تھے، خطابت اور تقریر میں یہ تاثیر سیرت کے باب سے ہی آسکتی ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

مولانا کی تقریروں سے بہت سے لوگوں کی کایا پلٹ ہوگئی، بہت سارے دلوں کے زنگ دھل گئے، بہتوں کی زندگیوں میں انقلاب آگیا، اور کتنے ایسے ہیں جو اپنا بھولا ہوا سبق یاد کر بیٹھے، کتنوں نے شرک وبدعت سے توبہ کرلی اور پکے موحد بن گئے اور ان کے دلوں میں دینی بیداری کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا کی خطابت کا سفر کلکتہ سے شروع ہو کر عروس البلاد ممبئی پر ختم ہوا اور اس طویل سفر میں نہ ان کو کبھی تھکان آئی، نہ اکتائے، نہ گھبراہٹ محسوس کی، برابر اپنا سفر جاری رکھا اور سوئے ہوؤں کو جگاتے رہے اور کہتے رہے۔

بلا رہی ہیں منزلیں تمہارا انتظار ہے
قدم بڑھاؤ ساتھیو یہ وقت کی پکار ہے

قیادت : قیادت کی تعریف ایک شاعر نے اپنے شاعرانہ انداز میں یوں کی ہے اور بالکل سچ کی ہے۔

اتنا آساں نہیں قوموں کی قیادت کرنا
پہلے تلوار پہ چلنے کی ریاضت کرنا

شاعر کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قیادت ایک پر خطر اور بہت ہی حساس منصب اور میدان ہے ہر شخص کا بحسن وخوبی اس سے گزر جانا آسان نہیں، اس سے وہی لوگ عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جو تلواروں کی دھار پر چلنے کی عادت ڈال لیں۔ یعنی جس طرح تلوار کی دھار پر چلنا آسان کام نہیں ہے اسی طرح قوموں اور ملتوں کی قیادت کرنا بھی آسان کام نہیں ہے، اس کیلئے بڑی ریاضت اور بڑے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے بڑے ہی تحمل اور صبر کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ قیادت کیلئے بے داغ سیرت، نور بصیرت اور پختہ کردار کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلند نگاہی، پرسوز جاں اور شیریں کلامی قیادت کا لازمہ اور جزو لاینفک ہیں جس سے قوموں کو نئی زندگی اور نیا ولولہ ملتا ہے۔

نگہ بلند سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

ہمارے ممدوح مولانا مختار احمد ندویؒ میں قیادت کی تمام صفات پائی جاتی تھیں، بے پناہ تنظیمی صلاحیت، قوت ارادی، عزم محکم، کام کرنے کی دھن اور ولولہ، پیہم دواں، ہر دم رواں کا جذبۂ صادق، باد مخالف اور ناموافق حالات سے نپٹنے کا حوصلہ، اور زندگی میں کبھی شکست کھانے کا نام نہ لینا اور افتاد روزگار سے بے نیاز رہنا،

حریفانہ بے سواد سے بے پرواہ ہو کر ان سے نگاہیں چار کرنا، یہ وہ صفات تھیں، جن کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مولانا قیادت وسیادت کے اہل تھے، اور ہوا بھی ایسا ہی وہ زندگی بھر قوم وملت کی قیادت کرتے رہے، چاہے وہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی امارت کا عہدہ ہو یا جامعہ سلفیہ بنارس اور مسلم پرسنل لا بورڈ کی نیابت کا منصب ہو، مولانا ہر جگہ اور ہر مقام پر اپنی ایک خاص ادا کے ساتھ جلوہ افروز نظر آتے ہیں، مولانا کی پوری زندگی ایک تحریک تھی، ہر دائرہ کار میں مولانا متحرک نظر آتے ہیں، ایک عالم دین کی حیثیت سے میدان دعوت وتبلیغ میں، ایک اعلی منتظم کی حیثیت سے مدارس وجامعات اور معاہد کی تنظیم وتنسیق میں، ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے میدان تعلیم وتربیت میں، ایک خطیب کی حیثیت سے میدان خطابت میں اور ایک تاجر کی حیثیت سے میدان تجارت میں اپنی انفرادیت قائم کئے ہوئے تھے، یہ تمام چیزیں مولانا کے اندر موجود قائدانہ اوصاف مثلاً بصیرت، قوت فیصلہ اور حکمت عملی کو اجاگر کرتی ہیں، بلاشک مولانا میں جرأت، جسارت، استقامت اور بے باکی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، حق بات کہنے میں ذرا بھی تامل نہ فرماتے تھے، مسلکی حمیت اور اسلاف سے محبت، بے پناہ رکھتے تھے اور اس کا ثبوت زندگی بھر دیتے رہے، اور اسٹیج پر اس کا اظہار بھی کرتے رہے۔ میرے سامنے خود ایک مثال ہے، غالباً ۱۹۹۶ء کی بات ہے، میں دہلی سے وطن مالوف شنکر نگر براہ دہلی جارہا تھا دہلی میں ایک دن کا قیام تھا مولانا ممبئی سے دہلی مسلم پرسنل لا بورڈ کے کسی اجتماع میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے اور مرکزی جمعیت کے دفتر میں بیٹھے تھے، میں بھی اتفاق سے بیٹھا ہوا تھا، مولانا کسی سے فون پر بات چیت کر رہے تھے، دوران گفتگو فرمانے لگے، کہ اس بار (مولانا) اسعد مدنیؒ کو نہیں چھوڑوں گا بھری محفل میں کھری کھری سناؤں گا اور کہوں گا کہ آپ ہر جگہ جماعت اہلحدیث کے متعلق کیوں غلط بیانی اور زہر افشانی سے کام لیتے ہیں؟ آخر جماعت اہلحدیث کو بدنام کرکے آپ کون سا نیک کام کرتے ہیں اور کس اتفاق واتحاد کی دعوت دیتے ہیں؟ گویا کہ مولانا ندویؒ راحت اندوری کی زبان میں مولانا اسعد مدنی سے کہہ رہے تھے۔

ہمیں چراغ سمجھ کر بجھا نہ پاؤ گے
ہم اپنے گھر میں کئی آفتاب رکھتے ہیں

سچ پوچھئے تو مولانا جماعت اہلحدیث کی آبرو، اس کی آنکھ اور اس کا دل ودماغ تھے، تمام عمر کتاب وسنت کی بالادستی کے لئے جانفشانی کرتے رہے، اپنوں کا دکھ بانٹتے رہے، اور غیروں کا دیا ہوا غم سہتے رہے، لیکن بہت کم ایسا ہوا کہ زبان پر حرف شکایت لائے ہوں، جب کہ جمعیت سے ان کی وابستگی کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہے، اور تقریباً پچاس سال کے طویل عرصے پر محیط ہے، اس پچاس سال کے دوران کس قدر اونچ نیچ دیکھا ہوگا اور نشیب وفراز سے گزرے ہوں گے مگر جمعیت سے بے گانگی کا اظہار کبھی نہیں فرمایا، بلکہ جمعیت اور جماعت کی حدی خوانی کرتے رہے، جب کہ بہتوں کو دیکھا گیا ہے کہ جمعیت سے جوں ہی جدا ہوئے اپنی ایک نئی دنیا بسالی اور جمعیت وجماعت پر برسنے لگے، جمعیت کو ایک ناکارہ ادارہ قرار دینے لگے، جبکہ جمعیت کے راستے سے ہی ان کو شہرت، دولت اور عزت ملی مگر ہمارے ممدوح نے کبھی بھی جمعیت سے بیزاری کا اظہار نہیں فرمایا اور نہ ہی جمعیت پر بے جا تنقید کی، بلکہ جمعیت کو سنبھالا، جمعیت کو سر چھپانے کے لئے کوئی چھت نہ تھی، مولانا نے دہلی کے دل میں یعنی جامع مسجد کے علاقہ میں ایک وسیع بلڈنگ خرید کردی، جس کی بنا پر جمعیت کو اپنی منزل کے حصول کے سفر میں بڑی آسانی ہوئی، مولانا کی زندگی کا یہ اتنا بڑا

کارنامہ ہے کہ جمعیت اہل حدیث اور اس کے افراد اس کو قیامت تک نہیں بھلا سکتے، جمعیت جس قدر در بدر کی ٹھوکر کھا رہی تھی اور ایک حجرہ میں بند تھی، مولانا نے اس کو اس حجرے سے نکالا، ایک وسیع زمین اور کھلا ہوا آسمان دیدیا تا کہ وہ اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہے، مولانا بجا طور پر کہہ سکتے تھے۔

میں نے تجھے آسماں کر دیا

اور غیروں سے مخاطب ہو کر یوں کہہ سکتے تھے۔

اک دیا ہم نے کر دیا روشن
آندھیو اب تمہاری باری ہے

قیادت کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ قائد کی نظر عقابی ہو، وہ دوسروں کے جوہر کی پہچان رکھتا ہو اور اس کو صیقل کر کے چمکانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو، یہ صفت بھی مولانا میں بدرجہ اتم موجود تھی، مولانا دوسروں کو آگے بڑھا کر خوش ہوتے تھے، دوسروں میں اگر کوئی اچھی صفت یا صلاحیت دیکھتے تھے تو اس کی تحسین اور تشجیع کرتے اور اس کا حوصلہ بڑھاتے تھے، میں خود اس کی ایک مثال ہوں ۱۹۹۵ء میں جب پہلی بار میری قلمی کاوش بشکل "اقوام متحدہ ایک بین الاقوامی یہودی سازش" منظر عام پر آئی اور میں نے مولانا کو روانہ کی تو پڑھنے کے بعد مولانا رحمہ اللہ نے براہ راست مجھے خط لکھا۔ مجھے حوصلہ دیا، میری ہمت بڑھائی، مفید مشورے سے نوازا اور کتاب و کتابت کی بے حد تعریف کی۔ خط کا مضمون کچھ اس طرح ہے:

برادر محترم مولانا عبد الرزاق سلفی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ معلوم ہو کہ آج کی ڈاک سے آپ کی نہایت اہم قابل قدر تالیف "اقوام متحدہ ایک بین الاقوامی یہودی سازش" موصول ہوئی پوری کتاب پڑھ لی۔ میں آپ کو اس اہم مفید اور ضروری موضوع پر نہایت تحقیق کے ساتھ اتنی عمدہ کتاب چھاپنے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں، اللہ تعالی آپ کو مزید توفیق عطا کرے کہ اس جیسے اہم اچھوتے موضوعات پر مسلسل لکھتے رہیں، اگر فرصت ملے تو قادیانیوں اور یہودیوں اور ہندوستان کی فرقہ پرست پارٹیوں کے درمیان خفیہ تال میل پر بھی تحقیق کر ڈالیں۔

مضمون کے ساتھ مجھے کتاب کا اخراج بہت پسند آیا، ہم لوگ طباعت کے کام میں مصروف ہیں آپ کی کتاب عروس جمیل ولباس حریر کی مصداق ہے، میں آپ کی نفاست طبع اور سلاست ذوق کی داد دیتا ہوں۔ البتہ تعجب ہے کہ کتاب صرف پانچ سو عدد چھپی تعجب اور حیرت ہے۔

والسلام
مختار احمد ندوی
یکم ستمبر ۱۹۹۵ء

۲۲-۲۳/اکتوبر ۱۹۹۵ء میں "مرکز جمعہ الماجد للثقافہ والتراث" دبئی کے تحت دو روزہ سیمینار کا انعقاد ہوا اور مولانا اس میں بحیثیت مقالہ نگار تشریف لائے، جب اعلان دیکھا تو شوق دامن گیر ہوا کہ مولانا سے ملاقات کروں اور کتاب کے تعلق سے خط لکھنے کا شکریہ ادا کروں پہلے تو میں سیمینار میں حاضر ہوا مولانا کے مقالے کا عنوان تھا" تاریخ الطباعة العربية في شبه القارة الهندية" مولانا نے اپنا پر مغز مقالہ پیش کیا جس کو تمام لوگوں نے بے حد پسند کیا، مقالہ پڑھنے کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو مولانا نے نہایت اطمینان کے ساتھ تمام سوالوں کا جواب دیا اگر چہ عربی ماحول میں نہ رہنے کی وجہ سے زبان مکمل ہموائی نہیں کر رہی تھی، مگر اپنا مدعا بہر حال بحسن وخوبی ادا کر لے گئے اور پوری جرأت اور اطمینان و اعتماد کے ساتھ ہر سوال کا جواب دیتے رہے، مولانا کی یہ خود اعتمادی ہی تھی جس کی بنا

پر وہ بڑے سے بڑا کام سرانجام دے کر اللہ کو پیارے ہو گئے، ان میں خود اعتمادی بلا کی تھی شکست کھانا وہ جانتے ہی نہ تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان کو ہر میدان میں کامیابی ملی، ایک ایسا سیمینار جو خالص عربی زبان میں تھا اور جس میں پوری دنیا کے عربی دانشور اور عربی اسکالروں نے شرکت کی تھی اس میں مولانا کا بحیثیت مقالہ نگار، ایک عجمی اسکالر کے شریک رہنا اور پر مغز مقالہ پیش کرنا، پھر سوال وجواب کا سامنا کرنا ان کی خود اعتمادی کی بین دلیل ہے۔

سیمینار کے اختتام کے بعد میں مولانا کی قیام گاہ پر آیا اور علیک سلیک کے بعد تعارف ہوا، مولانا بیحد خوش ہوئے، دعائیں دی، کتاب کی تعریف کرتے رہے اور شوق دلایا کہ مطالعہ جاری رکھنا اور ایسے موضوعات پر مسلسل لکھتے رہنا، غالباً مولانا کی تشجیع اور تشویق کا ہی نتیجہ ہے کہ میری دوسری کتاب ’’گلوبلائزیشن اور عالم اسلام‘‘ منظر عام پر آسکی ہے، اسی سیمینار کے موقع پر مجھے مولانا کی خاکساری بھی دیکھنے میں آئی، نماز مغرب سے کچھ پہلے میں مسجد کے لئے روانہ ہوا، دیکھا تو مولانا مسجد کے گیٹ پر موجود ہیں کچھ حضرات جو مسجد میں داخل ہو چکے تھے، اپنے جوتوں کو مسجد کے دروازے پر بے سلیقہ اور بے ترتیب چھوڑ گئے تھے، جس سے مصلین کو مسجد کے اندر جانے میں تکلیف ہوسکتی تھی، میں نے دیکھا کہ مولانا نے اپنے ہاتھوں سے ان جوتوں کو درست کیا، تا کہ مسجد کے اندر جانے والوں کے لئے راستہ صاف ہو جائے، یہ تھی مولانا کی خاکساری کہ دوسروں کے جوتوں کو اپنے ہاتھوں سے درست فرما رہے تھے، خاکساری بھی قیادت کی اعلی صفات میں داخل ہے، میری ان باتوں سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ میں مولانا کو خطاؤں سے مبرا سمجھتا ہوں، مولانا انسان تھے اور انسان سے بے شمار غلطیاں ہوتی ہیں لیکن اگر کسی انسان کی حسنات اس کی سیئات سے زیادہ ہوں تو ہم سب کی نظر اس کی حسنات پر ہونی چاہئے، نہ کہ سیئات پر اور قرآن کا بھی یہی اصول ہے کہ "ان الحسنات یذھبن السیئات" میں نے مولانا کی شخصیت کو اسی قرآنی آئینہ میں دیکھا ہے۔

البتہ بعض حضرات ایسے ہیں جنہوں نے مولانا پر اعتراضات کی بوچھاڑ کی ہے اور اسلوب بھی ناصحانہ نہیں بلکہ جارحانہ ہے جو سراسر اسلوب قرآن کے خلاف ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کو تواضع اور خاکساری چھو کر نہیں گئی ہے، البتہ کچھ خوش فہمیاں، تعلیاں، بدگمانیاں اور لن ترانیاں ضرور ہیں جن کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے، منہج سلف سے محبت، لگاؤ اور اس پر عمل پیرا ہونے کے بلند بانگ دعوے ضرور کئے جاتے ہیں مگر وقت آنے پر ساری باتیں ریت کا ڈھیر ثابت ہوتی ہیں، یہ ایک الگ موضوع ہے جس کی تفصیل میں، میں جانا نہیں چاہتا ہوں، ورنہ بات دلخراش بھی ہوگی اور طویل بھی، ان حضرات کے متعلق بس اتنا کہہ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ۔

اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

تجارت:

اسلام میں تجارت کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے قرآن اور احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں معیشت کی بڑی اہمیت ہے ﴿ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار﴾ اور اللہ کے رسول کا قول ہے "الدنیا حلوة خضراء فمن اخذھا بحقه بورک له فیھا" دنیا میٹھی اور سرسبز ہے پس جس نے جائز طریقے سے اس دنیا کو حاصل کیا اس کے لئے اس دنیا میں برکت ہے۔

ان کے علاوہ بے شمار آیات واحادیث میں حصول معیشت پر زور دیا گیا ہے حصول معیشت کے کئی وسائل ہیں، ان میں سے ایک اہم وسیلہ تجارت ہے ، انبیاء کرام ،صحابہ عظام اور محدثین کی زندگیوں کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دین کی خدمت کے ساتھ ساتھ تجارت کو بھی بڑی اہمیت دی تھی، اور فی الحقیقت تجارت انسانی زندگی کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے ممدوح مولانا مختار احمد ندویؒ نے دین کی خدمت کے ساتھ ساتھ اپنی روزی روٹی کے لئے تجارت کو اپنایا تھا، چنانچہ جب آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کلکتہ سے کیا تو ایک تجارتی مکتبہ ''مکتبہ التوحید'' کے نام سے قائم کیا مگر جب گردش لیل ونہار نے کلکتہ چھوڑنے پر مجبور کردیا، تو آپ نے عروس البلاد ممبئی کا رُخ کیا اور وہاں امامت وخطابت کے ساتھ ساتھ ''الدار السلفیہ'' کے نام سے ایک دوسرا تجارتی ادارہ قائم کیا، پریس لگایا اور کتابوں کی نشر واشاعت عالمی پیمانے پر کرنے لگے، سینکڑوں کتابیں اس ادارہ سے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں، مولانا نے کتابوں کی تجارت اتنے بڑے پیمانے پر کی کہ غالباً ۱۹۸۶ء کی بات ہے کہ ہندوستان سے باہر کتابوں کو ایکسپورٹ کرنے والوں میں ان کا نام پہلے نمبر پر تھا ''الدار السلفیہ'' ممبئی کے نام سے انہوں نے کتابوں کی نشر واشاعت کے لئے جو ادارہ کھولا تھا اس کو خوب خوب وسعت دی اور ہمہ گیر پیمانے پر کتابوں کی نشر واشاعت کی اور بے پناہ دولت کمائی، اپنے ہمہ گیر تعلقات کی بنیاد پر ہندوستانی مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچایا، غریبوں، یتیموں، مسکینوں، اور مختلف دینی اداروں کو خوب خوب نوازا اور مساجد کا تو پورے ہندوستان میں ایک جال بچھا دیا، مساجد کی تعمیر تو اس قدر کروائی کہ کسی بادشاہ نے اتنے بڑے پیمانے پر مساجد کی تعمیر نہیں کروائی، اس کے لئے باقاعدہ ایک ادارہ کو وجود بخشا اور اس کا نام ''اصلاح المساجد'' رکھا پھر اسی ادارہ کا ایک ذیلی ادارہ ''مرکز تعلیم الاسلام'' کے نام سے کھولا، جس کے ذریعہ مرد وخواتین کو دین کی بنیادی تعلیم سے روشناس کرانے کے لئے ، ہزاروں کی تعداد میں سینٹرز کھولے جنہوں نے سماج کی اصلاح اور سدھار میں کلیدی رول ادا کیا، مولانا کو حق تھا کہ بجا طور پر کہہ سکتے تھے:۔

ذروں کو آفتاب بناتا رہا ہوں میں
اندھوں میں شمع فکر جلاتا رہاہوں میں
لکھتا رہا ہوں مہر و وفا کی حکایتیں
افسانۂ حیات سناتا رہا ہو ں میں
کہتا رہا ہوں گردش دوراں کی داستاں
نقد فراق وہجر لٹاتا رہا ہوں میں
ان دوستوں سے کوئی توقع نہ تھی نہ ہے
جن دوستوں کا درد بٹاتا رہا ہوں میں

تعلیم وتربیت :

ہمارے ممدوح مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ جہد وعمل اور ایثار وقربانی کا عنوان تھے، صداقتوں کے امین اور وکیل تھے، جمعیت وجماعت کے پاسبان اور قوم وملت کے نگہبان تھے، قوم کے سچے خادم اور ملت کے سچے بہی خواہ سیوک تھے، کٹھن اور دشوار کن کام کو اپنے سر لے رکھا تھا قوم وملت کے معصوم، ننھے ونازک پودوں کو تناور اور ثمر آور درخت بنانے میں اپنے خون جگر سے ان کی آبیاری کرتے رہے نئی نسل کی تعلیم وتربیت اور پرورش وپرداخت میں اپنا خون جگر جلا رہے تھے، شب وروز کی انتھک اور تھکا دینے والی محنت شاقہ سے ملت کے نونہالوں کے لئے ایسا سامان زندگی مہیا

کر گئے کہ اب اس چراغ سے سینکڑوں چراغ جلتے رہیں گے اور ان شاء اللہ تاریکیاں کافور ہوتی رہیں گی ۔مولانا جب تک حیات تھے اسی کے لئے جئے اور اسی کی راہ میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

جان دی ،دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مولانا کا دماغ ایک اسکیم ساز دماغ تھا،وہ جب بھی کوئی پلان اور اسکیم تیار کرتے تھے تو اس کے خاکوں میں رنگ بھرنے کا عزم بالجزم کرلیتے تھے اور پھر اس کام کو انجام تک پہنچا کر ہی دم لیتے تھے، ان کی دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے یہ کام ان کے مستقل سوانح نگاروں کا ہے کہ اس کا بھرپور جائزہ لیں، میں سرسری طور پر یہ عرض کردینا کافی سمجھتا ہوں کہ ان کے لازوال کارناموں میں ''الدار السلفیہ'' کا قیام،ماہنامہ ''مجلۃ البلاغ'' کا اجراء، جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی اور اس کے ذیلی اداروں جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں ، کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں، محمدیہ طبیہ کالج مالیگاؤں، بدر السائر ہاسپٹل منصورہ مالیگاؤں، کلیہ فاطمۃ الزھراء للبنات مئو ناتھ بھنجن ،جامعہ محمدیہ منصورہ بنگلور، کلیہ عائشہ منصورہ بنگلور، مدرسہ محمدیہ رائے گڑھ کوکن مہاراشٹر اور ان کے علاوہ ادارہ اصلاح المساجد اور ادارۃ المساجد والمدارس کا قیام شامل ہے۔

کیا یہ تمام ادارے مولانا رحمہ اللہ کے ماہر تعلیم ہونے کا زندہ ثبوت نہیں ہیں؟ ان تعلیمی اداروں کی دیکھ ریکھ کرنا، ان کے تعلیمی پروگراموں کو ترتیب دینا، ان کے لئے وسائل کا مہیا کرنا اور تمام تر نظم ونسق کو برقرار رکھنا، ایک ماہر تعلیم ہی کا کام تھا۔

خواجہ غلام السیدین ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے عالمگیر شہرت کے مالک تھے انہوں نے اپنے ایک مقالہ میں ماہر تعلیم پر گفتگو کرتے ہوئے یوں لکھا ہے۔

''ماہر تعلیم کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے، ایک تو وہ لوگ جو تعلیم کے اصولوں اور نظریوں کا باقاعدہ مطالعہ کرتے ہیں اور اسکولوں اور کالجوں میں ان کا عملی تجربہ کرتے ہیں ان کو تعلیم کا فنی ماہر سمجھا جاتا ہے دوسرے وہ لوگ جن کو قدرت نے خلاق فکر دیا ہو جو فلسفہ، مذہب، سیاست میں گہری نظر رکھتے اور جانتے ہیں کہ دنیا میں انسان کا کیا مقام ہے یہ لوگ زندگی کی نئی قدروں اور نئی سمتوں سے روشناس کرتے ہیں ان کے ذہن میں زندگی کی ایک حسین اور واضح تصویر ہوتی ہے ماضی کی بنیادوں پر قائم حال کے تقاضوں سے آشنا اور مستقبل کی طرف نگراں، جس میں ان کا تخیل دلکش رنگ بھرتا ہے''۔

خواجہ غلام السیدین کی جب میں نے یہ عبارت پڑھی تو مجھے مولانا مختار احمد ندویؒ یاد آنے لگے اور ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے یاد آنے لگے کہ انہوں نے زندگی کی نئی قدروں اور نئی سمتوں کی نشاندہی کی ، زندگی کو ایک حسین تصور دیا ، ماضی کی بنیادوں پر قائم حال کے تقاضوں سے روشناس کرایا اور تعلیمی میدان کے خاکوں میں اپنے دلکش تخیل کا رنگ بھرا ، تعلیم کے چراغ جلائے ، جس سے اوروں نے بھی اپنا اپنا چراغ روشن کیا، ان کے نقش پا کی پیروی کی اور ان کے بلند پرواز تخیل خرمن کی خوشہ چینی کی گویا

جو طرز فغاں ہم نے کی ہے قفس میں ایجاد
فیض! گلشن میں وہی طرز بیاں ٹھہری ہے

مولانا اپنے قول وعمل اور جہد مسلسل سے نوجوانوں کو یہ سبق دے رہے تھے:

جوانو! یہ صدائیں آرہی ہیں آبشاروں سے
چٹانیں چور ہو جائیں، جو ہو عزم سفر پیدا
وہ شبنم کا سکوں ہو، یا کہ پروانے کی بیتابی
اگر اڑنے کی دھن ہوگی تو ہوں گے بال وپر پیدا

وہ ایک سیمابی پیکر اور متحرک انسان تھے، ان کے فکر وعمل کا میدان بہت وسیع تھا وہ مکمل عزم محکم تھے، پلاننگ کرنے میں ان کا ذہن یکتا تھا، ان کو کام کرنے کا جنون تھا بڑھاپے میں بھی وہ اتنا کام کرتے تھے کہ لوگ جوانی میں کرنے سے عاجز ہیں اور مولانا نے جو بھی کام کیا اس میں نظم ونسق برقرار رکھا، بھرپور سلیقہ مندی کا ثبوت دیا اور اسے اعتبار بخشا، ان کی زندگی ایک بامقصد زندگی تھی، انہوں نے اپنی تمام تر طاقتوں اور توانائیوں کو قوم وملت کی بقا اور ترقی کے لئے وقف کر دی تھی، ان کی زندگی کا مقصد دین کی سر بلندی اور سرفرازی تھا۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

مولانا ایک دور اندیش مفکر اور سماجی مصلح تھے، سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں کا بڑا گہرا شعور رکھتے تھے اور ایک ماہر تعلیم ہونے کی حیثیت سے ان برائیوں کو، علم کی روشنی عام کر کے ختم کرنا چاہتے تھے، اللہ ان کی دینی خدمات کو قبول فرمائے، ان کی مغفرت کرے اور اعلی علیین میں جگہ دے آمین۔

مولانا کی وفات کی خبر جب بذریعہ ٹیلیفون برادرم مولوی عبدالصمد سلفی نے دی، عین اس وقت میں مسجد کے دروازے پر تھا مغرب کی اذان ہو چکی تھی اقامت ہونے والی تھی کہ برادرم کی اس خبر نے مجھے تڑپا دیا اور میری حالت اس طرح ہوگئی جو فیض احمد فیض کے اس شعر میں پنہاں ہے۔

چمن میں غیرت گل چیں سے جانے کیا گزری
قفس سے آج صبا بے قرار گزری ہے

دوسرے دن دبئی سے مدینہ کے لئے میری فلائٹ تھی ورنہ دل چاہتا تھا کہ مولانا کے جنازے میں شرکت کروں یہ جدائی ایک شخص کی نہیں ایک ادارہ اور ایک تحریک کی جدائی تھی، اللہ جزائے خیر دے برادرم مولوی عبدالصمد سلفی کو جن کے اصرار اور حسن ظن کی بنا پر یہ چند سطور لکھ سکا ہوں ورنہ

کہاں ہم اور کہاں وہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

مجموعی اعتبار سے مولانا صائب فکر ونظر کے حامل اور خطابت وقیادت کی اعلی صفات سے متصف تھے یقین محکم، عمل پیہم اور محبت فاتح عالم کا نمونہ تھے، جماعت اہل حدیث کے خلاف اگر کسی نے زبان کھولنے کی جرأت کی تو اس کے لئے شمشیر بے نیام تھے، افتاد روزگار سے بے پروا ہو کر اپنا کام کرتے رہے اور حریفان بے سواد کو کبھی خاطر میں نہ لائے، غرض ہم ایک مشرقی شاعر کے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں:

فکر ونظر کے معرکوں میں باکمال تھا
اس کا ہر ایک وار قیامت کی چال تھا
اس کار گہہ جہد وعمل میں خدا گواہ
شمشیر بے نیام تھا تیغ ہلال تھا
افتاد روزگار سے ہر لحظہ بے نیاز
اس کی نظر میں ہیچ غم ماہ و سال تھا
اس کو مٹا سکے نہ حریفان بے سواد
اس کو جھکا سکے کوئی امر محال تھا

★★★

ہمہ جہت علمی، تعلیمی، دعوتی، صحافتی، اشاعتی اور رفاہی خدمات کے عظیم علمبردار

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

عبدالمنان سلفی - جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر، نیپال

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ اپنی جماعت کے موجود علماء کرام میں سب سے قد آور شخصیت کے مالک اور اپنی گونا گوں علمی، تعلیمی، دعوتی اور رفاہی خدمات کے سبب بین الاقوامی شہرت کے حامل تھے اور بلا تفریق مسلک ونظریہ تمام مسلمانوں کے مابین انہیں بڑا وقار واعتبار حاصل تھا۔

عملی زندگی کا آغاز:

مولانا نے اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد ۱۹۵۲ء میں محض ۲۲ر سال کی عمر میں جب عملی میدان میں قدم رکھا تو اپنے والد رحمہ اللہ کی خواہش کے مطابق آغاز نور علی لین، کولکاتہ کی معروف اہلحدیث مسجد کی امامت وخطابت سے کیا اور وہیں سے آہستہ آہستہ اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر اور اپنی دعوتی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرتے گئے، امامت وخطابت کے فرائض انجام دینے کے بعد جو وقت ملتا اسے مطالعہ اور مضمون نگاری میں صرف کرتے، نیز اپنے آپ کو علمی وتحقیقی کاموں میں مشغول رکھنے کے مقصد سے کلکتہ کے مشہور پریس "ستارۂ ہند" میں پروف ریڈنگ بھی کرنے لگے اور کلکتہ کے مقبول ترین اخبار "آزاد ہند" میں ہر جمعہ کو دید و شنید کے نام سے ایک مزاحیہ کالم لکھنے کا سلسلہ بھی شروع کیا اور اپنی ذاتی محنت ولگن سے کلکتہ میں "حاجی عبداللہ لائبریری" بھی قائم کی جس میں بہت سی قلمی اور نادر کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا، اس طرح مولانا اپنی دعوتی اور علمی سرگرمیوں نیز شگفتہ تقریر اور دلنواز تحریر سے کلکتہ کے علمی حلقہ میں بالخصوص اور پورے ملک کے جماعتی حلقہ میں بالعموم بہت جلد متعارف ہو گئے، کولکاتہ میں آپ کم وبیش دس برس رہے۔

الدار السلفیہ کا قیام:

تقریباً دس برس کے بعد ۱۹۶۲ء میں موصوف نے عروس البلاد ممبئی کے محلہ مومن پورہ میں واقع اہل حدیث مسجد کا منبر ومحراب سنبھالا، یہاں موصوف کو اپنی فطری صلاحیتوں کے اظہار اور اپنی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع کرنے کا زیادہ موقع ملا، چنانچہ ۱۹۷۰ء میں سب سے پہلے آپ نے ایک تحقیقی واشاعتی ادارہ "الدار السلفیہ" کی داغ بیل ڈالی جس کے زیر اہتمام ایک طرف قدیم ونایاب کتابوں کی تحقیق واشاعت کا سلسلہ شروع کیا تو دوسری جانب عرب کے ممتاز سلفی علماء کی کتابوں اور لٹریچر کے تراجم اور ان کی طباعت واشاعت کا آغاز کیا، مولانا کی شبانہ روز کی مخلصانہ محنت کے نتیجہ میں تھوڑے ہی دنوں میں اس ادارہ نے علم وتحقیق کے ساتھ معیاری کتابوں کی طباعت واشاعت کے لئے دین پسند اور اہل علم مسلمانوں میں اپنی خاص پہچان بنالی اور مولانا بھی عالم

اسلام کے علمی، ادبی اور دعوتی حلقوں میں اپنی خدمات کے سبب بخوبی متعارف ہوگئے۔

جامعہ محمدیہ اور دیگر تعلیمی اداروں کی تاسیس:

ہندوستان میں چلنے والے روایتی مدارس کے منہج اور نصاب تعلیم سے ہٹ کر حالات حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق ہندوستان کے تجارتی دارالحکومت ممبئی میں ایک ادارہ کے قیام کا خیال مولانا کے دل میں پیدا ہوا، حسن اتفاق انہیں دنوں آپ کو جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ کے زیر اہتمام منعقد ایک علمی سیمینار میں شرکت کا موقع ملا، وہاں شرکاء کانفرنس اور ماہرین تعلیم کے بیانات سننے کے بعد آپ نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا عزم بالجزم فرمایا اور کانفرنس سے واپسی کے بعد مالیگاؤں کے سیٹھ محمد خلیل رحمہ اللہ (والد گرامی جناب ڈاکٹر سعید احمد فیضی) کے تعاون سے مالیگاؤں ہی میں ایک وسیع قطعہ اراضی خرید کر 'منصورہ' کے نام سے ایک علمی شہر آباد کیا اور وہاں ''جامعہ محمدیہ'' کی تاسیس فرمائی، پھر وہیں بچیوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ''کلیہ عائشہ صدیقہ'' قائم کیا، بعد میں یہیں پر ''محمدیہ طبیہ کالج'' بھی کھولا اور اس کی نگرانی میں تمام جدید سہولتوں سے آراستہ عظیم الشان ''السائر ہسپتال'' بھی قائم کیا اور آہستہ آہستہ جامعہ محمدیہ کی متعدد شاخیں ملک کے دور دراز علاقوں میں قائم کیں، نیز اپنے آبائی وطن مئوناتھ بھنجن میں بچیوں کی معیاری تعلیم کے لئے ''کلیہ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ'' اور عوام کی خدمت کے جذبہ سے ''عالیہ ہسپتال'' قائم کیا، اس سلسلہ میں مولانا بہت خوش قسمت واقع ہوئے تھے بلکہ لگتا تھا کہ وہ مؤید من اللہ تھے انہوں نے جس کام کو شروع کیا اسے نہایت ہی خیر وخوبی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچایا، حقیقت ہے کہ:

این سعادت بزور باز و نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا نے اپنے ذریعہ قائم کئے گئے مدارس میں عصری علوم کو کافی اہمیت دی اور اس کی تعلیم کو اپنے نصاب کا لازمی جز قرار دیا، یہی وجہ ہے کہ منصورہ مالیگاؤں کے بچے اور بچیاں حکومت مہاراشٹر کے ذریعہ منعقدہ مقابلہ جاتی امتحانات میں ہمیشہ نمایاں کامیابی حاصل کرتے ہیں، مولانا نے مدارس کے فارغین کے لئے پیشہ ورانہ مستقل تعلیم کی بھی کوشش کی تھی جس کا تذکرہ مولانا نے ''البلاغ'' جولائی ۱۹۹۹ء کے اداریہ میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''محمدیہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ'' قائم کردیا گیا ہے اور اس پر آئی ٹی آئی کے مختلف ٹریڈرس کی سرکار سے منظوری لے لی گئی ہے جس میں سردست الیکٹریشین، ریفریجریشین، ایئر کنڈیشین، کمپیوٹر آپریٹنگ، پروگرامنگ اور ڈرافٹ مین سول وغیرہ ہیں، اس پیشہ ورانہ تعلیمی ادارے کے قیام کا مقصد مولانا کے پیش نظر صرف یہی تھا کہ مدارس کے فارغین خودداری اور عزت نفس کے ساتھ حلال روزی کمانے کے اہل بنیں اور دوسروں کا دست نگر بننے سے محفوظ رہیں۔

ادارہ اصلاح المساجد کا قیام:

مولانا نے مساجد کی تعمیر اور اصلاح ومرمت کے مقصد سے ممبئی میں ''ادارہ اصلاح المساجد'' بھی قائم کیا جس کے زیر اہتمام ملک کے طول وعرض میں میرے اپنے علم کے مطابق ۴۰۰ سے ۵۰۰ کے درمیان مضبوط، پائیدار اور خوبصورت مساجد تعمیر کروائیں، مولانا کی یہ وہ خدمت ہے جس پر گذشتہ شاہان ہند کو بھی شاید رشک آجائے اور یہی ایک خدمت جلیلہ ان شاء اللہ ان کی مغفرت کے لئے کافی ہوگی۔

منظم اشاعتی ودعوتی کاوش:

مولانا نے اپنے اشاعتی پروگرام کو وسعت دینے کے لئے کم و بیش بیس برس قبل ممبئی میں ''بھاوے پریس'' خریدا جو جدید طباعتی سہولتوں سے آراستہ اور مکمل کمپیوٹرائزڈ تھا، نیز ''الدار السلفیہ'' کے علاوہ ''دارالمعارف'' کے نام سے ایک اور اشاعتی ادارہ قائم فرمایا جس کے زیر اہتمام درجنوں کتابوں کو طباعت کے اعلیٰ معیار پر چھاپ کر یا تو مفت تقسیم کیا یا مناسب قیمت پر انہیں منظم طور پر مسلمانوں میں پھیلایا۔

''الدار السلفیہ'' اور ''دارالمعارف'' نے سینکڑوں دعوتی و اصلاحی گراں قدر کتابوں کے علاوہ اسلاف کی قدیم اور نایاب علمی یادگاروں کو زندہ کرنے کا اہم علمی فریضہ انجام دیا ہے، چنانچہ حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ کی کتاب ''الکتاب المصنف'' کے مخطوطہ کو تحقیق کے بعد نہایت عمدہ شکل وصورت میں پندرہ جلدوں میں شائع کیا ،پھر محدث کبیر حافظ ابوبکر بن حسین البیہقی کی مشہور کتاب ''الجامع لشعب الایمان'' کو تحقیق کے بعد بیس جلدوں میں شائع کیا، اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے پردادا اور ساتویں صدی ہجری کے مشہور محدث امام ابوالبرکات مجد الدین عبد السلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی معرکۃ الآراء کتاب ''منتقی الاخبار'' کا ترجمہ دو جلدوں میں شائع کیا جس میں کتب ستہ سے منتخب پانچ ہزار حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے، اسی طرح پانچویں صدی ہجری کے مشہور محدث علامہ حافظ تقی الدین ابی محمد عبدالغنی المقدسی رحمہ اللہ کی شہرۂ آفاق کتاب ''عمدۃ الاحکام'' کا اردو ترجمہ اور شرح ''ضیاء الکلام'' کے نام سے بڑے اہتمام سے شائع کیا اور موجودہ دور کے معروف محقق علامہ محمد فؤاد عبدالباقی کی گراں قدر تالیف ''اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان'' نیز ''طریق النجاۃ فی ترجمۃ الصحاح من المشکوٰۃ'' -جیسی وقیع اور علمی کتابوں کو شائع کر کے اہل علم سے خراج تحسین حاصل کیا ،مولانا نے دارالمعارف ہی سے معروف اہلحدیث مصلح مولانا محمد صاحب جوناگڑھی رحمہ اللہ کے خطبات کا مجموعہ ''خطبات محمدی'' تین جلدوں میں اور مولانا جوناگڑھی رحمہ اللہ کا ترجمۂ قرآن کریم ،مولانا حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ کے تفسیری حواشی اور علامہ صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ کے نظر ثانی کے بعد ''احسن البیان'' کے نام سے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع فرمایا۔

مجلّہ ''البلاغ'' کا اجراء:

مولانا نے ۱۹۹۰ء میں ''الدار السلفیہ'' کے زیر اہتمام ''مجلّہ البلاغ'' کے نام سے ایک معیاری اردو مجلّہ کا اجراء فرمایا، اس پرچہ نے مولانا کے فکر انگیز اداریہ، معیاری مضامین اور دلکش کالمز کے ذریعہ پہلے ہی شمارہ سے قارئین کے دلوں میں اپنی خاص جگہ بنالی، اور بہت جلد شہرت اور مقبولیت کی بلندیوں پر پہنچ گیا، اس حقیقت کے اظہار میں مجھے کوئی باک نہیں کہ ہندونیپال سے شائع ہونے والے دینی پرچوں میں غالباً ''البلاغ'' واحد رسالہ ہے جو ہر سطح پر اعلیٰ معیار برقرار رکھتے ہوئے اسلامی صحافت کا علم پورے آب و تاب کے ساتھ بلند کرنے میں کامیاب ہے، ''البلاغ'' میں مولانا اپنے فکر انگیز اداریہ، ''شذرات'' کے علاوہ مختلف کالمز مثلاً مختارات، مسکراتے چہرے، بہتے آنسو، کارواں حیات ، فقہ وفتاویٰ وغیرہ پوری پابندی اور اہتمام کے ساتھ لکھتے تھے بلکہ ان کا حق ادا کردیتے تھے ،مولانا کی تحریر میں بڑی جاذبیت اور چاشنی ہوتی تھی، مولانا بے تکلف برجستہ زبان لکھتے تھے ، اس میں تکلف کا ذرہ برابر بھی

شائبہ نہ ہوتا تھا، آپ کی تحریر کی یہ وہ خوبی تھی جو قاری کو اس بات پر مجبور کرتی تھی کہ مولانا کی تحریر شروع کرنے کے بعد اسے مکمل کئے بغیر نہ چھوڑے۔

دلنواز واعظ اور کہنہ مشق خطیب:

مولانا ایک دلپذیر واعظ اور کہنہ مشق مقرر و خطیب تھے، آپ کی تقریر میں غضب کی برجستگی ہوتی تھی، ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے مگر نہ تو کبھی تسلسل ٹوٹتا اور نہ روانی میں کمی آتی، آپ کی تقریریں نصوص کتاب وسنت سے آراستہ اور مزین ہوتی تھیں، مشکل آیتیں اور لمبی لمبی حدیثیں آپ کے نوک زبان پر تھیں اور جب انہیں اپنے مخصوص انداز میں پڑھتے تو مجمع پر سکوت طاری ہوجاتا تھا، ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ کی حیات مستعار میں سے ۵۶ ربرس کا طویل زمانہ مسجدوں میں مستقل خطبہ دیتے اور دروس قرآن و حدیث دینے میں صرف ہوا۔

جمعیت وجماعت سے وابستگی:

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ اپنی عملی زندگی کے آغاز کے پہلے ہی روز سے تادم واپسیں جمعیت وجماعت سے ہمیشہ جڑے رہے اور اس کے فروغ واستحکام کے لئے انہوں نے ہر ممکن کوشش فرمائی، ایک عرصہ تک موصوف مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے نائب صدر رہے پھر غالباً دو میقات تک اس کی امارت کے باوقار منصب پر فائز رہے، بہت پہلے جب دہلی میں جماعت کا کوئی معقول دفتر نہ تھا اور اس کا کام بعض مسجدوں کے حجروں سے انجام پاتا تھا تو مولانا کے حسن تعاون سے دہلی کی شاہجہانی جامع مسجد سے بالکل متصل اردو بازار میں ''اہلحدیث منزل'' کی خریداری عمل میں آئی تھی، اور اب بھی غالباً اس عمارت کی ملکیت میں مولانا کا بھی نام شامل ہے، کچھ دنوں قبل یہ بات سننے میں آئی تھی کہ جمعیت کے موجودہ ذمہ داران مولانا سے عمارت کی ملکیت جمعیت کے نام منتقل کرنے کی درخواست کر رہے ہیں اور مولانا اس کے لئے تیار بھی ہیں مگر یہ کام شاید ان کی زندگی میں پورا نہ ہوسکا، ہمیں امید ہے کہ مولانا کے فرزندان اور لائق ورثاء مولانا کے اس ادھورے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ان کی روح کو شاد کام کریں گے۔

مولانا ندوی اور جامعہ سلفیہ:

اس چیز کا ذکر کئے بغیر مولانا کے سلسلہ میں لکھی جانے والی یہ مختصر تاثراتی اور تعزیتی تحریر شاید ناقص اور ادھوری تصور کی جائے گی کہ مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے بطن سے جنم لینے والے مرکزی دارالعلوم بنارس (جسے بعد میں جامعہ سلفیہ بنارس کے نام سے موسوم کیا گیا) کے فروغ واستحکام میں بھی مولانا کا رول بہت اہم رہا ہے، مولانا اس ادارہ کے ایک عرصہ تک نائب صدر اور اس کی مجلس عاملہ کے ذمہ دار اور فعال رکن رہے ہیں اور عالم اسلام کے درمیان اس کو متعارف کرنے کے لئے آپ نے جامعہ کے سابق ہردلعزیز ناظم مولانا عبدالوحید سلفی رحمہ اللہ کے ساتھ عالم عرب کے مختلف دورے کئے اور متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں جامعہ سلفیہ کی نمائندگی فرمائی۔

ملی خدمات:

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کے تعلقات غیر جماعتی علماء اور اداروں کے ساتھ بھی دوستانہ اور متعاونانہ تھے، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ایک زمانہ تک نائب صدر نیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے ممبر رہے، اس کے علاوہ دوسری ملی تنظیموں

اور جماعتوں میں موصوف جماعت کی نمائندگی کرتے رہے، کتاب وسنت کی روشنی میں دوٹوک بات کرنے کے عادی تھے، بڑے بڑے لوگوں سے نہ تو کبھی مرعوب ہوئے اور نہ مصلحت آمیز مداہنت کا شکار ہوئے، ہمیشہ اپنے موقف پر جمے رہے اور اس میں ذرا بھی لچک نہ آنے دی۔

فقہی بصیرت:

فقہی مسائل پر بھی مولانا کی نظر بہت اچھی تھی، خصوصاً جدید مسائل پر وہ کھل کر لکھتے اور بولتے تھے، تاہم بعض مسائل مثلاً فوٹو گرافی، اور بیمہ انشورنس وغیرہ کے معاملہ میں ان کا نقطۂ نظر عام اہلحدیث علماء کرام سے مختلف تھا مگر وہ اپنے نقطۂ نظر کو دلائل سے ثابت بھی کرتے تھے۔

بلاشبہ مولانا کی وفات ملت و جماعت دونوں کے حق میں زبردست علمی و دعوتی خسارہ ہے، مولانا کے جانے سے ان میدانوں میں جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کی بھرپائی کی کوئی شکل نظر نہیں آرہی ہے، اللہ تعالیٰ غیب سے مدد فرمائے اور اس خلاء کو پورا کرے، بارالٰہا! مولانا کی متنوع خدمات کو قبول فرما کر انہیں ان کی ترقیٔ درجات کا ذریعہ بنا، انہیں جنت الفردوس عطا فرما، ان کی بشری لغزشوں کو درگذر فرما اور ان کے جملہ پسماندگان ومحبین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرما، ان کے لائق فرزندگان کو ان کا سچا جانشین بنا اور انہیں توفیق وہمت دے کہ وہ اپنے قابل فخر والد گرامی کے مشن کو جاری رکھتے ہوئے اسے مزید آگے بڑھائیں۔ آمین.

اللهم اغفرله وارحمه وأمطر عليه شآبيب رحمتك.

☆☆☆

ملت کی شیرازہ بندی

مسلمانوں میں سید، فاروقی، صدیقی، قریشی اور انصاری جیسے قبائلی القاب اور خاندانی نسبتیں جو پائی جاتی ہیں تو یہ صرف آپس میں تعارف اور پہچان کے لئے ہیں ورنہ ان نسبتوں کا محض نسبت ہونیکی بنیاد پر کوئی شرعی مقام اور دینی حیثیت نہیں ان سب میں شرافت اور بزرگی کا معیار صرف تقوی ہے، اور جو لوگ نسبتوں کی بنیاد پر ایک دوسرے مسلمانوں کو برتر یا کمتر سمجھتے ہیں وہ سخت گنہگار اور جاہلیت کا شکار ہیں اور اسلامی اتحاد کے دشمن اور ملت کی شیرازہ بندی کے مخالف ہیں۔

"آج عالم اسلام یا تو یہودی تخیل کا شکار ہے یا عیسوی تخیل کا۔ محمدی ﷺ دعوت آج ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے آج منبر اور تخت دو الگ الگ چیز سمجھے جاتے ہیں سپہ سالار اور امام نماز دو گروہ ٹھہرائے جاتے ہیں حالانکہ ہمارا منبر اور تخت ایک ہی تھا اور ہمارے سپہ سالار ہی ہماری نماز کے امام تھے مسلمانوں نے ایک مدت سے اسلامی تعلیم کو فراموش کردیا بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر ایک غیر اسلامی نظریہ وجود میں لایا"

(مولانا مختار احمد ندویؒ، بحوالہ: البلاغ: اپریل: ۲۰۰۰)

مئو کی ایک منفرد عبقری شخصیت

حضرت مولانا مختار احمد صاحب ندوی کا سانحۂ ارتحال

فیاض احمد سلفی، مبارکپور

۱۰ر ستمبر ۲۰۰۷ء کو اخبار کے ذریعہ یہ خبر سنی گئی کہ مئو ناتھ بھنجن کی ایک عالم گیر شخصیت بمبئی کے اژدھام میں اس وقت غروب ہوگئی جبکہ ۹ر ستمبر ۲۰۰۷ء کا سورج مغرب میں غروب ہوکر شفق چھوڑ گیا تھا۔

مئو ایک مردم خیز ضلع اور شہر ہے جہاں سے ایسے ایسے ہیرے وجواہرات پیدا ہوئے جن کی چمک رہتی دنیا تک باقی رہے گی۔ یہاں ایسے ایسے علمی مراکز ہیں جو صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرون ہند بھی اپنا اثر ورسوخ جمائے ہوئے ہیں۔ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو سلفیان ہند کا ایک مرکزی ادارہ ہے جہاں سے بے شمار عبقری شخصیتیں نمودار ہوئیں۔ اسی طرح جامعہ عالیہ عربیہ مئو اور جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو بھی علمی دنیا میں ایک مقام رکھتے ہیں۔ اسی سرزمین مئو سے استاذ العلماء علامہ عبد اللہ مئوی ثم غازی پوری پیدا ہوئے جو شیخ الکل محدث دہلوی کے جانشین ہوئے۔ اسی آب وگلِ سے علامہ فیض اللہ جیسی عبقری شخصیت نمودار ہوئی جنہیں مئو کے اولین اہل حدیثوں میں شمار کیا جاتا ہے، اسی مئو سے علامہ ملا حسام الدین، علامہ ابو المکارم، حضرت مولانا محمد احمد صاحب صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو، مولانا محمد احمد صاحب ناظم جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو، علامہ عبد اللہ شائق بانی جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو، حضرت علامہ مفتی عبد العزیز صاحب عمری، مفتی حبیب الرحمٰن صاحب فیضی ناظم جامعہ فیض عام آپ کے چھوٹے بھائی علامہ فیض الرحمٰن صاحب فیضیؔ، مولانا عبد الرحمٰن صاحب صدر مدرس جامعہ فیض عام مئو، علم فرائض کے امام قاری عبد السبحان صاحب فیضی، مولانا عظیم اللہ صاحب وغیرہ جیسی عبقری شخصیات اس سرزمین مئو کے لعل وگہر تھے۔ اسی پر بس نہیں اب بھی اس زمین سے نمودار ہونے والی عبقری شخصیات اپنے علم وعمل کی تابناک شعاعوں سے عالم اسلام کی ضوفشانی کررہی ہیں۔ ڈاکٹر عبد العلی ازہری جیسی عبقری شخصیت لندن کے اندر اپنے علم کے موتی بکھیر رہی ہے، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری جیسی شخصیت سے اہل حدیث کا خصوصاً اور اہل مئو کا عموماً سر فخر سے بلند رہتا ہے۔ (یہ مقالہ ڈاکٹر ازہری رحمہ اللہ کی وفات سے قبل تحریر کیا گیا تھا) علامہ محمد صاحب

سابق شیخ الحدیث جامعہ عالیہ عربیہ مئو، مفتی محفوظ الرحمٰن الفیضی شیخ الحدیث جامعہ فیض عام مئو اور اس طرح کی بے شمار شخصیتیں ابھی مئو کے افق پر ضوفشاں ہیں۔

انھیں جیسی عبقری شخصیات میں سے اسی سرزمین مئو کے افق سے ابھرنے والی ایک عبقری اور منفرد شخصیت حضرت مولانا مختار احمد صاحب ندوی رحمہ اللہ کی ہستی تھی جو مئو کے افق پر روشن ہو کر ممبئی کے مغرب میں غروب ہو گئی اور غروب ہو کر بھی شفق چھوڑ گئی۔ جن کو آج رحمہ اللہ لکھتے ہوئے قلم تھر تھرا رہا ہے لیکن زبان پر وہی کلمات ہیں جن کا حکم ہے یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے سانحۂ ارتحال کی خبر پڑھ کر ایک شخص نے یہ تبصرہ کیا تھا کہ "اب دیکھیں اہل حدیثوں کی مسجد کون بنواتا ہے"۔

اس تبصرہ کے سننے کے بعد یہ عزم پیدا ہوا کہ مولانا کی زندگی کے کارہائے نمایاں کو اجاگر کرنا چاہئے۔ اور یہ چند سطریں اسی لئے پیش خدمت ہیں۔

پیدائش:

آپ کی ولادت مشرقی یوپی کے مشہور علمی وصنعتی شہر ضلع مئو میں ۳۰ رجون ۱۹۳۰ء کو ہوئی۔

نشو ونما:

آپ کی پرورش وپرداخت علم وعمل سے معمور گھرانے میں ہوئی آپ کا گھرانا ایک دیندار گھرانا تھا علم وعمل کے زیور سے مزین ماحول تھا، چونکہ آپ کے آباء واجداد علم وادب سے مزین تھے اس لئے آپ کی نشو ونما بھی اسی انداز میں ہوئی جس کی وجہ سے آپ کو اسلامی علوم سے کافی دلچسپی تھی، آپ خاندانی طور پر مسلک اہل حدیث سے منسلک تھے اور باعمل سچے عالم دین تھے۔ کتاب وسنت کے متبع اور عامل تھے آپ کے اندر اخلاق فاضلہ اور اوصاف حمیدہ کی چھاپ تھی۔

تعلیم:

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے شہر اور محلہ کے ایک معروف ادارہ جامعہ عالیہ عربیہ میں ہوئی پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ کو جامعہ رحمانیہ دہلی بھیجا گیا اور آپ نے وہاں دو سال تک تعلیم حاصل کی، چونکہ یہ ۱۹۴۶ء کا زمانہ تھا ملکی حالات ناگفتہ بہ تھے تقسیمی ماحول تھا اس لئے دہلی چھوڑ کر آپ یوپی کے ایک معروف ادارہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا، یہ دار العلوم ندوۃ العلماء بھی سلفیان ہند کی کوششوں کا ثمرہ تھا (ان کی بنیادی حصہ داری تھی) اس کے اولین موسسین میں علامہ ثناء اللہ امرتسری اور ابراہیم میر سیالکوٹی وغیرہ جیسی شخصیت شامل تھی جن کو جماعت اہل حدیث کے سرخیل کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن افسوس جماعت اہل حدیث کی بدقسمتی کہ ایسے ادارے پر دوسرے لوگوں نے قبضہ کر لیا اور اب وہ ایک معروف ومخصوص مسلک کا ادارہ بن کر رہ گیا ہے۔ اس ادارے سے عالمیت کی سند حاصل کرنے کے بعد فضیلت کی تکمیل کے لئے جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو کا رخ کیا اور یہاں

سے سند فراغت حاصل کی، پھر صحیحین کا خصوصی درس حاصل کر نے کے لئے اس وقت کے یگانۂ روزگار محدث حضرت مولانا ابو القاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر صحیحین کی تکمیل کی۔

اساتذہ کرام:

آپ نے جن مایۂ ناز اور نابغۂ روزگار شخصیات کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ان میں سے بعض کے اسماء ذکر کئے جا رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب مئوی صدر المدرسین جامعہ فیض عام مئو۔

حضرت مولانا حکیم محمد سلیمان صاحب مئوی، حضرت مولانا عبد اللہ صاحب سائق۔ حضرت مولانا عبد الصمد مبارکپوری۔ حضرت علامہ نذیر احمد املوی رحمانی۔ حضرت مولانا ابو القاسم سیف بنارسی۔ مولانا مصطفیٰ ندوی صاحب وغیرھم رحمہم اللہ۔

عملی زندگی:

جب عملی میدان میں قدم رکھا تو سب سے پہلے منبر ومحراب کی زینت بنے اور اپنے وطن مالوف سے ہزاروں میل دور جا کر جامع مسجد اہل حدیث تانتی بگان کلکتہ میں امامت وخطابت کی ذمہ داری قبول کر کے دعوت وتبلیغ کا ایسا کارنامہ انجام دیا کہ ہر چہار جانب مقبول ہو گئے۔ دس سال تک مسلسل یہاں یہ سلسلہ جاری رکھا اس دوران آپ صرف منبر ومحراب کی زینت ہی نہیں بنے رہے بلکہ سماجی وملی اور فلاحی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چنانچہ کلکتہ میں حاجی عبد اللہ لائبریری قائم کی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے لائبریری سائنس میں ڈپلومہ کیا۔ یہیں تک بس نہیں بلکہ میدان صحافت میں کافی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ترجمان اور مجلہ اہل حدیث کی فائلیں اس کا زندہ ثبوت ہیں۔ نیز مجلہ ’’البلاغ‘‘ کا اجراء اور اس کی ادارت اور اس میں ’’مسکراتے چہرے‘‘ اور ’’بہتے آنسو‘‘ جیسے عنوان اور شذرات ومختارات نے میدان صحافت میں آپ کو ایک اعلیٰ مقام عطا کیا۔ آپ کی خطابت نے ایسا رنگ دکھایا کہ ابھی آپ عنفوان شباب ہی میں تھے کہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نوگڑھ کا انعقاد عمل میں آیا تو جماعت کی مقتدر ہستیوں کے سامنے آپ نے پوری قوم وملت کو اس اسٹیج سے خطاب کیا۔ اور اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں آپ کی کارکردگی لائق تحسین ہے، اس کے بعد جب مرکزی دار العلوم جامعہ سلفیہ بنارس کا قیام عمل میں آیا تو آپ نے جامعہ سلفیہ اور مرکزی جمعیت اہل حدیث کا تعارف ہند وبیرون ہند اچھے انداز میں کرایا۔ غالباً ۱۹۸۴ء کا واقعہ ہے جب جامعہ سلفیہ میں طلبہ نے اسٹرائیک کیا تھا اس موقع پر بھی جامعہ وجمعیت کی اہم شخصیتیں موجود تھیں اور آپ نے جب سب کے سامنے خطاب کیا تھا تو اپنی پرنم آنکھوں سے جامعہ سلفیہ کی تاریخ بیان کی تھی کہ کس مقصد کے تحت ہم نے خون پسینہ بہا کر جامعہ کو بام عروج تک پہنچایا لیکن آج طلبہ نے اس کے چہرے کو داغدار بنا دیا۔ آپ کے انداز بیان نے سب پر

رقت طاری کر دی اور طلبہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئی تھیں، آپ نے اللہ کی توفیق سے اپنے انداز بیان سے بگڑے ہوئے حالات کو قابو میں کر دیا۔ اس وقت آپ مرکزی جمعیت کے نائب صدر اور جامعہ سلفیہ کے مجلس شوری کے ایک اہم رکن تھے۔

کلکتہ کی دعوتی زندگی آپ کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی، علمی اعتبار سے بھی اور مادی اعتبار سے بھی ۔ یہاں دس سال گزارنے کے بعد آپ نے ملک کی اقتصادی راجدھانی بمبئی کا رخ کیا۔ جس طرح کلکتہ جانے میں حضرت مولانا عبد الجبار صاحب شکراوی کا دخل تھا۔ اسی طرح آپ کی سفارش پر مومن پورہ ممبئی کی جامع مسجد میں بھی آپ کو امامت وخطابت کا موقع ملا جہاں آپ نے تقریبا بیس سال گزارا اس مسجد اہل حدیث میں آپ سے پہلے علامہ داؤد راز صاحب خطیب تھے۔

اس مسجد کے منبر ومحراب سے دعوت وتبلیغ کا ایسا کارنامہ انجام دیا کہ تاریخ میں حرف زرین سے لکھا جائے گا۔ مسجد کو ازسرنو تعمیر کرایا اس سے متصل ایک سات منزلہ اسکول تعمیر کرائی جو ''مولانا آزاد ہائی اسکول'' کے نام سے معروف ہے، یہیں سے آپ نے اپنا تجارتی مرکز قائم کیا۔

دار السلفیہ کا قیام:

یہ ایک ایسا مشن تھا جہاں سے بے شمار کتابیں چھپ کر پورے عالم اسلام میں پھیل گئیں، طلباء اور مدارس وجامعات میں مفت کتابیں تقسیم کی ۔ اور جب آپ نے ملی وسماجی میدان میں قدم رکھا تو مساجد ومدارس کا ایک جال بچھا دیا۔ مہاراشٹر میں جامعہ محمدیہ اور اس کی ذیلی شاخوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔

آپ کا اپنے آبائی وطن میں کلیہ فاطمہ الزہراء کا قیام قابل تحسین ہے، اسی طرح بنگلور، ناگپور، بھوپال، ہریانہ، آکولہ اورنگ آباد، دھولیہ کے مکاتب ومدارس وجامعات آپ کے کارناموں کی زندہ جاوید مثالیں ہیں۔

فلاحی کاموں کا سلسلہ شروع کیا تو کئی اسپتال جملہ لوازمات کے ساتھ تعمیر وتیار کر دیئے، طبیہ کالج قائم کیا، مئو میں محمدیہ جنرل اسپتال، منصورہ مالیگاؤں میں بدر السائر کے نام سے اسپتال قائم کیا جو طبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ خلوص کا پیکر، علم کا بحر بیکران اور " تتجافى جنوبهم عن المضاجع " کی مکمل تصویر پیش کرنے والا مائل بہ زوال ہونے لگا اور زوال کے بعد اس کے غروب کا وقت آ ہی گیا اور جب آسمان دنیا کا روشن سورج ۹ رتمبر ۲۰۰۷ء کو غروب ہو گیا اس کے معابعد علم وادب کا یہ چراغ بھی ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

۱۰ رتمبر ۲۰۰۷ء کو ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اس کے بعد ہمیشہ کے لئے آپ کے جسد خاکی کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اعمال حسنہ کو قبول فرمائے اور اسے نجات کا ذریعہ بنائے، اور آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

مولانا ایک آدمی نہیں بلکہ اکاڈمی تھے

عبدالرحمٰن عزیزالرحمٰن - مئوناتھ بھنجن

پہاڑوں اور غاروں میں پتھروں کے ٹکڑوں اور سنگ ریزوں کی تعداد بیشمار ہوتی ہے، لیکن انہیں میں ایک سنگ ریزہ لعل و یاقوت بن کر نکلتا ہے۔ سمندر میں بارش کے بے شمار قطرات ہر سال گرتے ہیں، مگر انہیں میں چند قطرے وہ بھی ہوتے ہیں جو آغوش صدف میں پل کر موتی بن کر نکلتے ہیں۔ قائد جماعت، مربی جمعیت اور ہندوستان میں مساجد اور تعلیمی اداروں کا جال بچھانے والے، قرآن وسنت کے شیدائی، نامور خطیب مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ انہیں لعل ویاقوت میں سے ایک گوہر کمیاب تھے۔

یہ دنیائے فانی دارالعمل ہے اور دارالامتحان بھی، سعی وکوشش کی جگہ بھی اور ابتلاء وآزمائش کا مقام بھی، یہاں وہی شخص کامیاب ہوسکتا ہے جو اعمال صالحہ کے ذریعہ سفر آخرت کا بندوبست کرے، جہاں ہمیشہ رہنا ہے، کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس عظیم مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں اور حق کی سربلندی کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیتے ہیں، انہیں خوش نصیب انسانوں میں آبروئے جماعت، سابق امیر جمعیت محترم مولانا مختار احمد ندوی ہیں جنہیں آج ہم پرنم آنکھوں سے رحمہ اللہ لکھنے پر مجبور ہیں۔ انا لله وانا اليه راجعون. ان العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول الا ما يرضى ربنا وانا بفراقك لمحزونون. ہمارا عظیم مربی قائد جماعت ۹ ر ستمبر ۲۰۰۷ء بروز اتوار شام پونے سات بجے ایسی خاموشی سے چل بسا کہ بہت ساری مجلسیں ویران ہوگئیں۔

آپ ملت اسلامیہ کی مایہ ناز ہستی، مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے لئے باعث صد افتخار اور صد احترام تھے، انتظامی امور اور تعلیم وتربیت اور تعمیراتی کام کو آپ خلوص وللہیت اور ہمدردی وخیر خواہی کے جذبے کے ساتھ انجام دیتے تھے، اس عظیم الشان شخصیت کی وفات سے قوم وملت اور جماعت کا بڑا عظیم خسارہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

آپ مشرقی یوپی کے مشہور صنعتی شہر مئوناتھ بھنجن کے محلہ بشناتھ پورہ کے ایک دیندار گھرانے میں ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالعلوم مئو (شاخ) پھر مدرسہ عالیہ عربیہ مئو میں حاصل کی، اسی دوران مئو آئمہ الہ آباد کی سرزمین پر آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا انعقاد ہوا، والد بزرگوار کے ساتھ کانفرنس میں

شرکت کی، اس کانفرنس میں سرخیل جماعت شیخ الاسلام ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری ومورخ جماعت علامہ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہم اللہ بھی رونق افروز تھے، والد محترم نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے لخت جگر مختار احمد ندوی کو ان جلیل القدر عالموں کے سامنے پیش کیا اور دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالی میرے بچے کو بھی عالم بنادے، دونوں بزرگوں نے مولانا کے سر پر ہاتھ رکھ کر دیر تک دعائیں دیں، علامہ ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے تو سر پکڑ کر فرمایا: اللھم علمه الکتاب والسنة

مولانا نے اپنی خواہش کے مطابق مئو آئمہ الہ آباد میں ہی واقع مدرسہ چشمہ صمد میں داخلہ لے لیا، تعطیل رمضان میں گھر آئے، عید بعد دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا رخ کیا، وہاں دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۶ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ چلے آئے اور یہاں پر فضیلت کے امتحان کی تیاری کر رہے تھے کہ تقسیم ہند کا سانحہ پیش آگیا اور حالات ناسازگار ہوگئے، مجبوراً شہر مئو ہی کی ایک عظیم و مشہور درسگاہ جامعہ اسلامیہ فیض عام میں داخلہ لیا اور تعلیم مکمل کی۔ اس کے بعد مولانا ابوالقاسم محدث سیف بنارسی علیہ الرحمہ سے بھی صحیحین کا درس وسند اجازہ لیا، بعد میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے بی.اے. اور لائبریری سائنس میں ڈپلومہ کیا۔

فراغت کے بعد والد بزرگوار کی خواہش ونصیحت کے مطابق علمی ودینی خدمت کی طرف متوجہ ہوئے، مولانا کے محلہ ہی میں ایک بزرگ عالم وقاری ظہیر الدین رحمہ اللہ جو تانتی باغ کلکتہ کی جامع مسجد میں ایک عرصہ تک امامت وخطابت کی خدمت کر چکے تھے، انہوں نے کوشش کر کے اس مسجد میں مولانا کو امامت و خطابت پر لگادیا، کلکتہ میں دس گیارہ سال بحیثیت امام وخطیب، مفتی وداعی خدمات انجام دیں، اسی دوران سعودی فرمانروا الملک سعود بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہندوستان دورے پر آئے، انہیں استقبالیہ دینے کیلئے دہلی کے لال قلعہ میں مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کی طرف سے ایک استقبالیہ پروگرام کا انعقاد کیا گیا، صدر جمعیت مولانا محمد ابراہیم آروی رحمہ اللہ نے خصوصی طور پر آپ کو دعوت دی اور اس پروگرام کو کامیاب بنانے کیلئے مزید ذمہ داریاں بھی دیں، آپ نے مشرقی ہندوستان سے وسائل وذرائع جمع کرنے کیلئے بھرپور جدوجہد کی اور کلکتہ کے امراء اہلحدیث کے بڑے وفد کے ساتھ لال قلعہ کے استقبالیہ پروگرام میں شریک ہوئے اور یہیں سے جماعتی اور عملی زندگی کا آغاز ہوا اور اخیر دم تک جماعت سے وابستہ رہے، کلکتہ کے قیام کے دوران وہاں کی جمعیت کو منظم کیا، کلکتہ اور مضافات کلکتہ کے عنوان سے وہاں کی تاریخ مرتب کی، جو آٹھ قسطوں میں اس زمانہ میں ترجمان اہلحدیث میں شائع ہوچکی ہے۔

قیام کلکتہ میں آپ نے ایک لائبریری "حاجی عبداللہ لائبریری" کے نام سے قائم کی، کلکتہ میں قیام کے دوران ہی آپ مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کی مجلس عاملہ کے رکن نامزد ہوئے، اور پھر آپ نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، مولانا عبدالوحید سلفی رحمہ اللہ کے دور امارت میں دس سال نائب امیر رہے، مولانا عبدالوحید سلفی رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد کارگزار امیر بنائے گئے، پھر مئی ۱۹۹۰ء سے جولائی ۱۹۹۷ء تک دو مرتبہ امیر جماعت منتخب ہوئے، امارت سے منسلک ہونے کے دوران ہی جمعیت کیلئے سب سے بڑا

اور اہم کام جامع مسجد دہلی کے بالکل قریب ایک وسیع وعریض مستقل بلڈنگ خرید کر جمعیت کا مرکزی دفتر بنادیا، جو آج اہلحدیث منزل کے نام سے معروف ہے۔ ۱۹۹۷ء میں امارت سے مستعفی ہونے کے باوجود بھی جمعیت و جماعت کی سرپرستی کرتے رہے۔

مولانا نے صحافت میں قدم رکھا تو کلکتہ ہی کا ایک روزنامہ آزاد ہند بڑا ہی معاون ثابت ہوا، آپ نے اس اخبار میں ایک مزاحیہ کالم علامہ حجازی کے نام سے لکھنا شروع کیا تو باقاعدہ آپ اس کے کالم نگار مقرر ہوگئے، آگے چل کر ممبئی میں آپ نے اگست ۱۹۹۰ء میں ایک مجلہ البلاغ ماہنامہ جاری کیا، جو بلاناغہ وبلا تاخیر ماشاء اللہ آج تک مسلسل جاری ہے، اسی طرح جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کا ماہنامہ مجلہ صوت الحق بھی آپ ہی کی نگرانی میں ۲۲ر سالوں سے شائع ہورہا ہے۔

آپ نے دینی کتابوں کی نشرواشاعت کے لئے قدم بڑھایا تو کلکتہ ہی میں ایک "مکتبہ توحید" کے نام سے بکڈپو کی بنیاد ڈالی اس زمانہ میں مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ نے مولانا کو اپنی کتابوں کی نشرواشاعت کی ایجنسی دے رکھی تھی، مولانا صادق سیالکوٹی کی کتابیں اپنی مقبولیت کی بناء پر ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھیں۔ جس سے آپ کے قائم کردہ "مکتبہ توحید" کی بڑی ترقی ہوئی اور اسی کے ذریعہ سے کتابوں کی نشرواشاعت کا ذوق وشوق ہوا، جو زندگی کا مشغلہ اور مادی کفالت وخوشحالی کا ذریعہ بنا، ممبئی آنے کے بعد بھی آپ نے اس کام کو جاری رکھا اور ۱۹۷۰ء میں "الدار السلفیہ" قائم کیا، جسے خالص دینی وسلفی کتابوں کی نشرواشاعت کے لئے عالمی شہرت حاصل ہوئی۔

مولانا نے کتابوں کی تصنیف وتالیف کی طرف ذہن کو مرکوز کیا تو آپکے ہاتھوں درجنوں کتابیں اہم اہم موضوعات پر وجود میں آگئیں، بہت سی عربی کتابوں کے تراجم بھی کئے اور بہت سے تراجم پر اشراف بھی کیا، آپ کی تصحیح وتقدیم کے ساتھ سینکڑوں سے زائد کتابیں شائع ہوچکی ہیں، مجلہ البلاغ میں بھی آپ برابر لکھتے رہے ایک ہی شمارہ میں سات سے آٹھ مضامین تک اہم موضوعات پر شائع ہوتے رہے۔

خطابت تو آپ کا میدان ہی تھا، تقریباً ۵۵ رسالوں تک آپ اس سے منسلک رہے، زبان بالکل سلیس اور سادہ ہوتی تھی، دور دراز سے لوگ آپ کو سننے کے لئے آتے تھے، آیات واحادیث کی تلاوت بڑے ہی دلسوز انداز میں کیا کرتے تھے، سامعین کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے، جن لوگوں نے آپ کی تقاریر کو سنا ہوگا ان کو اس کا ضرور مشاہدہ ہوا ہوگا، اسی طرح کعبۃ اللہ شریف کے صحن میں رکن یمانی کے پاس دس سال تک مسلسل ہر حج کے موسم میں صبح وشام درس دیا کرتے تھے۔

چوں کہ آپ ہمیشہ منبر ومحراب سے منسلک رہے، مساجد سے قلبی لگاؤ کی وجہ سے آپ نے ایک "ادارہ اصلاح المساجد" قائم کیا اور اس سے متعلق متعدد ائمہ مساجد کانفرنسیں بھی کیں، اس ادارہ کے تحت پورے ہندستان میں ۴۰۰ سے زائد مساجد کی تعمیر کرائی، اپنے آبائی وطن مئو میں تو درجن بھر سے زائد مساجد کی تعمیر کرائی، اللہ تعالیٰ آپ کے اس کار خیر کو قبول فرمائے اور صدقہ جاریہ بنائے آمین۔

اب اس کام کو آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا ارشد مختار حفظہ اللہ آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ کے جاری کردہ تمام اداروں کی نگرانی وتنظیم کے ساتھ بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔اس وقت بھی مئو میں چار مساجد کی تعمیر ہو رہی ہے، الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے والد محترم کی طرح خلوص وللہیت عطا فرمائے۔آمین

قوم وملت کی طرف جب آپ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو قوم کو تعلیم سے بہت دور پایا، خصوصاً تعلیم نسواں کو، قوم وملت اور جماعت کو تعلیم یافتہ بنانے کے لئے آپ نے جامعہ سلفیہ مرکزی دار العلوم بنارس کی تعمیر وترقی کے لئے اپنے جوش وجوانی کا نہایت قیمتی وقت حضرت مولانا عبدالوحید رحمانی رحمہ اللہ ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس کے ہمراہ جامعہ کی بنیاد سے لے کر اس کی چھت تک، عرب وعجم کے محسنین کی چوکھٹ پر حاضری دے کر تعمیری وسائل وذرائع جمع کر کے مکمل کیا، جس کی سرپرستی شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ مبارکپوری علیہ الرحمہ نے ابتداء تا اخیر عمر تک فرمائی۔

اس کے بعد مہاراشٹر کے شہر ناسک کے مالیگاؤں میں جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کے تحت ۱۹۷۸ء میں جامعہ محمدیہ مالیگاؤں کی بنیاد ڈالی، جس کے تحت کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں، کلیہ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ للبنات منصورہ مئو، جامعہ محمدیہ منصورہ بنگلور، کلیہ عائشہ صدیقہ بنگلور، مدرسہ محمدیہ رائے گڑھ کوکن، اس کے علاوہ ناگپور، اورنگ آباد، دھولیہ، آکوٹ، بھوپال، جھانڈا ہریانہ میں بھی تعلیمی ادارے قائم کئے۔اسی طرح الجمعیۃ المحمدیۃ الخیریۃ کے تحت نونہالان قوم کو طبی تعلیم سے روشناس کرانے کے لئے مالیگاؤں ہی میں محمدیہ طبیہ کالج قائم کیا، جہاں B.U.M.S. اور M.D. کی تعلیم دی جاتی ہے جو مہاراشٹر کا ایک ممتاز طبی ادارہ ہے، ٹیکنیکل تعلیم کے لئے بھی نوی ممبئی اترشیو میں محمدیہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ I.T.I. قائم کیا جو گورنمنٹ سے منظور شدہ ہے، ان تعلیمی اداروں سے سینکڑوں کی تعداد میں علماء، ڈاکٹر وانجینئر بن کر قوم وملت کی خدمات انجام دے رہے ہیں، جو ان کی مادی کفالت کا ذریعہ بھی بنے ہوئے ہیں۔

رفاہی خدمات بھی آپ سے نہیں چھوٹیں، اس سلسلہ میں مالیگاؤں میں بدر محمد السائر اسپتال اور مئو میں عالیہ جنرل اسپتال قائم کئے، جو اپنی مثال آپ ہیں۔موخر الذکر کو بعد میں محمدیہ جنرل اسپتال کر دیا گیا، مگر کسی وجہ سے بند پڑا ہے، یہ اسپتال مئو کا بڑا ہی کامیاب اسپتال تھا، اس کو جلد از جلد پھر شروع کرنے کی سخت ضرورت ہے کیوں کہ مئو کے عوام کو اس کی سخت ضرورت ہے۔

سلفیت کی بقاء اور اس کی ترویج واشاعت کے لئے ہمیشہ کوشاں تھے، مولانا جیسا باغیرت سلفی عالم بہت ہی کم دیکھنے کو ملتا ہے، قرآن وسنت کی سربلندی کے لئے کبھی کسی مداہنت ومجاملت کو گوارا نہیں کرتے تھے، غیر سلفی علماء ودعاۃ کی مجلسوں میں بھی موقع پا کر ضرور قرآن وسنت اور سلفیت کی بات کرتے تھے، ممبئی میں جب بوہرہ فرقہ کے سردار کے مقبرے کا افتتاح ہونا تھا تو بوہروں کی دعوت پر ممبئی میں ہندوستان کے کئی جید علمائے کرام بھی تشریف لائے تھے، انہیں میں مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ بھی تھے، مولانا

کو جب ان حضرات کی آمد کی اطلاع ہوئی تو ایک ایک کو ٹیلی فون کرکے اس عمل کی خطرناکی پر متنبہ کیا، چنانچہ علی میاں ندوی و دوسرے حضرات بھی واپس چلے گئے اور بعض ہٹ دھرم جن کے دلوں کو ایمان کی گرمی نے نہیں چھوا تھا اس فعل قبیح میں شریک رہے۔اس موقع پر مولانا رحمہ اللہ نے روزنامہ انقلاب کا پہلا صفحہ خریدا اور جلی سرخیوں میں اعلان کیا کہ مقبروں کا افتتاح شرک اکبر ہے اور اسلام کے منافی ہے۔

اپنے خطبوں، تقریروں وتحریروں کے ذریعہ اہلحدیث کو ہر قسم کے شرکیہ اعمال، بدعات وخرافات سے مبرا اور پاک وصاف بتلاتے تھے، کہ دنیا بھر میں پختہ قبریں شرک وبدعات کے مراکز اور ان کے مجاور وخادم ان کی زیارت کرنے والے، محرم اور شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی محفلیں، میلاد النبی اور گیارہویں، بارہویں، سترہویں، اور اس کا جلوس اور اس جلوس میں یارسول اللہ، یاغوث الاعظم کا نعرہ لگانے والے، قبروں پر عرس، قوالی، تیجہ، چالیسہ، برسی، شب برأت کا حلوہ، ان سارے شرک وبدعات کے مراسم میں شرکت کرنے والا اور ان پر عمل کرنے والا اللہ کی قسم کوئی اہلحدیث نہیں ہے۔الحمدللہ۔

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس مئو ۱۹۹۵ء جو آپ ہی کی صدارت اور دور امارت میں ہوئی تھی، جس کے خطبۂ صدارت کو سن کر دنیائے سلفیت کے زبردست عالم ومولانا عبدالباری فتح اللہ مدنی حفظہ اللہ نے اپنا تاثر بیان کیا تھا (جس کی کیسٹ آج بھی موجود ہے) کہ ”حضرت مولانا مختار احمد ندوی حفظہ اللہ وتولاہ برحمتہ الخاصۃ جو ہندوستان کے بہت ہی مشہور عالم ہیں، ان کا چرچا صرف عجم ہی میں نہیں بلکہ عرب میں بھی عجم کی طرح یکساں ہے، آپ نے حقیقت سلفیت، اہل حدیث کیا چیز ہے، اس سے متعلق اپنی تقریر کی، میرا دلی تاثر ہے کہ آپ نے حقیقت سلفیت اور مسلک اہلحدیث کی حقیقت کو اس طرح نچوڑ کر رکھ دیا ہے گویا کہ اس کانفرنس کا یہی نچوڑ ہے اور جتنی بھی تقریریں ہونی چاہئیں اس کانفرنس میں اسی سے متعلق ہوں، اور اسی کے اردگرد گھومتی ہوئی تقریر ہو“۔

الغرض مولانا کے اتنے سارے کاموں اور خدمات پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے، کیوں کہ مولانا کی زندگی نہایت ہی فعال اور متحرک تھی، اگر میں یہ کہوں تو بیجا اور غلو نہ ہوگا کہ ”مولانا ایک آدمی نہیں بلکہ اکاڈمی تھے“ کیوں کہ اتنی ساری خدمات قوم وملت اور ملک کے لئے کوئی آدمی ہی نہیں بلکہ اکاڈمی بھی بمشکل ہی کر پاتی ہے، آپ اس دنیا سے جاچکے ہیں ہم اللہ رب العزت سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ان تمام خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔(آمین) انسان ہونے کے ناطے غلطیاں ہونا عام بات ہے اس لئے ان سے جو بھی غلطیاں ہوئی ہوں اے اللہ تو اسے اپنی خاص رحمت سے عفو ودرگذر کر۔آمین.

اللہ تعالیٰ آپ کے جاری کردہ تمام مشن کو سب کے لئے مفید بنائے اور جو لوگ اس مشن میں لگے ہوئے ہیں اور آگے لے کر چل رہے ہیں تو انہیں خلوص وللّٰہیت عطا فرما۔آمین یارب العالمین.

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

☆☆☆

فضیلۃ الشیخ مختار احمد الندوی رحمہ اللہ کی امتیازی فکر

مولانا نور العین سلفی — کلیۃ فاطمۃ الزہراء مئو ناتھ بھنجن

سات عظیم علمی اداروں کے بانی، مؤسس اور امت اسلامیہ میں علمی بیداری کی سچی تڑپ رکھنے والے فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ۹ رستمبر ۲۰۰۷ء کو وفات کی اطلاع پا کر جو دلی صدمہ اور دکھ ہوا وہ زبان وقلم سے بیان کرنا ممکن نہیں، اس سلسلے میں جو کچھ بھی کہا جائے گا وہ محض ایک رسمی بات ہوگی، اس لیے ہم وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے لخت جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر کہا تھا: "اِن العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول اِلا ما یرضی ربنا واِنا بفراقک یا اِبراھیم لمحزونون" (آنکھیں اشکبار ہیں، دل رنجور ہے، مگر ہم اپنے رب کو ناراض کرنے والی کوئی بات نہیں کہیں گے، اے ابراہیم! تمہاری جدائی سے ہم بڑے دل گرفتہ ہیں) (متفق علیہ)

شیخ رحمہ اللہ سے ناچیز کے کسب فیض کا تعلق ۳۰ رجون ۱۹۸۰ء سے اخیر دم تک قائم رہا، ستائیس سال کے طویل عرصے میں آپ کی رواں دواں اور متحرک زندگی سے بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا، اعلیٰ ہمتی اور بلند حوصلگی آپ کا خاص جوہر تھا، زندگی کی دوڑ میں آپ کسی سے پیچھے رہنے پر راضی نہیں تھے۔

آپ کی ایک نصیحت مجھے ہمیشہ یادرہتی ہے، ابھی جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں میں میرا پہلا سال تھا، ایک کام سے مولانا رحمہ اللہ نے مجھے اپنے مکان پر ممبئی بلایا، ناشتے کے بعد ساتھ ہی گھر سے نکلے، سڑک پار کرنی تھی، آپ فوراً سڑک کے اس پار چلے گئے اور میں دیکھتا ہی رہ گیا، دوسری جانب جاکر آپ میرا انتظار کر رہے تھے، جب میں آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا: "یہ ممبئی ہے، یہاں انتظار کروگے تو دس بجے رات تک انتظار ہی کرتے رہ جاؤگے، کام کرنے والے کسی کا انتظار نہیں کرتے اور نہ ہی وقت کسی کا انتظار کرتا ہے، پیچھے چھوڑو اور آگے بڑھو"۔ بلاشبہ آپ کی پوری زندگی اسی طرز عمل سے تعبیر ہے، وفات سے ایک روز قبل یعنی سنیچر کو بھی آپ اپنے آفس میں موجود تھے۔

جامعہ محمدیہ کے ابتدائی سالوں میں میں نے دیکھا کہ جب آپ کسی باہری سفر سے واپس آتے اور جامعہ محمدیہ تشریف لاتے تو تمام اساتذہ کو دسترخوان پر مدعو کرتے، فرداً فرداً ہر ایک سے خیریت پوچھتے، جامعہ کے حالات معلوم کرتے، اپنی روداد سفر سناتے، مستقبل کے عزائم اور منصوبے بیان کرتے، آپ کے منصوبے اتنے عظیم ہوتے کہ لوگ ناممکن سمجھ کر یقین نہیں کرتے، یہ صحیح ہے کہ آدمی جتنا سوچتا اور کہتا ہے وہ سب کر نہیں پاتا لیکن آپ نے جتنا کیا وہ اتنا زیادہ ہے کہ کسی فرد سے اس کی مثال نہیں دی جاسکتی۔

ناچیز کی شیخ رحمہ اللہ سے فون پر جو آخری گفتگو ہوئی تھی، اس میں آپ نے فرمایا تھا: "میں نے تمام ادارے ارشد (ناظم جامعہ حفظہ اللہ) کے حوالے کر دیے ہیں، تم اس کا ساتھ دو اور اس کی مدد کرو"۔

بہت جلد یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کا انتخاب درست ہے، محترم شیخ ارشد مختار حفظہ اللہ تعالیٰ اپنے والد محترم رحمہ اللہ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور ان کی جانشینی کے اہل ہیں، مساجد اور مدارس کی سرگرمیاں جس سرعت کے ساتھ حضرت رحمہ اللہ کی حیات میں جاری تھیں، اس میں محترم ارشد حفظہ اللہ نے کوئی کمی نہیں آنے دی ہے، نہایت حلم و تدبر اور حکمت و دانائی سے والد محترم کے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا رہے ہیں بلکہ پیش قدمی کر رہے ہیں۔

ستائیس سال کے طویل عرصے میں میں نے ایک خاص بات یہ محسوس کی ہے کہ شیخ رحمہ اللہ اپنے طریقۂ کار میں امتیاز اور انفرادیت کا التزام کرتے ہیں، آپ کی اسی امتیازی فکر کو اگلی سطور میں واضح کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا مختار احمد صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ ایک نہایت متحرک اور فعال شخصیت کے مالک تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے چین اور مضطرب دل عطا فرمایا تھا، یہ اضطراب ذاتی نہیں بلکہ دینی اور ملی تھا، غلبۂ دین اور قوم کی سربلندی کے لیے تھا۔

آپ کی شخصیت میں، آپ کی تقریر میں، آپ کی تحریر میں اور آپ کی گفتگو میں اللہ تعالیٰ نے غضب کی تاثیر اور جاذبیت رکھی تھی، قوت ارادی اتنی مضبوط عطا ہوئی تھی کہ کسی کام کو مشکل اور ناممکن نہیں سمجھتے تھے، اپنے وجود میں ایک فرد تھے لیکن عملاً ایک امت اور ایک جماعت تھے، ہمہ جہت صلاحیتوں کے مالک تھے، آپ بیک وقت ترجمہ و تالیف بھی کر رہے ہیں، "البلاغ" اور "صوت الحق" کی مجالس بھی سجا رہے ہیں، پریس اور مکتبہ بھی دیکھ رہے ہیں، "دار المعارف" اور "الدار السلفیہ" بھی سنبھال رہے ہیں، جلسوں، کانفرنسوں، سیمیناروں اور میٹنگوں میں شرکت بھی کر رہیں ہیں، غیر ملکی اسفار بھی کر رہے ہیں، درس قرآن بھی دے رہے ہیں اور التزاماً خطبۂ جمعہ کا تسلسل بھی باقی ہے، حرم مکی میں وعظ وافتاء کا شرف بھی حاصل کر رہے ہیں، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی امارت کا بار گراں بھی اٹھائے ہوئے ہیں، "جامعہ سلفیہ" بنارس اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کی کرسی صدارت کی نیابت بھی فرما رہے ہیں، ملک کے کونے کونے میں تعمیر مساجد کی عظیم ذمہ داری بھی ادا کر رہے ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ سات عظیم ادارے جنہیں خود آپ نے ہی قائم کیا ہے ان کی تعمیر، تعلیم، تنظیم اور تمویل بنفس نفیس کر رہے ہیں، ہزاروں طلبہ وطالبات، اساتذہ، منتظمین اور ملازمین کے مسائل بھی حل کر رہے ہیں، پھر حاسدین کی نکتہ چینیاں سن رہے ہیں اور گالیاں کھا رہے ہیں، لیکن گالیاں کھا کے کبھی بے مزہ نہ ہوئے، ہنستے رہے اور آگے بڑھتے رہے۔

کاغذ و قلم اور منبر و محراب آپ کی زندگی کا جزء لاینفک تھا، کولکاتہ کے بعد مومن پورہ جامع مسجد ممبئی پھر مدن پورہ بنگالی مسجد آپ کا دعوتی مرکز تھا، آپ کا پرمغز، معنی خیز اور مدلل خطبہ سننے کے لیے دور دراز علاقوں سے لوگ آیا کرتے تھے، ہزاروں لوگوں نے آپ کے موحدانہ خطبوں کو سن کر تقلید، بدعت، تعزیہ داری اور قبر پرستی سے توبہ کی اور کتاب وسنت کی طرف رجوع ہوئے۔

دین صحیح کی اشاعت کا خالص جذبہ "جامعہ محمدیہ وکلیہ عائشہ صدیقہ مالیگاؤں، جامعہ محمدیہ وکلیہ عائشہ صدیقہ بنگلور اور کلیۂ فاطمہ زہرا مئو" کی شکل میں ظاہر ہوا، ان تمام اداروں کے قیام اور نظم ونسق میں آپ کی امتیازی فکر کارفرما تھی، آپ کی خاص فکر تھی کہ کام وہاں کیا جائے جہاں نہیں ہو رہا ہے اور وہ گوشہ پُر کیا جائے جو خالی

ہے، جب آپ نے ''جامعہ محمدیہ مالیگاؤں'' کے قیام کا ارادہ کیا تو ایک ایسے علاقے کا انتخاب فرمایا جو کتاب وسنت کی تعلیم سے نا آشنا اور سلفی دعوت وتبلیغ سے محروم تھا، جامعہ محمدیہ کے قیام کے بعد آپ کی آمدورفت مالیگاؤں اور اس کے نواح میں بڑھی اور آہستہ آہستہ دین صحیح کا تعارف ہوا اور جو لوگ پہلے سے سلفی فکر سے منسلک تھے لیکن گمنامی کے درجے میں تھے وہ گوشۂ گمنامی سے باہر آئے، ان میں جان آئی، جمود ٹوٹا، جماعتی تنظیم ہوئی، آپس میں ربط ہوا اور ساکن سطح میں حرکت پیدا ہوئی، جہاں اہل حدیث نہیں تھے، وہاں بھی ہماری دعوت پہنچی، لوگ تقلید جامد سے تائب ہوئے، کتاب وسنت سے تمسک اختیار کیا، مسلک سلف کو گلے لگایا، جماعت بنی، جمعیت قائم ہوئی، مسجدیں تعمیر ہوئیں اور مدرسے قائم ہوئے، اس کی بہترین مثال کوکن پٹی، مہاراشٹر کے مشہور شہر اورنگ آباد، دھولیہ، ناسک اور جلگاؤں ہیں، مہاراشٹر کے مختلف شہروں اور دیہاتوں میں جو جماعتی حرکت وعمل اور ان کی شیرازہ بندی پائی جارہی ہے، وہ حضرت الشیخ ندوی رحمہ اللہ کی مساعی جمیلہ کی مرہون منت ہے، ہندوستان کا مشہور شہر ''بنگلور'' مسلم آبادی، تعلیم، تجارت اور تہذیب وثقافت کے اعتبار سے ملک کے چوٹی کے شہروں میں سے ہے لیکن دینی حمیت اور جماعتی غیرت کے اعتبار سے توجہ کا مستحق تھا آپ نے یہاں اپنی بیٹی کا رشتہ قائم کیا، اس طرح آپ کو اس شہر کے حالات کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا، ضرورت کے مطابق دیکھتے دیکھتے لڑکوں اور لڑکیوں کے دو عظیم ادارے قائم ہوگئے۔

یوپی کا مشہور صنعتی اور علمی شہر جو حضرت الشیخ کا مولد بھی ہے وہ دینی تعلیم کے اعتبار سے ہندوستان میں مشہور ہے، اس شہر میں مختلف مکتبۂ فکر کے متعدد دینی ادارے قائم ہیں، لیکن یہاں بھی تعلیم کا ایک گوشہ خالی تھا اور وہ تعلیم نسواں کا دینی اور عصری گوشہ تھا، اس کی طرف اس شہر میں سب سے پہلے حضرت مولانا نے توجہ فرمائی، چناں چہ پہلے ''عالیہ گرلس ہائی اسکول'' قائم کیا جو اب ''عالیہ گرلس انٹر کالج'' کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کے بعد مسلم بچیوں کی عربی اور دینی تعلیم کے لیے ''کلیۂ فاطمۃ الزہراء الاسلامیۃ'' کے نام سے ایک عظیم اقامتی ادارہ قائم کیا، بحمد اللہ آج یہ ادارہ اپنی انفرادی تعلیم وتربیت کے اعتبار سے پورے ملک میں معروف ہے اور اس ادارے کی فارغات اور فاضلات ملک کے ہر حصے میں دعوت وارشاد کا فریضہ انجام دے رہی ہیں، آپ کے بعد آپ کے نقش پر تعلیم نسواں کے متعدد ادارے شہر مئو میں قائم ہوگئے۔

حضرت الشیخ رحمہ اللہ کی علمی تحریک کے دو بنیادی اسباب تھے: خارجی اور داخلی۔

عصر حاضر میں ساری دنیا کا ماحول اسلام مخالف ہے اور مسلمانوں کے لیے چیلنج بنا ہوا ہے، جسے دیکھئے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات میں کیڑا نکالنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے اور مسلمانوں کو لقمۂ تر سمجھ کر نگلنے کی کوشش میں معروف ہے۔

داخلی اعتبار سے مسلمان افراط وتفریط کے شکار ہیں، کہیں علماء نما جاہل پیروں اور فقیروں کو اللہ اور رسول کا مقام عطا کیا جارہا ہے، کسی طبقے کا حال یہ ہے کہ علماء کی تحقیر وتذلیل میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی جاتی، مساجد اور مدارس کے جاہل ٹرسٹیان معمولی معمولی باتوں پر علماء کرام کو جھڑکنا اور گالیاں دینا اپنی شان سمجھتے ہیں اور علماء کرام اپنی اقتصادی کمزوری کی وجہ سے بے بس اور خاموش رہتے ہیں۔

اس لیے آپ ایک ایسے طریقۂ تعلیم اور نصاب تعلیم کو نافذ کرنا چاہتے تھے جو فارغین میں خودداری، خود اعتمادی اور حوصلہ مندی پیدا

کرے، وہ دینی، عصری، مسلم اور غیر مسلم ہر معاشرے میں اپنی برتری ثابت کرنے کے اہل ہوں، اسلام کی صحیح ترجمانی کرنے کی صلاحیت کے مالک ہوں، چناں چہ ان مصلحتوں کے پیش نظر آپ نے اپنے تمام اداروں میں عربی علوم کے ساتھ عصری علوم کو بھی لازم قرار دیا۔

نصاب تعلیم:

پورے ملک میں دینی اداروں کا ایک جال پھیلا ہوا ہے' بلکہ بعض بعض علاقوں میں گاؤں گاؤں اور گھر گھر عربی ادارے قائم ہیں، لیکن قدیم نصاب تعلیم ہونے اور عصری تقاضوں سے مربوط نہ ہونے کی وجہ سے یہ ادارے بانجھ ہوتے جارہے ہیں۔

ماضی سے یہ رجحان پایا جاتا رہا ہے کہ علم دین اور علم دنیا میں تنافی ہے اور دونوں یکجا نہیں ہوسکتے، یہ رجحان دیندار گھرانوں اور علماء کرام کی صفوں میں اس حد تک غالب رہا ہے کہ عصری تعلیم سے وابستہ گھرانوں میں رشتہ ناطہ کرنے سے بھی گریز کیا جاتا تھا، گویا اس علمی بٹوارے کو شرعی حیثیت دے دی گئی تھی۔

چناں چہ فضیلۃ الشیخ ندوی رحمہ اللہ نے دین اور دنیا کے اس تفاوت اور عصری اور دینی علوم کے بٹوارے کی خلیج کو پاٹنے کے لیے تحریکی انداز اختیار کیا، اکثر اپنی تقریروں اور خطبوں میں فرمایا کرتے تھے" ہر علم اللہ کا نور ہے، علم جدید پر علم دین کی پہریداری ہونی چاہیے اور تعلیم کو مسلمان بنانا چاہیے"۔ فضیلۃ الشیخ رحمہ اللہ کی اس فکر کو اس وقت مہمیز لگی جب مہبط وحی مکۂ مکرمہ میں ۱۹۷۵ء میں ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی اور شیخ کو بھی اس علمی کانفرنس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، چناں چہ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" عالم اسلام تعلیمی میدان میں دو حصوں میں بٹا ہوا ہے، ایک تو علماء کی جماعت ہے جو اپنے آپ کو صرف منبر ومحراب کا پاسبان سمجھتی ہے تو دوسری طرف وہ جماعت ہے جو عصری علوم کے نام پر دین سے الحاد وبیزاری پر آمادہ ہے، مفکرین قوم کو شدید احساس تھا کہ کہیں علم کا یہ بٹوارہ مسلمانوں کی تعلیمی اور تہذیبی کشتی کو بھنور میں بہا نہ لے جائے۔

چناں چہ اس خلیج کو پاٹنے کے لیے اور دونوں تعلیم میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس مکۂ مکرمہ میں ۱۹۷۵ء میں" جامعہ ملک عبدالعزیز، جدہ" کے زیر اہتمام منعقد کی گئی، جس کا موضوع تھا کہ تعلیم پر کس طرح اسلام کا رنگ چڑھایا جائے، اس کانفرنس میں دنیا بھر سے پانچ سو سے زائد ماہرین تعلیم شریک ہوئے جس میں راقم الحروف (شیخ رحمہ اللہ) بھی شامل تھا"۔

ہمارے دینی اداروں میں درس نظامیہ کے نام پر جو نصاب تعلیم ماضی بعید سے چلا آرہا ہے، فی الحال اس میں کچھ تبدیلی ضرور آئی ہے لیکن اب بھی شرح صدر کے ساتھ عصری علوم کو قبول نہیں کیا جارہا ہے، بڑی مشکل یہ ہے کہ بوجھ ڈبل ہوجاتا ہے اور یہ تکلیف مالا یطاق ہے، حضرت مولانا کبھی اس چکر میں تو نہیں پڑے لیکن ان کے نزدیک اس کے دو حل تھے: ایک تو یہ کہ آج مسلمان علمی، سیاسی اور اقتصادی میدان میں بہت پیچھے ہیں، جب کہ مہینوں اور سالوں کا کام منٹوں اور سیکنڈوں میں کیا جارہا ہے، تعلیم کا نصاب، نظام اور منہج سب بدل چکا ہے' اگر ہم نے دوگنا ہمت کرکے اس مسابقتی زندگی میں چھلانگ نہیں لگائی تو قیامت تک پیچھے ہی رہیں گے، علمی تفوق تو دور کی بات ہے، حریف کا ساتھ بھی نہیں پاسکتے۔

دوسرا حل یہ تھا کہ ہم صرف ہائی اسکول کی حد تک دونوں علوم ساتھ لے کر چلتے ہیں، ہائی اسکول تک طالب علم دین کی بنیادی باتوں سے واقف ہوچکا ہوتا ہے، اس کے قلب وذہن اور فکر

وعقیدے پر دین کا پہرہ لگ چکا ہوتا ہے، ہائی اسکول کے بعد اس کے لیے دونوں راہیں کھلی ہیں، اپنے ذوق کے مطابق اگر وہ دینی علوم میں امتیاز اور اختصاص چاہتا ہے تو اس راہ کو اختیار کرے اور اگر اس کا رجحان عصری علوم کی طرف ہے تو کالج اور یونیورسٹی کا راستہ کھلا ہے، چوں کہ قلب وذہن پر علم دین کا پہرہ بیٹھ چکا ہے اس لیے اس کے بہکنے اور بھٹکنے کا امکان کم ہے اور علم دین کی راہ اختیار کرنے کی صورت میں اس کو نرا ملا اور مولوی جان کر بے وقوف سمجھنے کا امکان ختم ہو چکا ہے، اس لیے کہ علم جدید سے وہ یک گونہ واقف ہو چکا ہے۔

حضرت مولانا اپنی فکر ودھن کے پکے تھے، اپنے تمام اداروں میں انہوں نے شرح صدر کے ساتھ عالمیت تک دونوں علوم کو پورے مضامین کے ساتھ لازم قرار دیا، آج بحمد اللہ یہ نصاب تعلیم صدفی صد کامیاب ہے، جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں میں اور اس کی تمام شاخوں میں اس کا کامیاب تجربہ کیا جارہا ہے، بلکہ بہت سارے ادارے اس نصاب کو اپنا رہے ہیں، فللہ الحمد۔

اس مخلوط نصاب کے امکانی فوائد:

۱۔ اختصاص کے لیے دینی اور عصری دونوں علوم کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔

۲۔ مخاطب کی زبان جاننے سے دعوتی امور کے افہام وتفہیم میں آسانی ہوتی ہے۔

۳۔ عصری علوم کی لائن اختیار کرنے کی صورت میں بہکنے اور بھٹکنے کا امکان کم ہو جاتا ہے۔

۴۔ اقتصاد اور معاش کی راہ آسان ہو جاتی ہے۔

طلبہ وطالبات سے فیس:

حالیہ چند سالوں سے بعض اداروں میں کسی حد تک فیس کا نظام رائج ہو گیا ہے، ورنہ ملک میں جتنے دینی ادارے قائم ہیں وہ سب انفاق کی بنیاد پر قائم ہیں، اداروں کے پاس کوئی تجارت اور کوئی مستقل ذریعۂ آمدنی نہیں ہوتا، تمام اداروں کے اخراجات چندوں سے پورے ہوتے ہیں اور چندہ بھی عموماً زکوۃ کی مد کا ہوتا ہے اور اسی مد سے طلبہ کی تعلیم، رہائش، کھانا، پینا، کتاب، دوا اور علاج کا سارا خرچ ادارہ ادا کرتا ہے، ایک وقت تھا جب طلبہ کو اسلام کا مہمان سمجھا جاتا تھا، ان کی تکریم وعزت کی جاتی تھی، طعن وتشنیع کا نشانہ نہیں بنایا جاتا تھا، لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ حالات میں تبدیلی آئی، علماء اور طلبا میں بھی فساد آیا، عوام میں عزت واحترام کا جو جذبہ تھا وہ کم ہو گیا سر راہ علماء پر مفت خوری، زکوۃ خوری، چندہ خوری اور کمیشن خوری کا طعنہ دیا جانے لگا۔

حضرت الشیخ معاشرے کی اس طعنہ زنی اور کج روی سے بخوبی واقف تھے، ممکن ہے مبتلائے درد بھی رہے ہوں، اسی لیے بقدر استطاعت اصلاح واجب تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ فیس کے التزام میں ادارے کا زبردست تعاون ہوتا ہے لیکن یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس نظام سے غیرت مند اور خوددار افراد تیار ہوتے ہیں، فیس کے نظام کو لوگ تجارت اور کاروبار تعبیر کرتے ہیں، اس کا کلی انکار تو نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ بے شمار عصری ادارے تجارتی بنیاد پر قائم ہیں، لیکن دینی اداروں میں اس کی گنجائش نہیں ہے، اس کے متعدد اسباب ہیں:

۱۔ غریب اور یتیم طلبہ وطالبات کے لیے فیس کی معافی کی گنجائش ہوتی ہے بلکہ ذہین اور امتیازی حیثیت رکھنے والے طلبہ وطالبات کو فیس معافی کے ساتھ تشجیعی انعامات سے بھی نوازا جاتا ہے۔

۲-قیام، طعام اور تعلیمی سہولیات کے مقابل جو فیس لی جاتی ہے، وہ ایک علامتی فیس ہوتی ہے، خصوصاً حضرت الشیخ ندوی رحمہ اللہ کے تمام اداروں میں قیام وطعام کا جو معیاری انتظام ہے وہ اکثر گھروں میں بھی میسر نہیں ہے، اس کا اعتراف سرپرست حضرات نہایت شرح صدر کے ساتھ کرتے ہیں۔

۳-ایک انداز فکر یہ بھی ہے کہ ہم اپنی جملہ ضروریات زندگی کھانا، پینا، کپڑا، مکان، دوا، علاج، شادی، بیاہ اور رکھ رکھاؤ اپنی کمائی سے پورا کرتے ہیں اور کوشش یہ کرتے ہیں کہ اچھے سے اچھا ہو، اگر کام نہیں چلتا تو قرض لے کر پورا کرتے ہیں اور کسی سے شکوہ بھی نہیں کرتے، اسی طرح تعلیم بھی ہماری ایک اہم ضرورت ہے اور یہ ضرورت ایسی ہے جس سے دین اور دنیا دونوں وابستہ ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ تعلیم کے مد میں ہم اپنی کمائی خرچ نہ کریں، حق تو یہ ہے کہ اس مد میں سب سے زیادہ خرچ کریں، اس لیے کہ اس سے دین اور دنیا دونوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

۴-یہ پہلو بھی نہایت قابل غور ہے کہ ایک ہی باپ کے اگر دو لڑکے ہیں، ایک کسی کالج یا اسکول میں پڑھتا ہے تو باپ اس کا مکمل خرچ بغیر کسی تکلیف کے برداشت کرتا ہے، کبھی اف نہیں کرتا جب کہ کالج کا خرچ مدارس کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہوتا ہے اور اسی باپ کا دوسرا لڑکا اگر کسی دینی ادارے میں تعلیم حاصل کرتا ہے تو وہ اس کی خوراکی فیس کا بوجھ بھی اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا، دینی اور عصری اداروں میں حصول تعلیم کے لیے یہ تفریق اور امتیاز نہایت قابل افسوس ہے۔

ہاسٹل: حضرت الشیخ رحمہ اللہ کا ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ ہر تعلیمی ادارے کے لیے ہاسٹل کا ہونا ضروری ہے، جس میں مقامی اور بیرونی تمام طلبہ اور طالبات رہ کر تعلیم حاصل کریں، اس لیے کہ تعلیمی وقت ختم ہونے کے بعد اگر مقامی طلبہ اور طالبات اپنے گھروں کو چلے جائیں گے تو گھریلو کام کاج اور سیر وتفریح میں اپنا وقت گذاریں گے اور یکسوئی کے ساتھ تعلیم حاصل نہیں کر پائیں گے، چناں چہ جامعہ محمدیہ مالیگاؤں میں ابتدا ہی سے یہ نظام لاگو ہے، وہاں کے مقامی طلبہ وطالبات ہاسٹل میں ہی رہتے ہیں، ہفتے میں صرف ایک دن ان کو اپنے گھر جانے کی اجازت ہوتی ہے، چناں چہ اسی مقصد کے پیش نظر آپ نے اب تک جتنے ادارے قائم کیے، بچوں کے ہوں یا بچیوں کے، عصری ہوں یا دینی، ہر ایک کے لیے آپ نے معیاری ہاسٹل کا انتظام فرمایا۔

تمام بلڈنگیں اسلامک آرٹ کا بہترین نمونہ ہیں، یک رویہ کمرے، بیچ میں صحن، روشنی اور ہوا کا معقول انتظام، بیڈ، بستر، لائٹ، پنکھا، پانی، صاف ستھرے حمامات کا وافر مقدار میں انتظام، ہر بلڈنگ میں مشرف اور وارڈن اور اس پر مزید اساتذہ کی نگرانی، لڑکیوں کے ہاسٹل میں بھی ان کی ضروریات کے لحاظ سے جملہ سہولیات اور لوازمات معیاری انداز میں متوفر ہیں۔

مطبخ اور مطعم: لڑکوں کے لیے ملک میں جتنے دینی ادارے ہیں وہ تقریباً بھی اقامتی ہیں اس لیے وہاں مطبخ کا ہونا ضروری ہے، لیکن تین دہائی قبل دینی اداروں میں مطعم کا انتظام نہیں ہوتا تھا، طلبہ پلیٹ و پیالہ لے کر لائن لگاتے اور ہر ایک کو گن کر کھانا دیا جاتا تھا، صبح کا ناشتہ نہیں دیا جاتا تھا، طلبہ کھانا لے کر کمروں میں جاتے اور کھاتے، حالیہ چند سالوں میں اس میں قدرے تبدیلی آئی ہے۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ اداروں کے مطبخ اور اس کے انتظام سے بخوبی واقف تھے، اس لیے آپ نے شروع سے ہی اپنے قائم کردہ تمام اداروں میں مطبخ کے ساتھ مطعم کا بھی انتظام کیا، بیٹھنے

کے لیے بنچ ٹیبل اور کرسی کا انتظام کیا، بہتر اور معیاری کھانے کے ساتھ ناشتہ کا بھی معقول انتظام فرمایا، آپ کے تمام اداروں میں اچھے باورچی رکھے جاتے ہیں اور انہیں اچھے سے اچھا کھانا بنانے کی سخت تاکید ہے۔

ایک ادارے میں پڑھنے والے طلبہ اور طالبات مختلف صوبوں سے تعلق رکھتے ہیں، ہر جگہ کھانے، پینے کا ذوق الگ ہوتا ہے، ہر ایک کے ذوق کے مطابق کھانا تیار کرنا تو ناممکن ہے لیکن رعایت ضرور کی جاتی ہے، رمضان المبارک میں سحری اور افطار کا بھی معقول انتظام کیا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ نے اپنے تمام اداروں میں طلبہ وطالبات کے کھانے، پینے اور رہنے سہنے کا جیسا معقول انتظام کیا ہے، ویسا کسی ادارے میں مشکل سے ہی ملے گا، سرپرست حضرات شرح صدر کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہمارے بچوں اور بچیوں کو جو آرام ہاسٹل میں ہے وہ آرام اور سہولیات ہمارے گھروں میں بھی میسر نہیں ہیں۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ نے ہوسٹل اور اس کے حسن انتظام میں جہاں اس بات کا التزام کیا کہ طلبہ وطالبات بے فکر اور یکسو ہو کر اپنا پورا وقت تعلیم میں صرف کریں، وہیں آپ کا یہ جذبہ بھی کارفرما تھا کہ مطبخ اور مطعم کا نظام ایسا عمدہ رکھا جائے کہ بچوں کو جو آرام گھروں پر میسر تھا ویسا ہی بلکہ اس سے زیادہ آرام ہمارے اداروں میں حاصل ہوتا کہ طلبہ احساس کمتری کے شکار نہ ہوں اور ان میں غلامانہ ذہنیت نہ پیدا ہو۔

لڑکیوں کی تعلیم:

میرے سامنے فارسی زبان میں ایک مطبوعہ رسالہ ہے اس کا نام ہے "عقود الجمان فی جواز الکتابة للنسوان" یہ رسالہ دراصل ایک استفتاء کا جواب ہے، سوال میں پوچھا گیا ہے کہ" کیا عورتوں کو خط وکتابت کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟ علماء دین اس کا تحقیقی جواب دیں"۔ بلا شبہ جواب نہایت محقق اور مدلل ہے، اولاً ابن حبان اور بیہقی وغیرہ کے حوالے سے عدم جواز پر دو تین روایتیں پیش کی گئی ہیں اور ساتھ ہی ان روایتوں کے ضعف بلکہ وضع (من گھڑت ہونا) کو ثابت کیا گیا ہے، بعد میں روایات وآثار کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عورتوں کے لیے لکھنا اور اس کی تعلیم حاصل کرنا جائز ہے، بتانا یہ ہے کہ یہ استفتاء اور اس کا جواب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورتوں کی تعلیم وتعلم اور خصوصیت سے ان کی تعلیم کتابت پر ماضی بعید سے اختلاف چلا آرہا ہے، آج مطلع صاف ہو چکا ہے پھر بھی کچھ لوگوں کو لڑکیوں کی مطلق تعلیم یا زیادہ تعلیم کے بارے میں شک ہے، مشکل یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو ضعیف اور موضوع روایات ہی نظر آتی ہیں، صحیح روایتیں نظر نہیں آتیں لیکن اس کورچشمی سے حقیقت نہیں چھپ سکتی۔

اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ایک تعلیم یافتہ ماں اپنی گود میں پرورش پا رہے بچے کی جتنی اچھی تعلیم وتربیت کرسکتی ہے اور اس کے اخلاق وعقیدے کو جس خوبی کے ساتھ سنوار سکتی ہے وہ جاہل ماں کبھی نہیں کرسکتی، بلکہ اپنی جہالت سے بچے پر منفی اثر ڈال سکتی ہے اور اسی کا زیادہ امکان ہے۔

حضرت مولانا مختار احمد صاحب ندوی "تغمدہ اللہ برحمتہ" تعمیر قوم کے حق میں نہایت دور اندیش واقع ہوئے تھے، حالات کی ناسازگاری کے باوجود انہوں نے یہ عزم کیا کہ مسلم سماج کا نصف حصہ دین سے، دینی علوم سے، دینی حقوق سے محروم نہ رہے، اس کو یہ دینی حق ملنا ہی چاہیے، یہاں میں یہ دعوی تو نہیں

کرسکتا، حضرت مولانا وہ پہلے شخص ہیں جنہیں مسلم بچیوں کی دینی تعلیم وتعلم کا خیال آیا لیکن اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ کم از کم جماعتی سطح پر منظم اعلیٰ دینی تعلیم کا انتظام مع ہوسٹل آپ نے ہی کیا ہے، آپ نے مسلم بچیوں کی معیاری تعلیم ''یعنی اتنی تعلیم کہ عورتیں دینی مسائل خود قرآن وحدیث سے اخذ کرنے کی اہل ہوجائیں'' اس کے لیے مالیگاؤں، مئو اور بنگلور میں تین عظیم اقامتی ادارے قائم کیے، اپنے آبائی وطن شہر مئو میں جب آپ نے ''کلیہ فاطمۃ الزہراء'' قائم کیا تو بڑے اعتراضات ہوئے، حتی کہ جمعہ کے خطبوں میں مذمت کی گئی، لیکن اسے اللہ کا انعام ہی کہنا چاہیے کہ وہی معترضین اب خود لڑکیوں کے ادارے کھول کر اس کے ناظم اور سرپرست بنے ہوئے ہیں، فللہ الحمد۔

مولانا کے نزدیک لڑکیوں کے دینی حقوق کا مسئلہ اہم تھا، انہیں مسجدوں میں جانے سے روکا جاتا ہے، جب کہ صحیح ترین احادیث سے ان کا مسجد میں جانا ثابت ہے، ہندوستان کے کونے کونے میں حضرت مولانا کے ذریعے چارسو کے قریب مسجدیں تعمیر ہوئیں، جن میں عورتوں کی نماز باجماعت یا جمعہ کے لیے جگہ کی گنجائش نکل سکی وہاں آپ نے عورتوں کا حصہ الگ کرایا، اس طرح آپ نے اپنی تحریکی جدوجہد سے عورتوں کو ان کا دینی حق دلایا، کتنے بدنصیب اور محروم القسمت ہیں وہ لوگ جو آج بھی عورتوں کو مساجد اور عیدگاہ میں جانے سے یا ان کو تعلیم کتابت سے روکتے ہیں۔

فنڈ کی فراہمی:

اداروں کے اخراجات لمبے ہوتے ہیں اور ان کی مستقل آمدنی عموماً نہیں ہوتی، اس لیے ان کے اخراجات کا پورا انحصار صدقات اور زکوۃ کی وصولی پر ہوتا ہے، پورے سال مدارس اور جامعات کے سفراء اندرون ملک اور بیرون ملک کے دورے کرتے اور چندہ کرتے رہتے ہیں، خصوصاً رمضان کے ماہ مبارک میں مدارس کے محصّلین کافی محنت کرتے ہیں اس لیے کہ پورے سال کا خرچ اسی مہینے میں اکٹھا کرنا ہوتا ہے، اس طرح رمضان کی ساری خیروبرکت اور عبادت وتلاوت کو خیرآباد کہنا پڑتا ہے، نماز، جماعت، تراویح، تلاوت، ذکرواذکار اور روزہ تک کا ضیاع تو ہوتا ہی ہے، دیگر اور بھی ناقابل بیان نقصانات ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کے قائم کردہ اداروں کا یہ امتیاز بھی قابل ذکر ہے کہ تعمیرات، مطبخ، مطعم، تنخواہ اور کتابوں کی فراہمی کے لیے کوئی ہنگامہ نہیں، کوئی بھاگ دوڑ نہیں، روزہ نہیں چھوٹتا، تراویح نہیں چھوٹتی، نماز، جماعت اور دیگر امور خیر کا ثواب نہیں جاتا، اساتذہ پریشان نہیں ہوتے، ہر طرح کی جھنجھٹوں سے محفوظ رہتے ہیں، نہایت سکون واطمینان کے ساتھ آپ کے اداروں کے اساتذہ تعلیمی ایام میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں اور اللہ کی توفیق سے رمضان کی خیروبرکت کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ جب تک حیات تھے اور کرنے کے لائق تھے، سارا بوجھ وہ خود اٹھاتے تھے اور اب ان کے حکم سے ان کے خلف رشید شیخ ارشد مختار حفظہ اللہ کے کندھوں پر تمام تعلیمی اداروں کی ذمہ داری ہے اور الحمدللہ نہایت خوبی اور سنجیدگی سے وہ اپنی ان ذمہ داریوں کو ادا کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے صاحبزادگان کو ہمت دے اور حوصلہ بخشے کہ وہ مولانا کی باقیات صالحات کو مزید ترقی دیں اور قیامت تک مولانا کی حسنات میں اضافہ ہوتا رہے۔

اللهم اغفر له وارحمه وعافِه واعفُ عنهُ وأكرم نزُله ووسّع مدخله.

☆☆☆

ایک منفرد مولانا

اطہر افضال

مولانا مختار احمد ندوی، جواب رحمۃ اللہ علیہ ہوگئے ہیں، کا نام ہندستان اور خلیجی ممالک کے دعوتی، تعلیمی اور تجارتی حلقے میں کافی معروف تھا، انہوں نے گزشتہ نصف صدی کے دوران جماعتی اور ملی سطح پر مختلف اور متنوع کارنامے انجام دیے، مئو کے ایک بنکر خاندان میں پیدا ہونے والے مولانا ندوی نے عملی میدان میں قدم رکھنے کے بعد کبھی پیچھے مڑکر نہیں دیکھا، مئو جیسے غیر ترقی یافتہ علاقے سے نکل کر کولکاتا ہوتے ہوئے انہوں نے ملک کی اقتصادی راجدھانی ممبئی سے جس طرح اپنے دینی، دعوتی، تعلیمی اور تجارتی سفر کا آغاز کیا اور تعمیر و ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے، ایک معمولی خاندانی پس منظر اور روایتی تعلیم کے باوجود ملک کے تعلیمی اور سماجی حلقے میں جو جگہ بنائی اس کو دیکھتے ہوئے لگتا ہے کہ وہ کافی حد تک ایک Selfmade انسان تھے۔

مولانا ندوی نے ایک بھر پور زندگی جی، دعوت و تبلیغ کے میدان میں سرگرم رہے، تحریر و ترجمہ اور صحافت سے بھی لگاؤ رکھا، تعلیم اور طب و صحت کے میدان میں مثالی کارنامے انجام دیے، کلیہ فاطمۃ الزہراء، محمدیہ اسپتال مئو، کلیہ عائشہ صدیقہ، محمدیہ طبیہ کالج، بدر السائر اسپتال، جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں اور الدار السلفیہ، ممبئی جیسے ادارے ان کی تعلیمی، طباعتی اور طبی خدمات کی خوبصورت تصویر پیش کر رہے ہیں، گویا انہوں نے بیک وقت ''ذہن وجسم'' دونوں کی صحت پر توجہ دی، ان کے علاوہ ملک کے بہت سے تعلیمی اور رفاہی اداروں کو ان کی سرپرستی حاصل تھی، جامعہ سلفیہ بنارس کے قیام سے لے کر اس کو ایک امتیازی شناخت عطا کرنے میں ان کے رول کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، آزاد ہندستان میں جمعیت اہل حدیث کی شیرازہ بندی سے لے کر اس کو منظم تنظیم بنانے میں ان کے مالی اور معنوی تعاون کا اعتراف سب کو ہے، ادارہ اصلاح المساجد کے ذریعے ملک میں عالیشان مساجد کی تعمیر بھی ان کی کتاب زندگی کا ایک زریں ورق ہے، جماعتی سرگرمیوں کے ساتھ ملی پلیٹ فارم پر بھی انکی موجودگی رہتی تھی، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر رہے اور زندگی کے آخری لمحے تک ذاتی، جماعتی اور ملی امور میں مصروف رہے۔ انہوں نے ایک معروف اور بھر پور زندگی جی، مختلف اور متضاد محاذ پر کام کیا اور بڑی خوش اسلوبی اور اولوالعزمی سے زندگی کے تضاد کو نبھایا بھی، ان کے انتقال کے بعد ان کی حیات اور کارناموں پر ان کے رفقاء اور عقیدت مند اپنے اپنے انداز سے تبصرے کریں گے، جن سے

ان کی تہ دار شخصیت کے مخفی گوشے بھی وا ہوں گے۔ یہاں پر ان کے عمل اور فکر کے چند پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

تعلیم نسواں کے لئے تڑپ:

مئو میں دینی تعلیم کا آغاز تو بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں ہو چکا تھا، مولانا محمد نعمان اور مولانا ابوالقاسم قدسی وغیرہ کی کوششوں سے ۱۹۱۸ء میں مدرسہ عالیہ نسواں کا قیام اس سمت میں پہلا قدم تھا، جس کو زبیدہ خاتون نامی مثالی معلمہ نے خون جگر سے سینچا۔ (تعلیم نسواں کا یہ نظام سرکاری اسکولوں کے مطابق تھا، مولانا نے دینی وعصری دونوں علوم کے امتزاج کے ساتھ کام شروع کیا تاکہ خواتین ہر دو علوم میں یکتا رہیں)۔ ادارہ

آزادی کے بعد مئو میں تعلیم نسواں کو توسیع وترقی دینے اور اس کو ایک انقلابی رخ دینے میں مولانا ندوی کا نام سب سے اہم ہے۔ مولانا ندوی نے جس وقت تعلیم نسواں کی تحریک شروع کی تھی اس وقت بعض علماء کا ذہن بھی اس موضوع کے حوالے سے بالکل صاف نہیں تھا اور وہ لوگ واضح موقف اختیار کرنے سے گھبراتے تھے، غالباً مولانا ندوی اپنے معاصرین میں تنہا ایسے مولانا تھے جنہوں نے تعلیم نسواں کے مسئلے پر ایک حد تک جارحانہ موقف اختیار کیا اور اس سلسلے میں معلوم اور موہوم ہر طرح کے خطرات وخدشات کو دور کرنے کی کامیاب کوشش کی، تعلیم نسواں کے فروغ میں معنوی اور مادی تعاون کے ساتھ ان کی تقریروں کا بھی بڑا دخل ہے، ان کی تقریروں کا ایک جملہ اکثر لوگوں کو یاد ہے "ایک مرد کی تعلیم ایک فرد کی تعلیم ہے اور ایک عورت کی تعلیم ایک خاندان کی تعلیم ہے"۔ ان کی تقریروں نے عوامی سطح پر تعلیم نسواں کے حوالے سے غلط فہمیوں اور غیر دینی تصورات کو کافی حد تک کم کیا، مئو اور مالیگاؤں نے تعلیم نسواں کے میدان میں جو حوصلہ افزا پیش رفت کی ہے اور تعلیم نسواں نے جس طرح معاشرے میں ایک Status Symbol کا روپ اختیار کرلیا ہے اس میں مولانا کی خدمات اور تعلیم نسواں کے حوالے سے ان کے شفاف ذہن اور واضح تصور کا بڑا دخل ہے۔ یہ ان کی کامیابی نہیں تو اور کیا ہے کہ کل جو لوگ تعلیم نسواں کی تحریک پر مولانا کو ہدف تنقید بناتے تھے اور اس کے پردے میں ان کے اخلاص اور حسن نیت پر شک کرتے تھے آج خود اس میدان میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

جدید مسائل کے تئیں مثبت اپروچ:

مولانا ندوی کی تعلیم روایتی طرز پر ہوئی تھی، ملک کے متعدد اداروں اور علماء سے انہوں نے کسب فیض کیا تھا، لیکن وہ "مسجد کے ملا" نہیں بلکہ رفتار زمانہ سے واقف ایک وسیع النظر عالم تھے، انہوں نے دنیا دیکھی تھی، ملک اور بیرون ملک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ہورہی جدید ترقیوں سے واقف ہونے کے ساتھ ان سے باقاعدہ استفادے کے قائل اور عامل بھی تھے، عقائد کے معاملے میں کافی سخت اور مسلک سلف کے والہ و شیدا مولانا ندوی نے بھانپ لیا تھا کہ جدید ایجادات اپنے دامن میں نئے نئے مسائل کی سوغات سمیٹے ہوئے آرہی ہیں ان کی ان دیکھی یا ان سے فرار ملت کے حق میں نہیں ہے، ایک عالم دین ہونے کے ناطے وہ ہمیشہ جدید مسائل کا اسلامی حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے تاکہ نئی نسل کو کسی بھی موڑ پر دینی رہنمائی کی کمی کا احساس نہ ہو۔ تجارت کی دنیا سے براہِ راست وابستہ ہونے کی وجہ سے ملکی اور عالمی تجارتی امور سے ان کا سابقہ رہتا تھا، اس لئے کئی ایک معاملات میں ان کی حیثیت ساحل دریا پر کھڑے تماشائی کی نہیں بلکہ بیچ دریا میں موجوں کے تھپیڑے سہہ رہے ایک

کامیاب پیراک کی تھی۔ ان کا فکری پس منظر بھی ان کو جمود اور تقلید سے دور رکھے ہوئے تھا، آج سے تقریباً دو تین دہائی قبل ''الدار السلفیہ'' سے ''بیمہ اور اس کی شرعی حیثیت'' کے نام سے معروف عرب عالم شیخ عبداللہ بن زید المحمود کی کتاب کے اردو ترجمہ کی اشاعت ان کی حریت فکر کی دلیل ہے، اس وقت اس کتاب کی اشاعت پر بعض ''مردان باصفا'' کی جبینیں بھی شکن آلود ہو گئی تھیں لیکن ان کی عقابی نگاہ حال کے آئینے میں مستقبل کا چہرہ دیکھ رہی تھی، ان کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ آج جن مسائل پر لوگ عوامی طور پر بات کرنے سے گھبراتے ہیں کل وہ مسائل ہماری زندگی اور معاشرے کا ایک لازمی جزو بن جائیں گے اس لیے ابھی سے ان کے اسلامی حل کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ جو لوگ اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے جدید ترقیوں سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں ان کو کسی بھی طرح کی دقت نہ ہو۔ آج بیمہ کے بارے میں لوگوں کے جو خیالات ہیں اور جس طرح سے دینی اور غیر دینی حلقوں میں اس کا رواج اور مقبولیت بڑھتی جارہی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے دو دہائی قبل اس کا جو اندازہ کیا تھا اور اس کے لیے ہندستانی مسلمانوں کی ذہنی تشکیل کی عملی کوشش کا جو آغاز کیا تھا وہ ان کی دور اندیشی اور ایمانی فراست تھی۔

دینی صحافت کو نیا رخ:

ہندستان میں دینی صحافت کا آغاز مولانا محمد حسین بٹالوی کے میگزین ''اشاعۃ السنۃ'' سے ہوتا ہے، ہندوستان میں دینی صحافت نے ایک صدی سے زیادہ کا سفر طے کیا ہے، جو مختصر مدت نہیں ہے لیکن ملک میں دینی صحافت کا موجودہ منظر نامہ یہ بتاتا ہے کہ اس نے حالات اور تجربات سے بہت کم سیکھا ہے، اسباب خواہ کچھ بھی ہوں، وسائل کا فقدان، پیشہ ورانہ صحافیوں کی کمی، مارکٹنگ کے جدید اصولوں سے ناواقفیت اور روایتی طرز زندگی پر اصرار وغیرہ۔

مولانا ندوی نے ۱۹۹۰ء میں ممبئی سے ''البلاغ'' کا اجراء کر کے دینی صحافت کو ایک نیا رخ دیا۔ مجلہ ''البلاغ'' صوری اور معنوی دونوں لحاظ سے دینی صحافت میں ایک انقلابی قدم کا آغاز تھا، باتصویر جاذب نظر سرورق کا تصور ملک کی دینی اردو صحافت میں بالکل نہیں تھا، ہر مہینے موضوع کی مناسبت سے سرورق کی ڈیزائننگ اور Illustration، مستقل کالم کا آغاز اور ان کی پابندی، کالم نویسوں کے پروفائل میں ایک حد تک تنوع مولانا ندوی کے صحافتی مزاج میں جدت کی دلیل ہیں۔ دینی صحافت میں سماجی اور سیاسی مسائل کی جگہ کم ہوتی ہے لیکن البلاغ کے صفحات پر مولانا ندوی نے بعض ایسی بحثوں اور مضامین کو جگہ دی، جو ایک غیر روایتی قدم تھا۔ حافظہ اگر وفا کر رہا ہے تو مرحوم شبیر راہی صاحب کا ایک مضمون کئی قسطوں میں ''ہندستانی مسلمانوں کی ہمہ جہت تباہی میں علماء کا حصہ'' شائع ہوا تھا، مضمون نگار نے جن علماء کے حوالے سے باتیں کی تھیں ان میں بعض ایسے تھے جن سے مولانا کو عقیدت اور شیفتگی تھی لیکن علمی بحث کے لئے انہوں نے ایسے مضمون کو باعزت جگہ دی، ''دلت مسلمانوں'' کے حوالے سے بھی ایک مضمون کی اشاعت ایک دینی مجلے میں بڑی اور انوکھی بات ہے، ''البلاغ'' ایک حد تک مشن اور پروفیشن کے درمیان ایک صحت مند اور خوشگوار امتزاج کی کوشش ہے، اردو میں دینی صحافت کو صوری اور معنوی لحاظ سے ایک نیا موڑ دینے میں مولانا ندوی کا کردار بہت اہم ہے مجھے امید ہے کہ دینی صحافت پر کام کرنے والے ریسرچ اسکالر اس پہلو پر توجہ دیں گے اور مولانا کے رول کا معروضی تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

☆☆☆

ایک مصلح اور انقلابی عالم دین

محمد یعقوب انصاری - ٹرسٹی مولانا آزاد ہائی اسکول ممبئی

محترم مولانا مختار احمد ندوی صاحب کو رحمہ اللہ لکھتے اور سمجھتے ہوئے کچھ عجیب سا محسوس ہوتا ہے، یقیناً ایسا اس لئے ہے کہ مولانا رحمہ اللہ کی خدمات اور ان کے کاموں سے مسلم معاشرے میں جو حقیقی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں وہ یہ ثابت کرتی ہیں کہ مولانا ایک مخلص مصلح اور انقلابی عالم دین تھے، یہ مشاہدہ میں نے مولانا مرحوم کے ساتھ قریب رہتے ہوئے کیا ہے، آیئے ہم کچھ تذکرہ کرتے ہوئے قارئین کو محترم مولانا مرحوم کے ممبئی کے ابتدائی سالوں کی اہم سرگرمیوں سے روشناس کرائیں۔

۱۹۶۳ء میں ہندوچین سرحدی تنازعہ کے بعد کلکتہ کے حالات ناسازگار ہوگئے تھے ان حالات میں مولانا مرحوم نے ممبئی آنے کا فیصلہ کیا اور ان کا پہلا قیام شہر کے مرکزی علاقہ مومن پورہ میں ہوا، جامع مسجد اہلحدیث مؤمن پورہ کے خطیب مقرر ہوئے، جمعہ کے پہلے خطبہ نے عوام وخواص کو اتنا متاثر کیا کہ انتظامیہ مسجد نے فوراً تقرری کیلئے حامی بھرلی، یہاں سے مولانا کی جماعتی وملی سرگرمیوں کا آغاز ہوا، جسے ہم چار اہم امور میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

۱- جماعت کی تنظیم

۲- اسلام کے معاشی نظام کی تنظیم

۳- جامعات اور جدید عصری علوم کے اداروں کا قیام

۴- ملک بھر میں موجود اہل حدیث مساجد کی جدید تعمیرات

اس کے علاوہ عام ملی مسائل پر مثبت راہ کے تعین پر رہنمائی اور قرآن واحادیث کی روشنی میں ان کا بہتر حل جو باوقار اور قابل قبول ہو۔

مومن پورہ کی مسجد میں واقع مدرسہ ''ضیاء العلوم'' کو جو کہ شبینہ مدرسہ تھا اسے مختلف درجہ بندیوں کے تحت جامعہ سلفیہ بنارس کے نصاب کی طرح مزین کیا اور اسے ترقی دے کر کئی مدرسین کی نگرانی میں نئے سرے سے پورے دن کا مدرسہ بنایا جس سے علاقہ میں عصری علوم کے ساتھ دینی علوم کی طرف لوگ متوجہ ہوئے، مولانا محترم نے محسوس کیا کہ شہر میں کئی علاقوں میں سلفی حضرات آباد ہیں، چنانچہ اسی خیال کے تحت شہر میں جمعیت اہلحدیث کی شہری اور مقامی تنظیموں کا مؤثر کام شروع ہوا اور سلفی حضرات کی یہ تنظیم ممبئی شہر میں ایک مؤثر ملی ادارے کی شکل میں متحرک ہوگئی، صرف تین سال کے عرصہ میں جمعیت اہلحدیث ممبئی عظمیٰ نے نہ صرف یہ کہ اپنا ایک مستقل دفتر بنایا بلکہ اس کا اولین کل ہند پیمانہ کا اجلاس عام ۱۹۶۶ء میں جھولا میدان میں منعقد ہوا۔ اس سارے عرصہ میں مولانا کی توجہ اور محنت سے شہر کے کئی علاقوں میں مساجد ومدارس اور مقامی جمعیتوں کا قیام عمل میں آچکا تھا، اس تنظیمی سرگرمی کی خاص بات یہ تھی کہ نوجوان طبقہ دین کے قریب آنے لگا، بزرگوں، دانشوروں اور محنت کشوں کے ساتھ ساتھ تنظیمی سرگرمیاں خواتین کے حلقہ میں بھی پھیلنے لگیں اور سال بہ سال کل ہند پیمانے کے اجلاس اور اہم ملی مسائل پر رہنمائی نے جمعیت اہل حدیث کو ایک فعال تنظیم کا روپ دے دیا، جمعیت نے اہم اسلامی امور پر عام

مسلمانوں کو قرآن و احادیث کی روشنی میں سوچنے پر مجبور کیا اور یہیں سے قرآن و احادیث کو سمجھنے کا رجحان پروان چڑھا جو ماشاء اللہ اب کافی مقبولیت اختیار کر چکا ہے۔

۱۹۶۶ء میں زکوٰۃ کی تنظیم اور اس کے جمع وخرچ کا نظام بیت المال کا قیام عمل میں آیا، جس سے نہ صرف مومن پورہ کے غرباء و مساکین اور بیواؤں کی پہلی مرتبہ بہتر انداز میں مدد ہوئی بلکہ دھیرے دھیرے یہ شہر کے دیگر علاقوں میں بھی قائم ہوا اور الحمد للہ آج شہر کے کئی علاقے اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں، بیت المال کے ذریعہ لوگوں کی معاشی امداد کے علاوہ تعلیمی امداد، فسادزدہ افراد کی موقع پر موثر مالی امداد اور بے سہارا افراد کی امداد، مسافروں کی امداد، یتیم لڑکیوں کی شادی میں امداد وغیرہ آج تک جاری وساری ہیں، مدرسہ ضیاء العلوم کی کئی ذیلی شاخیں مضافات ممبئی جیسے وکرولی، قریش نگر کرلا، ماٹونگا، کاندیولی، ملاڈ، دھاراوی وغیرہ میں قائم کی گئیں جو اب مزید مدارس کے ساتھ اپنی علمی سرگرمیوں کو انجام دے رہی ہیں، یہ سارے علمی، معاشی سدھار کے کام اور تنظیمی سرگرمیاں مولانا محترم کی زبردست ذہانت اور محنت نیز حکمت سے اداروں اور تنظیم کے تحت متحرک ہوئے اور ان کی خیر و برکات جاری وساری ہیں، نیز یہ ترقی کرتے ہوئے اپنے دائرہ اثر کو مزید مستحکم کرتے جا رہے ہیں۔

۱۹۷۱ء میں مولانا محترم کی تعمیراتی سرگرمیاں عروج پر آگئیں اور سب سے پہلے مسجد اہلحدیث مومن پورہ کی جدید تعمیر عمل میں آئی اس کے ساتھ ساتھ مضافات میں وکرولی، مرول، دھاراوی، ماٹونگا کی مساجد اور مدن پورہ کی بنگالی مسجد اہلحدیث بھی نئے سرے سے تعمیر کی گئیں اور پھر ادارہ اصلاح المساجد کا قیام عمل میں آیا جس کے ذریعہ ایک عدیم المثال تعمیرات کا کارنامہ انجام دیا گیا جو ہندوستان کی ملت اسلامیہ کی تاریخ میں بے نظیر ہے، سینکڑوں مساجد ومدارس کی جدید تعمیر اور وہ بھی بلا کسی تشہیر کے صرف مولانا محترم کے ذریعے ہی ممکن ہو سکی، بلاشبہ مخیر حضرات نے مولانا رحمہ اللہ پر اپنا اعتماد قائم رکھا اور یہ صدقات جاریات عملی شکل اختیار کر سکے۔

۱۹۷۰ء میں مولانا رحمہ اللہ نے مسلم بچوں اور بچیوں کی عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کے لئے مومن پورہ میں مولانا آزاد ہائی اسکول قائم کیا، یہ ایک روایتی ہائی اسکول سے ہٹ کر ایک تحریک تھی جو عصری علوم کے ذریعہ نئی نسل کو صحیح عقائد اور مثالی مسلم شہری بننے کی ترغیب دے رہی تھی، الحمد للہ یہ تحریک عوام الناس کے دل کی آواز اور معاشرہ کی ضرورت ثابت ہوئی جس نے بہت سارے خاندانوں کو صحیح العقیدہ اور معاشرہ کا ذمہ دار شہری بنا دیا، راقم الحروف مذکورہ بالا مصروفیات میں مولانا رحمہ اللہ کے ساتھ ایک معاون کی حیثیت سے شامل رہا۔ الحمد للہ مجھے جمعیۃ اہل حدیث کی نظامت کے علاوہ ادارہ اصلاح المساجد کے معاون اور جامعہ محمدیہ کی نظامت کا شرف بھی حاصل ہوا، ممبئی میں مولانا کے ساتھ محمد علی بجاش رحمہ اللہ، مولانا عبدالرزاق سعد رحمہ اللہ، شرف الدین خاندان، صدیق احمد رحمہ اللہ، ذکر اللہ خان، رفیق احمد، عبدالعزیز انصاری اور محمد علی برادران ہر کام میں شریک رہے، مولانا آزاد ہائی اسکول کی کامیابی کے بعد جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں اور اس کی بنگلور، مئو ناتھ بھنجن وغیرہ میں شاخیں وجود میں آئیں، محمدیہ طبیہ کالج بنا اور ان سب کی خیر و برکات سے مسلم معاشرہ فیضیاب ہو رہا ہے، مولانا مرحوم کی خدمات ماشاء اللہ ان گنت ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مولانا رحمہ اللہ کے ذریعہ ہمیں کامیابی کی جو راہ دکھائی ہے ہمیں اس راہ پر کامیابی کے چراغ روشن کرنا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی تمام نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

تعلیم نسواں کے عظیم محرک
مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

میمونہ ادریس : پرنسپل کلیہ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ للبنات مئوناتھ بھنجن

ضلع مئو کسی تعارف کا محتاج نہیں ، یہ شمالی ہند صوبہ یوپی کا پارچہ بافی صنعت کی شہرت کے ساتھ علمی وثقافتی اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہی نہیں بلکہ یہ ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔

یہاں کی مٹی بڑی زرخیز ومردم خیز ہے۔ یہاں کی سرزمین سے ایک سے ایک جلیل القدر علماء وفضلاء ونابغۂ روزگار ہستیاں عالم وجود میں اٹھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے چند ہی دنوں میں آفاق عالم پر چھاگئیں اوران کی شہرت چہاردانگ عالم میں پھیل گئی۔ انہی شہرہ آفاق ہستیوں میں سے ایک مایہ ناز ہستی اور بلند پایہ شخصیت ، قاطع بدعت ، حامئی سنت ، صاحب تصانیف کثیرہ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ ہیں۔

اللہ تعالٰی نے آپ کو ہمہ گیر شخصیت کا مالک بنایا تھا۔ آپ ادارہ سازی ، خطابت ، صحافت ، مستقل مزاجی ، اولوالعزمی ، انتظامی صلاحیت ودوربینی ودوردمندی ، بیدار مغزی جیسی بے شمار خوبیوں سے متصف تھے۔

مولانا موصوف جوانی سے لیکر جواں پیری کے عالم تک اسلام اور خدمت خلق کے عظیم جذبہ کے تحت مشغول رہے۔ آپ نے دین کی ترویج واشاعت میں وہ کارہائے نمایاں انجام دئے جو ہمارے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مولانا موصوف نے اپنے دلیرانہ کارناموں اور گراں قدر خدمات وتصنیفی شاہکار وخطابت کے ذریعہ توحید کا ایسا جام پلایا کہ آج اس ساقی کے لئے جام وپیانہ بھی آنسو بہار ہے ہیں۔

مدتوں رویا کریں گے جام وپیانہ تجھے

۹ رستمبر ۲۰۰۷ء کو بوقت غروب آفتاب ، کتاب وسنت کے بے لاگ ترجمان ، قدیم وجدید کے مسائل میں اسلام کی صحیح وجامع تعلیمات وعلمی وملی خدمات کے رہنما ، یگانہ روزگار مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی زندگی کا سورج بھی غروب ہوگیا اور وہ اپنے پیچھے سیکڑوں تشنگان علوم نبوت کو روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے رب حقیقی سے جاملے (اناللہ وانا الیہ راجعون)۔

قامع بدعت ، عظیم مصلح ، اہل حدیث کے پاسبان مولانا ندوی رحمہ اللہ جیسی قدآور اور نابغۂ روزگار ہستیوں کے بارے میں کچھ لکھنا یا قلم اٹھانا مجھ جیسی کم مایہ اور تہی داماں کے بس کی بات نہیں خصوصاً ابتدائی حالات پر روشنی ڈالنا میرے لئے انتہائی مشکل ہے کیونکہ ان کے بارے میں معلومات کے ذرائع میرے لئے محدود ہیں لیکن عقیدت سے سرشار ہوکر بقدر توفیق وہمت جو کچھ معلومات فراہم ہوسکیں اسے مولانا ندوی رحمہ اللہ نمبر میں پیش کرنے کے لئے اپنی بے ذوقی وبدسلیقی کے ساتھ بے ہنگم انداز میں صفحۂ قرطاس پر پیش کرنے کی جسارت کررہی ہوں۔

مولانا ندوی رحمہ اللہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ، ان کی

زندگی ایک کمل کتاب کے مانند ہے، مولانا موصوف کے نام سے نہ صرف پورے ہندوستان بلکہ آپ کو عالم اسلام میں جانا اور مانا گیا ہے۔

مولانا موصوف کی عبقریت اپنی ملی وجماعتی اور تصنیفی ورفاہی خدمات کی بناء پر عالم اسلام کے گوشہ گوشہ میں معروف ہے اوران کی ان تمام خدمات سے کماحقہ واقفیت تو مجھے بہت بعد میں ہوئی لیکن ندوی صاحب کا نام اپنے طالب علمی کے زمانے ہی سے سننے لگی تھی۔ یہ ندوی صاحب کون تھے؟ کیا تھے؟ نہ میں نے ان کو دیکھا اور نہ ہی ذہن میں ان کا کوئی تصور تھا کہ اچانک میرے آبائی وطن مبارکپور اعظم گڈھ مدرسہ دارالتعلیم میں تشریف لائے اور میری عربی تعلیم سے بہت متاثر ہوئے۔ مجھے بھی ندوی صاحب کو دیکھنے کی بہت خواہش تھی اورانھیں دیکھ کر میں بہت ہی متاثر ہوئی۔ سفید کرتا پاجامہ پہنے ہوئے، متوسط قد، چہرہ نورانی، شخصیت باوقار وبارعب، اعضاء متناسب گویا ایک وجیہہ انسان نظر آتے تھے۔ آپ کے عادات واطور، افکاروخیالات نہایت بلند اور جامع تھے۔ نہایت زندہ دل، خندہ پیشانی والے آدمی تھے۔ انہوں نے بذات خود میرے استاد مولانا نورالعین صاحب سلفی حفظہ اللہ کی معیت میں کچھ سوالات بھی کئے اور میری تعلیم سے خوش ہوکر آئندہ اس تعلیم کو جاری رکھنے کی وصیت کی اور ''ریاض الصالحین'' جیسی نافع کتاب تحفۃً عنایت کی اور فوراً ہی اس کتاب کا درس بھی سلفی صاحب نے شروع بھی کردیا تھا۔

غرض مولانا موصوف ان ممتاز شخصیتوں میں سے تھے جن کے عظیم کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، ایک طرف قامع بدعت جامع سنت بن کر ابھرے تو دوسری طرف ایسی رفاہی وملی خدمات اور ایسی تصنیفات چھوڑی ہیں جو ہمارے لئے بیش بہا سر مایہ ہیں جن سے ہم تاقیامت استفادہ حاصل کرتے رہیں گے۔

مولانا موصوف کے حالات کے بارے میں کچھ لکھنا بڑی بلند ہمتی کا کام ہے نیز واقفیت اور معلومات کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اپنی بساط وقدرت کے مطابق ان کے حالات پر لکھنا میرا فرض ہے اور لکھ دینے سے فرض کی ادائیگی ہوتو جائے گی لیکن مجھ بے مایہ کی بے ہنگم باتوں سے مولانا موصوف کی عبقریت اور علمی جلالت سے اہل علم حضرات کی تشنگی کیا دور ہوگی پھر بھی عقیدت لکھنے پر مجبور کر رہی ہے، کیونکہ ناچیز کی تدریسی زندگی کا آغاز وارتقاء مولانا رحمہ اللہ کی نظر عنایت کا رہین منت ہے۔ یہ ناچیز کلیہ التربیہ للبنات بالریاض میں زیر تعلیم تھی اور ابھی فراغت کو ایک سال باقی تھا کہ ہندوستان سے تدریسی خدمات کیلئے چار(۴) جگہوں سے درخواست داخل کردی گئی تھیں تو وہاں کے ذمہ داران نے ہمارے بھائی ڈاکٹر رضاء اللہ رحمہ اللہ کو بلاکر کہا کہ اس بچی کے لئے مولانا مختار احمد ندوی صاحب کی دو درخواست ایک مالیگاؤں اور دوسری مئو کیلئے ہمیں موصول ہوئی ہیں اور دہلی سے بھی دو جگہوں کے لئے درخواست آئی ہوئی ہیں اب ہم شش وپنج میں مبتلا ہیں کہ اس بچی کو کہاں کے لئے مبعوث کیا جائے اس وقت بھیا کو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا بالآخر انھوں نے مبارکپور سے قریب ہونے کی وجہ سے ''مئو'' ہی کو ترجیح دی اور ناچیز ۱۹۸۳ء میں فراغت کے بعد تمام لوازمات سے فارغ ہوکر کلیہ فاطمہ الزہراء مئو آگئی اور یہاں بحیثیت معلمہ تدریسی خدمات انجام دینے لگی اس طرح میری تدریسی زندگی کا آغاز بھی مولانا رحمہ اللہ کی نظر عنایت کا رہین منت ہے۔

تدریسی زندگی کا آغاز ہوتے ہی مجھ ناچیز کو مولانا موصوف رحمہ اللہ نے عمیدہ جیسے عظیم عہدہ کا بھی اعزاز ہی نہیں بخشا بلکہ

تاحیات اپنی شفقتوں اور عنایتوں سے مستفیض فرماتے رہے اور اپنی زبان کو ہمیشہ میری تعریف میں رطب اللسان رکھتے۔انہوں نے اور اہل خانہ نے جو عزت ومقام دیا (اتنی لمبی مدت تک) وہ بڑے خوش نصیبوں ہی کو حاصل ہے۔اس اعزاز سے کچھ میرے حاسدوں نے اپنی تدبیریں اور چالیں چلیں لیکن مولانا موصوف کے سامنے ان کی تدبیریں کارگر ثابت نہیں ہوئیں معاملات کی تحقیق کرنے پر خود شکایت کرنے والے اپنے منہ کی کھاکے رہ گئے، کئی مرتبہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوشی بھی چاہی لیکن ان کے سامنے کوئی بس نہ چل سکا اور بیس، بائیس سال ہوگئے میں مسلسل معلمہ وعمیدہ کی خدمات انجام دیتی رہی ہوں۔یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور احسان ہے اور اس کے بعد مولانا کی اس ذرہ نوازی کا سب سے بڑا دخل ہے۔(رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ)

مولانا کی ولادت وخاندانی پس منظر

عالم اسلام اور دنیائے انسانیت کی عظیم علمی شخصیت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت ۱۹۳۰ء میں مشرقی یوپی کے مردم خیز شہر مئو کے محلہ وشوناتھ پورہ میں ایک دینی وعلمی گھرانے میں ہوئی۔آپ کا گھرانہ ایک دینی گھرانہ تھا۔جس کی وجہ سے آپ کی پرورش وپرداخت بھی خالص دینی ومذہبی ماحول میں ہوئی آپ کے والد ماجد کا نام محمد ضمیر تھا۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی ودینی تعلیم اپنے آبائی وطن مئو میں حاصل کی چنانچہ مئو کے ایک دینی معروف ومشہور ادارہ ''مدرسہ عالیہ عربیہ مئو'' میں داخلہ لیکر اکتساب علم کیا پھر ''مدرسہ فیض عام مئو'' میں داخلہ لیکر اس دور کے متعدد اساتذہ علم وفن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور وہاں سے سند فراغت حاصل کرکے مزید حصول علم کے لئے اس دور کے میکدہ کتاب وسنت ''دارالحدیث رحمانیہ'' میں داخل ہوئے۔بعدہ عازم لکھنو ہوئے اور وہاں ندوۃ العلماء کے جلیل القدر اساتذہ کے حضور زانوئے شاگردی تہہ کیا۔مولانا موصوف بڑے مولوی صاحب (مولانا محمد احمد رحمہ اللہ) اور علامہ عبداللہ شائق مئوی جیسے ذہین وفطین محدث سے سند اجازت وروایات حدیث حاصل کی۔

فراغت کے بعد فن حدیث میں مہارت حاصل کرنے کے لئے اس دور کے مشہور ومعروف نامور سلفی محدث ابوالقاسم سیف بناری کی خدمت میں رہ کر ان سے صحیحین کا درس حاصل کیا۔فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے آبائی وطن اور وطن مالوف کو چھوڑ کر کلکتہ میں جامقیم ہوئے اور وہاں جامع مسجد اہل حدیث میں بحیثیت امام، خطیب ومفتی کا کام کیا ایک مدت مدید تک اس کار خیر میں مشغول رہے۔کلکتہ میں سکونت ترک کرنے کے بعد آپ نے ممبئی میں جامع مسجد مومن پورہ اور اس کے بعد بنگالی مسجد مدن پورہ کو مرکز دعوت وتبلیغ بنایا اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے شہرت پائی۔مولانا بڑے اچھے خطیب وواعظ تھے۔انداز بیاں ایسا تھا کہ اکثر لوگ بڑے شوق سے آپ کی باتیں سنتے اور مجمع پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوجاتی۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا موصوف رحمہ اللہ کو فن خطابت کا بے مثال جوہر عطا کرنے کے ساتھ ساتھ قلم میں بھی جولانی مرحمت فرمائی تھی اور یہ خداداد دولت بچپن ہی سے آپ کو مل گئی تھی اور اسی وقت سے لکھنے پڑھنے کا ذوق ودیعت کیا گیا تھا اور عنفوان شباب وطالب علمی ہی کے زمانہ سے اسلام کے مختلف موضوعات پر علمی وتحقیقی مقالات اس دور کے متعدد جرائد ورسائل کی زینت بنے۔

پھر اخبار اہل حدیث کے نائب مدیر منتخب کرلئے گئے اور دس سال تک مجلس ادارت سے منسلک رہ کر اس اخبار کی شہرت

ومقبولیت میں چار چاند لگادیئے۔

مولانا موصوف رحمہ اللہ کے اوصاف وخدمات

قد آور شخصیتوں کی پوری زندگی عزائم ومواقف سے بھری ہوتی ہے۔ عصر حاضر کی قد آور شخصیتوں میں سے مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی بھی زندگی عزیمتوں اور مواقف سے عبارت ہے۔ وہ بلند حوصلہ، زبردست قوت ارادی کے مالک، عزم وہمت جیسی امتیازی صفات کی وجہ سے ایک انفرادی وممتاز مقام رکھتے تھے۔

آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ بڑے سے بڑے مصائب میں صبر وسکون تحمل وبردباری کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے آپ میں تنگ نظری وتنگ دلی نہ تھی بڑے ہی بردبار اور سنجیدہ مزاج تھے۔ مولانا جب توحید ورسالت کی تبلیغ، کتاب وسنت کی اشاعت، شرک وبدعت کی تردید کیلئے کھڑے ہوئے تو عداوت ومخالفت کا طوفان امڈ آیا۔ معاندین اسلام نے آپ کے کام میں بہت روڑے اٹکانے چاہے، گاہے بگاہے آپ کو اذیتیں وتکلیفیں پہونچائیں اور موقع بموقع گالیاں بھی دیں اور سب وشتم کیا۔ لیکن آپ لبوں پر مسکراہٹ سجائے آگے بڑھتے رہے۔

غرض آپکی ہمہ رنگ وصفت شخصیت کے احاطہ کیلئے ان گنت صفحات درکار ہیں۔ مولانا موصوف کا دائرہ کار بہت وسیع ہے اور آپ کی خدمات گوناگوں ہیں، اگر آپ کی خدمات کا بالتفصیل جائزہ لیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے، پھر بھی کوئی نہ کوئی گوشہ تشنہ ہی رہ جائیگا۔

آیئے بالاختصار ان کی خدمات وکارناموں کا جائزہ لینے کی سعی کرتے ہیں۔

مولانا موصوف رحمہ اللہ نے کلکتہ چھوڑنے کے بعد ممبئی میں سکونت اختیار کرلی۔ شروع شروع میں ممبئی کا ماحول آپ کیلئے اجنبی تھا۔ ابتداء میں انہوں نے کچھ دقتیں اور پریشانیاں اٹھائیں۔ لیکن آہستہ آہستہ ان کیلئے اللہ تعالی نے ترقی کے دروازے کھول دیئے اور آپ تیزی کے ساتھ قدم آگے بڑھانے لگے۔ تصنیف وتالیف، تعلیم وتربیت، وعظ وتقریر غرض ہر محاذ پر انہوں نے اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے اور ہر میدان میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

مولانا موصوف رحمہ اللہ نے ممبئی میں ''اصلاح المساجد'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کرکے ہندوستان کے تمام ضروری مقامات پر سیکڑوں شاندار مساجد کی تعمیر وتوسیع کرائی جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ہندوستان میں مساجد کی تعمیر وتوسیع کی تاریخ جب بھی لکھی جائیگی مولانا رحمہ اللہ کا نام جلی حرفوں سے لکھا جائے گا اور مؤرخ کا قلم مولانا کی تعمیرات وتوسیعات جیسی عظیم خدمات سے صرف نظر نہیں کر سکتا کیونکہ اس بارے میں مولانا کا کردار ایک سنہرا باب ہے۔

الدار السلفیہ کا قیام

۱۹۷۰ء میں آپ نے ممبئی میں سلفی العقیدہ کتب کی نشر واشاعت کے لئے ایک معروف ومشہور اور ہمہ گیر ادارہ ''الدار السلفیہ'' قائم کیا، جہاں سے تفسیر واحادیث اور دیگر دینی موضوعات کی سیکڑوں کتب منصۂ شہود پر آئیں۔ یہ ادارہ عالم اسلام میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔

اس ادارہ کی اردو مطبوعات تقریبا دو سو سے زائد ہیں اور عربی مطبوعات تقریباً پچاس سے زائد ہیں ان میں سب سے مشہور کتاب امام ابن ابی شیبہ کی ''المصنف فی الاحادیث والآثار'' اور امام بیہقی کی ''الجامع لشعب الایمان'' جیسی گرانقدر کتابیں جو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں زیور طبع سے آراستہ ہوئیں، اسی طرح سے ہزاروں علمی واصلاحی کتابیں اور قرآن وتراجم طبع ہی نہیں بلکہ عوام الناس میں مفت تقسیم کئے گئے۔

الجمعية الخيرية

مولانا ممدوح نے "الجمعية المحمديه الخيريه" قائم کر کے بہت سے غریبوں اور حاجت مندوں کی مالی امداد کی اور "الجمعية المحمديه الخيريه" کے زیر نگرانی ملک کی مختلف ریاستوں کے متعدد مقامات پر تعلیمی وتربیتی اداروں کا ایک جال پھیلا دیا، یہی نہیں بلکہ ان تعلیمی وتربیتی اداروں میں زیر تعلیم محتاج ومسکین بچوں وبچیوں کی خبر گیری کے لئے حسب امکان تعاون اور معاشرے میں غریب ونادار طبقات کی مالی مدد بھی کی۔

مولانا موصوف کی فیض رسانی

مولانا موصوف کا وجود سراپا فیض ہی فیض تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو زندگی بخشی تھی آپ اس میں زبان وقلم کے ذریعہ مسلمانوں کی خدمت کرتے رہے۔ آپ کی زندگی سے لوگوں نے بے شمار فائدے حاصل کئے۔ آپ کے ذریعہ تعاون وفیض حاصل کرنے والوں میں بہت سے علماء، فضلاء، اطباء، دعاۃ ومبلغین کے علاوہ بے شمار یتیم، مسکین، محتاج وبے کس مریض بھی شامل ہیں اور بہت سی نادار بچیوں کی شادی کے موقع پر مالی تعاون آپ کا بڑا کارنامہ ہے۔

مولانا موصوف کے مناقب واخلاق حسنہ

مولانا موصوف گوناگوں صفات سے متصف تھے۔ آپ کی شخصیت ہمہ گیر اور نوع بہ نوع کمالات کی جامع تھی۔ وہ بلند حوصلہ، زبردست قوت ارادی کے مالک، عزم وہمت اور دریا دلی کے پیکر تھے۔ بڑے بڑے مصائب میں صبر وسکون تحمل وبردباری کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ آپ میں تنگ نظری وتنگ دلی نہ تھی، بہت ہی حلیم وبردبار اور سنجیدہ مزاج تھے، آپ کی مستقل مزاجی اور بے نفسی کا شہرہ عام تھا۔ آپ لرزہ خیز حالات میں مرد کامل تھے جو یقین محکم کے مبلغ اور استقلالی مزاج کے پیامبر تھے۔

اگر ہو رزم تو شیر غاب کے مانند
وگر ہو بزم تو رعنا غزالی و تاتاری

اپنی ذاتی خوبیوں اور اخلاق وکردار اور منفرد صلاحیتوں کی وجہ سے عالم اسلام کی ایک ممتاز ومایہ ناز شخصیت مانے جاتے تھے جنہوں نے دین اسلام کی برتری، سربلندی اور اقوام عالم میں مسلمانوں کی عزت ووقار کو بحال کرنے کی کوشش کی اور اس راہ میں بے شمار ابتلاء وآزمائش سے گزرنا پڑا لیکن ہمیشہ آپ کی زبان سے صبر وشکر کے الفاظ ہی ادا ہوئے۔

مولانا موصوف کو دعوت وتبلیغ کا جذبہ زمانہ طالب علمی ہی سے تھا، آپ کے اکثر خطابات توحید پر مشتمل ہوا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے دعوتی وتبلیغی مشن کے ذریعہ اپنے قرب وجوار سے بہت حد تک بدعات وخرافات کا قلع قمع کیا تھا۔ جماعت اہل حدیث کی ترقی وترویج کیلئے آپ نے انتھک محنت وکوشش کی۔ ان کی کوششوں کو جماعت ہمیشہ یاد رکھے گی گویا آپ صرف مسلک اہل حدیث کے پیشوا ومعمار ہی نہیں بلکہ پوری امت اسلامیہ کے رہنما تھے۔ آپ کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات کافی اثر رکھتے تھے، آپ کی باتیں ایسی ہوتی تھیں کہ دل میں فوراً اتر جاتی تھیں۔

مولانا موصوف رحمہ اللہ کی زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کیلئے وقف تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر ایسے کمالات وصلاحیتیں ودیعت فرمائی تھیں جو معاصرین میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھیں۔ آپ کی زندگی کا نمایاں ودرخشاں کمال آپ کا عزم وحوصلہ وخیالات کی بلندی اور نئی نسل سے جہالت وناخواندگی کو دور کرنا، مسلمانوں کو تعلیم کیلئے راغب کرنا اور جہالت وضلالت سے متنفر کرنا تھا۔

تعلیمی ترقی کو فروغ دینے کیلئے مولانا موصوف نے کافی

جدوجہد کی اور تعلیمی اصولوں کو برتنے کیلئے انہوں نے ہندوبیرون ہند مختلف ممالک کا سفر کیا اور بڑی بڑی قد آور شخصیتوں سے ملاقات اور متعدد کانفرنسوں میں شرکت کی، مختلف موضوعات پر گفت وشنید کی اور متعدد جامعات ویونیورسٹیوں کا طریقۂ تعلیم پر گہرائی وگیرائی سے مشاہدہ کیا بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ اپنے اداروں اور مدرسوں کیلئے ایسا نصاب تعلیم مرتب کرنا چاہئے جس میں جدید وقدیم کا حسین امتزاج ہو۔ اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ عصری علوم وفنون کی بھی تعلیم ہوتا کہ فلاح وبہبودی مسلمانوں کی مقدر بن جائے۔

ان مقاصد کے حصول (بشمول بنت حوا کی تعلیم) کی خاطر دل وجان سے لگ گئے، جس کیلئے انہیں شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، گالیاں کھائیں، طعن وتشنیع کے نشتر سہے لیکن مخالفتوں نے مولانا موصوف کے عزائم وحوصلے کو اور مضبوط سے مضبوط تر بنادیا۔ ان کا تعلیمی منصوبہ ایسا ہمہ گیر اور منظم تھا جو انہوں نے مسلمانوں کیلئے ششہائے گرامایہ کیں وہ انہیں کا حصہ تھیں۔ وہ مسلمانوں میں ایسا منظم وہمہ گیر نظام تعلیم چاہتے تھے جو مستقبل میں آنے والی تمام تبدیلیوں اور اعلی اقدار کو اپنے اندر سمولے اور مولانا موصوف کا یہ خواب بڑی ہی قلیل مدت میں شرمندۂ تعبیر ہوگیا۔

یہ مولانا موصوف جیسے جری ومرد آہن کا کام تھا باوجود سخت مخالفت کے سردھنتے رہے اور مخالفت کے سخت جھونکے سہتے رہے مگر اپنے عزائم پر قائم ودائم رہے۔ ناسازگار حالات اور مخالفت کی شدید سے شدید تر چوٹیں سہہ کر بھی ان کے قدم کبھی ڈگمگائے نہیں۔

قوم کے چمن میں صدیوں بعد کوئی ایسا دیدہ ور پیدا ہوتا ہے اور جنم لیتا ہے۔ مولانا موصوف ان دیدہ وروں میں سے تھے جن پر جماعت اہل حدیث ہی نہیں بلکہ ہندوستان فخر کرتا رہے گا۔

مولانا موصوف رحمہ اللہ کی وسیع النظری اور روشن دماغی زندگی کی راہوں میں مشعل کا کام دیتی رہے گی۔

ہندوستان کی نشأۃ ثانیہ میں جہاں شاہ ولی اللہ وغیرہم کے نام صفحۂ اول پر آتے ہیں وہیں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی عظیم المرتبت شخصیت بھی پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر نظر آئیگی۔ اس علم وفن کے شیدائی کی تحریک وتعلیمی مہم مسلمانوں کیلئے فکر وعمل کا ایک پیغام تھی۔ ان کی تعلیمی مہم اور تحریک تعلیم نسواں کا اہم مقصد مسلمانوں میں ذہنی بیداری کو اجاگر کرنا، ان میں صحیح اسلامی اسپرٹ پیدا کرنا اور اس کی سوئی ہوئی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا تھا تاکہ زندگی کے مختلف میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کا ثبوت دے سکیں۔

مولانا کے خواب کی تعبیر تو ان کی زندگی میں بہت پہلے ہی مل گئی تھی اور اس شان جلوہ گری کے ساتھ کہ جس نے نگاہوں کو خیرہ کر دیا اور عالم کو بقعۂ نور بنادیا۔ آج مولانا موصوف رحمہ اللہ کا کارواں متعدد شعبوں اور اداروں کے ساتھ مختلف شہروں اور صوبوں میں اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ پیہم رواں دواں ہے۔

بانیٔ مدارس وجامعات کی ساری جہود ومساعی سے بڑا اور قابل ذکر کارنامہ یہ ہیکہ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں بہت پہلے اپنے فرزند ارجمند کے کاندھوں پر ان اداروں کی ذمہ داریاں ڈال دیں اور وہ اپنے والد محترم کے لگائے ہوئے درختوں کو اپنے خون جگر سے آبیاری کر رہے ہیں، اپنے دل وجان سے بڑھ کر حفاظت کر رہے ہیں اور اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مدارس وجامعات کے استحکام وترقی کیلئے ہمہ تن مصروف ہیں۔

جامعہ محمدیہ مالیگاؤں کو صرف مہاراشٹر ہی نہیں بلکہ برصغیر کے دینی مدارس کی صف میں ایک نمایاں وممتاز مقام حاصل ہے۔

اسی طرح لڑکیوں کی جدید طرز تعلیم کے قد آور ادارے کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں، کلیہ فاطمہ الزہراء مئو، کلیہ عائشہ صدیقہ بنگلور خاص طور سے قابل ذکر ہیں ان اداروں کے فارغین وفارغات برصغیر ہند و پاک اور یورپ و ایشیاء کے مختلف گوشوں بلکہ بلاد عرب، ہندوستان وپاکستان کے مختلف شہروں میں اپنی علمی صلاحیت کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ کا یہ کارنامہ امت مسلمہ خصوصاً بنت حوا پر احسان عظیم ہے۔ جس کا اجر انہیں اللہ جل شانہ کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔

وفات

"کل نفس ذائقة الموت" سوائے ذات الٰہی کے ہر متنفس کو موت کے گھاٹ سے گزرنا ہے، اس عالم فانی میں جو آیا اس کو رخت سفر باندھنا ہی باندھنا ہے "فاذا جاء اجلهم لا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون" آپ کے سفر آخرت کی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں طبی خدمات بھی حاصل ہوئیں لیکن صرصر قضا کے ہاتھوں طبی خدمات کام نہ آئیں اور آپ نے بولتے بولتے اپنی حیات مستعار اپنے مالک حقیقی کے سپرد کر دیا۔ وفات سے قبل آپ کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا کہ گویا آپ کو علم ہیکہ میں لمحوں کا مہمان ہوں۔

مولانا رحمہ اللہ جیسی شخصیات کے اٹھ جانے سے جو خلاء پیدا ہوتا ہے وہ برسوں پر نہیں ہوتا۔ آج پوری جماعت سلفیہ اپنے میر کارواں کیلئے نڈھال ہے درس وتدریس کی مجلس سونی ہوگئی۔

اللہ اکبر! کیسی عبقری شخصیت تھی جو اب ہمارے درمیان نہ رہی، آج علمی دنیا خصوصاً طبقۂ نسواں کی ناخواندگی کے کینسر کا معالج ومحسن نہ رہا۔ رفاہی وعلمی وادبی دنیا کا ہیرو کہاں کھو گیا؟ آج میدان خطابت بھی آپ پر ماتم کناں ہے کہ اسٹیج کو زینت بخشنے والا کہاں چلا گیا؟ اور میدان صحافت بھی آپ کے فراق سے محزون ومغموم ہے کہ "البلاغ" و "صوت الحق" کا نگراں کہاں غائب ہوگیا؟ آپ کے مخصوص کالم مختارات وعدالت نبوی کے فیصلے، بہتے آنسو مسکراتے چہرے وغیرہ بھی گریہ وزاری میں لگے ہیں کہ ان کو رنگ وروغن دینے والا اب نہ رہا، اور کتب و رسائل مرثیہ خواں ہیں کہ ان کے اوراق کو انجم تاباں سے منور کرنے والا قلم کار نہ رہا کس کس کا ذکر کریں۔

اشک شبنم سے دھلے ہیں روئے گلہائے چمن
ہر کلی اوڑھے ہے رنج وغم کا پیرہن

مولانا موصوف کی مفارقت سے ایک فرد نہیں ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا، دینی وعلمی تحریک وجدوجہد کا تابناک صفحہ پلٹ گیا، دعوت و تبلیغ کی شمع فروزاں گل ہوگئی۔ جہاں آپ کی صلبی اولاد آپ کے لئے دعاء خیر کرتی رہے گی وہیں آپ کی روحانی اولاد کا لامتناہی سلسلہ بھی آپ کیلئے دعاؤں میں لگا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف رحمہ اللہ کی رفاہی وعلمی وتصنیفی وسماجی تمام خدمات کو ان کیلئے ذخیرۂ آخرت بنانے کے ساتھ ان کیلئے صدقۂ جاریہ بنادے۔ مولانا رحمہ اللہ کے محبین ومعتقدین اور خصوصاً ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل کی توفیق بخشے، امت کو ان کا نعم البدل عطاء فرمائے۔ اور بہ تقاضائے بشری ان سے جو غلطیاں ہوئی ہوں انہیں معاف فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ "اللهم اغفر له وارحمه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله" (آمين يا رب العالمين)

☆☆☆

جامعہ محمدیہ وکلیہ عائشہ صدیقہ، منصورہ مالیگاؤں

پس منظر، قیام، مقاصد اور نتائج

ڈاکٹر اقبال احمد مدنی / مدیر التعلیم، جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں

مذہب اسلام میں تعلیم کا جو مقام ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، اس مقام کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کا اہل ہو، ان عظیم ہستیوں میں سے جنہوں نے اسلام کی روح کو سمجھا، وہی اس کی اہمیت، منفعت اور تقاضوں کو صحیح طرح سے سمجھ سکتے ہیں، مثبت فکر اور دور رس نگاہیں ہر ایک کو نہیں ملا کرتی ہیں، رب العالمین جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ موجودہ دور کی عظیم ہستیوں میں ایک نمایاں شخصیت نظر آتے ہیں جو گہری دینی بصیرت، مثبت فکر اور دور رس نگاہ کے ساتھ قائدانہ اوصاف کے حامل تھے۔

علم وہ گوہر نایاب ہے جو انسان کی صرف دنیاوی زندگی ہی کو نہیں بلکہ آخرت کو بھی سنوار دیتا ہے، "علم ینتفع به" رسول اللہ ﷺ کی وہ بشارت ہے جسے ہر مسلمان کو اپنے لئے حرزِ جاں بنا لینا چاہیے۔

شیخ محترم مولانا مختار احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے جو علم دیا اور جو سوجھ بوجھ عطا کی تھی، آپ نے اس کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ کارنامہ انجام دیا جس کو دیکھ کر ہر صاحبِ عقل انگشت بدنداں ہو جاتا ہے، آپ کے انہی نمایاں کارناموں میں سے جامعہ محمدیہ اور کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں ہیں۔

یہ جامعہ درحقیقت دنیا بھر کے ان پانچ سو اصحابِ علم وخرد کے خوابوں کی تعبیر ہے جو ۱۹۷۶ء میں ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ کی جانب سے مہبطِ وحی (مکہ مکرمہ) میں جمع ہو کر ایک جدید طرزِ تعلیم کی تلاش میں تھے، جو دورِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کر سکے اور مسلمانوں کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی کارکردگی انجام دے تاکہ ﴿کنتم خیر أمة﴾ کے حقیقی مفہوم کو اجاگر کیا جا سکے۔

جامعہ محمدیہ منصورہ کے مختلف تعارفی پمفلٹ میں ان اسباب اور پس منظر کو ذکر کیا گیا ہے، جن کے نتیجے میں جامعہ محمدیہ کا وجود ہوا، ۱۹۷۶ء کی اس کانفرنس نے شیخ رحمہ اللہ کے دل ودماغ میں ہلچل مچادی، "ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے" کا جذبہ موجزن ہوا اور جامعہ محمدیہ کا نقشہ شغاف قلب پر تیار ہوتا دکھائی دیا، بالآخر حضرت مولانا کی قیادت میں اسی سن میں ایک تعلیمی سوسائٹی "جمعية الجامعة المحمدية التعليمية - ممبئی" کا قیام عمل میں آیا جس کی منظوری اپریل ۱۹۷۹ء میں ملی، اس عمل خیر میں اس وقت آپ کے دست راست جناب محمد خلیل صاحب فیضی رحمہ اللہ تھے جو ایک مخلص، متواضع اور مخیر شخص تھے جن کا بھرپور تعاون رہا لیکن بعد میں کچھ غلط فہمیاں ہو گئیں اور اس کے قیام کے چند سال بعد آپ کی وفات ہو گئی، عارضی طور پر اس کی ابتداء مالیگاؤں کے ایک محلے "گولڈن نگر" میں محترم محمد خلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شیڈ میں ہوئی لیکن باقاعدہ اور منظم طریقے سے کارکردگی اس وقت

شروع ہوئی، جب دریاءِ گرنا کے کنارے امت مسلمہ کا یہ علمی کارواں آکر ٹھہرا اور مئی ۱۹۷۸ء میں جامعہ محمدیہ کا باقاعدہ افتتاح ہوا، جس کا سنگِ بنیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبیداللہ مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں رکھا گیا، یہ امت مسلمہ کے لیے ایک تاریخی دن تھا جس کی یاد ان شاءاللہ تا قیامت قائم رہے گی۔

منصورہ کی یہ سرزمین جو ان مقدس ہستیوں کے ورود سے قبل بھینسوں کا طویلہ ہوا کرتا تھا، علم کے لیے بالکل "غیر ذی زرع" کی مانند تھی لیکن رب العالمین کا فضل وکرم رہا، پھر مخلصین اور محسنین کی دعاؤں اور کوششوں نے اس زمین کو منصورہ بغداد کی علمی بستی کی نظیر بنا کر اس کی یاد تازہ کرادی اور جس طرح سے علم کا وہ محلہ مشہور ومعروف تھا، علم کی یہ بستی بھی اسی طرح مشہور ومعروف ہے، چھپن ایکڑ پر پھیلا ہوا یہ مدینہ سلف امت مسلمہ کے لیے زندۂ جاوید نشانی ہے، جس کو دیکھ کر موحدین کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے جذبات کی عکاسی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، ڈاکٹر محمد ربیع مدخلی نے اپنے جذبات کی عکاسی کچھ یوں کی ہے:

ما كنت أحسب أن فرداً يبتني
ما لا تطيق به الجموع قياماً
لو لم ترى العينان ما أنجزته
لعددت قول محدثي أوهاما
أدهشت أفذاذ الرجال فسطروا
إعجابهم أجروا به أقلاما

میں یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ فرد واحد یہ کارنامہ انجام دے سکتا ہے، جس کی طاقت بڑی بڑی جماعتیں بھی نہیں رکھتیں، اگر خود اپنی نگاہوں سے آپ کی کارکردگی نہ دیکھی ہوتی تو میں کہنے والے کی باتوں کو وہم وخیال سمجھتا آپ (شیخ مختار) نے بڑے بڑے نامور اور بے مثال لوگوں کو حیرت زدہ کردیا کہ انہوں نے اپنی خوشی کا اظہار قلم کے ذریعہ کردیا۔ (مجلہ صوت الحق)

یوں تو ہندوستان کے بعض علاقوں میں اداروں کی کثرت ہے اور عموماً لوگ اپنے قرب وجوار کی فکر میں رہتے ہیں لیکن خاک مئو نے مالیگاؤں کی سرزمین کو زرخیز کیا ؏

خاکِ مئو کا منظر نامہ روشن مالیگاؤں میں ہے
خواہ کہیں الجھا ہو گریباں دامن مالیگاؤں میں ہے

شیخ رحمہ اللہ کی دوررس نگاہوں نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں اس کی شدید ضرورت تھی اور جہاں سے خصوصی طور پر چار صوبوں مہاراشٹر، گجرات، ایم پی اور کرناٹک کی علمی تشنگی بجھائی جاسکتی تھی، اس طرح صوبۂ مہاراشٹر کے صنعتی شہر مالیگاؤں کا انتخاب عمل میں آیا۔

شہر مالیگاؤں کے جنوب میں تین کلومیٹر کے فاصلے پر دریاءِ گرنا کے کنارے مالیگاؤں، منماڈ روڈ اور ممبئی آگرہ کی قومی شاہراہ کے چوراہے پر صاف ستھرے اور پر فضا ماحول میں ایک علمی بستی کی بنیاد پڑی جہاں کی آب وہوا معتدل اور خوش گوار اور ماحول پر سکون و باوقار ہے۔

یہاں کا تعلیمی نصاب قدیم وجدید شرعی وعصری علوم کا سنگم ہے، دینیات کی تعلیم درجۂ اول سے فضیلت تک ہوتی ہے، یہاں کی سند فضیلت جامعہ ملیہ، مولانا آزاد یونیورسٹی اور جامعہ اسلامیہ مدینۂ منورہ سے منظور شدہ ہے، تحفیظ القرآن الکریم کا شعبہ بھی قائم ہے، عصری تعلیم درجۂ اول سے دسویں جماعت تک مہاراشٹر گورنمنٹ کے نصاب کے مطابق ہوتی ہے جو گورنمنٹ کے یہاں منظور شدہ ہے، کمپیوٹر کی تعلیم گورنمنٹ کے نصاب کے مطابق S.S.C. تک دی جاتی ہے، ۱۹۷۸ء میں رجسٹر داخلہ کے مطابق

مختلف جماعتوں میں ۱۵۰ ؍طلبہ کا داخلہ ہوا اور بتدریج اس میں اضافہ ہوتا گیا، اب تک سینکڑوں کی تعداد میں طلبہ میٹرک کا امتحان دے کر کامیاب ہو چکے ہیں اور مختلف شعبوں سے تقریباً ہزاروں طلبہ سند فراغت حاصل کر چکے ہیں، ان میں سے اچھی خاصی تعداد مدینہ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کر چکی ہے اور کر رہی ہے، جب کہ ایک اچھی تعداد نے فن طب میں کامیابی حاصل کی اور سبھی اپنی اپنی بساط کے مطابق سرگرم عمل ہیں، بعض فارغین کی کارکردگی (دعوتی، تعلیمی، تبلیغی اور سوشل عمل) اس قدر نمایاں اور وسیع ہیں کہ جن کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے، تقریر وتحریر، تصنیف وتالیف اور انتظامی امور میں لائق وفائق ہیں۔

یہاں کمپیوٹر کی تعلیم اور سائنسی تجربوں کا بہت بہتر انتظام ہے، جنرل لائبریری، رہائش، مطعم، شفاخانہ، کینٹین، کھیل کود اور حفظان صحت کا معیاری انتظام ہے، مختلف تعلیمی شعبوں کے علاوہ شعبۂ دار الافتاء، شعبۂ دعوت وتبلیغ مجلس علمی، انجمن طلبہ برائے تحریر وتقریر قائم ہے، بچوں کی تعلیمی وتربیتی اور رہائشی دیکھ بھال کے لیے ادارۂ تعلیم اور عمادۃ شئون الطلاب سرگرم عمل ہیں۔

جامعہ محمدیہ کے قیام کے مقاصد

جامعہ محمدیہ کے قیام وعمل کے حسب ذیل اغراض ومقاصد ہیں:

۱۔ موجودہ عربی نصاب تعلیم میں اصلاح وتجدید کی کوشش کرنا۔

۲۔ طلبا میں توحید، اتباع سنت اور ایثار فی سبیل اللہ کے اوصاف پیدا کرنا۔

۳۔ طلباءِ عربیہ کے روایتی جمود، تخلف اور احساس کمتری کے خلاف عملی جدوجہد کرنا۔

۴۔ طلبا کے اندر سے فقہی تعصب، فرقہ وارانہ تحزب نکال کر ان میں دلیل سے حق طلبی کا ذوق پیدا کرنا۔

۵۔ طلبا کے اندر قدیم وجدید علوم کی مطابقت پیدا کرنا۔

۶۔ صرف کتاب پڑھانے اور معلم وٹیچر پیدا کرنے کی بجائے طلبا میں دینی قیادت اور ملی شعور پیدا کرنا۔

۷۔ مدارس اسلامیہ جو ''اسلامی قلعے'' کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں تربیت پانے والے طلبا میں خدمت دین کی اسپرٹ پیدا کرنا۔

۸۔ نصاب تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبا میں علماء ربانیین کی صفات، دعوت وعزیمت اور استقامت کی روح پیدا کرنا۔

۹۔ مدارس اسلامیہ کے مابین فقہی اور گروہی خلیج کو ختم کر کے ان میں علمی تعاون اور دینی وملی روابط پیدا کرنا۔

۱۰۔ طلبا میں ابتدا ہی سے تقریر وتحریر کا ملکہ پیدا کرنا، نیز قرآن واحادیث کے حفظ اور صحابہ رضی اللہ عنہم واسلاف کرام کی مقدس زندگیوں سے علمی وعملی نسبت قائم کرنا۔

۱۱۔ طلبا کی جسمانی وذہنی نشو ونما کے لیے ہر قسم کی ریاضت اور معیاری کھیل کود کا ذوق پیدا کرنا۔ (دستور العمل ؍ جامعہ محمدیہ ۱۹۸۰ء)

کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاوں

تعلیم کے معاملے میں شریعت نے بچوں اور بچیوں میں کوئی تفریق نہیں کی ہے، ﴿اِقرأ باسم ربک الذی خلق﴾ کا خطاب اور ''طلب العلم فریضۃٌ علی کلّ مسلم'' کا عموم ہر ایک کو شامل ہے، قرآن کریم نے امہات المؤمنین کو ﴿واذکُرنَ ما یُتلیٰ فی بیُوتکُنّ مِن آیاتِ اللہ والحِکمۃ﴾ کا خطاب فرما کر اس نکتے کو اور واضح کر دیا ہے، نیز ﴿والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض، یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر﴾ کے خطاب سے مرد وخواتین کو ''امر

بالمعروف، نہی عن المنکر ،اقامت صلاۃ ،ایتاءزکاۃ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع واطاعت'' میں برابر کا شریک ٹھہرایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی سیرت میں عورتوں کے لیے اور ان کی تعلیم کے لیے مخصوص مجالس کا ذکر پایا جاتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود ہندوستان میں مسلم بچیوں کی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہ تھا، بچیوں کی تعلیم کے لیے ادارے قائم کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا، پورے ہندوستان میں شاید ہی کوئی ادارہ رہا ہو، غیر سلفیوں کے یہاں دو ایک اداروں کا قیام عمل میں آچکا تھا، لیکن اسے بالکل ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا اور اس کے قیام کا ذکر کرنا بھی بزرگوں کو گوارا نہ تھا۔

مگر اللہ رب العالمین نے شیخ مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کو جو جذبۂ عمل، جرأت وہمت دی تھی، ہر ایک سے قطع نظر آپ نے بچوں کے شانہ بشانہ بچیوں کی تعلیم کا بھی انتظام کیا اور جامعہ محمدیہ کی چار دیواری میں انتہائی باوقار اور بامقصد ادارہ'' کلیۂ عائشہ صدیقہ '' کے نام سے قائم کیا۔

اس کا قیام جامعہ محمدیہ کے قیام کے دو سال بعد عمل میں آیا، جس کا تعمیری افتتاح ستمبر ۱۹۷۹ء میں ہوا اور ۱۹۸۰ء میں ۲۴ بچیوں کے داخلے کے ساتھ باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا اور اب تک ہزاروں بچیاں یہاں سے فارغ ہوکر میدان عمل میں آچکی ہیں۔

جو لوگ حقوق نسواں کے نام پر دین کو بدنام کرتے ہیں اور مسلمان بچیوں پر جہالت کا الزام لگاتے ہیں یہ ادارہ ان کے لیے چیلنج ہے۔

یہاں روضۃ الاطفال سے لے کر فضیلت اور'' تدریب داعیات ومعلمات'' تک دینی تعلیم اور پرائمری سے ایس، ایس، سی تک عصری تعلیم کا بہت مناسب انتظام ہے، شعبۂ تحفیظ قرآن بھی قائم ہے، امورِ خانہ داری، سلائی، کڑھائی، سجاوٹ اور حفظان صحت کی تعلیم کا بھی انتظام ہے۔

اس ادارے کے قیام کے مقاصد

ادارے کے اہم مقاصد میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ بچیوں کو علمی زیور سے آراستہ کر کے دینی شعور پیدا کرنا۔

۲۔ علمی میدان میں دین اسلام نے ان کو جو مقام اور شرف دیا ہے انہیں اجاگر کرنا۔

۳۔ ابناءِ امت کی تعلیم وتربیت کیلئے باشعور خواتین تیار کرنا۔

۴۔ خواتین سے علمی جمود اور دینی بے شعوری کو ختم کرنا۔

۵۔ ترقی کے نام پر بے حیائی اور بداخلاقی کے طوفان سے محفوظ رکھنے کے لیے دینی غیرت اور حمیت پیدا کرنا۔

۶۔ اسلامی معاشرے میں پھیلی ہوئی توہم پرستی، شرک و بدعات اور غیر اسلامی رسومات کو ختم کرنا۔

۷۔ خواتین کے درمیان سے علمی خلاء اور دینی بے شعوری ختم کرنے کے لیے داعیہ، مبلّغہ اور معلّمہ تیار کرنا۔

الحمدللہ اس ادارے سے اب تک ایک بڑی تعداد مختلف مراحل سے فارغ ہوکر میدان عمل میں مصروف ہے۔

اس ادارے کا جملہ نظام ونصاب جامعہ محمدیہ کی طرح ہے۔

تعداد فارغین وفارغات

تخصص وتدریب	۲۴
فضیلت جامعہ وعائشہ	۷۹۳
عالمیت جامعہ وعائشہ	۱۱۷۹

حفظ جامعہ وعائشہ	۲۲۳
S.S.C. جامعہ وعائشہ	۳۲۴
کل تعداد	۲۵۶۱

اس طرح کل پچیس سو اکسٹھ طلبہ وطالبات یہاں سے تعلیمی سال ۸-۲۰۰۷ء تک فارغ ہو چکے ہیں۔

مقاصد:

جامعہ محمدیہ اور کلیہ عائشہ کے قیام کے جو مقاصد تھے وہ مقاصد الحمدللہ کافی حد تک حاصل ہو رہے ہیں، اس کا صحیح اندازہ ہر اس شخص کو ہوگا جس کو اس ماحول کی اطلاع ہوگی، جس ماحول میں یہاں یہ ادارے قائم کیے گئے تھے، صوبۂ مہاراشٹرا کی تعلیمی صورت حال خاص طور سے دینی تعلیم کی صورت حال ناگفتہ بہ تھی، جامعہ محمدیہ اور کلیہ عائشہ نے علم کی جو روشنی اس صوبہ پر ڈالی ہے اس کا انکار کوئی بھی ذی ہوش شخص نہیں کر سکتا، یہاں کے مختلف علاقے جہاں مسلمانوں کی اچھی آبادی ہے، وہاں اس زمانہ میں ناخواندگی کی شرح بہت زیادہ تھی لیکن آج اللہ کے فضل وکرم سے دینی تعلیم کا ایک رجحان بنا ہے، جس میں ان فارغین بچوں اور فارغات بچیوں کا اہم کردار ہے جنہوں نے منصورہ سے مشعل علم اٹھائی اور اپنے ماحول کو اس کی کرنوں سے منور کیا۔

فارغین وفارغات کے علاوہ وہ بچے اور بچیاں جنہوں نے یہاں علم حاصل کیا اگرچہ کسی وجہ سے ان کی تعلیم مکمل نہ ہو سکی لیکن جو کچھ انہوں نے حاصل کیا اللہ نے اس میں خیر وبرکت عطا کی اور جو سوجھ بوجھ ان کو تھی کم از کم انہوں نے اپنی آنے والی نسل کو اس علم سے بہرہ ور کیا، ایک زمانہ وہ تھا جب یہاں پڑھانے کے لیے بچوں اور بچیوں کی تلاش کی جاتی تھی، جو بچے مختلف علاقوں سے آتے تھے ان کے رہن سہن اور طور طریقے پریشان کن ہوتے تھے لیکن آج انہی جگہوں سے جو بچے آتے ہیں ان کے طور طریقوں میں نمایاں فرق ہے اور اب داخلے کے وقت میلے کا سماں رہتا ہے اور کتنوں کو عدم گنجائش کی وجہ سے بادل ناخواستہ واپس کرنا پڑتا ہے۔

یقیناً ماحول پر ان لوگوں کی چھاپ پڑی جو بچے اور بچیاں یہاں سے فارغ ہو کر اصحاب اہل وعیال ہوئے اور اپنے بچوں کے لیے اس علم کا اپنے یہاں انتظام کیا۔

آج اللہ کا کرم ہے کہ بہت سارے چھوٹے مدرسے خواہ وہ جز وقتی ہی کیوں نہ ہوں تعلیمی میدان بنا رہے ہیں، مہاراشٹر میں عام طور سے اہل حدیث مدارس میں پڑھانے والے علماء، اہل علم اور ائمہ مساجد کا جامعہ محمدیہ سے کسی نہ کسی طرح لگاؤ ہے۔

جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر جو جامعہ محمدیہ کے قیام سے پہلے اور شیخ مختار رحمۃ اللہ علیہ کی ممبئی آمد سے پہلے برائے نام تھی اس کے متعارف کرانے میں شیخ کا بڑا رول رہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جامعہ محمدیہ نے اس پر چار چاند لگا دیا ہے، آج خود دیکھ لیجیے جمعیت کے ذمہ داران اور نمائندے ارا کین پورے صوبہ میں اکثر وبیشتر جامعہ ہی کے مستفیدین ہیں، اللہ کے فضل وکرم سے ان حضرات کو دین کی خدمت کا موقع ملا اور اپنی اپنی بساط کے مطابق یہ اور اس طرح کے بے شمار خطباء، علماء اور ائمہ مساجد اصلاح عقیدہ اور اصلاح عمل کی کوشش میں سرگرداں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے۔

صوبہ مہاراشٹر کے علاوہ صوبہ گجرات کے مختلف علاقے خصوصاً کچھ اور گنڈیاڈ جہاں اہل حدیثوں کی اچھی آبادی ہے وہاں جامعہ محمدیہ اور کلیہ عائشہ کے پرتو نظر آتے ہیں۔

☆☆☆

کلیہ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ للبنات مئوناتھ بھنجن از قیام تا حال

مولانا نور العین سلفی — کلیہ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ للبنات مئو

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا مختار احمد صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ بالغ نظر اور ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ اگر ہم ان کے ہمہ جہت امور کا احصا کرنا چاہیں تو یوں کہیں گے۔

۱۔ مساجد کی تعمیر۔
۲۔ تعلیمی اداروں کا قیام خواہ دینی ہوں یا عصری۔
۳۔ متخرجین کا معاشی استقلال۔
۴۔ عصری تعلیم میں دینی رنگ بھرنا۔
۵۔ خواتین کا دینی حق۔

ہماری بات صرف آخری موضوع سے متعلق ہے۔ ہمیں یاد ہے کہ آج سے چالیس سال پہلے تعلیم کی اتنی کمی تھی کہ خط پڑھنے والا اور اس کا جواب لکھنے والا آسانی سے نہیں ملتا تھا۔ باہر رہنے والا شوہر اگر اپنے گھر خط لکھتا تو اس کی عورت محلہ پڑوس میں کسی کے گھر جا کر خط پڑھواتی اور جواب لکھواتی۔ تعلیم کی کمی کا یہ تناسب مردوں کے مقابل عورتوں میں زیادہ ہی تھا۔ قرآن ناظرہ ختم کر لینا عورت کے حق میں تعلیم کی انتہا تھی لیکن آہستہ آہستہ تعلیم کا رواج ہوا اور بچیاں بھی پرائمری چار اور پانچ تک مدرسہ جا کر بچوں کے ساتھ پڑھنے لگیں۔ پھر اور ترقی ہوئی تو نسواں مکاتب الگ قائم کئے جانے لگے۔ ۱۹۸۰ کی دہائی تک یہی معمول تھا۔

اگر کسی کو اپنی بچی کو اعلیٰ تعلیم دلانے کا شوق ہوتا تو اسکول اور کالج بھیجتا لیکن مخلوط تعلیم کا انجام دیکھ کر کم ہی لوگ اس کی ہمت کرتے۔ اللہ غریق رحمت کرے حضرت مولانا ندوی رحمہ اللہ کو کہ انھوں نے کمر ہمت کس کر عورت کو ان کا معاشرتی اور دینی حق دلانے کا عزم کیا اور عملی اقدام کیا۔

چار سو (۴۰۰) کے قریب حضرت مولانا نے پورے ملک میں مساجد تعمیر کرائیں۔ عورتیں مساجد سے کلی طور سے کٹی ہوئی تھیں۔ بلکہ امت کا ایک بڑا طبقہ شرعی مسئلہ بتا کر عورتوں کو مساجد سے روکتا تھا۔ اور آج بھی روکتا ہے۔ اللہ نے حضرت مولانا رحمہ اللہ کو توفیق دی۔ انھوں نے مساجد میں عورتوں کی نماز باجماعت اور خطبہ جمعہ کیلئے زبردست اہتمام کیا۔ اس وقت وہ عبارت تو میرے سامنے نہیں ہے جو موصوف نے ادارہ اصلاح المساجد کے منشور میں رقم فرمائی ہے لیکن یقین ہے کہ آپ نے تعمیر مساجد کی درخواست قبول کرنے کے لئے یہ شرط رکھی تھی کہ پہلے انھیں درخواستوں کو قبول کیا جائے گا جن میں عورتوں کی نماز باجماعت کا انتظام ہو۔ اس طرح آپ نے عورتوں کو مساجد سے جوڑ کر انکا دینی حق دلایا۔ لیکن عورتیں جب تک تعلیم یافتہ نہ ہوں، قرآن وحدیث سے براہ راست واقف نہ ہوں وہ دین کے معاملہ میں دوسروں کی محتاج

رہیں گی۔ اس لئے جس طرح بنین کیلئے دینی تعلیم گاہوں کا الگ انتظام ہے اسی طرح بنات کے لئے بھی دینی تعلیم گاہوں کا الگ انتظام ہونا چاہیے۔ جہاں انھیں تعلیمی سہولیات کے ساتھ رہائش کی تمام سہولیات بھی میسر ہوں اور پردے کا معقول انتظام ہو۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۷۹ء میں جامعہ محمدیہ منصورہ کے کیمپس میں ایک طرف الگ باؤنڈری کے اندر مدرسہ عائشہ الصدیقہ کے نام سے کلیہ البنات قائم کیا۔ الحمدللہ یہ ادارہ مہاراشٹر، گجرات، آندھرا پردیش اور تامل ناڈو کی مسلم بچیوں کیلئے ایک معیاری اور عظیم تعلیم گاہ اور تربیت گاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۹۹۲ء میں جب میں وہاں تھا تو ہاسٹل میں مقیم طالبات چار سو سے پانچ سو کے درمیان تھیں اور اب اس تعداد میں مزید اضافہ ہو چکا ہے۔ اب تک ہزاروں بچیاں وہاں سے سند فراغت لیکر اپنے گھروں اور محلہ پڑوس کو علم کتاب وسنت کے نور سے منور کر رہی ہیں۔ ایک دو نہیں متعدد مثالیں ایسی ہیں کہ کلیہ عائشہ کی فارغات نے اپنے گھروں سے قبر پرستی کا جنازہ نکال دیا اور اپنے بدعتی سسرالیوں کو توحید کی شاہراہ پر لا کھڑا کیا۔ فالحمدلله علیٰ ذالک۔

اسی تحریکی زنجیر کی ایک کڑی ہے ”کلیہ فاطمۃ الزھراء الاسلامیہ للبنات مئو“

مئو مشرقی یوپی کا ایک مشہور صنعتی اور علمی شہر ہے۔ دینی مدارس اور جامعات کے اعتبار سے یہ شہر پورے ملک میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔ ملک کے کونے کونے سے طالبان علم دین یہاں آکر اپنی علمی پیاس بجھاتے ہیں۔ لیکن ۱۹۸۲ء تک مسلم بچیوں کی اعلیٰ دینی تعلیم کا الگ کوئی انتظام نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے بچیاں یا تو پرائمری کے بعد تعلیم ترک کر دیں یا پھر موجود عصری تعلیم گاہوں کا رخ کریں جہاں مخلوط تعلیم ہوتی ہے۔ اور وہاں جانے کے بعد مسلم بچیوں کو اپنے دینی شعار اور ملی تشخص پر قائم رہنا مشکل ہوتا تھا۔ یہ ایک ایسا خلا تھا جس کا پر ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا مختار احمد صاحب ندوی مدیر جامعہ محمدیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس خلا کو پر کرنے کی طرف سب سے پہلے توجہ فرمائی اور باذن اللہ ۱۹۸۲ء میں کلیہ فاطمۃ الزھراء الاسلامیہ للبنات کے نام سے بچیوں کیلئے دینی تعلیم کا ایک الگ دینی ادارہ قائم ہو گیا۔ (افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جب یہ ادارہ قائم ہوا تو مخالفت میں کرم فرماؤں نے جامع مسجد میں تردیدی اور مذمتی خطبے تک دے ڈالے) بروقت جامعہ عالیہ کی قدیم عمارت میں تعلیم کا آغاز کر دیا گیا۔ جب کلیہ فاطمہ الزھراء کی اپنی بلڈنگ تیار ہو گئی تو ۱۹۸۹ء میں کلیہ فاطمہ الزھراء اپنے پورے اسٹاف اور تعلیم کے ساتھ اپنی بلڈنگ میں منتقل ہو گیا۔

الحمدللہ آج کلیہ فاطمہ الزھراء لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کا ایک ممتاز اور مثالی اقامتی ادارہ بن چکا ہے۔ مولانا خالد حنیف جنھوں نے ہندوستان کے بیشتر حصوں کا دورہ کیا ہے۔ اور کلیۃ البنات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ انھوں نے کلیہ فاطمہ کا معائنہ کرنے اور طالبات کا علمی جائزہ لینے کے بعد متاثر ہو کر مجھ سے کہا کہ ”ہندوستان میں اس ادارے کا جواب نہیں“ یہاں یوپی، بہار، جھارکھنڈ، بنگال، نیپال، دلی، ایم پی، ہریانہ، اڑیسہ اور گجرات تک کی بچیاں علمی فیض حاصل کر رہی ہیں۔ اور نہایت عزت واحترام اور شرعی پردے کے ساتھ اپنا مستقبل سنوار رہی ہیں۔

بیرونی مقیم طالبات کے لئے بہترین قسم کا مسکن ہے جس میں رہائش کی جملہ سہولیات متوفر ہیں۔ ہوسٹل میں مقیم طالبات کی تعلیم وتربیت اور وضع قطع پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ ہوسٹل میں مقیم طالبات کی تعداد پانچ سو (۵۰۰) ہے اور جملہ طالبات کی مجموعی

تعداد تقریباً چھ سو (۶۰۰) ہے۔ نیز ہاسٹل میں رہنے والی مقیم طالبات کیلئے مطبخ اور مطعم کا بہترین انتظام ہے جس میں طالبات کے ذوق کے مطابق متنوع کھانا تیار کیا جاتا ہے۔اور ڈائننگ ہال میں اجتماعی طور سے بچیاں ایک ساتھ کھانا کھاتی ہیں، کھانے کے دوران وارڈن اور مشرفات وہاں رہ کر نگرانی کرتی ہیں۔

شہر مئو کی طالبات کے لئے بس کی سہولیات حاصل ہیں۔کلیہ کی بس سے بچیاں روزانہ آتی اور جاتی ہیں۔کلیہ کا نصاب تعلیم اور نظام تعلیم دوسرے تعلیمی اداروں سے مختلف ہے۔یہاں تعلیمی سال عصری اسکولوں کے حساب سے شروع ہوتا ہے اور ختم ہوتا ہے۔اور اب تو یہی نظام اکثر اداروں میں نافذ ہوگیا ہے۔اسی طرح نصاب تعلیم اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ مکمل عربی اور دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی بھی پوری تعلیم دی جاتی ہے اور عالمیت کا مرحلہ پورا ہوتے ہوتے طالبات کی عصری تعلیم پورے مضامین کے ساتھ ہائی اسکول تک مکمل ہو جاتی ہے، چنانچہ اب تک (۲۰۰۷م) کلیہ فاطمہ کی دوسو ترسٹھ (۲۶۳) طالبات یو پی بورڈ کے ہائی اسکول کا امتحان پاس کر چکی ہیں اور نتیجہ صد فیصد رہا ہے۔ عالمیت اور ہائی اسکول کا امتحان دینے کے بعد طالبات کو مزید دو سال تعلیم دی جاتی ہے۔اوران دو سالوں میں صرف حدیث، تفسیر، فقہ اور ادیان وفرق کی تعلیم دی جاتی ہے۔اس طرح فارغ ہوتے ہوتے بچیاں عصری اور دینی دونوں علوم سے اچھی طرح متعارف ہوجاتی ہیں۔کلیہ کا تعلیمی مرحلہ چودہ سالوں پر پھیلا ہوا ہے، نصاب تعلیم پانچ مرحلوں پر مشتمل ہے، پرائمری، تمہیدی، مولوی، عالم، فاضل، حفظ اور تجوید کا الگ شعبہ قائم ہے۔اس شعبہ میں ایک حافظ معلمہ کی خدمت حاصل ہے، خواہشمند بچیاں اس شعبہ سے بھی مستفید ہوتی ہیں۔

اب تک کلیہ سے ایک ہزار سے زیادہ طالبات سند فراغت لیکر میدان علم وعمل میں اپنے دینی فرائض انجام دے رہی ہیں۔

درس وتدریس کے ساتھ بچیوں کی اپنی انجمن ”نادی الصالحات“ کے نام سے قائم ہے۔جس کے زیر اہتمام ہر جمعرات کو بچیاں تقریر وتحریر کی مشق کرتی ہیں۔”نادی الصالحات“ کے چار شعبے ہیں:

۱-خطابت ۲-صحافت

۳-دار الکتب ۴-دار الاخبار

ہر ماہ بچیاں ”مجلۃ النادی“ کے نام سے مجلۃ الحائطیہ تیار کرتی ہیں۔اور مختلف موضوعات پر مشتمل یہ مجلہ طالبات کے ذوق وفکر کی ترجمانی کرتا ہے۔

سال کے آخر میں طالبات کے درمیان عربی، اردو، ہندی، اور انگریزی زبان میں تقریری انعامی مقابلہ ہوتا ہے۔بیرونی حکم حضرات کے فیصلوں کے مطابق انھیں گرانقدر انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

سال کے مختلف مراحل میں امور خانہ داری کی تربیت دی جاتی ہے۔اور عملی زندگی میں کام آنے والی چیزیں مثلاً پکوان، سلائی، اور کڑھائی پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔اور مسابقہ میں ان کی دستکاریوں کی نمائش بھی ہوتی ہے۔

”نادی الصالحات“ کے زیر اہتمام بچیوں کی اپنی لائبریری ہے جس میں بچیوں کے ذوق کے مطابق کتابیں اور اخبارات ورسائل مہیا کئے جاتے ہیں۔

دور جدید کا عظیم تحفہ کمپیوٹر نہایت تیزی سے ہر گلی اور ہر گھر میں گھڑی اور ریڈیو کی طرح پھیلتا جارہا ہے۔اگر کسی تعلیمی ادارے میں آج کمپیوٹر کی تعلیم نہ دی جائے تو تعلیم ناقص کہی جائے گی۔اللہ کا شکر ہے کہ کلیہ فاطمہ میں طالبات کو کمپیوٹر کی باقاعدہ منظم تعلیم دی جاتی ہے۔

غرض وہ تمام سہولیات جو باذوق اور محنتی طالبات کیلئے مہیا ہونی چاہئیں وہ سب سہولیات کلیہ فاطمہ میں پورے طور سے مہیا ہیں اور ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کلیہ کی طالبات اپنی علمی صلاحیت دیگر کلیۃ البنات کے مقابل میں معیاری اور بلند بنا سکتی ہیں لیکن یہ ان کی محنت پر منحصر ہے۔ ادارے نے کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

درس وتدریس کے لئے ذی علم اور تجربہ کار ۳۴ معلمات اور معلمین کی خدمات حاصل ہیں۔ جو احساس مسئولیت کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں اور مفوضات کو ادا کرتے ہیں۔

کلیہ کا موجودہ اجمالی خاکہ ۲۰۰۸ء

(۱)	تعداد طالبات	۶۰۰
(۲)	تعداد معلمین ومعلمات	۳۴
(۳)	غیر تدریسی عملہ	۲۲
(۴)	ملازمین مطبخ	۹
(۵)	فارغات حفظ	۱۶
(۶)	فارغات عالمیت	۵۶۱
(۷)	فارغات فضیلت	۵۵۹

کلیہ کا مسلم یونیورسٹی سے الحاق:

کلیہ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ للبنات مئو اپنی معیاری تعلیم وتربیت کی وجہ سے پورے ملک میں ایک امتیازی مقام رکھتا ہے۔ لیکن کلیہ سے فارغ ہونے کے بعد طالبات کو مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے وسائل محدود تھے۔ آگے کا راستہ محدود ہونے کے باعث نہ چاہتے ہوئے بھی طالبات کو اپنا تعلیمی سلسلہ منقطع کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے ذمہ داران کلیہ نے کلیہ کی سند کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے معادل کرانے کی درخواست دی۔ چنانچہ سن ۲۰۰۳ء میں مسلم یونیورسٹی سے ایک وفد آیا اور اس نے کلیہ کی عمارت اور نصاب تعلیم کا جائزہ لینے کے بعد کلیہ کی سند فضیلت کو، بی، اے عربک اور اسلامک اسٹڈیز میں داخلہ کا مجاز قرار دیا۔ نومبر سن ۲۰۰۷ء میں معادلہ کی مدت ختم ہوگئی تو مسلم یونیورسٹی سے خط آیا جس میں مسلم یونیورسٹی کی جانب سے تجدید معادلہ کے لئے کلیہ میں ایک وفد کے پہنچنے کی اطلاع دی تھی۔ چنانچہ ۱۶/اپریل ۲۰۰۸ء بروز بدھ بوقت شام یہ وفد کلیہ پہنچا۔ وفد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تین سینئر پروفیسران پر مشتمل تھا۔

۱) پروفیسر سید فرمان حسین صاحب۔

۲) پروفیسر سید کفیل احمد صاحب قاسمی۔

۳) پروفیسر سعود عالم صاحب قاسمی۔

وفد نے کلیہ کے ہاسٹل اور درس گاہ کا جائزہ لینے کے بعد نصاب تعلیم کا جائزہ لیا اور جملہ شرائط کے متوفر ہونے پر تجدید معادلہ کے ساتھ مزید فیکلٹیوں میں توسیع کی امید دلائی۔

کلیہ کے زیر انتظام ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کا امتحان صرف اس لئے دلایا جاتا ہے کہ طالبات اگر اپنا علمی سلسلہ باقی رکھنا چاہیں تو ان کا راستہ بند نہ ہو۔ مسلم یونیورسٹی سے معادلہ کے بعد ان شاء اللہ اس میں مزید وسعت پیدا ہو جائے گی۔

گرلس ڈگری کالج اور پرائمری کا منصوبہ:

مسلم معاشرے میں بنیادی اور اعلیٰ تعلیم کیلئے کمی اور کمزوری محسوس کی جارہی ہے۔ یوپی میں ہمارے بزرگوں نے چھوٹے بچوں کی تعلیم کیلئے دینی مکاتب قائم کئے تھے۔ الحمد اللہ یہ مکاتب آج بھی قائم ہیں اور کام کر رہے ہیں۔ بچپن کی تعلیم "نقش کالحجر"

ہوتی ہے اس لئے بچوں کی ذہن سازی اور دینی ذوق بنانے میں یہ مکاتب بڑا اہم رول ادا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہیکہ ان مکاتب کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ ان مکاتب میں درجہ پانچ تک پورے عصری علوم کے ساتھ اردو اور دینیات کا بھی پورا مضمون شامل ہوتا ہے۔ اس لئے درجہ پانچ کے بچوں کو اردو اور دینیات (دعاؤں) کی اچھی خاصی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ اور ساتھ ہی دینی مزاج بھی بن جاتا ہے۔

لیکن جس طرح ہر جگہ تعلیم کا معیار گرا ہے اسی طرح ہمارے مکاتب میں بھی گرا ہے۔ دوسری جگہوں پر تو ''تلافی مافات'' کی کوشش کی گئی ہے لیکن ہمارے مکاتب نے اس پر توجہ نہیں کی۔ ایک بچہ دو دو، تین تین سال تک قاعدہ بغدادی پھاڑتا رہتا ہے اور حروف تہجی کی شناخت نہیں ہو پاتی۔ الف سے یا تک تمام حروف تہجی زبانی یاد ہوتے ہیں لیکن اگر پوچھ دیا جائے کہ دال اور ذال میں کیا فرق ہے۔ صاد اور عین کہاں ہے تو بچے نہیں بتا پائیں گے۔ مولوی صاحب کہیں گے ''مالک یوم الدین'' تو پیچھے سے بچہ بھی ''مالک یوم الدین'' دہرائے گا لیکن اگر پوچھ لیا جائے کہ ''مالک یوم الدین'' کہاں ہے تو نہیں بتا پائیں گے۔ اس طرح بچے کی عمر برباد ہوتی ہے۔

اسی طرح کھیل کود، صفائی ستھرائی، وقت کی پابندی، لباس، یونیفارم، اٹھنے بیٹھنے، ملنے اور ملاقات کے آداب بتانے کا التزام ہمارے مکاتب میں نہیں کیا جاتا۔ تعلیم سے دلچسپی پیدا کرنے کے لئے تفریحی اور علمی پروگراموں کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مکتب کی مفت کی تعلیم چھوڑ کر بچے انگلش میڈیم اسکولوں کا رخ کرتے ہیں۔ ہمارے بچے اور بچیاں انگلش میڈیم اسکولوں میں جا کر کچھ تعلیم و تہذیب تو ضرور سیکھ لیتے ہیں لیکن دین، قرآن اور نماز کی دعاؤں سے کلیۃً عاری ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ غیر اسلامی آداب اور شعائر سیکھ کر دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کانونٹ اور انگلش میڈیم اسکولوں میں بھاری تعلیمی فیس دینی پڑتی ہے اس لئے ان اسکولوں میں پڑھانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ صرف امراء ہی اپنے بچوں کو ان اسکولوں میں پڑھا سکتے ہیں۔ ایسا اگر عام لوگ کرتے تو زیادہ افسوس نہیں ہوتا لیکن جب دینی مکاتب کے صدر اور ناظم ہی ایسا کرتے ہیں تو افسوس دو چند ہو جاتا ہے جب ان کیلئے خود اپنے ادارے کی تعلیم جاذب نہیں ہے تو کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اپنے ادارے کی تعلیم ایسی مفید اور پرکشش بنائیں کہ دوسرے ہماری طرف آئیں نہ یہ کہ خود ہی اپنا ادارہ چھوڑ کر دوسری طرف بھاگیں۔ لے دے کر دینی مکاتب میں غرباء کے بچے رہ جاتے ہیں اور دو سال کی تعلیم کسی طرح چار سال میں پوری کرتے ہیں۔

یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ جس کا فوری علاج ضروری ہے اور دینی مکاتب کو جدید نصاب تعلیم اور جدید طریقۂ تعلیم سے آراستہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ ورنہ ہمارے بچے ابتداء ہی سے غیر اسلامی اسکولوں میں جا کر عملاً اور عقیدۃً بے راہ روی کے شکار ہو جائیں گے۔

اس ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے کلیہ فاطمۃ الزہراء کے ناظم اعلیٰ محترم جناب شیخ ارشد مختار حفظہ اللہ نے کلیہ میں اور مختلف مقامات پر پرائمری درجات کھولنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے۔ اسی طرح آپ نے یہ عزم ظاہر فرمایا کہ ان شاء اللہ ضرورت کی رعایت کرتے ہوئے کلیہ فاطمہ میں ایک معیاری ڈگری کالج کا اہتمام بھی کیا جائے گا۔ "وماذلك على الله بعزيز"

☆☆☆

جامعہ محمدیہ وکلیہ عائشہ صدیقہ، منصورہ۔بنگلور
مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی عظیم تعلیمی یادگار

حافظ عبدالحسیب مدنی — استاذ جامعہ محمدیہ منصورہ بنگلور

حضرت العلام مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ ایک عظیم رہنما اور مصلح قوم تھے، ملت میں پیغام حراء کو جس طرح اونچے پیمانے پر آپ نے عام کیا شاید ہی کسی اور نے کیا ہو، سلفیت کی ترویج واشاعت کے لیے مولانا نے تعلیم وتعلم کو اپنا ہدف ونصب العین بنایا، آپ بخوبی جانتے تھے کہ علم ہر تخلیق کی کنجی ہے، تعلیم ہی ذہنوں کو جلا دیتی اور خیالات کو متحرک کرتی ہے، ہر قوم کے عروج وزوال میں تعلیم نے اہم کردار ادا کیا ہے، علم وہنر سے بے بہرہ قومیں آہستہ آہستہ روبہ زوال ہوجاتی ہیں اور تاریخ سے ان کا نام ونشان حرف غلط کی طرح مٹ جاتا ہے، یہ ساری ہی باتیں مولانائے محترم کو شب وروز مضطرب رکھا کرتی تھیں، اسی جذبۂ صادق نے مولانا کو ایسی سنگلاخ زمینوں میں علم کے چشمے رواں کرنے پر مجبور کیا جہاں جہالت وگمراہی کا عرصۂ دراز سے راج قائم تھا اور جہاں کے لوگ الحاد ودہریت کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔

خیر سے مدارس کی تو کمی نہیں تھی، بہت سے تھے، وہاں کے نصاب تعلیم میں درس نظامی کی پاس داری تو تھی لیکن دور جدید کے تقاضوں کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی، یہ اہم مسئلہ ایک طرح سے مدارس کے ارباب حل وعقد کے لیے ایسا معمہ بنا ہوا تھا جو سلجھائے نہیں سلجھ رہا تھا۔

جامعہ محمدیہ منصورہ وکلیہ عائشہ صدیقہ کا قیام

۱۹۸۵ء کی بات ہے جب کل ہند جماعتی کانفرنس کے لیے بنگلور شہر گلستاں کا انتخاب عمل میں آیا تو مولانا موصوف کا ادھر آنا کچھ زیادہ ہی ہوگیا، پہلے ہی سے آپ جنوبی ہند میں ایک تعلیمی قلعہ تعمیر کرنے کی فکر میں تھے، اسی دوران یہاں کے احباب سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، بنگلور کا موسم، یہاں کی آب وہوا، یہاں کی تہذیب اور مادی ترقی دیکھ کر مولانا مرحوم نے عزم کرلیا کہ جنوب کا تعلیمی قلعہ یہیں بنگلور میں تعمیر کیا جائے اور اس طرح ۱۹۸۹ء میں اس کی تاسیس عمل میں آئی، جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی اپنے روز قیام سے ہی اس طریقۂ تعلیم کو عام کرنا چاہتی تھی جس میں عصری ودینی تعلیم کا حسین امتزاج ہو، مولانا مرحوم تعلیم کے بٹوارے کے کبھی قائل نہ تھے، آپ مسلمان بچوں کو ہر تعلیم سے آراستہ کرنے کے خواہاں تھے۔

دراصل مولانا نے ۱۹۷۵ء میں شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی، سعودی عرب کے زیر اہتمام منعقدہ عظیم تعلیمی کانفرنس میں شرکت کی تھی، جہاں ۵۰۰ر سے زائد ماہرین تعلیم شریک ہوئے تھے، وہاں یہ فکرہ پیش ہوا تھا کہ عصری تعلیم پر اسلام کا رنگ چڑھایا جائے، عصری و دینی دونوں علوم میں حسین امتزاج پیدا کیا جائے، مولانا "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے پیکر تھے، تبھی آپ نے ٹھان لیا کہ اس مفید فکر کو عملی جامہ پہنایا جائے، اسی غرض سے مولانا نے ''جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں'' کی بنیاد رکھی جس کی ایک شاخ ''جامعہ محمدیہ منصورہ، بنگلور'' بھی ہے۔

مولانائے محترم ہمیشہ سے ہی تعلیم نسواں کے زبردست حامی تھے کیوں کہ خواتین ہی کی آغوش میں مستقبل کی نسل تیار ہوتی ہے اور اگر خواتین تعلیم یافتہ ہوں تو معاشرے پر اس کے بہت ہی زیادہ مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں، گنی چنی چند تعلیم یافتہ خواتین سے پورے معاشرے میں ایک صالح انقلاب برپا ہوسکتا ہے اور اسلامی شعور بیدار ہوسکتا ہے، یہی وہ جذبۂ اسلامی تھا جس کی وجہ سے مولانائے محترم نے فوری طور سے ''کلیہ عائشہ'' کی بنیاد رکھ دی اور اس کو اس نقطۂ نظر سے دیکھنے لگے کہ یہ ادارہ ان ماؤں کی یادگار ہوگا جن کی نسل سے پوری انسانیت کو ہدایت کے راستے میسر آئیں گے اور جہالت وبدی سے نجات مل سکے گی۔

جامعہ محمدیہ منصورہ اور کلیہ عائشہ صدیقہ، بنگلور کی تاسیس کے مقاصد

۱۔امت مسلمہ کے ہونہار بچوں اور بچیوں کو سلفی منہج پر قرآن وحدیث کی تعلیم دینا۔

۲۔امت مسلمہ کو الحاد ودہریت کے شکنجے سے آزاد کرنا۔

۳۔ملت کی خواتین میں دینی شعور پیدا کرنا۔

۴۔دینی وعصری تعلیم کو یکجا کر کے طلبہ وطالبات کو دین کے ساتھ آداب جہاں بانی سکھانا۔

۵۔جہالت کو ختم کرنا اور علم کے چراغ سے ساری دنیا کو روشن کرنا۔

انہی پاکیزہ مقاصد کے حصول کے لیے مولانا نے جامعہ محمدیہ منصورہ وکلیہ عائشہ صدیقہ، بنگلور کی بنیاد رکھی، الحمد للہ جامعہ وکلیہ دونوں ادارے اپنے روز قیام ہی سے اپنے مقاصد کی جانب رواں دواں ہیں، واقعۃً یہاں سے فارغ التحصیل طلبہ وطالبات تقریباً ہر میدان میں دین وملت کی خدمت میں جٹے ہوئے ہیں اور اسلام کی سچی نمائندگی کررہے ہیں، بفضل اللہ تعالیٰ جامعہ محمدیہ منصورہ وکلیہ عائشہ صدیقہ، بنگلور جنوب کے نمایاں سلفی وعصری اداروں میں گل سرسبز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جامعہ محمدیہ منصورہ وکلیہ عائشہ صدیقہ، بنگلور کے تعلیمی شعبہ جات

۱۔شعبۂ حفظ

۲۔پرائمری

۳۔متوسطہ

۴۔ثانویہ

۵۔عالمیت

۶۔ پرائمری وہائی اسکول (جو صوبہ کرناٹک کے تعلیمی بورڈ سے منظور شدہ ہیں)

اس طرح طلبہ وطالبات عالمیت کے ساتھ ساتھ میٹرک کی سند کے بھی حامل ہوتے ہیں، اس طریقے سے وہ عصری ودینی دونوں میدانوں میں اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کے قابل ہوجاتے ہیں۔

جامعہ کا نصاب تعلیم

یہاں کا تعلیمی نصاب جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں کے تعلیمی نصاب کے مطابق ہے، دینی وعصری دونوں طرح کی تعلیم رائج ہے، دونوں ہی طرز تعلیم کے غیر اہم اجزاء کو نکال کر ایک جامع نصاب پڑھایا جاتا ہے، الحمدللہ اس کے بہت بہتر نتائج مرتب ہوئے ہیں جس سے پورا جنوبی ہند فیض یاب ہورہا ہے۔

جامعہ کے دعوتی وتربیتی شعبہ جات

جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کا قیام ہی اس مقصد کے تحت عمل میں آیا تھا کہ اسلام کا سچا اور صحیح پیغام ملک بھر میں عام کیا جائے، اسی لیے جامعہ وکلیہ دونوں میں طلبہ وطالبات کے اندر دعوت وتبلیغ کی مہارت پیدا کرنے کے لیے باقاعدہ تربیتی ودعوتی شعبے موجود ہیں، خطابت چوں کہ دعوتی میدان کی کلید ہے اس لیے تقاریر کی مکمل مشق کرائی جاتی ہے جس کے لیے ہفتہ واری انجمنوں کا سلسلہ جاری ہے، دعوتی میدان میں جس طرح سے خطابت کا ایک مقام ہے بالکل اسی طرح قلم کی قوت بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے، اسی لیے جامعہ وکلیہ عائشہ دونوں میں صحافت کا بھی ایک مستقل شعبہ قائم ہے جہاں اول سے عالمیت سال آخر تک کے طلبہ وطالبات ہر ماہ مسلسل اپنی اپنی کلاس کا ایک مجلہ حائطیہ شائع کرتے ہیں جو ان کے اپنے معیار کے مطابق ہوتا ہے۔

بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی بیک وقت اچھا خطیب ہو اور بہترین صحافی بھی ہو، جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کے بانی مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ خطابت وصحافت دونوں کے مرد میدان تھے اور آج کے اس ترقی یافتہ دور میں اپنے طلبہ وطالبات کو خطابت کے ساتھ ساتھ صحافت کا بھی ماہر بنانے کے خواہاں تھے تاکہ میڈیا کے غلط پروپیگنڈوں کا صحیح جواب دینے کی استعداد ان میں پیدا ہو، اسی بناء پر جامعہ محمدیہ وکلیہ عائشہ صدیقہ میں شعبۂ صحافت کو اولیت دی، اللہ مولانا کے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرے اور ہمارے طلبہ وطالبات کو خطابت وصحافت کے ذریعے دین وملت کی خدمت کا شرف بخشے، آمین۔

جنرل لائبریری

کسی بھی علمی ادارے کے لیے لائبریری ایک ناگزیر ضرورت ہے، طلبہ واساتذہ دونوں کے لیے علمی مصادر ومراجع روح کی حیثیت رکھتے ہیں، اسی بناء پر جامعہ وکلیہ عائشہ دونوں میں ایک ایک لائبریری قائم ہے اور اس کے لیے علاحدہ طور پر ایک ایک لائبریرین بھی مقرر ہے، الحمدللہ طلبہ وطالبات اور اساتذہ وغیرہ سبھی اس سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں اور اپنی علمی معلومات میں روز افزوں اضافہ کرتے ہیں، زائرین ومستفیدین کے لیے لائبریری صبح تا شام کھلی رہتی ہے۔

طلبہ وطالبات کے لیے جداگانہ طور پر قیام وطعام کا انتظام

مولانا رحمہ اللہ اس ادارے کی شعاعوں سے پورے جنوبی ہند کو منور ہوتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے، جس کا لازمی تقاضہ تھا کہ شہری طلبہ کے علاوہ بیرونی طلبہ کے قیام وطعام کا معقول انتظام ہو، اسی بناء پر مولانا نے اپنے ادارے میں طلبہ وطالبات کی رہائش کے لیے عمدہ، صاف ستھرے اور کشادہ کمروں کا انتظام کیا ہے، جن میں چارپائیوں کے ساتھ برقی لائٹ، پنکھوں اور گرم وٹھنڈے پانی وغیرہ کی بھی سہولیات میسر ہیں، جامعہ وعائشہ دونوں میں ۶۵۰ر طلبہ وطالبات کی تعلیم وتربیت کے ساتھ قیام وطعام کی گنجائش ہے، اس کے باوجود جگہ کی قلت کے پیش نظر ہر سال خواہش مند طلبہ وطالبات کی ایک بڑی تعداد داخلہ لیے بغیر لوٹ جاتی ہے، مستقبل میں اس مسئلے کے حل کے لیے مضافات بنگلور میں ایک وسیع وعریض زمین خریدی جاچکی ہے جس پر ان شاء اللہ مزید طلبہ وطالبات کی تعلیم وتربیت کا بہت جلد معقول انتظام کیا جائے گا۔

اسپورٹس

جامعہ محمدیہ وکلیہ عائشہ صدیقہ میں روز قیام ہی سے کھیل کود کی سہولیات فراہم ہیں، دیگر شعبہ جات کی طرح یہ شعبہ بھی کافی منظم ہے، طلبہ وطالبات میں اسپورٹس سے متعلق عصری اور جدید قوانین سے آگاہ کرنے کے لیے ایک سند یافتہ فیزیکل ٹیچر بھی ہمہ وقت خدمات کے لیے مقرر ہے، کھیل کود کے دوران طلبہ کے لیے اسپورٹس ڈریس کا بھی نظم ہے، ہر طرح کے مناسب کھیل یہاں پر کھلائے جاتے ہیں بالخصوص کرکٹ، فٹ بال اور والی بال وغیرہ۔

الغرض جامعہ محمدیہ وکلیہ عائشہ صدیقہ، بنگلور اپنے ان متنوع امتیازات کی وجہ سے پورے جنوب میں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں، جہاں دن رات قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور ساتھ ہی دور جدید کے تقاضوں کے ادراک اور ان کے حل تلاش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اگرچہ آج مولانائے رحمہ اللہ ہمارے درمیان نہیں ہیں، تاہم قوم وملت کے لیے آپ کی ناقابل فراموش ہمہ جہتی خدمات تاریخ کے صفحات پر زندہ جاوید رہیں گی، آپ کے یہی کارنامے آپ کے لیے صدقۂ جاریہ بن کر ثواب دارین کا باعث بنیں گے، تقبل اللہ جھودہ۔ مولانا کے لیے سب سے بڑا خراج عقیدت یہ ہوگا کہ ہم مولانائے موصوف کی نیک تمناؤں کو برلانے کی بھرپور کوشش کریں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے نیک کاموں کو ذریعۂ نجات بنائے، جامعہ محمدیہ وکلیہ عائشہ صدیقہ کو خصوصاً وسیلۂ مغفرت بنائے، آپ کی موت سے ان اداروں کو جو ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے اس کی تلافی فرمائے اور آپ کی بشری لغزشوں کو حسنات میں تبدیل کردے، آمین۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆

جنوبی ہند اور مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

مولانا سید شفیق احمد مدنی — شیخ الجامعہ، جامعہ محمدیہ منصورہ، بنگلور

یوں تو ہمیشہ ہی سے اس عالم رنگ وبو میں بے شمار نابغۂ روزگار اصحاب کمالات جنم لیتے رہے ہیں جو اپنے علم وفضل اور کمالات سے انقلاب برپا کر کے اس عالم فانی سے کوچ کر جاتے ہیں اور لوگ ان کی وفات کا کچھ عرصہ غم منا کر انہیں طاق نسیاں کے حوالے کر دیتے ہیں یا اگر زمانہ ان کے ساتھ بہت زیادہ احسان بھی کرتا ہے تو وہ تاریخ کا ایک زرین باب بن کر رہ جاتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسی ہستیاں بہت کم دیکھنے سننے میں آتی ہیں جو اپنے بلند اخلاق وکردار، عمدہ کارکردگی اور دیگر اوصاف حمیدہ کی وجہ سے احباب ومخالفین دونوں میں یکساں طور پر مقبول ہوتے ہوں یا جن کے کمالات دوررس اثرات اور مفید نتائج کے حامل ہوتے ہیں اور ایک عرصۂ دراز تک ان کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی ہے۔

اسی طرح کی باکمال ہستیوں میں ہمارے حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی بھی ایک ہستی ہے، ملت کے لیے بالخصوص جماعت اہل حدیث کے لیے آپ کی ہمہ جہتی خدمات ناقابل فراموش ہیں، سلفیت کی ترویج واشاعت کے لیے مولانا نے خود کو بالکل ہی وقف کر دیا تھا، مولانا رحمہ اللہ صاحب عزیمت، پیکر اخلاص اور صبر واستقلال کا مجسم نمونہ تھے جن کی خدمات جلیلہ سے نہ صرف شمالی ہند بلکہ جنوب بھی برابر مستفید ہوتا رہا ہے۔

مولانا کو ابتدا ہی سے تعلیم وتعلم کا نہایت شغف تھا، اس کو آپ ہر خاص وعام، چھوٹے، بڑے اور مرد وزن تک پہنچانا چاہتے تھے، سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ آپ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کے امتزاج کی پرزور وکالت کیا کرتے تھے، اسی لیے ملک بھر میں ایک نئے انقلابی طرز پر تعلیمی اداروں کا جال پھیلا دیا۔

جامعہ محمدیہ منصورہ، بنگلور

جہاں تک جنوب کا تعلق ہے سلفی نہج کی تعلیم وتربیت کے اعتبار سے وہ بنجر زمین تھی، دور دور تک ایسا ادارہ جہاں سلفی نہج کی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کا بھی معقول انتظام ہو' کوئی نہ تھا، یہ ایک بہت بڑا خلا تھا جس کو پر کرنے کا مولانا موصوف نے عزم کر لیا اور اس کی تکمیل کی خاطر انتھک محنت شروع کر دی، آپ کی دوررس نگاہوں نے جنوبی ہند کے عظیم شہر بنگلور (جو شہر گلستاں کہلاتا ہے) کو منتخب کر لیا، یہاں آپ نے جامعہ محمدیہ منصورہ کے نام سے علم وعرفاں کے قلعے کی بنیاد رکھ دی۔ یہ جامعہ کئی جہتوں سے اپنی ایک منفرد وممتاز شناخت رکھتا ہے، چنانچہ یہاں:

۱-طلبا کو عقیدۂ سلف سے آراستہ کیا جاتا ہے۔

۲-کتاب وسنت کو مشعل راہ بنا کر زندگی گذارنے کی ہدایت دی جاتی ہے۔

۳-جامعہ میں دینی ودنیوی تعلیم کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے تاکہ طلبہ میدان عمل میں (جدید علوم کے ماحول سے) اجنبیت وگھبراہٹ کا شکار نہ ہوں، مستقبل میں معاشی پریشانیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرسکیں اور جہاں بھی جس منصب پر بھی رہیں دین اسلام کے مخلص خدمت گذار بنے رہیں۔

۴-یہاں صاف ستھری، کشادہ قیام گاہ کے ساتھ عمدہ طعام کا بھی انتظام ہے۔

۵-حفظان صحت کے لیے مناسب کھیل کود کا بھی انتظام ہے۔

ان ساری چیزوں کی وجہ سے جامعہ اپنی ایک جداگانہ شان رکھتا ہے، اگر میں یہ کہوں کہ جامعہ محمدیہ، منصورہ، بنگلور، کرناٹک کی منفرد معیاری، سلفی وعصری درس گاہ ہے تو بے جانہ ہوگا۔

تعلیم نسواں کے لیے ایک معیاری درس گاہ کا قیام

عورت نصف انسانیت ہے لیکن اپنے کردار وقابلیت کے لحاظ سے ساری انسانیت پر اثر انداز ہوتی ہے اس لیے اس کی اشد ضرورت تھی کہ اس کی مستقل تعلیم وتربیت کے لیے باقاعدہ ایک معیاری درس گاہ قائم ہو، عورتوں کی تعلیم وتربیت کے نہ ہونے سے ہماری نئی نسل خطرے میں ہے، ہمارا معاشرہ، ہمارا گھریلو نظام اور ہماری اجتماعی زندگی بلکہ ایمان خطرے میں ہے۔

ملت کو درپیش اس عظیم خطرے کا سد باب صرف تعلیم نسواں کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور وہ بھی سلفی منہج کے مطابق ہونی چاہیے، اس نکتۂ کیمیاء کے ہاتھ لگتے ہی مولانا مرحوم نے ہزارہا مخالفتوں کے باوجود ''کلیہ عائشہ صدیقہ مالیگاؤں وبنگلور'' اور ''کلیہ فاطمہ مئو'' کے نام سے معیاری درس گاہیں قائم کرکے تعلیم نسواں کی پرزور انقلابی تحریک چلائی، جس کے مثبت اثرات پورے ملک پر پھیلتے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے خواتین کی تعلیم وتربیت کے اداروں کا مبارک سلسلہ شروع ہوگیا، حتی کہ وہ لوگ جو ابتدا میں مولانا رحمہ اللہ کی رائے سے ہٹ کر اپنی الگ رائے رکھتے تھے وہ بھی مکمل مولانا کے ہمنوا ہوگئے "من سن في الاسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أُجورهم شيئ". (مسلم)

مساجد کی تعمیر

مساجد روز اول ہی سے رشد وہدایت، دعوت وتبلیغ اور تعلیم وتربیت کا اہم مرکز رہی ہیں، انھی سے اسلام کا پیغام ساری دنیا میں عام ہوتا رہا ہے، ملت اسلامیہ کی علمی، قومی اور روحانی قوتوں کا یہی سرچشمہ ہیں، یہیں سے امت محمدیہ نے ماضی میں اسلام کا سبق سیکھا تھا اور آئندہ بھی مسلمانوں کا سب سے بڑا علمی اور روحانی مرکز مسجد ہی رہے گی۔

اسی کے پیش نظر مولانا رحمہ اللہ نے اپنے محسنین ومعاونین کے تعاون سے ''ادارہ اصلاح المساجد'' کی بنیاد رکھی، جہاں سے مولانا نے تعمیر مساجد کا ایک عظیم سلسلہ شروع کیا، دیکھتے ہی دیکھتے ملک بھر میں سینکڑوں مساجد کا ایک جال پھیلا دیا اور ایسی ایسی جگہوں پر مسجدیں قائم کیں جہاں مساجد کی تعمیر قانونی پیچیدگیوں کے باعث

جوئے شیر لانے کے مترادف تھی لیکن آپ نے حسن تدبیر اور جہد مسلسل سے تعمیر مساجد کے کام کو رکنے نہیں دیا، ہندوستان بالخصوص جنوب میں مذکورہ ادارے کی جانب سے جو خدمات انجام پائی ہیں وہ برصغیر کا تاریخی و بے نظیر کارنامہ ہے اور ملک میں اس سے پہلے اتنا عظیم کارنامہ شاید ہی کسی نے انجام دیا ہو، محض ایک مسجد کا بنانا پہاڑ تراشنے کے برابر ہے، مگر فرد واحد کی طرف سے ملک بھر میں تقریباً ۴۰۰ مسجدیں دیکھتے ہی دیکھتے تعمیر ہوگئیں، یہ مولانا رحمہ اللہ پر اللہ کی عنایت خاصہ تھی جو اتنی کثیر تعداد میں مسجدیں تعمیر ہوتی چلی گئیں۔

۱۹۹۲ء میں "ادارہ اصلاح المساجد" ممبئی کی سالانہ میٹنگ کے صدارتی خطبے میں آپ نے فرمایا تھا" مسجدیں ہمارا قلعہ اور اصل مرکز ہیں، ہمیں چاہیے کہ اپنی تحریک مسجد ہی کے صحن سے شروع کریں اور مسجد کے احکام وفرامین کو دنیاوی زندگی پر نافذ کریں، جس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ مسجد سے براہ راست علاقہ (تعلق) رہے گا، شرائع اسلامی کی مواظبت ہوگی اور ساتھ ہی مسجد کی خوبیاں ہماری زندگی میں منتقل ہوتی جائیں گی، ہمارا ہر کام شریعت کے عین مطابق ہوگا"۔

مولانا کے انہی دلی جذبات نے قوم وملت کو اتنا کچھ دیا جو کسی ایک شخص سے ناممکن ہے، تقریباً ۴۰۰ مساجد، یہ ان شاء اللہ مولانا کے لیے صدقۂ جاریہ ہوں گی، "من بنیٰ لله مسجداً بنی الله له بيتاً فی الجنة"۔

رشتۂ مصاہرت

جنوب میں جامعہ محمدیہ منصورہ وکلیہ عائشہ صدیقہ جیسے عظیم الشان اداروں کا قیام اور مساجد کا ایک بڑا جال مولانا کا جماعت وملت پر نا قابل فراموش احسان ہے جو مولانا کے جنوبی ہند کے عوام سے تعلقات کو واضح کرتا ہے، یہ تعلقات وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ آپ نے محسوس کیا کہ اپنی جماعتی وملی خدمات کو مزید وسعت دینے کے لیے نئے امکانات کو تلاش کریں لہٰذا آپ نے محسنین ومعاونین سے رشتہ داری بھی قائم کی۔

مولانا نے اپنی دو صاحبزادیوں کی شادی جنوب کے دو دینی گھرانوں میں کی ہے، یہ عمل مولانا کی دینی حمیت کو مزید اجاگر کرتا ہے، ورنہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ مولانا اپنے آبائی وطن میں یہ رشتے داریاں قائم کرتے لیکن آپ کے پیش نظر جو بات تھی وہ یہ کہ جنوبی ہند میں تعلیمی ودعوتی سرگرمیوں کو وسعت دی جائے۔

آپ نے ہر بات میں دین وملت کی خیر خواہی اور مصلحتوں کو سرفہرست رکھا اور آپ نے کبھی بھی اپنے مصاہرتی تعلقات کو دعوتی سرگرمیوں میں مخل نہیں ہونے دیا، بلکہ ہر آن اپنے دینی ودعوتی کام ہی کو مقدم رکھا اور ساتھ ہی مصاہرتی تعلقات کو کسی بھی ناحیے سے زک پہنچنے نہ دی، معاملات کو آپ نے ایسے صاف وشفاف رکھا کہ سب نے ایک زبان ہو کر گواہی دی کہ" مولانا محض گفتار کے غازی نہیں کردار کے بھی غازی تھے، اسی کے ساتھ صبر واستقلال کے داعی تھے، معاملات میں حد درجہ محتاط تھے ،قرآن کی تلاوت آپ کا محبوب مشغلہ تھا اور راتوں میں تہجد گذاری آپ کا معمول تھا"۔

یہ سارے بیانات ان لوگوں کے ہیں جنھوں نے مولانا سے رشتہ داری رکھی، آپ کو قریب سے دیکھا، پرکھا اور آپ کے ساتھ معاملات کیے۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

جنوبی ہند اور مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی ملی وجماعتی خدمات

مولانا مرحوم اپنی عملی زندگی کے پہلے ہی روز سے جماعت وملت سے جڑے رہے، زندگی کے کسی بھی موڑ پر آپ نے جماعت وملت سے بیگانگی کا ذرہ برابر بھی مظاہرہ نہیں کیا، مولانا کی ہر جدوجہد جماعت وملت کو مستحکم کرنے کے لیے ہوا کرتی تھی، مولانا مرحوم ایک فعال اور متحرک شخصیت تھے، آپ کے مزاج میں سیمابیت تھی، آپ وقت ضائع کرنا بالکل بھی درست نہیں سمجھتے تھے، یہاں تک کہ دوپہر میں قیلولے (خصوصا طویل قیلولے) کے بھی سخت مخالف تھے اور کہا کرتے تھے: ''جماعت وملت کا ابھی بہت کام باقی ہے، اب دو دو گھنٹے آرام کرنے کا وقت نہیں رہا''۔

مولانا نے تعلیمی اداروں اور مساجد کے ذریعے جماعت وملت کی کافی خدمت کی ہے، آپ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کتابوں کی اشاعت کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کیا، جس کے لیے ایک عظیم ومایۂ ناز ادارہ ''الدار السلفیۃ'' کے نام سے قائم کیا جو ملک وبیرون ملک میں اپنی ایک منفرد شناخت رکھتا ہے، اس ادارے کی ساکھ کو آپ نے کبھی بھی متاثر نہیں ہونے دیا، بہت ساری علمی ودینی کتابوں کی اشاعت کی، بعض کتابوں کی اشاعت لاکھوں سے تجاوز کر گئی جن میں سے ایک بڑا حصہ مفت تقسیم کے لیے ہوتا تھا اور تقسیم شدہ ان کتابوں کا وافر حصہ جنوبی ہند کے پسماندہ علاقوں میں پہنچا جہاں کے بدعات وخرافات میں ڈوبے ہوئے متعدد گھرانے اہل حدیث ہوئے، یہ بھی مولانا کا بڑا کارنامہ ہے۔

ساتھ ہی ''ماہنامہ البلاغ'' کی اشاعت نے جنوب پر کافی گہرے دینی وجماعتی نقوش ثبت کیے ہیں، بلاتفریق مسلک سبھی اس مجلّے کے خریدار اور پڑھنے والے ہیں، یہ مجلّہ دین ومذہب، سیاست ومعاشرت جیسے سبھی موضوعات پر مشتمل ہوتا ہے اور بالخصوص مولانا مرحوم کے قلم سے بکھرے موتی ''شذرات، مختارات، ہنستے چہرے اور بہتے آنسو'' سب کی توجہ کا مرکز تھے، قارئین ہر ماہ انہیں پڑھنے کے لیے بے چین رہا کرتے تھے۔

مولانا نے شمال وجنوب میں کسی بھی طرح کا امتیاز نہیں برتا بلکہ جنوب میں آپ نے بہت سارے جماعتی وملی کام سرگرمی سے انجام دیے، آپ یہاں کے جماعتی جلسوں اور تعلیمی کانفرنسوں میں بنفس نفیس شرکت فرمایا کرتے تھے اور اپنی آتشیں تقریروں سے قلب وجگر کو گرمادیتے تھے اور لوگوں کے ذہنوں کو کتاب وسنت کی طرف راغب کرتے تھے۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث کی جانب سے منعقدہ بسور کے اجلاس میں مولانا نے جو تاریخی خطبۂ صدارت دیا تھا وہ آج بھی جنوبی ہند کے عوام کے دل ودماغ میں محفوظ ہے، جس میں آپ نے بتایا تھا کہ سلفیت کل اسلام کی حقیقی ترجمان ہے، یہ خطبہ مولانا کی سلفیت پر گہری نظر کو واضح کرتا ہے۔

الغرض مولانا کی وفات جماعت وملت دونوں کے لیے بہت بڑا خسارہ ہے، اللہ اس خسارے کی بھرپائی فرمائے اور مولانا کی لغزشوں کو درگزر فرما کر انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔

☆☆☆

شہر ناندیڑ میں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی دعوتی خدمات

ڈاکٹر ایم. کے. رحمن - پروفیسر پودار کالج، ورلی ممبئی

۱۹۸۶ء میں میرا تبادلہ گورنمنٹ آیورویدک کالج ناندیڑ سے آر اے پودار میڈیکل کالج ورلی میں بحیثیت لکچرار ہوا، اس زمانہ میں مولانا مختار احمد ندویؒ عالم اسلام کی ایک عظیم شخصیت کی حیثیت سے جانے جاتے تھے، مولانا کی زبان کی تاثیر اور زور قلم کا ہر کس و ناکس آج تک معترف ہے، ایک جمعہ کو بنگالی مسجد میں بڑے ہی دلنشین انداز سے قرآن وحدیث پر مبنی خطبہ دے رہے تھے، ان کے اس سحر بیان اور خطیبانہ انداز سے تمام مصلیان مسجد مستفید ہو رہے تھے، ان کا اس وقت کا بیان آج تک میرے دل و دماغ میں تازہ ہے، قرآن کی یہ آیت ''اللہ جس کسی کو راہ راست پر چلانا چاہتا ہے، اس کا دل اسلام کی طرف کھول دیتا ہے'' یہ ۴۵ منٹ کا پرمغز علمی خطبہ بہت ہی جامع اور مدلل تھا آپ کے اس خطبہ میں ایسی تاثیر اور کشش تھی کہ آپ کے حکیمانہ انداز بیاں سے میری زندگی کا نقشہ ہی بدل گیا۔ خطبہ ونماز کے بعد میرا دل بے چین تھا، مولانا سے ملاقات کرنے کیلئے، ان کے آفس میں میری پہلی ملاقات تھی، مولانا نے مشفقانہ انداز میں میرے بارے میں معلومات لی، ناندیڑ کے ذمہ داران جمعیت خاص کر الحاج عبدالقیوم، الحاج عبدالستار، الحاج محمد اسماعیل سیٹھ، محمد سلیم صاحب سے اپنے ذاتی مراسم کا تذکرہ کیا، وہاں کی جمعیت کے کام کے بارے میں مولانا آزردہ تھے، کثیر سلفی عقائد کے لوگ ہونے کے باوجود بھی جمعیت کا کام نہیں ہو رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہاں کی جمعیت پر نیند کی غشی طاری ہے۔ دوران گفتگو مولانا قرآن وحدیث کی باتیں کرتے رہے، مگر ایک بات میرے دل و دماغ میں اتنی جاگزیں ہوئی کہ میں حتی الامکان اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں ''اللہ تعالی کے لئے کسی سے دوستی کرو اور اللہ تعالی کے لئے دشمنی کرو'' ان کا حکیمانہ انداز بیان، معاشرتی نظام کی کامیابی کے لئے اس سے بہترین کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی، ان کی یہ باتیں میرے دل کی گہرائیوں میں اتر چکی تھیں، ملاقات کے بعد جب میں باہر آیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا، مولانا کے اظہار خیال کو ناندیڑ کی جمعیت نے قدر وعزت کی نگاہ سے دیکھا اور مولانا کو ناندیڑ آنے کی دعوت دی، مولانا نے ناندیڑ کی دعوت قبول کی اور ناندیڑ کے لئے ایک جامع پروجیکٹ لے کر چلے، مولانا کے ساتھ یہ میرا پہلا یادگار سفر تھا، راستہ میں پند ونصائح، مزاح اور اپنے تجربہ کا ذکر کرتے رہے، راستے میں مولانا نے تہجد کی نماز ادا کی صبح ۹ بجے کے قریب ناندیڑ پہنچنے پر جماعتی لوگوں کے

علاوہ ہزاروں کی تعداد میں اہلیان ناندیڑ نے ان کا استقبال کیا، اس وقت ناندیڑ میں جمعیت اہلحدیث کی دو مساجد تھیں، ایک مسجد قمرالدین اور دوسری مسجد بی بی بلند، مسجد قمرالدین کو جامع مسجد کی حیثیت حاصل تھی، مولانا نے وہاں کے ذمہ داروں اور مصلیوں سے کافی دیر تک گفتگو کی، وہاں کے لوگوں کے دینی جذبہ سے مولانا کافی متاثر ہوئے، مسجد قمرالدین کے اطراف زمین خریدنے کی صلاح دی، وہاں ایک بڑا دینی مدرسہ قائم کرنے کا اظہار خیال کیا، مسجد بی بی بلند اور مسجد قمرالدین کو از سر نو تعمیر کرنے کی بات کہی، مسجد قمرالدین کی تعمیر کے بارے میں کہا ان شاء اللہ ایسی مسجد تعمیر ہوگی کہ لوگ ناندیڑ میں گرودوارہ دیکھنے کی بجائے اسے دیکھنے کے لئے آئیں گے، سطحی امور پر بھی انہوں نے بات چیت کی شام ۶ر بجے ممبئی کے لئے روانہ ہو گئے، واپسی کا سفر ایک یادگار سفر رہا کیوں کہ ٹکٹ منماڑ تک کیلئے کنفرم تھا اور منماڑ تک ویلیڈ تھا اس زمانہ میں منماڑ سے گاڑی بدلنا پڑتا تھا مجھے مولانا کے سفر کی تھکان کا احساس ہو رہا تھا، مولانا آرام چاہتے تھے، منماڑ سے ممبئی پانچ گھنٹے کا سفر ٹکٹ کنفرم نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں سیکنڈ کلاس میں کرنا پڑا، سیکنڈ کلاس میں کافی رش تھا لیکن مولانا نے اپنی تھکان اور تکلیف کا احساس ہمیں نہیں ہونے دیا، مولانا نے اپنی اس پریشانی اور تکلیف کا ذکر کسی سے نہیں کیا، مجھے آج تک ان کی اس تکلیف کا احساس ہے، ممبئی پہنچتے ہی مولانا نے مومن انجینئر کو ناندیڑ بھیجا مومن صاحب نے مولانا کی ہدایت ومنشاء کے مطابق نقشہ بنا دیا مولانا کے ذہن میں مسجد قمرالدین کے لئے ایک بہت بڑا پروجیکٹ تھا، بدقسمتی سے اس وقت مولانا اور وہاں کے مقامی جمعیت کے ذمہ داروں کے درمیان مدرسہ اور مسجد کے انتظام کے بارے میں اتفاق رائے نہ ہو سکا، مولانا نے مسجد قمرالدین کی تعمیر کے بجائے وہاں کی دوسری چھوٹی مسجد بی بی بلند از سر نو تعمیر کی اور ایسی خوبصورت مسجد بنی کہ لوگ اس کو دیکھتے ہی رہے، ناندیڑ ہی میں دوسری جگہ ایک اور مسجد کوثر بنائی جہاں سوائے ایک گھر کے اور کوئی اہلحدیث نہ تھا لیکن آج لوگوں کو اس مسجد کی اہمیت کا اندازہ ہو رہا ہے اسی طرح اورنگ آباد میں مولانا نے ایک تین منزلہ مسجد بنا ڈالی، مولانا کے خلوص نیت کی وجہ سے اورنگ آباد کی ایک کثیر تعداد اہلحدیث ہو چکی ہے آج یہ تین منزلہ مسجد اپنی کوتاہ دامنی کی شکایت کرتی ہے، کہاں ایک گھر کے امراء اہلحدیث تھے اور آج سینکڑوں لوگ سلفی العقائد ہو چکے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ جمعیتوں اور قوموں کی تمام اندرونی قوتیں اور جذبات خارجی محرکات کی محتاج ہوتی ہیں ان کی مثال سوئے ہوئے انسان کی سی ہوتی ہے جو گو کہ وہ زندہ ہے مگر حرکت کرنے کیلئے ایک بیدار کن صدا کا محتاج ہے یہی کچھ ہوا ناندیڑ کی جمعیت کے ساتھ، مولانا کا ذہنی وقلبی لگاؤ ناندیڑ سے تھا اکثر کہا کرتے تھے، مسجد قمرالدین کی تعمیر کا کام وہاں کی جمعیت سے یا کسی اور سے اللہ تعالیٰ لے لے گا بس اللہ نے مجھ سے وہاں کے لوگوں کو جگانے کا کام لیا، یہ بات صدفی صد سچ ثابت ہوئی، ناندیڑ کی جمعیت ان دونوں مسجدوں کی تعمیر کو دیکھ کر مولانا کے بنائے ہوئے نقشے میں کچھ ردوبدل کر کے مسجد قمرالدین کی از سر نو تعمیر کر ڈالی، اور مسجد قمرالدین اتنی وسیع اور خوبصورت ہو گئی ہے کہ پورے مہاراشٹر میں اسے ایک اعزاز حاصل ہو گیا اور مقامی

جمعیت ایسی فعال ہوئی کہ مہاراشٹر کی دیگر مقامی جمعیتوں کیلئے وہ نشان راہ بن گئی۔

مولانا کے ساتھ میں نے ناندیڑ کا کئی سفر کیا، میں نے مولانا کے جیسا منکسر المزاج مشفق دینی ملی تڑپ ہر وقت ملت کے لئے تڑپ جمعہ کے اکثر خطبوں میں ان کے دور حاضر کے مسائل پر اسلامی نقطہ نظر اور ملت کی تڑپ دکھائی دیتی تھی، کبھی کبھی ملاقات میں غصے میں آجاتے تھے لیکن یہ ان کا غصہ نہیں ہوتا تھا بلکہ ڈانٹ ڈپٹ والی نصیحت ہوتی تھی، مقامی ہم وطن بھائیوں کے لئے تبلیغ کا کام کرنے کے لئے کوشش کرتے تھے جو ہمارے ہم وطن بھائی امن پسند ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک اور ہمدردی کا برتاؤ کرنا چاہئے کیوں کہ قرآن مجید کی سورہ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے۔ عوامی ویلفیئر ایسوسی ایشن کے ذریعہ ۶ر دسمبر کو دلت لوگوں کے لاکھوں کے اجتماع میں دادر میں پودار کالج کے طلباء کی مدد سے طبی کیمپ لگاتے اور ان غریبوں کو مفت طبی سہولتیں پہنچاتے تھے، مولانا اکثر کہا کرتے تھے اپنے حسن سلوک، اور حسن اخلاق سے اپنے کردار سے ان لوگوں کے کھوئے ہوئے دین فطرت کے احساس کو جگا سکتے ہیں اسلام کی طرف راغب کر سکتے ہیں۔

مولانا نے ۴۰۰ مساجد کی تعمیر کر کے، جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں، طبیہ کالج، آئی ٹی آئی کالج، مدرسہ محمدیہ مہسلہ و بنگلور، بچیوں کے لئے ہاسٹل و مدرسہ کلیہ فاطمہ وکلیہ عائشہ صدیقہ قائم کر کے اور ۲۵۰ سے زائد کتابیں شائع کر کے پوری ملت اسلامیہ ہند کو خاموشی سے جگانے کی کوشش کی ہے، یہ ان کی خاموشی، عملی کردار، ان کی للّٰہیت اور خلوص کی مثال ہے اور یہی کوشش ان کی آخری سانس تک رہی۔ یہ مولانا رحمہ اللہ کی زندگی کے آخری جمعہ اور میری ان سے آخری ملاقات کا واقعہ ہے مولانا جس وقت مسجد سے باہر نکلے تو اس وقت رم جھم بارش ہو رہی تھی ان کا ڈرائیور ابوالحسن اور میں ان کی کار کی طرف چلے، ابوالحسن چھتری پکڑے ہوئے تھا، میرا ہاتھ پکڑ کر کہا آپ اتنی دور کرلا سے مت آیا کیجئے وہاں بھی اپنی جماعت کی مسجد ہے اور وہاں کی مسجد کا بھی حق ہے پھر میرے اور میرے بچوں کے متعلق پوچھتے رہے، یہاں تک کہ ہم کار کے قریب آگئے اور انہوں نے بیٹھتے بیٹھتے کہا ڈاکٹر صاحب جب تک سانس چلے نیکیوں کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے، پھر آپ نے پوچھا ڈاکٹر صاحب انسان کے ہوش وحواس کب تک قائم رہتے ہیں؟ میرے اتنا کہنے پر کہ ”یہ تو عمر اور بیماری پر منحصر ہے“ وہ ہنسنے لگے اور ابوالحسن نے گاڑی اسٹارٹ کر دی، مجھے ناندیڑ جانا تھا پیر کی صبح جب ناندیڑ پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ مولانا اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں مجھے یقین نہیں آ رہا تھا جب ان سے میں جدا ہوا تو وہ صحت مند اور پرنور نظر آ رہے تھے مگر جاتے جاتے مجھے جگا کر گئے کہ انسان کو عمل صالحہ ہوش وحواس رخصت ہونے سے پہلے تک کرتے رہنا چاہئے، مولانا رحمہ اللہ آج ہمارے درمیان نہیں ہیں، لیکن ان کا عمل ہمارے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں کو معاف کرے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے انہیں غریق رحمت کرے اور ان کے تمام دینی و تبلیغی، علمی و ملی کاموں کو آخرت کا توشہ بنائے۔ آمین۔

☆☆☆

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

کا شنکر نگر سے تعلق

مولانا عبداللطیف اثری — استاذ جامعہ عالیہ عربیہ مئو

اگر کسی مقام کے رہنے والوں کو محض اس بنا پر خوش قسمت قرار دیا جاسکتا ہے کہ ان کی اصلاح وتزکیہ کے لئے علماء دین ہمیشہ انہیں اپنی توجہ کا مرکز بنائے ہوئے ہوں تو شنکر نگر کے افراد اس سلسلے میں واقعی اپنی خوش نصیبی پر ناز کر سکتے ہیں۔

شنکر نگر جو ضلع بلرام پور کا سب سے بڑا مسلم گاؤں ہے، دریائے راپتی کے کنارے بلرام پور شہر سے سات کیلومیٹر کی دوری پر مشرق کی جانب واقع ہے۔ اور اس گاؤں میں مسلک اہل حدیث کے سوا کسی دوسرے مسلک سے وابستہ کوئی فرد نہیں ہے۔ اور شرک وبدعت سے دوری ان کی امتیازی شان ہے، اسی لئے اس گاؤں کا نام بعض بزرگوں نے "توحید نگر" رکھا ہے۔

اس گاؤں کو علماء ایک زمانے سے اپنی توجہ کا مرکز بنائے ہوئے ہیں۔ اور یہاں تشریف لانیوالے بعض علماء کے نام یہ ہیں:

مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، مولانا نذیر احمد رحمانی، مولانا محمد حسین میرٹھی، مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری، صوفی نذیر احمد کاشمیری، مولانا حکیم عبیداللہ رائے بریلوی، مولانا عبدالشکور دور صدیقی، مولانا دیندار خاں شکراوی، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبدالسلام بستوی، مولانا عبدالمبین منظر، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا محمد داؤد راز دہلوی، مولانا محمد اقبال رحمانی، مولانا عبدالشکور بسکوہری، مولانا ذاکر ندوی، مولانا محمد حنیف ہاتف، مولانا زین اللہ رحمانی، مولانا شمیم صدیقی، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا مختار احمد ندوی، مولانا عبدالرحمٰن ڈوکمی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا حافظ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، مولانا عبدالمالک رحمانی، مولانا محمد عمر سلفی، مولانا عبدالقیوم رحمانی، مولانا عابد حسن رحمانی، مولانا عبدالسلام رحمانی کنڈو، مولانا عبدالسلام رحمانی جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا عبدالحمید رحمانی، ڈاکٹر عبدالعلی ازہری، مولانا مظہر حسن ازہری، مولانا محمد احمد اثری، مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، ڈاکٹر حافظ عبدالعزیز مدنی، شیخ عبدالعزیز عتیق وغیرہم۔

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ یہاں میری دانست میں دو بار تشریف لائے۔ اور اپنے خصوصی خطاب سے نوازا۔ مولانا رحمہ اللہ نے جب اسلامی کتابوں اور قرآن مجید کی طباعت ومفت تقسیم کا کام شروع کیا تو شنکر نگر کو اس سے محروم نہ رکھا، کئی بار کتابوں کا بنڈل روانہ کیا اور استفادہ کا موقع دیا۔

جب آپ نے مساجد کی تعمیر وتوسیع کے لئے "ادارہ اصلاح المساجد" کا قیام کیا اور پورے ملک میں مساجد کی تعمیر شروع ہوئی تو جہاں کچھ لوگوں کو اس سے خوشی ہوئی اور اس کام کو بنظر استحسان دیکھا وہیں کچھ لوگوں نے مخالفت پر کمر کس لی اور مسجد جس کی تعمیر کرنے والوں کے لئے اللہ نے جنت میں اسی کے مثل گھر بنانے کا وعدہ کیا ہے، اس کی تعمیر میں رخنہ ڈالنا شروع کر دیا اور صرف مسجد کی تعمیر ہی میں نہیں بلکہ مولانا کے ہر کام سے انہیں جلن ہوگئی۔

(مولانا نے ایک بار میرے سامنے فرمایا تھا کہ ایک مخصوص برادری کے لوگ میرے خلاف ریشہ دوانی میں لام بند ہیں لیکن میں اس کے جواب میں صرف "موتوا بغیظکم" کہا کرتا ہوں اور اپنا کام کرتا رہتا ہوں۔) مساجد کی تعمیر میں کن کن دشواریوں اور پیچیدگیوں سے گزرنا پڑا ہوگا اس کا صحیح اندازہ آج کوئی نہیں کرسکتا ہے۔

جامعہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر کے کمپلکس میں مسجد نہیں تھی جب کہ اس کی سخت ضرورت تھی میں نے مولانا کو اس سلسلے میں ایک خط لکھا اور مسجد تعمیر کرنے کی گزارش کی۔ آپ بذات خود شنکر نگر تشریف لائے اور مسجد کی منظوری دے دی۔ اور بتایا کہ چند ماہ بعد مسجد کی تعمیر شروع ہوجائے گی۔ تقریبا دو ماہ بعد مولانا سے مئوناتھ بھنجن میں مسجد اہل حدیث مرزاہادی پورہ میں بعد نماز فجر ملاقات ہوئی (اس سفر میں آپ کے ہمراہ کویت کے شیخ طارق العیسی بھی تھے) میں نے کہا کہ اب شنکر نگر کی مسجد کی تعمیر شروع ہوجانی چاہئے کیونکہ دیہات میں تعمیر کے لئے سب سے موزوں وقت یہی ہے، مولانا نے کہا کہ وہاں کی مسجد منظوری کے بعد نا منظور ہوگئی ہے۔ میں نے جب سبب جاننا چاہا تو بتایا کہ آپ ہی کے گاؤں کے ایک شخص کا خط آیا ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ جس جگہ مسجد کی تعمیر کا منصوبہ ہے وہ جگہ ریتیلی ہے اور اس پر تعمیر نہیں ہوسکتی، اس لئے تعمیر کرنا بے سود ہے۔ میں نے کہا اس جگہ مدرسے کی عمارت موجود ہے جس کی بنیاد شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ نے بنفس نفیس رکھی ہے اور تعمیر مکمل ہونے کے بعد آپ ہی نے اس کا افتتاح کیا ہے۔ اس عمارت کو آپ دیکھ چکے ہیں اس میں اب تک کوئی شگاف نہیں ہوا ہے اور پھر اسی عمارت کے بغل میں مدرسۃ البنات کی عمارت ہے جس کی بنیاد شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ کے حکم سے آپ کے فرزندار جمند وخلف اکبر حضرت مولانا عبد الرحمن رحمانی مبارکپوری حفظہ اللہ نے رکھی ہے اور یہ بلڈنگ بھی اچھی حالت میں موجود ہے جب کہ اس کی تعمیر کچے گارے سے ہوئی ہے اور بنیادیں بھی بالکل معمولی قسم کی ہیں۔ اس مسجد کی تعمیر سیمنٹ سے ہوگی اور اس کی بنیاد بھی کافی پختہ ہوگی پھر شگاف کا خدشہ کیسے پیدا ہوگیا، مولانا نے کہا ٹھیک ہے میں غور کروں گا اور یہ بات آپ نے طارق العیسی سے بھی بتائی۔ میں فوراً ارشاد احمد انجینئر کے پاس گیا جو اپنے علاقہ میں اصلاح المساجد کے خرچ پر بننے والی مساجد کی نگرانی کرتے ہیں اور مولانا کے نزدیک معتمد ہیں اور ان سے پوری بات بتائی۔ وہ فوراً میرے ساتھ مولانا کے گھر آئے اور بتایا کہ میں وہاں جاچکا ہوں اور مسجد کی تعمیر رکوانے کے لئے جتنی باتیں کی گئی ہیں وہ سب بیکار ہیں میری نگرانی میں وہ مسجد بنے گی اور وہاں ریتیلی زمین پر عمارت بالکل ٹھوس ہوگی اور کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مولانا نے یہ سن کر دوبارہ مسجد کی منظوری دی، مسجد تعمیر ہوئی اور اپنی جگہ موجود ہے۔

دوسری بار جب مولانا شنکر نگر تشریف لائے تو شنکر نگر سے اپنے تعلق کو بیان کرتے ہوئے دوران خطاب فرمایا "شنکر نگر نے مجھے دو تحفہ دیا ہے ایک مولانا ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی ہیں جو میرے علمی کاموں میں میری معاونت کرتے ہیں اور دوسرے مولانا عبد الصمد سلفی ہیں جو میری آفس کا انتظام احسن طریق سے سنبھالے ہوئے ہیں۔ الحمد اللہ آج بھی یہ دونوں حضرات اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ مولانا ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی سابقہ عہدوں پر رہتے ہوئے اب رابطہ عالم اسلامی کی فقہ کمیٹی کے ممبر ہیں اور جماعت اہل حدیث ہند کی نمائندگی کررہے ہیں۔ اس موقع پر آپ کی خدمت میں استقبالیہ کلمات پیش کرنے کا مجھے موقع ملا تھا۔ میں نے مولانا کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اور اس سلسلے میں آپ سے جلن رکھنے والوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فارسی کا یہ شعر پڑھا تھا۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

مولانا نے بعد میں مجھ سے کہا کہ آپ نے حقیقت کی صحیح عکاسی کی ہے۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی شیخ الجامعہ المحمدیہ مالیگاؤں اور شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ کے خلف اصغر جو آپ کے قائم کردہ ادارہ کلیہ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ للبنات مئو میں استاذ ہیں مولانا ڈاکٹر حافظ عبد العزیز مدنی بھی تھے۔

دوران خطاب آپ رحمہ اللہ نے فرمایا "افسوس میں شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ جو آپ کے ادارہ کے بانی وسرپرست ہیں اور وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں انہیں اپنے ساتھ نہیں لاسکا ہوں لیکن آپ کے صاحبزادے جو تقویٰ وللّٰہیت اور شکل وصورت میں آپ سے بالکل ملتے جلتے ہیں ان کو اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ندوی رحمہ اللہ کا اس گاؤں سے کتنا قلبی تعلق تھا، اور پھر ڈاکٹر عبد العزیز صاحب نے اپنے والد رحمہ اللہ کی زبان سے اس گاؤں کے متعلق جو کچھ سنا تھا اسے اختصار کے ساتھ بیان کیا۔ یہ بات واضح رہے کہ ڈاکٹر صاحب اس سے پہلے یہاں کبھی نہیں آئے تھے۔ اور اب تو برابر آنا جانا ہے۔

شنکر نگر سے آپ کے قلبی تعلق کا اس سے بھی بڑا ثبوت مدرسۃ البنات کی بلڈنگ ہے۔ جب مدرسۃ البنات کی توسیع کا دشوار ترین مرحلہ سامنے آیا اور مولانا کو صورت حال کا علم ہوا تو ایک خطیر رقم اس کی تعمیر کیلئے مہیا کی اور چند ہی سالوں میں مدرسۃ البنات کی ایک کشادہ عالیشان بلڈنگ تعمیر ہوگئی۔ یہ واضح رہے کہ اس بلڈنگ کی تعمیر کے سلسلے میں ہمارے بھتیجے مولانا عبد الصمد عبد التواب کی مساعی کا سب سے بڑا دخل ہے۔

مولانا جب اس بلڈنگ کے معائنہ کے لئے آئے تو کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلیہ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ للبنات مئو ہے بلڈنگ ٹھیک اسی طرز کی ہے۔ میں نے کہا مولانا ابھی تھوڑا فرق ہے اس کی بلڈنگ دومنزلہ ہے اور ابھی یہ ایک منزلہ ہے۔ یہ سن کر آپ ہنسے میرے مقصد کو سمجھ گئے اور کہا ان شاء اللہ یہ بھی دومنزلہ ہو جائے گی اور دونوں اداروں میں پوری مماثلت ہو جائے گی۔

مولانا ندوی رحمہ اللہ اس گاؤں میں ایک اسپتال کی تعمیر بھی چاہتے تھے لیکن جن دنوں ان کے دل میں یہ خواہش جنم لے رہی تھی انہیں دنوں عالیہ اسپتال مئو کو پتہ نہیں کس کی نظر لگ گئی تھی اور اس کا نظام مختل ہو رہا تھا اور مولانا دل برداشتہ وبددل تھے۔ آپ نے کہا کہ میں اسپتال بنوانے کی ذمہ داری لیتا ہوں لیکن یہاں کے لوگ اس کو چلانے کی ذمہ داری لے لیں۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ تو عالیہ اسپتال کے حالات سے واقف ہیں کیا موجودہ صورت حال میں اسپتال کی تعمیر مناسب ہے۔ میں چونکہ اپنی آنکھوں سے عالیہ اسپتال کے عروج وزوال کو دیکھتا رہا ہوں اس لئے میں نے زور نہیں دیا۔

مولانا رحمہ اللہ کی نیک تمنا وخواہش ہی کا شاید اثر ہے کہ ہمارے دو بھتیجوں مولانا حافظ شبیر احمد مدنی ومولانا حافظ نسیم احمد محمدی کی سعی وکوشش سے اسپتال کی بلڈنگ تعمیر ہو چکی ہے لیکن اس کے انتظام وانصرام کا مسئلہ اپنی جگہ اب بھی پیچیدہ ہے اس لئے ابھی تک اس کا افتتاح نہیں ہوسکا ہے۔

مولانا اب اس دنیا میں نہیں رہے لیکن ادارہ اصلاح المساجد، دیگر تعلیمی ادارے اور مجلہ البلاغ اپنی اپنی جگہ مصروف کار ہیں جو یقیناً مولانا کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان اداروں کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے۔ آمین۔

☆☆☆

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں تیری

حافظ عبدالعظیم عمری مدنی: استاذ جامعہ دارالسلام عمرآباد

حضرت مولانا مختار احمد صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کا عہد شباب راقم الحروف کا عہد طفولیت تھا جس کے سبب مولانائے محترم کی شخصیت اور آپ کے کارناموں سے کما حقہ عدم واقفیت کا شدید احساس ہے ایسے میں آپ کی ذات و خدمات پر کچھ لکھتے ہوئے حق تلفی کا ڈر لگتا ہے۔ شعور کی دہلیز پر قدم رکھا تو مولانا کا نام نامی اور اسم گرامی بارہا سننے کو ملا تاہم شرف دیدار پہلی مرتبہ صوبۂ تمل ناڈو کے مشہور شہر "ہسور" میں منعقدہ صوبائی جمعیت اہلحدیث کانفرنس میں حاصل ہوا پھر بارہا وقتاً فوقتاً مختلف مناسبتوں میں مولانائے محترم کو قریب سے دیکھنے اور آپ سے ملاقات کرنے کا شرف بھی حاصل ہوتا رہا۔ رعب دار شخصیت، پرنور چہرہ، باوقار سراپا، پراعتماد گفتگو، گرجدار آواز اور قائدانہ طرز کلام سے متصف مولانا کی شخصیت یقیناً ہندوستان کی ان گنی چنی شخصیات میں سے ایک تھی جن کی سرپرستی پچھلی چند دہائیوں میں مسلمانان ہند کو حاصل رہی۔

مولانا رحمہ اللہ ہندوستان کے ان مایہ ناز علماء میں سے ایک تھے جو اپنی علمی ودینی خدمات کے سبب علماء وعوام دونوں ہی طبقوں میں یکساں طور پر جانے جاتے تھے۔ بحیثیت امام و خطیب اپنی خدمات کا آغاز کیا تھا کلکتہ اور عروس البلاد ممبئی کی مشہور مساجد اہلحدیث کے منبر ومحراب کے امین رہے اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا ملک آپ کی آواز سے گونج اٹھا۔ منفرد طرز خطابت، درد بھرا انداز، آیات پڑھنے کا انوکھا لہجہ اور ایمان افروز واقعات سے مزین گفتگو نے آپ کے خطابات میں جادو کی تاثیر پیدا کردی تھی۔ بقول غالب

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

کاتب تقدیر نے آپ کی قسمت میں امامت سے آگے بڑھ کر امارت کا عہدہ لکھ دیا تھا چنانچہ آگے چل کر بحیثیت امیر جمعیت اہلحدیث ہند آپ کا انتخاب عمل میں آیا اس طرح منبر و محراب کی محدود فضا سے نکل کر آپ نے ملکی سطح پر اپنی خدمات پیش کیں۔

آپ کی خدمات متنوع پہلوؤں کی حامل ہیں علم ہو کہ عمل

دونوں ہی میدانوں میں آپ تقلیدی ذہن سے دور رہے اور امت کو خدمت دین کی نئی جہتوں سے آشنا کرایا خصوصا دو پہلو ایسے ہیں جو آپ کی انفرادیت اور دور اندیشی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ درج ذیل سطور میں انہی دونوں پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تاریخ میں عورت پر ایک ظلم یہ بھی ہوا ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں تعلیم سے اسے دور رکھا گیا۔ تعلیم کی حیثیت عورت کے لئے ''شجرہٴ ممنوعہ'' کی سی رہی جبکہ اسلام نے تعلیم کو یکساں طور پر مرد اور عورت دونوں کا حق قرار دیا ہے اور پہلی ہی وحی میں ''علم الانسان ما لم یعلم'' کہہ کر تعلیم کو ہر انسان کا حق قرار دیا چاہے مرد ہو کہ عورت! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تین اشخاص کو دوہرے اجر وثواب کی نوید سنائی ہے ان میں ایک شخص وہ بھی ہے کہ "کانت عندہ أمة فأدبها فأحسن تأديبها وعلمها فأحسن تعليمها ثم أعتقها فتزوجها" (بخاری) یعنی ایک ایسا شخص جس کے پاس لونڈی ہو وہ اسے تعلیم اور اخلاق کے زیور سے آراستہ کرے پھر اسے آزاد کرے اور شادی کر لے''۔ غور فرمائیں کہ لونڈی جس کے ساتھ غلامی اور خدمات کے سوا کوئی اور تصور نہیں آتا اور جو عہد قدیم میں بازاروں میں اسی طرح خریدی اور بیچی جاتی تھی جس طرح بھیڑ بکری خریدے اور بیچے جاتے ہیں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی اس صنف ضعیف کو بھی تعلیم کی حق دار جانا ہے۔ شریعت کی انہی تعلیمات کے پیش نظر ہندوستان کے اہلحدیثوں میں پہلے پہل تعلیم نسواں کا اہتمام کرنے اور لڑکیوں کے لئے الگ سے مدارس قائم کر کے تعلیم کا نظم قائم کرنے میں اولیت وسبقت آپ ہی کو حاصل ہے۔ ہزار ہا دختران ملت ہیں جو آپ کے قائم کردہ اداروں سے فیضیاب ہو کر امت کی تعلیم میں مصروف ہیں۔ چراغ سے چراغ جلتا ہے کہ بمصداق اب اہلحدیثوں میں ایسے دسیوں مدارس قائم ہو چکے ہیں مگر "الفضل للمتقدم" کے تحت اس سمت سب سے پہلے پیش رفت کرنے کا اعزاز آپ ہی کو حاصل ہے۔

ایک اور اعزاز جس کا سہرا آپ کے سر جاتا ہے سلفی مدارس میں دینی علوم کے ساتھ نصاب تعلیم میں عصری علوم کو شامل کرنے کی پہل بھی آپ ہی نے کی تھی روشنی کی رفتار سے بدلتے حالات کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے ضروری سمجھا کہ فارغین مدارس بھی عصر حاضر کے تقاضوں سے واقف رہیں کیونکہ جب تک زمانے کے مزاج کو سمجھا نہ جائیگا تب تک حق کی تبلیغ کا حق بھی ادا نہ ہو پائے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مشہور مقولہ ہے "انما تنقض عری الاسلام عروة عروة اذا دخل فی الاسلام من لم یعرف الجاهلية" اسلام کی کما حقہ قدر جاننے کے لئے جاہلیت کی معرفت بھی ضروری ہے۔

یقیناً دینی علوم کے ساتھ عصری علوم کے امتزاج کے کچھ منفی پہلو بھی ہیں جن سے بچنا از حد ضروری ہے تاہم اسکے مثبت پہلوؤں سے انکار نہیں کیا جاسکتا جو کہ دراصل وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے۔انہی تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مولانائے محترم نے مخالفتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جرائتمندانہ قدم اٹھایا تھا اور آج اس کی ضرورت اور اہمیت ہر جگہ تسلیم کی جانے لگی ہے۔

آپ کی ایک عظیم خدمت یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنا ذاتی مطبع ''الدار السّلفیہ'' کے نام سے قائم کیا، جہاں سے سینکڑوں مفید اور علمی کتابیں چھپ کر منظر عام پر آئیں۔الدار السّلفیہ کو علمی حلقوں میں جن کتابوں نے مقبولیت اور شہرت دلائی ان میں اہم کتاب محدث ابوبکر بن شیبہ کی ''مصنف'' اور امام بیہقی کی ''الجامع لشعب الایمان'' ہے جو کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔ حدیث کی یہ کتابیں الدار السّلفیہ نے اس وقت چھاپی جب کہ عالم عرب میں ان کے نسخے ناپید تھے۔ چنانچہ ان کی بڑی مانگ تھی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئیں۔ جن ایام میں یہ کتابیں چھپیں، ان دنوں عرب کے اہل علم ہندوستان آنے جانے والوں سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ وہ اُن کے لئے ان کا ایک نسخہ ضرور خرید لائیں۔

آپ کی خدمات کا ایک سلسلہ ''البلاغ'' بھی ہے۔آپ نے نہ صرف اس کو جاری کیا بلکہ بہت جلد اسے اتنی ترقی دی کہ وہ ہندوستان کے معیاری پرچوں میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ ہر شمارہ بروقت نکلا کرتا اور متنوع کالموں پر مشتمل ہوتا۔ دینی، علمی، فکری، سیاسی اور ثقافتی موضوعات کے ساتھ ساتھ معاشرے کے ہر طبقے کے لیے کوئی نہ کوئی موضوع اپنے اندر دلچسپی کا سامان رکھتا۔ مخصوص اور ماہر قلمکار حضرات کی خدمات کو اپنے پرچے کے لیے مہیا کرر کھا تھا۔ خود مولانا کا قلم رواں بھی آپ کے مخصوص کالم ''مختارات'' میں اپنے فن کے جوہر اور کمالات دکھاتا۔

ایک خدمت یہ بھی اللہ تعالی نے آپ سے لی کہ ادارۂ اصلاح المساجد کے توسط سے ملک کے بے شمار شہروں اور دیہاتوں میں سینکڑوں مساجد تعمیر کی گئیں اور بعض پر ائمہ و موذنین کی تقرری اور تنخواہوں کا معاملہ بھی اسی ادارہ کے توسط سے طے پاتا۔

مولانا کے مستقبل میں کچھ عزائم تھے، جن میں سے ایک قابل ذکر یہ تھا کہ مولانا شہر ممبئی میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے طرز پر مختلف علوم وفنون اسلامیہ میں تخصص کے شعبے کھولنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مگر ان عزائم کو عملی جامہ پہنانے سے قبل ہی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی مولانا کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے، آپ کو اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے، نیز آپ کے منصوبوں کو آپ کے وارثوں کے ذریعے پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ آمین۔

☆☆☆

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

ابو عدنان اشفاق سجاد سلفی

جامعہ امام ابن تیمیہ، مدینۃ السلام میں، جہاں میں ۲۰۰۸ء سے تدریسی، تصنیفی، صحافتی اور دعوتی خدمات انجام دے رہا ہوں، ماہ رمضان المبارک کی مناسبت سے سالانہ تعطیل ہو چکی تھی اور میں اپنی آبائی سرزمین ''گریڈیہہ'' جھارکھنڈ میں یہ چھٹی گذار رہا تھا کہ برادر مکرم شیخ اسماعیل رافعی محمدی حفظہ اللہ (رفیق ادارہ ''الدار السلفیہ'' ممبئی ومدیر مسئول مجلہ ''البلاغ'') کے بھائی سے مجھے یہ خبر ملی کہ حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوگیا۔ یہ خبر صرف میرے کیا ہر فرد مسلم کے لئے ایک جانکاہ خبر تھی کہ جس کو سن یا پڑھ کر سننے یا پڑھنے والے کا وجود دہل جائے۔ فوراً میری زبان پر ماثور کلمات ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' جاری ہوگئے۔

میں نے اپنی زندگی کو خوشگوار بنانے اور اپنے مستقبل کو روشن وتابناک شاہراہ پر گامزن کرنے کی خاطر حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی ذات گرامی قدر اور ان کے اعلی اوصاف وخصائل اور ان کی شیریں تحریروں وتقریروں سے بہت کچھ اخذ واستفادہ کیا ہے۔ حقیقت میں رب کریم نے ان کی شخصیت کو اس لائق بنایا بھی تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جامعہ سلفیہ بنارس آپ ایک مرتبہ تشریف لائے ہوئے تھے اس وقت کے وکیل الجامعہ اور حال کے رئیس الجامعہ استاذ جلیل مفکر ملت وجماعت حضرت الشیخ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری حفظہ اللہ کے کہنے پر آپ نے بعد صلوۃ عشاء جامعہ کی پرشکوہ وعالی شان جامع مسجد میں طلبہ کے مابین ایک بلیغ خطاب فرمایا تھا، جس میں آپ نے کہا تھا کہ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی کے اصناف عمل کو پیش کرنے سے پہلے خود ان پر عمل فرمایا تھا، جس کے نتیجہ میں رب کریم نے ان کو خلیل کے لقب سے ملقب کیا لہذا اساتذہ سے لیکر اہل دنیا تک کی نگاہ میں مکرم ومحبوب طلبہ بننے کے لئے اور صحافت وخطابت، تصنیف وتالیف اور ترجمہ وتدریس کے میدان میں اچھی پہچان وشناخت بنانے کے لئے اول طلبہ کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کرنا ہوگا''۔ ان کی اس تقریر نے میرے اوپر اس قدر گہرا اثر ڈالا کہ آج بھی محنت وجفاکشی، کتابوں سے دوستی، لکھنے سے محبت اور اہل علم سے لگاؤ وتعلق میری زندگی کے شب وروز کا حصہ بن گیا ہے۔

آج ایسے بہت سے واعظ ومقرر ملیں گے جو شیخ سعدی رحمہ اللہ

کی زبان میں ''دیگراں رانصیحت وخودرافضیحت'' کے عملی ترجمان ہوں گے۔ظاہر ہے ایسے دعاۃ وواعظین کی نصیحت ودعوت سمندری جھاگ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، بلکہ بسااوقات خود دعوتی وتبلیغی مشن وتحریک کے اندر تخفیف لازم آتی ہے۔مگر دنیا بحسن وخوبی واقف ہےاور گذشتہ تقریباایک صدی کی تاریخ دعوت وعزیمت کے صفحات گواہ ہیں کہ حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے جن چیزوں کی طرف لوگوں کو بلایا ہے، جس کی دعوت دی ہے اور جس فکر واختراع کو کسی بھی بزم میں پیش فرمایا ہے تو اس پراپنی زندگی کے کسی نہ کسی زمانے میں عملی ثبوت ونمونہ ضرور پیش کیا ہے۔جامعہ سلفیہ بنارس کے قیام واستحکام کے بعد آپ اس کی تمام میٹنگوں میں زور دیتے رہے کہ جامعہ سلفیہ،شعبۂ بنین کی طرح جامعہ سلفیہ،شعبۂ بنات بھی قائم کیا جائے۔اور مسلم دعاۃ کے اندر اقتصادی پختگی لانے اور مسلم سماج ومعاشرہ کے گرتے معیار کو بلند تر کرنے کی خاطر جامعہ سلفیہ بنارس میں طلبہ کو دینی علوم وفنون سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ کلیۃ الطب (طبیہ کالج) کا قیام کر کے ان کو اس نوع کے علم سے بھی بہرہ ور کیا جائے۔

اور جب یہ چیزیں جامعہ سلفیہ بنارس میں کسی مجبوری کی بنا پر روبہ عمل نہ آسکیں تو جب انہوں نے جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی سر زمین ممبئی میں قائم کی اور اس کے تحت جو ادارے کھولے ان میں نسواں تعلیمی ادارے اور طبی تعلیمی ادارے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

یہ بات آچکی ہے کہ مولانا رحمہ اللہ نے اپنے ایک بلیغ خطاب میں طلبائے جامعہ سلفیہ بنارس کو ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کی روشنی میں ہر میدان میں اول طلبہ کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کرنے کی قیمتی نصیحت فرمائی تھی۔چنانچہ یہ چیز صرف آپ کی زبان تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ان کی زندگی کا مطالعہ کرنے والا یہ محسوس کرے گا کہ آزادیٔ ہند سے قبل اور نہ ہی اس کے بعد مسلم لڑکیوں کی علیحدہ تعلیم وتربیت کا کوئی خاص انتظام ہندوستان میں تھا۔چنانچہ جس اللہ کے نیک ومخلص بندے نے اس کے لئے منظم پلان کے تحت پہل کی اور سب سے پہلے میدان عمل میں آئے وہ حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ ہیں، جنہوں نے درجنوں عظیم الشان نسواں تعلیمی ادارے کھولے۔ ان اداروں کی متخرجات وفاضلات آج ہندو بیرون ہند کو اپنا فیض پہنچارہی ہیں۔اسی طرح ہندوستان میں دینی تعلیم کے نصاب کے اندر عصری علوم کو داخل کر کے اس کے فوائد ومضرات کا سب سے پہلا اور انتہائی کامیاب تجربہ حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ ہی نے کیا۔قلم کے رو میں بہک نہ جاؤں اور مجھ سے اس حقیقت کا اعتراف فوت ہو جائے کہ ہندوستان کی سر زمین میں مساجد بنانے وبنوانے اور مساجد کے لئے فنڈ کی فراہمی، تعمیر مساجد کے بعد ان میں ائمہ ودعاۃ کی تقرری کا منصوبہ سب سے پہلے آپ ہی نے پیش کیا اور اس پر عمل کر کے دکھلا بھی دیا، چنانچہ آج ہندوستان کے شمال وجنوب میں چار سو سے زائد عظیم الشان، وسیع وعریض اور نہایت پختہ مسجدیں (جن میں وضوخانے، مکاتب، لائبریریوں کے علاوہ علیحدہ طور پر خواتین اسلام کے لئے بھی پنجوقتہ نمازوں کی ادائیگی کا انتظام ہے) جو آپ کے ذریعہ سے

بنی ہیں، وہ اس بات کی گواہی پیش کرتی ہیں کہ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی ذات وشخصیت ہمہ گیر وہمہ جہت تھی ۔ بقول استاذ گرامی قدر حضرت مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی رحفظہ اللہ (جنرل سکریٹری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے جو خدمات جماعت اہل حدیث کے پلیٹ فارم سے تن تنہا انجام دی ہیں، دوسری ظاہری چمک دمک پیش کرنے والی جماعتیں اپنے وجود وقیام سے تا حال ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر رہی ہیں۔

جنہوں نے بھی حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کو دیکھا ہے اور نہایت اخلاص کے ساتھ ان کی شخصیت کو پڑھا ہے وہ ضرور اس بات کا کھلے لفظوں میں اعتراف کریں گے کہ حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے ۱۹۸۰ء میں "ادارہ اصلاح المساجد" قائم فرمایا اور نہایت قلیل مدت میں اس ادارہ کے اہداف ومقاصد بروئے کار لاکر دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ مولانا رحمہ اللہ گرچہ سرزمین "مئو" میں پیدا ہوئے اور تعلیم وتربیت کی تحصیل سے فراغت حاصل کر کے دعوت وعمل کا آغاز شہر کولکاتہ سے فرمایا مگر اپنی عملی زندگی کا بیشتر حصہ صوبۂ مہاراشٹر میں گزارا اور وہیں سے ہندوستان کے تمام ہی خطوں کو اپنا فیض پہونچایا۔ اسی لئے میں نے اپنے ایک مقالہ میں لکھا ہے کہ ان کی عملی زندگی کے نقوش وادی کشمیر سے کنیا کماری تک اور سرزمین پنجاب سے بنگال کی کھاڑی تک نظر آتے ہیں۔

ہندوستان کے جن صوبوں اور خطوں کو ان کی شخصیت سے فائدہ پہنچا ہے، ان میں صوبۂ جھارکھنڈ بھی ہے، صوبۂ جھارکھنڈ میں یوں تو گنتی کے حساب سے لاتعداد مدارس وجامعات ہیں مگر نسواں تعلیمی معیاری اداروں سے پورا صوبہ بالکل خالی ہے ماضی میں لڑکیوں کی تعلیم وتربیت پر کوئی خاص توجہ نہیں تھی، کچھ جید وجدید فارغین مدارس وجامعات جب تحصیل علوم وفنون کے بعد گھر آئے اور ازدواجی زندگی سے منسلک ہونے کے لئے فارغات وفاضلات لڑکیوں کو تلاش کرنا شروع کیا تو اس کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول ہوئی اور سینکڑوں کی تعداد میں لڑکیوں نے اعلی تعلیم حاصل کرنا شروع کیا۔ سب سے زیادہ جہاں کی فاضلات وفارغات اس وقت صوبۂ جھارکھنڈ میں پائی جاتی ہیں اور تعلیم وتربیت کے مجال اور تدریس ودعوت کے میدان کو سنبھالے ہوئے ہیں، وہ حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کے ادارے کلیہ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ لتعلیم البنات اور کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں ہیں۔

قدیم مدارس وجامعات کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والا بخوبی جانتا ہے کہ قدیم زمانے میں جو تعلیمی مراکز قائم تھے، ان میں سب سے زیادہ اہمیت مساجد کو حاصل تھی۔ واضح رہے کہ آج بھی مساجد کی یہ اہمیت وفضیلت باقی ہے، صوبۂ جھارکھنڈ میں مولانا رحمہ اللہ نے پانچ مسجدیں بنوائی ہیں، جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک عظیم تعلیم گاہ اور دعوتی سینٹر ہے۔ ایک وسیع وعریض نہایت پختہ وعالی شان مسجد آپ نے جھارکھنڈ کے معروف شہر "ٹاٹانگر جمشید پور" کے محلہ ذاکر نگر میں بنوائی ہے جہاں پر باغیرت وباحمیت ومخلص جماعتی احباب واخوان رہتے ہیں اور جس مسجد میں مشہور اسلامی

داعی مولانا اکبر عینی مدنی حفظہ اللہ امامت وخطابت اور درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں، مجھے ان کا دعوتی اسلوب اور اصول وضوابط دیکھ کر یہ محسوس ہوا ہے کہ فی الحقیقت یہ مسجد ایک عظیم دعوتی سینٹر اور یونیورسٹی ہے۔

دوسری مسجد انہوں نے جھارکھنڈ کی راجدھانی ''رانچی'' کے محلہ کربلا ٹینک روڈ میں بنوائی ہے جس کی اہمیت وافادیت کو بیان کرنے سے میرا قلم قاصر ہے کہ شہر رانچی میں جتنی خدمات رانچی پاگل شفاخانے کو طبی میدان میں اور رانچی یونیورسٹی، رانچی کو تعلیمی راہ میں نہیں اس سے کہیں زیادہ خدمات جامع مسجد اہل حدیث کربلا ٹینک روڈ کی تعلیم وتربیت، دعوت وتبلیغ اور اصلاح امت کی راہ میں ہیں۔ گویا یہ جامع مسجد کسی عظیم یونیورسٹی سے کم نہیں۔ مولانا رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ وہ جس علاقہ میں بھی مسجد بنواتے تھے تو مسجد کے تعمیری اخراجات کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتے تھے، البتہ صاحب خطہ وقریہ اور علاقہ کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ مسجد کے لئے زمین کی فراہمی کرے۔ مگر صوبۂ جھارکھنڈ کی اصلاح وتعمیر اور دعوتی کاز کو تحریک دینے کا جذبہ آپ کے اندر کس قدر موجزن تھا کہ جب اہالیان رانچی اور افراد جماعت رانچی نے یہ کہا کہ مولانا ہم لوگوں کے پاس زمین خریدنے کی استطاعت نہیں، لہذا اس کی بھی ذمہ داری آپ ہی کو قبول کرنی ہوگی تو انہوں نے اس گزارش کو بھی قبول کرلیا اور زمین خرید کر نہایت عالیشان دو منزلہ مسجد تعمیر کروائی جو جماعت اہلحدیث جھارکھنڈ کی شان ہے۔

تیسری مسجد آپ نے ضلع سنتھال پرگنہ، جھارکھنڈ کی مشہور و معروف بستی ''بوریو'' میں بنوائی ہے اور چوتھی مسجد ضلع ''صاحب گنج'' کی معروف بستی ''دلالپور'' میں۔ واضح رہے کہ دلال پور میں آزادی وتقسیم ہند سے پہلے ہی سے نہایت عظیم ادارہ ''جامعہ شمس الہدی السلفیہ'' قائم ہے جس سے ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے اخذ واستفادہ کیا ہے۔ فائدہ سے یہ بات بھی خالی نہیں کہ دلال پور بستی تحریک شہیدین سے وابستہ حضرات کے لئے اس علاقہ کا مرکز رہ چکی ہے اس مہتم بالشان بستی میں ایک عظیم جامع مسجد کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی اور جس کی تعمیر وتکمیل وہاں کے باشندوں سے نہیں ہو پارہی تھی، چنانچہ جب حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کو اس بات کا علم ہوا تو صوبۂ مہاراشٹر سے اس کی جانب توجہ فرمائی اور اتنی شاندار مسجد کی تعمیر کروائی کہ تحریک شہیدین کا دور وزمانہ (جس زمانہ میں اس بستی سے دعوت وتبلیغ کی نشر واشاعت کا زبردست کام ہوا ہے) یاد دلاتی ہے۔ کیوں کہ اس وقت جب کہ صوبۂ جھارکھنڈ میں عموماً اور صاحب گنج ضلع میں خصوصاً غریب طبقہ کے مسلمان روٹی، کپڑا اور مکان کے لالچ میں تبدیلی مذہب کر کے عیسائیت کو گلے لگارہے ہیں، یہ مسجد مسلمانوں میں عقیدۂ توحید کی نشر واشاعت کرنے اور تبدیلی مذہب سے ان کو محفوظ رکھنے میں نہایت اہم کردار ادا کررہی ہے۔

ضلع ''جامتاڑا'' جھارکھنڈ میں ایک معروف بستی ''پوکھریا'' ہے اس بستی میں جماعت اہل حدیث کے افراد زمانۂ قدیم سے بستے ہیں۔ یہاں پر پہلے سے ایک مسجد تو تھی مگر بوسیدہ حالت میں ہوگئی تھی، جس کی اصلاح وتجدید اور پختہ تعمیر کی ضرورت تھی، مولانا

ندوی رحمہ اللہ کی خدمت میں اس کی جانکاری دی گئی تو فوراً اس کی تجدید وتعمیر نو کے اخراجات کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو گئے، اور نہایت قلیل مدت میں اس قدیم مسجد کو نہایت عالیشان مسجد میں تبدیل کروادیا۔

یہ اور اس نوع کی آپ کی گراں قدر خدمات صوبہ جھارکھنڈ میں کثیر ہیں۔ اللہ تعالی ان کو ان خدمات کے عوض اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

ہندوستان کی تاریخ اہل حدیث گواہ ہے کہ جماعت کے فروغ واستحکام کے باب میں صوبہ جھارکھنڈ بالخصوص سنتھال پرگنہ، صاحب گنج، مدھوپور، گریڈیہہ، جامتاڑا اور پاکوڑ اضلاع کے اہل حدیث مسلمانوں کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اسی طرح تحریک شہیدین کی تاریخ شاہد عدل ہے کہ اس جماعت سے وابستہ دعاۃ ومجاہدین کو سب سے زیادہ مالی ومعنوی اور جسمانی تعاون جھارکھنڈ کے اس علاقے سے ملا ہے، جس پر زمانہ قدیم میں بنگال کا اطلاق ہوتا تھا۔ اس اعتبار سے جھارکھنڈ کے ان خطوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ شاید اسی اہمیت کو دیکھتے ہوئے ذمہ داران مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے اٹھائیسویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے انعقاد کے لئے جھارکھنڈ کے ضلع پاکوڑ کا انتخاب فرمایا تھا۔ حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے جسمانی ضعف وکمزوری اور سفر کی صعوبتوں ومشقتوں کے باوجود اپنے دو بیٹوں اکرم مختار اور ارشد مختار کے ساتھ اس میں شرکت فرمائی تھی، تاکہ ماضی کی طرح اس مبارک موقع پر بھی جھارکھنڈ کے مسلمان آپ کی ذات گرامی قدر اور ہمہ گیر شخصیت سے مستفید ہو سکیں۔

مجھے یاد ہے کہ کانفرنس کے دوسرے دن کی رات کی نشست میں آپ نے نہایت بلیغ خطاب فرمایا تھا، جس میں نوجوانوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائی تھیں، مسلمانوں کو ان کے وجود کا مقصد بتلایا تھا اور ملت وجماعت کی بہی خواہی وترقی کے لئے افراد جماعت کو ہر نوع کا تعاون پیش کرنے کی اپیل کی تھی۔ میں اسٹیج پر موجود تھا اور مولانا رحمہ اللہ کی ایک ایک بات کو اپنے ذہن ودماغ میں جگہ دے رہا تھا کہ مولانا رحمہ اللہ نے اپنے خطاب کو ختم کیا۔ مجھے لگا کہ صرف چند منٹوں کا خطاب ہوا ہے، جب کہ تقریباً ایک گھنٹے کا خطاب ہو چکا تھا سننے اور استفادہ کی چاہت وخواہش ابھی دل میں باقی رہ گئی تھی، مگر جب مولانا سے قریب ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ نقاہت وکمزوری کے سبب پسینے میں ڈوب گئے ہیں اور تیز تیز سانسیں چلنے لگی ہیں، فوراً آپ کو کرسی پر بیٹھایا گیا اور پنکھوں کے ذریعہ آپ کو خوب ہوا پہنچائی گئی اور سنے ہوئے خطاب کو گراں مایہ مان کر لمبے خطاب کی تلخیص سمجھی گئی۔ اللہ رب العزت مولانا رحمہ اللہ کے اس خطاب کے اثر کو دس لاکھ مجمعوں سے دس کروڑ مجمعوں تک ممتد کرے۔ آمین۔

اللہ تعالی مولانا رحمہ اللہ کی لغزشوں کو درگزر فرمائے، حسنات کو قبول کرے، اعلی علیین میں ان کو جگہ عطا فرمائے اور انبیائے کرام اور صلحاء عظام کے ساتھ ان کا حشر فرمائے۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

☆☆☆

حضرت الشیخ مختار احمد الندوی رحمہ اللہ
کی انتظامی صلاحیت

مولانا نور العین سلفی - کلیۃ فاطمۃ الزہراء مئوناتھ بھنجن

حضرت الشیخ مختار احمد الندوی رحمہ اللہ کو اللہ تعالی نے جہاں بہت ساری صلاحیتوں سے نوازا تھا وہیں آپ کو اللہ نے اعلی انتظامی صلاحیت سے بھی بہرہ ور کیا تھا، آپ کے قائم کردہ سات عظیم ادارے، جماعت سے دیرینہ وابستگی، امارت کی ذمہ داری اور پھر آپ کے تجارتی ادارے اور پریس آپ کی تنظیمی صلاحیت کی زندہ مثالیں ہیں۔

۶۲-۱۹۶۱ء کے اخبار اہلحدیث کے متعدد شمارے میرے پاس موجود ہیں۔ کسی شمارے میں یہ صراحت تو مجھے نہیں مل سکی کہ اخبار سے آپ کی وابستگی کس حیثیت سے ہے لیکن اکثر شماروں میں آپ کا اداریہ دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ آپ بحیثیت معاون مدیر اخبار سے وابستہ ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب آزادی کے بعد جماعت اہلحدیث کا شیرازہ منتشر ہونے کے بعد شیرازہ بندی کیلئے پر تول رہا تھا، آزادی کے بعد آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا پہلا اجلاس نوگڑھ میں ہونے والا تھا اور ملک کے پورے طول وعرض میں جماعتی چہل پہل اور کانفرنس کا شہرہ تھا۔ اس وقت حضرت مولانا مختار احمد صاحب ندوی رحمہ اللہ نے کانفرنس کو کامیاب بنانے اور افراد جماعت میں جماعتی حمیت پیدا کرنے کیلئے اخبار اہل حدیث کے ہر شمارے میں اداریہ لکھا اور جماعتی نظم پیدا کرنے کیلئے آپ نے اپنی صلاحیت کو بھرپور استعمال کیا، اخبار اہل حدیث دلی کے شمارہ اگست ۱۹۶۱ء کا اداریہ آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ عنوان ہے "اجلاس عام سے پہلے" اس عنوان کے تحت آپ نے جماعتی نظم اور اجلاس کی کامیابی کیلئے چند تجاویز اور خاکے پیش کئے ہیں جن سے آپ کی جماعتی دلچسپی اور تنظیمی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں!

۱۔ اجلاس سے پہلے مسلک اہل حدیث کا تعارف اور ہندوستان میں تحریک اہلحدیث کی سابقہ خدمات کو باشندگان ملک کے سامنے پوری طاقت کے ساتھ پیش کر کے اجلاس عام کیلئے راستہ ہموار کیا جائے، اس کیلئے ضروری ہے کہ ملک کے تمام اسلام پسند اخبارات کا تعاون حاصل کیا جائے اور خاص طور پر اہل حدیث صحافیوں سے تعلق قائم کیا جائے۔

۲۔ ملک کے تمام علماء اہلحدیث، مدارس کے ناظمین، مساجد کے ائمہ وخطباء متولیان، سلفی المسلک سرکاری عہدیداران، یونیورسٹی کے لکچررس، کالج کے پروفیسران، مشہور وممتاز اہل حدیث تجار وصنعت کار حضرات کی مفصل فہرست انتہائی محنت وتحقیق کے ساتھ

مرتب کی جائے اور کانفرنس ومسلک اہل حدیث کے ماضی ومستقبل کی بابت پروپیگنڈہ لٹریچران کی خدمت میں بھیج کران سے خصوصی توجہ کی اپیل کی جائے۔

۳۔سلفی المسلک شاعروں، ادیبوں، اور صحافیوں کے اندر اشتراک عمل پیدا کرنے اور ان کی تخلیقات وصلاحیتوں میں جماعتی مقصدیت اجاگر کرنے کے لئے ان کوایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے اور اس طرح ملک کی صحافت میں سلفیت کے عنصر کو عام کرنے کی راہ نکالی جائے۔لیکن ان تمام تجاویز اور خود اجلاس عام کی کامیابی کا انحصار عام افراد جماعت اہل حدیث کی مشترکہ کوششوں اور مالی تعاون ہی پر ہے۔لہٰذا کل ہند جماعت اہل حدیث کواس طرف نہایت عجلت کے ساتھ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔(پندرہ روزہ اخبار اہل حدیث یکم اگست ۱۹۶۱م)

۱۵/نومبر ۱۹۶۱ء کے اخبار اہل حدیث کے اداریے کا عنوان آپ قائم کرتے ہیں''ہمارے مسائل''،جماعت کے ماضی اور حال کا ایک سرسری جائزہ لینے کے بعد موجودہ مسائل کا ذکر ذیلی سرخیوں کے ضمن میں اس طرح کرتے ہیں۔

تنظیم جماعت:

اس وقت ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ جماعت کو منظم ومتحد کریں اور ارکان جماعت میں اپنے نصب العین کی محبوبیت اور اس کیلئے ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا کریں۔اس کے لئے صرف رسمی ممبر سازی اور دستوری کارروائی کافی نہیں۔ جب تک افراد جماعت میں خالصۃ لوجہ اللہ دینی تبلیغ کا جذبہ، جماعتی اتحاد کی سچی تڑپ اور اس کیلئے ہر قسم کی قربانی کا ولولہ پیدا نہیں ہوگا۔جماعت صحیح معنوں میں منظم ومستحکم نہیں ہوسکتی۔ہم اپنی جماعت کے کارکنوں کی عبرت پذیری اور ان کے جذبۂ ایثار کو ابھارنے کی غرض سے اس جماعت کے ایک قدیم مخلص کارکن کا ایک عبرت انگیز واقعہ نقل کررہے ہیں۔امید ہے کہ ہمارے جماعتی رفقاء کی آنکھیں اس سے کھلیں گی۔

''ایک مرتبہ ایک مجاہد سفیر کے طور پر پٹنہ جارہا تھا۔جب ابنالہ کے قریب پہنچا تو اسے محسوس ہوا کہ پولیس اس کی جستجو میں ہے۔لہٰذا اس نے چاقو سے اپنی ایک آنکھ نکال کر گاڑی سے پھینک دی اور خون پونچھ کر بیٹھ گیا۔ابنالہ پہنچ کر پولیس نشاندہی کے مطابق گاڑی میں آئی،مگر وہ شخص جس کی تلاش میں وہ تھی اس کا کہیں وجود نہ تھا اس لئے کہ وہاں تو ایک ایسا شخص تھا جسکی ایک ہی آنکھ تھی''۔

(اسماعیل شہید مرتبہ عبداللہ بٹ)

لہٰذا جب تک ہمارے کارکنوں میں جماعت کیلئے ایثار وقربانی کا ایسا جذبہ پیدا نہیں ہوگا اس وقت تک جماعتی اتحاد کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

مرکزی دفتر:

ہمارا دوسرا بڑا مسئلہ مرکزی دفتر کا ہے۔ظاہر ہے جماعت کیلئے مرکزی مقام کا ہونا ضروری ہے۔جماعت اہلحدیث ہند اور آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا مرکز ہمیشہ دہلی شہر رہا ہے اور اس وقت بھی وہی مرکزی دفتر ہے۔کانفرنس کے نائب صدر، ناظم نشرواشاعت اور خود ناظم اعلی کا قیام بھی وہیں ہے،لیکن اس کے باوجود اب تک جماعت کا اپنا ذاتی مرکزی دفتر نہیں بن سکا ہے،مرکزی دفتر چونکہ پوری جماعت کیلئے مرکز توجہ ہوتا ہے۔اس لئے اسے مرکزی جماعت کی ضرورت اور اس کے حسب شان،ہونا چاہیئے۔مرکزی

دفتر فنڈ کی فراہمی کیلئے عرصہ سے اپیل کی جارہی ہے اس کیلئے ایک کمیٹی بھی بن چکی ہے، لیکن پھر بھی اس کیلئے اب تک کوئی خاطر خواہ کام نہیں ہوسکا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اب تک صرف اخباری اپیلوں سے کام لیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس کیلئے ایک باقاعدہ مہم چلانی چاہئے۔ اور عام رفقاء جماعت کی دینی حمیت اور ان کے جذبۂ تعاون کو ابھارنا چاہیئے۔ یہ مسئلہ عام مذہبی رواجی چندوں سے حل نہیں ہوگا۔ پندرہ اکتوبر ۱۹۶۱ء کے اخبار اہلحدیث میں ہم نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ شرکاء اجلاس مرکزی دفتر فنڈ کیلئے کم از کم پانچ روپیہ نوگڑھ کے اجلاس عام کے موقع پر ادا کریں اور جلسہ میں شرکت کیلئے سفر خرچ کا جو بجٹ بنائیں اس میں مرکزی دفتر فنڈ کیلئے بھی پانچ روپیہ شامل کرلیں۔ اگر ہماری اس تجویز پر شرکاء اجلاس میں سے ۲۵ فیصد حضرات بھی عمل کرلیں تو یہ مسئلہ بغیر کسی جدوجہد کے حل ہوسکتا ہے۔

مرکزی دار العلوم:

ہمارا تیسرا اہم مسئلہ مرکزی دار العلوم کا ہے۔ ہم سب کو احساس ہے کہ مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے بند ہوجانے کے بعد سے جماعت میں جید اور جامع علماء کی پیداوار بالکل بند ہوگئی ہے۔ جس سے جماعت کی علمی تحقیقی روایات مٹتی جارہی ہیں۔ بنارس میں مرکزی دار العلوم کی تعمیر کا مسئلہ کچھ عرصہ تک اچھلتا رہا۔ لیکن پھر نہ معلوم کن اسباب کے تحت اس کا ذکر بند ہوگیا ع

"رموز مملکت خویش خسرواں دانند"

بہرحال ہندوستان میں تحریک اہلحدیث کو زندہ وجاری رکھنے اور اس کیلئے مخلص کارکن اور قابل علماء پیدا کرنے کا مسئلہ مرکزی دار العلوم کے قیام کے بغیر مشکل ہے۔ جماعت اہل حدیث پاکستان نے جامعہ سلفیہ لائلپور قائم کر کے اپنا تعلیمی مسئلہ تقریباً حل کرلیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اس طرف اپنی پہلی فرصت میں متوجہ ہوں، حالات کی نزاکت کے پیش نظر ہمیں شبہ ہے کہ یہ مسئلہ بہت جلد حل نہیں ہوسکے گا۔ لہٰذا اس کے لئے جدوجہد جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ عارضی طور پر ہندوستان کی کسی بڑی جماعتی درسگاہ کو مرکزی حیثیت دے کر کام شروع کردیا جائے۔ اس کیلئے مدرسہ فیض عام مئو اعظم گڑھ، مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، جامعہ دار السلام عمرآباد میں سے کوئی ایک زیادہ موزوں ہے۔ بلکہ اول الذکر کو اس کی موجودہ مرکزی خصوصیت کی بناء پر ترجیح دی جاسکتی ہے۔

اہل حدیث یکم نومبر ۱۹۶۱ء سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ بنارس کے اہل ہمم مرکزی دار العلوم کیلئے کوشاں ہیں اور اس کا نقشہ بنارس کارپوریشن میں منظوری کیلئے داخل کردیا ہے۔ جماعت کو ہر طرح تعاون کیلئے تیار رہنا چاہئے۔

شعبۂ نشر واشاعت:

ہمارا چوتھا بڑا مسئلہ تصنیف وتالیف اور ہندوستان میں اہل حدیث صحافت کا ہے۔ ماضی میں ہمارے علماء نے جو تصنیفی خدمات انجام دی ہیں انہیں ملک کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اب بھی انفرادی طور پر یہ خدمت ہمارے علماء اور خاص طور پر مولانا عبداللہ صاحب، مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی، مولانا عبدالرؤف رحمانی، مولانا داؤد راز اور مولانا عبدالسلام صاحب بستوی انجام دے رہے ہیں۔

لیکن حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہم صرف ان بزرگوں کی خدمات پر قانع نہ ہوں اور تحریک اہل حدیث کو ایک فرقہ وگروہ کی سطح سے نکال کر ایک ہمہ گیر متحرک نظریہ اور دینی نظام کی شکل دیں۔

اس کیلئے ہمیں دین کے تمام مسائل پر جدید طرز کی کتابیں شائع کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ ملک کی آزادی کے بعد حالات نے نئی کروٹ لی ہے اس کا مقابلہ کرنے اور مسلک اہل حدیث کو دین کے عوامی نظریہ کی حیثیت سے پیش کرنے کیلئے ایک روزنامہ اخبار کی سخت ضرورت ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ملک میں ایسے کئی روزنامہ اخبارات ہیں جو ہمارے نظریہ کے مؤید اور حامی ہیں۔ کسی نئے اخبار کے نکالنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں اخبارات میں سے کسی ایک کی کلی تائید حاصل کر لینی چاہیئے۔ تقسیم ملک سے پہلے اخبار اہل حدیث کی اشاعت ہفتہ وار تھی لیکن اس وقت مالی مشکلات اور جماعت کی بے حسی کے باعث یہ مجبوراً پندرہ روزہ ہے۔ لہٰذا اسے ہفتہ وار کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے۔

اگر ان تجاویز پر ہمدردانہ غور کیا جائے تو ہندوستان میں اہل حدیث اخبارات کی تعداد نصف درجن سے زائد ہو سکتی ہے۔

امید ہے کہ ان تاثرات کو ہمدردی سے پڑھا جائے گا اور عمائدین جماعت اس کی طرف سنجیدگی کے ساتھ متوجہ ہوں گے۔

وما علینا الا البلاغ (اخبار اہل حدیث ۱۵ر نومبر ۱۹۶۱ء)

یہ تو صرف دو اداریئے کا اقتباس ہے اس میں حضرت مولانا رحمہ اللہ نے جو تجاویز اور تاثرات پیش کئے ہیں ان سے مولانا کی جماعتی تڑپ، تنظیمی صلاحیت اور بالغ فکر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ نوگڑھ کانفرنس نہایت کامیاب تھی۔ اس کے اچھے اور نتیجہ خیز اثرات مرتب ہوئے۔ اس کی کامیابی کا سہرا جہاں عام افراد جماعت کے ساتھ حضرت الشیخ مولانا عبیداللہ رحمانی، حضرت مولانا نذیر احمد رحمانی، حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی، حضرت مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہم اللہ کے سر جاتا ہے وہیں حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ جیسے جواں سال اور بے باک عالم دین کی تحریروں اور تقریروں کا بھی کانفرنس کی کامیابی میں بڑا حصہ ہے۔ کانفرنس کو کامیاب بنانے اور موقع کو غنیمت جان کر جماعت کو منظم کرنے کیلئے آپ نے اپنی پوری ذہنی توانائی اور قلمی اور زبانی صلاحیت کو استعمال کیا۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کا یہ ملی، جماعتی اور علمی جذبہ صرف اخبار اہل حدیث کے کالموں تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ جیسے جیسے وقت گذرتا گیا آپ کی رفتار قدم بھی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ وقت آیا کہ آپ نے جن تجاویز اور تاثرات کو قلمی شکل میں پیش کیا تھا، اللہ نے آپ کو انہیں عملی شکل دینے کی توفیق بخشی۔ باذن اللہ آپ نے بنین اور بنات کیلئے تین شہروں میں مرکزی ادارے قائم کئے، اپنا شعبہ نشر واشاعت اور تصنیف وتالیف قائم کیا۔ دلی میں مرکزی دفتر کے قیام کا انتظام فرمایا، جماعت کی تنظیم میں بھر پور حصہ لیا۔ خصوصاً مہاراشٹر اور کوکن پٹی کی جماعتی تنظیم آپ ہی کی کاوشوں کی مرہون منت ہے، تقریباً دس سال تک مرکزی جمعیت کی امارت کا بار گراں امانت کے ساتھ اٹھائے رکھا اور جب یہ محسوس کیا کہ اب یہ بار گراں نہیں اٹھایا جا سکتا تو خوبصورتی سے کنارہ کشی اختیار کر لی کہ اپنے ہی قائم کردہ ادارے گراں باری کیلئے کافی ہیں۔

یہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کی جماعتی دلچسپی اور تنظیم کی باتیں تھیں۔ اس کے علاوہ آپ نے متعدد دینی اور عصری ادارے قائم کئے اور ان کا پورا تعلیمی اور مالی نظام آپ خود سنبھالتے تھے۔ آپ نے سب سے پہلا ادارہ جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں میں بڑے عزم اور حوصلے کے ساتھ قائم کیا۔ آپ کی جائے رہائش سے جامعہ محمدیہ

تین سوکلو میٹر دور تھا، لیکن جامعہ سے آپ کی محبت اور جفاکشی کا یہ حال تھا کہ ہر جمعہ کو نماز جمعہ پڑھانے کے بعد بلاتوقف جامعہ محمدیہ کیلئے ممبئی سے عازم سفر ہوتے اور سات آٹھ گھنٹہ بعد عشاء کے قریب یا عشاء کے بعد جامعہ پہنچتے۔ آپ کے فرزند رشید جو اس وقت تمام اداروں کے ذمہ دار ہیں، شیخ ارشد مختار حفظہ اللہ تعالی نے بتایا کہ والد محترم رحمہ اللہ کی گھر پر تاکید تھی کہ جمعہ کو سادہ کھانا تیار کیا جائے تاکہ کھانے کیلئے رکنے میں تاخیر نہ ہو، کھانا ایسا رہے کہ کھانا کھاتے رہیں اور سفر جاری رہے۔

عشاء کے قریب آپ جامعہ پہنچتے، آتے ہی جامعہ کے تعلیمی، تعمیری اور انتظامی امور کا جائزہ لینا شروع کر دیتے، اساتذۂ کرام اور دیگر متعلقین سے ملاقاتیں کرتے، تعلیم و تربیت پر تبادلۂ خیال کرتے، اس کے بعد کھانے اور آرام کرنے کا موقع ملتا۔ محمدیہ طبیہ کالج قائم ہوجانے کے بعد وہاں کے بھی تمام امور کا جائزہ آپ خود لیتے۔ یہ سلسلہ اتوار کی نماز ظہر تک قائم رہتا۔ تمام امور کے متعلقین کو ضروری ہدایات کرنے کے بعد اتوار کو آپ ممبئی کیلئے روانہ ہوتے۔ غرض آنے کے بعد سے دن بھر چلنا اور میٹنگ لینا پھر نہ تھکنا اور آرام نہ کرنا آپ کا معمول تھا۔ آپ کی طبیعت میں اللہ نے ظرافت کا وافر حصہ عطا کیا تھا۔ بات بات میں اور چلتے پھرتے ادبی لطائف، میٹنگوں میں نیند مار اور جمائی مار ظریفانہ جملے میٹنگ کو تازہ اور خوشحال رکھنے میں اور کامیاب بنانے میں بڑے معاون ثابت ہوتے۔

آپ کے حسن انتظام میں خاص طور سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ اساتذہ اور تعلیم کے مسائل میں آپ نے کبھی کسی غیر عالم کو دخل اندازی کا موقع نہیں دیا۔ ہمیشہ تعلیمی نظام اپنے ہاتھ میں رکھا، اساتذہ کرام کی سہولت کا بھرپور خیال رکھتے اور تعلیمی مشاغل کے علاوہ وہ کبھی کسی دوسرے کام میں اساتذہ کو نہیں الجھاتے، تعمیرات، مالیات، اور وصولی چندہ کی زحمتوں سے اساتذہ کرام کلی طور سے بے نیاز رہا کرتے تھے، اور الحمدللہ اب تک یہی نظام چلا آرہا ہے۔

حضرت مولانا کے متعدد خطوط میری فائل میں موجود ہیں ان میں سے صرف ایک خط ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں، صرف یہ اندازہ کرنے کیلئے کہ جامعہ کے حسن انتظام اور تعلیم و تربیت کیلئے کس طرح مولانا رحمہ اللہ بے قرار رہا کرتے تھے اور پھر جامعہ کے مقاصد کی تکمیل کیلئے کس صبر و ثبات اور جذبۂ فنائیت کے ساتھ ہر سرد و گرم کو برداشت کرتے تھے۔ یہ خط اساتذہ کرام کی جانب سے میرے ایک خط کا جواب ہے۔

محترمی مولانا نورالعین صاحب مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آج بعد نماز جمعہ آپ کا خط ملا پڑھ کر بے حد افسوس ہوا، آج مجھے اس بات کا بہت شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے اپنی جائے رہائش سے اتنی دور جامعہ قائم کرکے بہت بڑی غلطی کی ہے، شاید وہاں کسی بڑے جامعہ کی ضرورت بھی نہیں تھی، اور ممکن ہے اسی بناء پر صدی گذر جانے پر بھی یہ علاقہ کسی بڑی اہلحدیث درسگاہ سے خالی اور محروم تھا۔ اس جامعہ کو قائم کرنے اور اس راہ میں اپنے کو فنا کرنے کا بھرپور خمیازہ مجھے اپنوں اور غیروں سے بھگتنا پڑ رہا ہے۔ تعاون تو بہت دور کی بات ہے۔ مجھے ہر طبقہ نے جامعہ قائم کرنے کی سزا دی ہے۔ میں اب تک سب کچھ اللہ کی رضا اور جامعہ کے عظیم مقصد کی خاطر برداشت کر رہا ہوں۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ مجھے صبر و استقامت عطا فرمائے۔ آمین

آپ نے اپنے خط میں جامعہ کے تمام اساتذہ کی طرف سے

جو لکھا ہے۔ اس میں نہ تو طلبہ کی تربیت، نہ ہی جامعہ کی کسی ترقی کی اسکیم، نہ ہی اپنی طرف سے کسی مزید تعلیمی جدوجہد کا ذکر ہے، بلکہ صرف اپنی تنخواہوں میں اضافہ کا اصرار اور زبانی دھمکی ہے۔

چونکہ میں اس وقت اپنے سفر پر جا رہا ہوں اور ذاتی طور پر تنخواہ کا کوئی بے ضابطہ حکم نہیں دے سکتا۔ اس لئے آپ سے درخواست کر رہا ہوں کہ آپ جامعہ سلفیہ بنارس سے تنخواہوں کی تفصیل منگوالیں اور وہاں اساتذہ کے ذمہ جو ذمہ داریاں ہیں ان کی تفصیل بھی منگوالیں، ہم اراکین جامعہ وعدہ کرتے ہیں کہ وہاں ابتدائی درجات سے لے کر عالمیت کے درجات تک کی تعلیم دینے والے اساتذہ کو جو کچھ سہولتیں حاصل ہیں وہ سب آپ کو بخوشی دیں گے، اور یہ سہولت آپ کے حساب میں ماہ شوال ۸۲ء سے محسوب ہوگی۔ امید ہے کہ آپ میری اس تحریر کے مطابق فوراً ہی جامعہ سلفیہ کے موجودہ شیخ الجامعہ کو خط لکھ کر تفصیلات منگوالیں گے۔ میں حج سے واپس آتے ہی اسے فوراً نافذ کرادوں گا۔

آپ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میری عدم موجودگی میں یعنی اگلے جمعہ سے میری واپسی تک آپ بنگالی مسجد اہلحدیث مدن پورہ میں خطبۂ جمعہ دیں گے۔ امید ہے کہ اس وعدہ کے مطابق ضرور تشریف لایا کریں گے۔

براہ کرم اللہ آپ تمام مدرسین سے گذارش کردیں کہ جامعہ کے قیام یعنی اس علاقہ میں ایک اہل حدیث درسگاہ کے قیام کی سزا مجھے نہ دیں۔ میں اس کے لئے خود اللہ سے معافی کا خواستگار ہوں۔

والسلام

مختار احمد ندوی

۳۰ر دسمبر ۸۲ء

مجھے یاد ہے کہ جب میں ۸۰ء میں جامعہ محمدیہ مالیگاؤں جا رہا تھا تو اساتذہ کرام سے ملنے کیلئے جامعہ سلفیہ بنارس چلا گیا تھا۔ اس وقت کے شیخ الجامعہ استاذ گرامی حضرت مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا مختار احمد صاحب ندوی رحمہ اللہ کی عالی ہمتی اور بلند عزمی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا ”مولانا نے اس بنجر اور کوردہ علاقہ میں اتنا بڑا ادارہ قائم کرکے کمال کیا ہے، جاؤ بڑی محنت کرنی پڑے گی“ اس میں شک نہیں کہ ایک اجنبی ماحول میں اتنا بڑا ادارہ قائم کرنا اور پھر اس کو ثمر بار بنانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ جامعہ محمدیہ کو آباد کرنے اور مدینۃ العلم بنانے میں حضرت مولانا کو کن کن مراحل سے گذرنا پڑا، کتنی مصیبتیں جھیلنی پڑیں؟ کتنے اینٹ پتھر کھائے وہ بیان سے باہر ہے۔ وقتی کرب ضرور رہا۔ لیکن آپ نے خندہ پیشانی، اور صبر واستقامت سے سب کا استقبال کیا۔ آج وہی جامعہ محمدیہ اور کلیہ عائشہ ہے جو پورے ملک میں تعلیم وتربیت اور نظام ونصاب کے اعتبار سے اپنی امتیازی شان بنائے ہوئے ہے، مئو میں کلیہ فاطمہ، بنگلور میں جامعہ محمدیہ اور کلیہ عائشہ ملک کے ممتاز ترین اداروں میں ہیں، اللہ نے ان اداروں کے فارغین اور فارغات کے ذریعہ ہزاروں کنبوں کو علم دین کی روشنی سے منور کیا، کتنوں نے تقلید جامد، شرک وبدعات اور قبر پرستی سے توبہ کی۔

اللہ سے دعا ہے کہ ان علمی مناروں کو دوام بخشے اور ہر قسم کی نظر بد سے محفوظ رکھے اور حضرت مولانا رحمہ اللہ کی ان مساعی جمیلہ کو ان کیلئے ذخیرۂ آخرت بنائے اور ان کے درجات کو بلند کرے۔ آمین۔

☆☆☆

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

اور عظیم علمی و اشاعتی ادارہ "الدار السّلفیہ" کی تحقیقات

شیخ ضیاء الحسن محمد سلفی - استاذ جامعہ عالیہ عربیہ مئو

ہندوستان کے نامور داعی و خطیب، مایۂ ناز مصنف و صحافی ،عصر حاضر کی عبقری شخصیت ،تعلیم نسواں کے زبردست حامی اور پیکر صبر و ثبات مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کا سانحۂ ارتحال پورے عالم اسلام کے لیے اور بالخصوص سلفیان ہند کے لیے ناقابل تلافی خسارہ ہے، مولانا موصوف اپنی ذات میں ہمہ جہت دینی و علمی خدمات کے باعث بمصداق ایک امت اور ملت و جماعت کی آبرو تھے، اپنے علمی، دینی، تصنیفی اور رفاہی کارہائے نمایاں کے ذریعہ ہندوستان کا نام بلند کیا اور عالم اسلام میں نمایاں مقام حاصل کیا، اپنی عملی زندگی کا آغاز مسجد کے منبر سے کیا اور مسجد کے منبر ومحراب کو اپنا مرکز دعوت بنایا اور پوری زندگی دعوت و تبلیغ میں مشغول رہے، فن خطابت کے ساتھ تصنیف و تالیف اور ترجمے کا عمدہ ذوق پایا تھا، آپ کی دینی و جماعتی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، نسل جدید کی تعلیم و تربیت کے لیے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دینی و عصری علوم کے عظیم قلعے تعمیر کیے جو منارۂ رشد وہدایت بن کر طلبہ و طالبات کے اذہان و قلوب کو منور کر رہے ہیں، اسی طرح مختلف طبی و رفاہی اداروں کی داغ بیل ڈالی، ممبئی میں "ادارہ اصلاح المساجد" قائم کر کے ہندوستان کے طول و عرض میں سینکڑوں مساجد اور عیدگاہیں تعمیر کرائیں، حقیقت یہ ہے کہ مولانا موصوف نے آنے والی نسل کی بقا و تحفظ کے لیے جو نمایاں علمی و دینی ، دعوتی اور رفاہی خدمات انجام دی ہیں، وہ مسلمانان عالم پر احسان عظیم ہے، ان کے مناقب و خدمات کے تذکرے کے لیے کئی دفاتر درکار ہیں، مختصر یہ کہ ندوی صاحب علیہ الرحمہ کی دعوتی ، دینی، علمی اور رفاہی خدمات کا دائرہ نصف صدی پر محیط ہے۔

مجھے مولانا ندوی صاحب کی عبقری شخصیت اور عظیم تحقیقی و علمی اشاعتی ادارے "الدار السّلفیہ" کی تحقیقات پر خامہ فرسائی کی دعوت دی گئی ہے چوں کہ یہ موضوع دو جہتی ہے اس لیے میں مولانا موصوف کی ہمہ گیر شخصیت کے بعض پہلو کو اختصار سے بیان کرنے کے بعد "الدار السّلفیہ" کے تعارف اور اس کی تحقیقات کا جائزہ لوں گا، ان شاء اللہ العزیز۔

نام و نسب: آپ کا نام مختار احمد ندوی بن حاجی ضمیر احمد ہے، آپ پہلے خود کو سلفی لکھتے تھے مگر بعد میں ندوی لکھنے لگے، کنیت ابو اسلم، ابو اکرم اور ابو ارشد رکھتے تھے اور "البلاغ" کے مختلف کالم ہر سہ کنیت کے ساتھ تحریر کرتے تھے، آپ کے کل چار بھائی اور چار

بہنیں تھیں، بھائیوں میں سے تین محمد، ریاض احمد اور مولوی ارشاد احمد بقید حیات ہیں، چار بہنوں میں سے صرف ایک زندہ ہیں اور ایک بھائی مشتاق احمد آپ کی زندگی ہی میں وفات پاگئے تھے۔

ولادت: آپ کی ولادت علمی وصنعتی شہر مئوناتھ بھنجن کے محلہ وشوناتھ پورہ کے ایک دینی خانوادے میں ۳۰/جون ۱۹۳۰ء کو ہوئی اور خالص دینی سلفی ماحول میں آپ کی پرورش ہوئی، ایک جگہ آپ خود بیان کرتے ہیں: "میں خود ایک پختہ اہل حدیث خانوادے کا فرد تھا اور میرا خاندان مسلک اہل حدیث کی نشر واشاعت میں پوری طرح منہمک تھا بلکہ اب بھی ہے"۔

تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم "مدرسہ شاخ دارالعلوم" اور "مدرسۂ عالیہ" میں حاصل کی، اس کے بعد "جامعہ اسلامیہ فیض عام" میں تعلیم حاصل کی، پھر مئو آئمہ میں "مدرسۂ محمدیہ" میں داخلہ لیا اور ڈھائی سال تک یہاں تعلیم حاصل کرتے رہے، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے مشہور سلفی درسگاہ "مدرسۂ رحمانیہ دارالحدیث" دہلی میں داخل ہو کر اس دور کے اساطین علم وفن سے اکتساب علم کیا، یہاں سے تقریباً دو سال تعلیم حاصل کر کے واپس آئے، پھر دارالعلوم "ندوۃ العلماء" لکھنؤ گئے اور وہاں کے مشہور اساتذۂ علم وادب سے استفادہ کیا، یہ ۱۹۴۶ء کا دور تھا، اس کے فوراً بعد ہی تقسیم ہند کا سانحہ پیش آیا، اس لیے آپ دوبارہ لکھنؤ نہ جاسکے اور اپنے آبائی وطن مئوناتھ بھنجن کے مشہور ادارے "جامعہ اسلامیہ فیض عام" میں داخل ہو کر تعلیم مکمل کی اور سند عالمیت وفضیلت حاصل کی، پھر تقریباً ڈیڑھ سال تک اس وقت کے مشہور محدث مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمۃ اللہ علیہ سے صحیحین کا خصوصی درس لیا اور سند "اجازۂ حدیث" حاصل کی۔

دوران تعلیم آپ نے پرائیویٹ طور پر امتحان دے کر منشی کامل، ادیب کامل اور ادیب فاضل کی اسناد حاصل کیں، دینی علوم حاصل کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی. اے. اور لائبریری سائنس میں ڈپلومہ کیا۔

مشہور اساتذۂ کرام: آپ کے اساتذہ میں وقت کے اساطین علم وفن شامل ہیں، جن میں قابل ذکر یہ ہیں: مولانا عبدالجلیل رحمانی ششہیاں، مولانا محمد سلیمان مئوی، مولانا محمد احمد مئوی (بڑے مولوی صاحب)، مولانا عبداللہ شائق مئوی، مولانا عبدالصمد رحمانی مبارک پوری، مولانا محمد بشیر مبارک پوری، مولانا نذیر احمد رحمانی املوی، مولانا رستم رحمانی بنگالی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا محمد مصطفیٰ ندوی، مولانا شاہ حلیم عطا صاحب اور مولانا مفتی محمد سعید صاحب وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔

میدان عمل میں

دینی وعصری دونوں علوم کے حصول کے بعد آپ نے عملی میدان میں قدم رکھا، مولانا کی جستجو طلب طبیعت اور سیماب صفت فطرت روایتی مدارس میں تدریسی عمل سے ہم آہنگ نہ تھی جیسا کہ خود مولانا کا بیان ہے کہ "مئو میں چند مدارس اگرچہ موجود ہیں تاہم مدارس کی زندگی کی طرف میں نے کبھی رخ نہ کیا اور نہ ہی اس زندگی سے میری کوئی نسبت ہے"۔ مزید برآں آپ کے والد محترم کی خواہش تھی کہ عام علماء کے میدان عمل (درس وتدریس) سے مختلف میدان اختیار کریں اور اپنی عملی زندگی کا آغاز مسجد کے منبر ومحراب سے کریں، شاید آپ کے والد مرحوم کے سامنے یہ بات رہی ہو کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فتح پوری مسجد دہلی کو اور ان کے پوتے شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے جامع مسجد دہلی کو اپنی

دعوت کا مرکز بنایا تھا، چناں چہ آپ نے اپنے والد محترم کی خواہش کے مطابق منبر رسول سے وابستہ ہو کر دعوت وتبلیغ کے ذریعے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا اور جماعت اہل حدیث کے مشہور عالم مولانا عبدالجبار شکراوی رحمہ اللہ کی سفارش پر ناتی باغ کلکتہ کی جامع مسجد اہل حدیث میں بحیثیت خطیب وامام اور مفتی مقرر ہوئے، غالباً یہ ۱۹۵۲ء کا زمانہ رہا ہے، شیخ رحمہ اللہ کلکتہ کی اس جامع مسجد کے منبر ومحراب کی زینت بن کر مسلسل دس سالوں تک پوری سرگرمی کے ساتھ توحید کی دعوت دیتے رہے اور یہاں کی دعوتی و جماعتی زندگی آپ کی علمی ومعاشی ترقی کا ذریعہ بنی اور اس دینی ودعوتی خدمت کے صلے میں اللہ نے آپ کو دین ودنیا دونوں سے خوب نوازا، مولانا موصوف خود فرماتے تھے: ''میرے والد محترم نے مجھے مسجد سے منسلک رہنے کی جو وصیت ونصیحت کی تھی یقیناً وہ میرے لیے علمی ومادی طور پر بہت فائدہ مند ثابت ہوئی''۔ (البلاغ ستمبر ۲۰۰۵ء)

کلکتہ میں محض مسجد کے منبر ومحراب سے وابستہ ہی نہ رہے بلکہ کلکتہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ کلکتہ جیسے اداروں اور ان کے لیکچرارس، پروفیسرس اور شہر کے علمی حلقے سے خصوصی روابط رکھے، حاجی عبداللہ لائبریری قائم کی، جس کے قیام پر امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے بذات خود تحریری طور پر آپ کے اس مستحسن اقدام کی ستائش کی اور مبارکباد پیش کی، اس لائبریری کے قیام کی کامیابی نے آپ کو کلکتہ کے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے سے روشناس ہونے اور اس صنعتی شہر میں شاندار علمی زندگی گذارنے کا موقع فراہم کیا، کلکتہ کے دوران قیام جن اصحاب علم وفضل اور مخلص احباب کی صحبت نصیب ہوئی ان میں سے چند افراد کے نام قابل ذکر ہیں: جناب مولانا محمد یحیٰ ایڈیٹر ''ماہنامہ مؤمن''، جناب ڈاکٹر زبیر احمد صدیقی پروفیسر کلکتہ یونیورسٹی، محترم صوفی عبدالرحمن سرپرست جماعت اہل حدیث کلکتہ، مولانا فضل الرحمن باقی لیکچرر کلکتہ یونیورسٹی، مولانا ابومحفوظ کریم معصومی لیکچرر مدرسہ عالیہ کلکتہ، مولانا ابوسلمہ شفیع احمد بہاری لیکچرر مدرسہ عالیہ کلکتہ، محترم جناب سعید اکبرآبادی پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ، مولانا حسین احمد میرٹھی خطیب جامع مسجد بولائی دت اسٹریٹ کلکتہ، حاجی محمد یوسف متولی جامع مسجد اہل حدیث نورعلی لین، مسٹر ایس. بی. یشونت چیف لائبریرین نیشنل لائبریری، مولانا عبدالخالق ندوی لائبریرین ایشیاٹک سوسائٹی، محترم جناب نواب دہلوی، ڈاکٹر ابوسعید صاحب، مسٹر فادر کرتوتیزرکن بائبل سوسائٹی وغیرہ۔

ان مخلص رفقاء واحباب کے ساتھ گذارے ہوئے ایام کو آپ اپنے لیے قیمتی سرمایہ تصور کرتے تھے، آپ نے کلکتہ اور مغربی بنگال کی جمعیت اہل حدیث کے اندر حرکت وعمل کی لہر دوڑائی، جب ۱۹۵۵ء میں سعودی عرب کے فرماں روا ملک سعود بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہندوستان تشریف لائے تو آپ نے ان کے استقبال کے لیے بھرپور تحریک چلائی اور آپ کی کلیدی کاوش سے لال قلعہ دہلی کے دیوان خاص میں انہیں استقبالیہ دیا گیا اور ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا، کلکتہ کے دوران قیام میں آپ نے ''اخبار اہل حدیث'' کی ادارت بھی فرمائی، کلکتہ کی زندگی میں آپ نے امامت وخطابت کا منصب سنبھالنے کے ساتھ ہی دینی کتب کی خرید وفروخت کا کام شروع کیا اور ''مکتبۂ توحید'' کے نام سے ایک مکتبہ کی بنیاد ڈالی، دیکھتے ہی دیکھتے یہ مکتبہ بڑا مقبول ہوگیا اور آپ کی مادی کفالت کا ذریعہ بھی بن گیا، خالص دینی وسلفی کتابوں کی نشر

واشاعت کا کام آپ کی زندگی کا لازمہ بن گیا، اس طرح کلکتہ میں دس سالوں تک بھرپور دینی وعلمی زندگی گذاری، جب چین نے ہندوستان کی مشرقی سرحد پر حملہ کیا تو اس سے سب سے زیادہ کلکتہ متاثر ہوا، لاکھوں لوگ اس شہر کو چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوئے، چناں چہ آپ کو بھی اپنے وطن لوٹنا پڑا، یہ ۱۹۶۲ء کا زمانہ تھا، اس وقت مؤمن پورہ ممبئی کی جامع مسجد اہل حدیث کے مستقل امام وخطیب مولانا داؤد راز رحمہ اللہ کے مستعفی ہوجانے کی وجہ سے ان کی جگہ خالی تھی، چناں چہ آپ اپنے والد کی خواہش وحکم کے مطابق اور مولانا عبدالجبار شکراوی رحمہ اللہ کے مشورے پر ممبئی تشریف لے گئے، آپ کی آمد ممبئی والوں کے لیے فال نیک ثابت ہوئی، اس طرح کلکتہ کے بعد آپ کی علمی ودینی اور جماعتی زندگی کا مستقر عروس البلاد ممبئی قرار پایا، آپ اپنے والد ماجد رحمہ اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مؤمن پورہ ممبئی کی جامع مسجد اہل حدیث کے منبر ومحراب سے وابستہ ہوکر امامت وخطابت کی ذمہ داری سنبھالنے لگے اور چند ہی سالوں بعد ۱۹۷۵ء میں ٹرسٹیان مسجد کے تعاون سے اس قدیم مسجد کی ازسرنو تعمیر کرائی، ساتھ ہی مسجد کی داہنی جانب زمین پر اپنے رفیق حاجی بچو علی سیٹھ اور مخلص دوست شیخ محمد علی بجاش رحمہما اللہ کے تعاون سے چھ منزلہ مولانا آزاد ہائی اسکول کی عمارت تعمیر کی۔

مؤمن پورہ کی مسجد اہل حدیث سے بیس سالوں تک وابستگی کے بعد آپ یہاں کی امامت وخطابت کی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہوکر ۱۹۸۲ء میں مدن پورہ کی جماعت اہل حدیث کی قدیم بنگالی مسجد سے وابستہ ہوگئے اور اسے کویت کے بعض محسنین کے تعاون سے ازسرنو تعمیر کروایا اور اسی کو اپنی دینی ودعوتی خدمات کا مرکز بنایا اور اسی کے منبر ومحراب سے تادم واپسیں تقریباً پچیس سالوں تک وابستہ رہے۔

ممبئی میں اپنی علمی ودینی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا خود فرماتے ہیں: ''ممبئی میں میری علمی ودینی زندگی کا زیادہ وقت دعوتی وتعلیمی وجماعتی کاموں میں گذرا، جس کے انتہائی پاکیزہ نشانات میرے نہاں خانۂ دل میں پیوست ہیں، ۱۹۶۲ء میں ممبئی آتے ہی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس شہر گنجان میں ہندوستان بھر سے آئے ہوئے صاحب علم وفن حضرات سے متعارف ہوا، جس نے میری زندگی پر بڑا اثر ڈالا، پھر علم ومعرفت کی ایک نئی دنیا سے آشنا ہوا اور جماعت کی وابستگی کے ساتھ ملت وجماعت کی اصلاح وفلاح کے لیے ادارے قائم کرنے کے جذبات بیدار ہونے لگے''۔ ممبئی میں امامت وخطابت کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے دینی کتابوں کی تصنیف وتالیف اور ان کی نشرواشاعت کے کام کو آپ نے اپنے لیے وظیفۂ زندگی بنالیا اور مؤمن پورہ مسجد کے بازو میں حامد بلڈنگ میں لب سڑک ۱۹۷۰ء میں ''الدار السلفیہ'' کے نام سے ایک مکتبہ قائم کیا جو بہت جلد شاہ راہ ترقی پر چل پڑا، بعد میں دینی کتابوں کی نشرواشاعت کے لیے محمد علی بلڈنگ بھنڈی بازار میں ایک بڑا تجارتی مکتبہ ''دارالمعارف'' کے نام سے قائم کیا، آپ نے مختلف ادارے قائم کیے، لیکن ان میں ''الدار السلفیہ'' سب سے زیادہ اہم اور ممتاز ادارہ ہے کیوں کہ اس کے ذریعے ممتاز کتابوں اور نادر مخطوطات کی نشرواشاعت ہوئی۔

الدار السلفیہ کا تعارف

عروس البلاد ممبئی جو مختلف مذہبی، سیاسی، سماجی، ثقافتی اور تجارتی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے، اس مشہور شہر میں سلفی حضرات کی ایک

بڑی جماعت رہتی ہے جو اپنے طور پر کتاب وسنت اور مسلک سلف کی دعوت وتبلیغ میں برابر کوشاں رہی ہے، مگر ابھی تک ان کا کوئی ایسا مرکزی ادارہ نہیں تھا جو سلفیت کی شناخت بن جائے اور اس کی خدمات مرکز توجہ بن جائیں، چناں چہ ''الدار السلفیہ'' کا قیام ایک ایسے ہی سلفی ادارے کا قیام تھا جس نے تھوڑے ہی عرصے میں اشاعتی دنیا میں ایک ممتاز مقام بنالیا، اس کا قیام ۱۹۷۰ء میں عمل میں آیا تھا، اس کے بانی وسرپرست مولانا ندوی صاحب رحمہ اللہ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے جنہوں نے ممبئی میں جماعت اہل حدیث کو متحرک بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، ممبئی کی تلاطم خیز زندگی میں مولانا موصوف اپنے علمی کاموں، فلاحی پروگراموں اور نئے منصوبوں کی تکمیل میں ہمہ وقت سرگرم رہتے، آپ کی وسعت فکری، بلند عزائم، رجائیت پسندی اور دینی وجماعتی خدمات کا بے مثال جذبہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، ''الدار السلفیہ'' کا قیام مولانا موصوف کے گوناگوں علمی واصلاحی منصوبوں کا حصہ ہے، یہ ادارہ توحید وسنت اور خالص اسلامی تعلیمات کی اشاعت کا ایک عظیم مرکز ہے، اس کے کل تین شعبے ہیں:

۱۔شعبۂ بحوث اسلامی وتحقیقات، ۲۔شعبۂ ترجمہ وتصنیف وتالیف، ۳۔شعبۂ صحافت۔

اس کا شعبۂ تحقیقات وترجمہ وتالیف حالات حاضرہ کے اہم پیچیدہ مسائل پر دینی واصلاحی لٹریچر اور کتب کی ترویج واشاعت میں مصروف ہے، اس ادارے سے عربی واردو میں تقریباً ۲۵۰ رکتابیں ترجمہ وتصنیف اور تحقیق کے بعد روایتی طباعت سے آراستہ ہوکر باذوق قارئین کی خدمت میں پہنچ کر داد تحسین حاصل کررہی ہیں۔

مولانا موصوف نے عام مسلمانوں میں پھیلی ہوئی علمی بیزاری اور دین سے انحراف کے رجحان کو ختم کرنے کے لیے ایک تحریک چلائی تھی اور نوجوان نسل میں دینی کتب کے مطالعے کا رجحان پیدا کرنے کے لیے ''الدار السلفیہ'' جیسے عظیم ادارے کا قیام آپ کی حوصلہ مندی کا ایک حصہ ہے، مولانا موصوف ایک پختہ عالم دین ہونے کے ساتھ ہی علم کے جدید تقاضوں اور وقت کے بدلتے حالات وظروف سے بھی بخوبی واقف تھے، اس لیے ان کی یہی کوشش رہی ہے کہ قوم کے نوجوانوں کو ایسی ذہنی وفکری غذا فراہم کی جائے جو ان کے روح وجسم دونوں کے لیے مفید اور صحت بخش ہو، ''الدار السلفیہ'' ایک ایسا تحقیق وتالیف کا مرکز ہے جو نوجوان نسل کی ذہنی تربیت میں ایک اہم رول ادا کررہا ہے، مختلف موضوعات پر اس ادارے سے کتب ورسائل شائع ہوکر مقبول عام وخاص ہوچکے ہیں، جن کے ذریعے ایمان وعقیدے کی اصلاح، معاشرے میں رائج بدعات ومنکرات اور باطل رسوم ورواج کا استیصال، حرام وحلال میں تمیز اور اسلامی فکر ونظر کی تشکیل نمایاں طور پر عمل میں آئی۔

اس ادارے کی نشأۃ ثانیہ ۱۹۹۲ء میں اس کے نئے علمی مرکز میں مشرقی ایشیاء کے عظیم بین الاقوامی اسلامک ریسرچ سینٹر ''الدار السلفیہ'' کے نام سے ہوئی، اس موقع پر ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں ممبئی کے علم دوست علماء وفضلاء اور عمائدین شہر کے علاوہ عالم عرب کی چند مایۂ ناز شخصیات بھی شریک ہوئی تھیں، اس موقع پر مولانا موصوف رحمہ اللہ نے ''الدار السلفیہ'' کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا تھا: ''اللہ کے اس قانون پر مجھے پورا اعتماد تھا کہ جو حسن نیت کے ساتھ کوشش کرتا ہے اللہ اسے ضرور

کامیاب کرتا ہے، ساتھ ہی مجھے یہ بھی احساس تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو بھی قلمی قوت بخشی ہے، اس سے کام لینا چاہیے اور جہاں تک ہوسکے اس کے ذریعے علم وفن اور اسلام کی خدمت کرنی چاہیے، اسی احساس وفکر کے تئیں بڑی بے بضاعتی کے عالم میں اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کام کا آغاز کردیا، اس کے بعد دنیا کی مختلف لائبریریوں کی خاک چھان کر اپنے اسلاف کے علمی ورثے کے متعدد منتشر مخطوطات کو جمع کرنا شروع کردیا، پھر اس کی تحقیق وتصحیح کے بعد اس کو جدید انداز میں کمپیوٹر کے ذریعہ طبع کرا کے پہلی بار دنیا کے سامنے پیش کردیا"۔

مولانا نے اس نازک دور میں "الدارالسلفیہ" کے وجود کو ہندوستانی مسلمانوں کے لیے نعمتِ عظمیٰ سے تعبیر کیا اور یہ بات بالکل مبنی برحقیقت ہے اور اس کی گواہی مختلف دانشوران ملت نے اپنے تأثرات میں دی تھی، چناں چہ اس موقع پر شیخ محمد علی بجاش رحمہ اللہ (دبئی) نے فرمایا: مولانا ندوی کی جدوجہد اور مسلسل کوشش کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان میں "الدارالسلفیہ" اسلاف کے کارناموں کو پیش کرنے کا شرف حاصل کررہا ہے، ترجمہ وتالیف اور تحقیق کا جو کام یہاں جس منظم طریقے پر ہورہا ہے وہ شاید ہندوستان میں کہیں اور نہیں ہے، دنیا کے ہر مکتبہ میں "الدارالسلفیہ" کی کتابیں موجود ہیں، جو اس کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

اسی طرح جناب سلیم زکریا صاحب سابق ایم ،ایل ،اے نے فرمایا: "الدارالسلفیہ علم وادب اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں ایک مقام رکھتا ہے، جس کا شہرہ ممبئی میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں ہے، آج ہم خود محسوس کررہے ہیں کہ ہماری نوجوان نسل اور بچوں میں اسلامی کتب کے مطالعے کا جذبہ وشوق اور دین کے سمجھنے اور ان کے اندر اسلامی غیرت وحمیت پیدا کرنے کا جو اہم کام الدارالسلفیہ کررہا ہے یہ درحقیقت ہمارے اوپر احسان عظیم ہے"۔

اس کے بعد جناب عبدالقدوس منشی پرنسپل مہاراشٹر کالج نے فرمایا: سقوط غرناطہ کے بعد امت مسلمہ کا جو سب سے بڑا خسارہ ہوا وہ یہ کہ ہماری علمی میراث ضائع ہوگئی اور جو باقی رہ گئی ہے وہ توجہ کی محتاج ہے، ہمارے اسلاف کے علمی کارناموں کو محفوظ کرنے اور اسے نشر کرنے کا جو کام ہمارے بزرگ مولانا ندوی صاحب کررہے ہیں وہ قابل قدر اور لائق مبارکباد ہے، آنے والی نسل کی بقاء وتحفظ کا جو کام آپ انجام دے رہے ہیں وہ مسلمانانِ عالم پر ایک عظیم احسان ہے، غرض یہ کہ مولانا نے الدارالسلفیہ کے قیام کے ذریعے احیاء تراث علمی کا ناقابل فراموش کارنامہ انجام دیا ہے۔

الدارالسلفیہ کے اغراض ومقاصد

ادارہ الدارالسلفیہ ایک عالمی تحریک اور اسلامی تراث کے تحفظ ،علوم اسلامیہ کی نشرواشاعت اور علم وفن کی خدمت کا ایک زبردست مرکز ہے، جس کو علم ومعرفت کی دنیا میں شہرت ملی اور اس کا دائرۂ عمل دنیا کے چہار جوانب تک پھیلا ہوا ہے اور اس کی بیش قیمت تحقیقات ومطبوعات سے ہر جگہ کے علماء ومحققین استفادہ کررہے ہیں۔

اس عالمی ادارے کے اغراض ومقاصد کو خود مولانا موصوف نے "البلاغ" کے قسط دار کالم "کاروان حیات" کی "۲۱"ویں قسط اکتوبر ۲۰۰۶ء میں تحریر فرمایا ہے۔

۱۔ الدارالسلفیہ کا مقصد قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں اس طرح خالص اسلام کا تعارف پیش کرنا ہے جیسے

خیر القرون میں سلف صالح صحابۂ کرام وتابعین عظام نے سمجھ کر پیش کیا تھا۔

۲۔الدار السلفیہ کا مشن ہے شرک وبدعات، اندھی تقلید اور شخصیت پرستی کی تاریک راہوں میں بھٹکتی دنیا کو توحید وسنت کی روشنی میں اسلام کے صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دینا۔

۳۔الدار السلفیہ کا بنیادی مقصد ہے من گھڑت روایات، منکر وموضوع احادیث، مذہبی فرقہ پرستی اور گروہی تعصب سے امت مسلمہ کو دور کرنے کی جدوجہد کرنا۔

۴۔الدار السلفیہ کا مقصد ہے سلف صالح کے علمی ورثے کی حفاظت کرنا اور دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق آج کے ترقی یافتہ اعلیٰ طباعتی معیار پر ان کی طباعت اور نشر واشاعت کرنا۔

۵۔الدار السلفیہ کا مقصد علوم اسلامیہ کے ماہرین علماء واصحاب قلم ادباء ومصنفین کی مدد کرنا اور ان کے علمی وادبی ذوق کی تکمیل کرنا ہے۔

۶۔دائرۃ البحوث العلمیہ کے تحت علماء ومحققین کی ایک ٹیم تیار کرکے ان کے ذریعے علوم قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ وتاریخ کے نادر مخطوطات کی تحقیق اور اہم کتابوں کی تالیف وتصحیح پیش کرنا ہے۔

الدار السلفیہ کی تحقیقات

تحقیق وتخریج کا کام تصنیف وتالیف وترجمے کے کام سے مختلف اور اس کے مقابل زیادہ دقت طلب اور جانفشانی والا ہے، شعبۂ بحوث اسلامی وتحقیقات الدار السلفیہ کا ایک نمایاں شعبہ رہا ہے، جس کے کارناموں کے ذریعے اس ادارہ کو عالم اسلام میں مقبولیت وشہرت ملی۔

مولانا ندوی صاحب گو کہ اس میدان کے مرد مجاہد نہ تھے مگر آپ کہا کرتے تھے: ''اگر میں تحقیقی میدان میں قدم رکھتا تو پوری دنیا میں دھوم مچا دیتا''۔ لیکن تحقیقی میدان میں قدم رکھنا آپ کے لیے بہتر نہ ہوتا کیوں کہ اس خارزار وادی میں قدم رکھنے کے بعد دیگر علمی ودینی اور جماعتی واصلاحی ورفاہی خدمات کے ساتھ ان کا حق ادا کرنے سے قاصر رہتے، تاہم عالم اسلام کے مختلف ماہرین تحقیق وتخریج سے رابطہ قائم کرکے مختلف مکتبات سے نادر مخطوطات حاصل کرنے کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا اور ان کو تحقیق وتخریج کے بعد عمدہ معیاری طباعت کے ساتھ منصۂ شہود پر لانے کا ذوق وشوق جنون کی حد تک تھا، اس شعبۂ تحقیق کو منظم انداز سے چلانے کے لیے محققین علماء کی ایک ٹیم کی ضرورت تھی، اس کے لیے آپ نے باقاعدہ منصوبہ بندی کی اور سب سے پہلے ڈاکٹر عبدالعلی عبدالحمید ازہری حفظہ اللہ کو اس شعبے کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالنے کی دعوت دی، اس وقت ڈاکٹر صاحب نائجیریا کی مشہور ''بائرو کانو یونیورسٹی'' میں ''قسم الدراسات الاسلامیہ'' میں پروفیسر تھے، مسلسل کئی سالوں سے مولانا ان کو اس اہم ذمہ داری کے سنبھالنے کی ترغیب دیتے رہے، بالآخر یہ ترغیب رنگ لائی اور ڈاکٹر موصوف نائجیریا چھوڑ کر بڑی تمناؤں کے ساتھ میدان تحقیق میں اترے اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے عالم اسلام میں اپنا لوہا منوالیا، آپ کے اس شعبے کے منصب ادارت پر فائز ہونے سے ''الدار السلفیہ'' کا وقار مزید بلند ہوا، اسی طرح ڈاکٹر صاحب کی زیر نگرانی تحقیق وتخریج میں دلچسپی رکھنے والے اہل علم کی ایک ٹیم نادر مخطوطات کی تحقیق وتخریج کا کام انجام دینے لگی، اس معاون ٹیم میں ڈاکٹر ازہری صاحب نے مجھے (راقم حروف) کو سرفہرست رکھا اور حقیقت یہ ہے کہ ترجمہ وتصحیح کے کام کے ساتھ مجھ میں تحقیق

ذوق وشعور کو پیدا کرنے میں ڈاکٹر صاحب کی کرم فرمائیوں کا زبردست ہاتھ رہا ہے اور اس میدان میں مجھے جو کچھ حاصل ہوا وہ ڈاکٹر صاحب کی توجیہات وارشادات کا رہین منت ہے، فللہ الحمد والمنۃ۔

اس طرح ڈاکٹر عبدالعلی ازہری کے زیر ادارت اور شیخ مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی زیر نگرانی تحقیق وتخریج کا کام منظم انداز میں شروع ہوا اور تقریباً پچاس کتابیں تحقیق وتخریج وتصحیح کے بعد معیاری انداز میں شائع ہوئیں اور عالم اسلام سے داد تحسین حاصل کی، ان میں سے بعض کتابیں پندرہ اجزاء اور بعض بیس اجزاء پر مشتمل ہیں۔

ذیل میں اختصار کے ساتھ ان کتابوں پر روشنی ڈالی جارہی ہے:

۱-کتاب المصنف فی الاحادیث والآثار: تالیف: حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ کوفی عبسی المتوفی ۲۳۵ھ

یہ کتاب ۱۵/اجزاء پر مشتمل ہے، اس کی تعلیق وتصحیح مولانا ابو عامر محمد عمران اعظمی مصحح دائرۃ المعارف حیدر آباد نے کی ہے، پہلے اس کتاب کے پانچ اجزاء دائرۃ المعارف سے شائع ہوئے تھے، بعد میں مولانا نے اس کتاب کو معیاری طباعت کے ساتھ عالم عرب میں پیش کیا، اس پر صرف تعلیق وتقابل کا کام کیا گیا ہے، یہ کتاب اہم مصادر میں شمار کی جاتی ہے، مصنف رحمہ اللہ نے اسے فقہی ابواب پر ترتیب دیا ہے، اس کتاب کی طباعت ونشر واشاعت مولانا موصوف کی علمی ومادی ترقی میں معاون ثابت ہوئی۔

۲-الجامع لشعب الایمان: تالیف: حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی المتوفی ۴۵۸ھ

یہ ایک علمی انسائکلو پیڈیا ہے، جس میں ایمان کے ستتر (۷۷) شعبوں کا بیان ہے اور ہر شعبے کو ایک جامع باب کے تحت آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ وآثار سلف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، یہ کتاب درحقیقت علامہ ابوعبداللہ حسین بن حسن حلیمی فقیہ شافعی کی کتاب ''المنہاج المصنف فی بیان شعب الایمان'' کے اختصار کی تفصیل ہے، امام بیہقی نے اپنی اس ''الجامع لشعب الایمان'' کی تالیف میں علامہ حلیمی کی کتاب ''المنہاج'' پر اعتماد کیا اور ان کے منہج پر ان ہی ابواب وشعب کے ساتھ مرتب کیا، دونوں کے انداز میں یہ فرق ہے کہ علامہ حلیمی نے متکلمین کے انداز پر عقلی ومنطقی دلائل سے استدلال کیا ہے اور احادیث کو بغیر اسناد کے ذکر کیا ہے، جب کہ امام بیہقی نے محدثین کے منہج کو اختیار کرتے ہوئے اپنے اقوال پر احادیث نبویہ سے استدلال کیا ہے اور احادیث کو اسانید کے ساتھ ان کے مخرج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ذکر کیا ہے، صرف مرفوع احادیث کے بیان پر اکتفا نہ کرتے ہوئے صحابہ، تابعین اور دیگر علماء کے اقوال کو اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس کتاب کے کل آٹھ نسخے مختلف مکتبوں میں پائے جاتے ہیں لیکن تحقیق کے وقت ادارہ چار نسخے حاصل کرنے میں کامیاب ہوا:

۱-نسخۂ احمد الثالث جو مکتبہ طبقبو سرامی میں موجود ہے، یہ مکمل نسخہ ۴۹۹ نمبر کے تحت تین اجزا میں اور ۱۱۸۴/صفحات پر مشتمل ہے۔

۲-دوسرا نسخہ کامل مکتبہ نور عثمانیہ میں تین اجزاء میں نمبر ۱۱۲۳-۱۱۲۵/کے تحت ہے، اس کے مجموعی اوراق ۱۶۷۹/ہیں، یہ جدید خط میں ۱۱۵۹ھ میں تحریر کیا گیا ہے۔

۳-تیسرا نسخہ استامبول کے مکتبہ رئیس الکتاب میں پانچ جلدوں میں کامل موجود ہے، اس کے مجموعی اوراق ۱۲۷۳ر ہیں، لیکن شروع فیلم سے اس کا بڑا حصہ مٹا ہوا ہے، اس کے نسخ کی تاریخ ۷۳۷ھ ہے۔

۴-چوتھا نسخہ مکتبہ جامعہ مستنصریہ بغداد میں محفوظ ہے، اس کے مجموعی اوراق ۱۶۷ر ہیں، یہ نسخہ ناقص ہے، شعبہ نمبر ۴۰ر سے شروع ہوکر شعبہ نمبر ۵۷ر پر ختم ہوجاتا ہے۔

پھر اخیر میں کتاب کا ایک اور نسخہ ملا جو مشرقی جرمنی کے دار العلوم کے مکتبہ میں پایا گیا لیکن وہ بھی ناقص تھا، یہ شعبہ ۳۹ر سے شروع ہوکر شعبہ ۵۷ر پر ختم ہوجاتا ہے، یہ واضح خط کے ساتھ ۳۶۰ر صفحات میں ہے اور تحریفات وسقطات سے خالی ہے، یہ شیخ حماد محمد انصاری رحمہ اللہ کے مکتبۂ خاص سے ملا تھا، اس نسخے کو "شعب الایمان" کی دسویں جلد سے تحقیق میں شامل کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے سات اجزاء کی تحقیق وتخریج کا کام ڈاکٹر عبد العلی حفظہ اللہ نے اپنے معاون رفقاء کے ساتھ کیا، پھر اس کے بعد آٹھویں جزء سے لے کر بیسویں جزء تک راقم الحروف نے مولانا موصوف رحمہ اللہ کے زیر اشراف یہ کام انجام دیا، اس طرح یہ علمی کام پایۂ تکمیل تک پہنچا، فللہ الحمد۔

۳-تفسیر سورۃ الاخلاص: تالیف شیخ الاسلام ابن تیمیہ، تحقیق: ڈاکٹر عبد العلی عبد الحمید ازہری

۴-تفسیر المعوّذتین: تالیف علامہ ابن تیمیہ وابن قیم، تحقیق وتخریج: ڈاکٹر عبد العلی عبد الحمید ازہری

۵-تفسیر سورۃ النور: تالیف علامہ ابن تیمیہ، تحقیق وتخریج: ڈاکٹر عبد العلی عبد الحمید ازہری

۶-تفسیر الآیۃ الکریمۃ: تالیف علامہ ابن تیمیہ، تحقیق وتخریج: ڈاکٹر عبد العلی عبد الحمید ازہری

۷-إنعام الباری فی شرح حدیث الغفاری: تالیف علامہ ابن تیمیہ، تحقیق وتخریج: ڈاکٹر عبد العلی عبد الحمید ازہری

۸-کتاب الزھد: تالیف ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم تعلیق وتحقیق: ڈاکٹر عبد العلی عبد الحمید ازہری

۹-کتاب الامثال فی الحدیث النبوی: تالیف ابو الشیخ الاصبہانی، تحقیق: ڈاکٹر عبد العلی عبد الحمید ازہری

۱۰-کتاب أمثال الحدیث: تالیف ابو محمد الرامہرمزی، تحقیق: ڈاکٹر عبد العلی عبد الحمید ازہری

۱۱-کتاب الرضا عن اللہ بقضاءہ والتسلیم لامرہ: تالیف ابوبکر ابن ابی الدنیا، تحقیق وتخریج: ضیاء الحسن محمد سلفی.

۱۲-کتاب الزھد: تالیف امام ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی، تحقیق وتخریج: ضیاء الحسن محمد سلفی

۱۳-کتاب السنن (دو اجزاء): تالیف سعید بن منصور، تحقیق وتعلیق: شیخ حبیب الرحمن اعظمی

۱۴-کتاب التبصرۃ فی القراءات السبع: تالیف مکی بن ابی طالب حموش، تحقیق: ڈاکٹر محمد غوث ندوی

۱۵-مناسبات تراجم البخاری: تالیف بدر الدین ابن جماعہ، تحقیق: شیخ محمد اسحاق استاذ جامعۃ الملک سعود ریاض

۱۶-کتاب الاھوال: تالیف ابوبکر ابن ابی الدنیا، تحقیق وتخریج: ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارک پوری رحمہ اللہ

۱۷-کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للامام احمد بن حنبل بروایۃ المروذی وغیرہ، تحقیق: ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس

۱۸-مسند اُم المؤمنین عائشہ: تالیف علامہ جلال الدین سیوطی، تحقیق: در محمد غوث ندوی

۱۹-مسند ابی بکر صدیق: تالیف علامہ جلال الدین سیوطی، تحقیق: حافظ عزیز بیگ۔

۲۰-کتاب الغیبۃ والنمیمۃ: تالیف ابوبکر ابن ابی الدنیا، تحقیق: شیخ عمرو علی عمر مصری

۲۱-الجامع فی الخاتم: تالیف ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، تحقیق: شیخ عمرو علی عمر مصری

۲۲-الایقاظ بالجواب عن مسئلۃ الوعاظ: تالیف علامہ سخاوی، تحقیق: شیخ عمرو علی عمر مصری

۲۳-روائع التراث: جمع وترتیب وتحقیق وتخریج: در محمد عزیر شمس مکہ مکرمہ

۲۴-کتاب المرض والکفارات: تالیف ابوبکر ابن ابی الدنیا، تحقیق: عبدالوکیل ریاض احمد ندوی، مراجعہ: ضیاء الحسن سلفی

۲۵-کتاب الصیام: تالیف ابوبکر جعفر بن محمد فریابی، تحقیق: عبدالوکیل ندوی، مراجعہ: ضیاء الحسن سلفی

۲۶-من وافق اسمہ کنیۃ أبیہ: تالیف ابوالفتح ازدی، تحقیق: د اقبال احمد مدنی بسکوہری استاذ جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں۔

۲۷-من وافق اسمہ اسم ابیہ: تالیف ابوالفتح ازدی، تحقیق: د اقبال احمد مدنی بسکوہری استاذ جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں۔

۲۸-أسماء من یُعرف بکنیتہ من أصحاب رسول اللہ ﷺ: تالیف ابوالفتح ازدی، تحقیق: د اقبال احمد مدنی بسکوہری استاذ جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں

۲۹-الکنیٰ لمن لا یعرف لہ اسم من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: تالیف ابوالفتح ازدی، تحقیق: د اقبال احمد مدنی بسکوہری استاذ جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں۔

۳۰-تاریخ وفاۃ الشیوخ الذین ادرکھم البغوی: تالیف ابوالقاسم البغوی، تحقیق وتخریج: در محمد عزیر شمس مکہ مکرمہ۔

۳۱-الاسئلۃ الفائقۃ بالاجوبۃ اللائقۃ: تالیف حافظ ابن حجر عسقلانی، تحقیق: در محمد ابراہیم حفیظ الرحمٰن

۳۲-مسند عثمان بن عفان: تالیف علامہ جلال الدین سیوطی، تحقیق: حافظ عزیز بیگ

۳۳-مسانید امہات المؤمنین: تالیف علامہ جلال الدین سیوطی، تحقیق: در محمد غوث ندوی

۳۴-کتاب النفقات: تالیف امام ابوبکر احمد بن عمرو الخصاف، تحقیق: شیخ ابوالوفا افغانی

۳۵-مورد الظمآن فی علوم القرآن: تالیف: شیخ صابر حسن محمد ابوسلیمان

۳۶-رسالۃ فی الرد علی الرافضۃ: تالیف ابوحامد مقدسی، تحقیق: عبدالوہاب خلیل الرحمٰن

۳۷-مدّ الاسلام وجزرہ: تالیف خواجہ الطاف حسین حالی، تعریب وتخریج: در صلاح الدین ندوی

۳۸-الاتجاہ الاسلامی فی شعر محمد اقبال: تالیف در صلاح الدین ندوی

۳۹-رحمۃ للعالمین: تالیف قاضی محمد سلیمان منصور

پوری، تعریب وتعلیق: ڈرمقتدیٰ حسن ازہری وعبدالسلام عین الحق سلفی۔

۴۰-جواهر الاصول فی علم حدیث الرسول: تالیف ابوالفیض محمد بن محمد بن علی فارسی، تحقیق: محمد اطہر مبارک پوری۔

۴۱-غزوات النبی صلی الله علیه وسلم: تالیف وتحقیق: ڈرمحمد غوث ندوی

۴۲-آفات اللسان: تالیف ڈرظفیر احمد، تعریب وتخریج: شیخ عبدالسلام عین الحق سلفی

۴۳-قرة العینین فی تفضیل الشیخین: تالیف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، تعریب: ڈرمقتدیٰ حسن ازہری

۴۴-سیرة الامام البخاری: تالیف علامہ عبدالسلام مبارک پوری، تعریب وتحقیق وتخریج: ڈرعبدالعلیم عبدالعظیم بستوی

۴۵-فهارس الآیات الکریمة والاحادیث والآثار لکتاب المصنف لابن ابی شیبه: ترتیب واعداد: علماء کی ایک جماعت (راقم حروف بھی اس میں شریک تھا)

۴۶-فهارس الاعلام فی کتاب المصنف لابن ابی شیبه: اعداد وترتیب: ضیاء الحسن محمد سلفی

۴۷-اتمام الانعام بترتیب ما ورد فی کتاب الثقات لابن حبّان من الاسماء والا علام: ترتیب واعداد: ذکی اختر مئوی

۴۸-فهارس الآیات الکریمة والاحادیث والآثار فی کتاب "الجامع لشعب الایمان للبیهقی": اعداد وترتیب: علماء کی ایک جماعت (جس میں راقم حروف بھی شامل تھا)

۴۹-الجمع بین الصحیحین: تالیف ابومحمد عبدالحق بن عبدالرحمٰن اشبیلی، تحقیق: ڈررفعت فوزی

۵۰-کتاب الزینة: تالیف امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، تحقیق وتخریج ضیاء الحسن محمد سلفی

یہ ''الدار السلفیہ'' کی تحقیقی خدمات ہیں، یہاں سے شائع ہونے والی تالیفات وتصنیفات وتراجم اس کے علاوہ ہیں، یہ ایسی خدمت ہے جو شیخ رحمہ اللہ کو ہمیشہ لوگوں کے ذہنوں میں زندہ رکھے گی۔

بالآخر آسمان علم وعمل کا یہ درخشاں ماہتاب وآفتاب پورے ۷۷ رسالوں تک ضوفشانی کے بعد ۹ رستمبر ۲۰۰۷ء بروز اتوار غروب ہوگیا اور اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کے پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ تین بیٹے 'اسلم، اکرم اور ارشد' اور چھ بیٹیاں ہیں، وفات کے دوسرے دن سوموار مؤرخہ ۱۰ رستمبر کو نماز ظہر کے بعد آپ کے ہمدمی مولانا حافظ سلیمان میرٹھی صاحب نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، جس میں ہر طبقے وملت کے افراد کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی اور ممبئی کے اخبارات کے بیان کے مطابق ''یہ ایک تاریخ ساز شخصیت کا تاریخی جنازہ تھا''۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مولانا موصوف کی دینی وعلمی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے، ان پر اپنی رحمت ومغفرت کی بارش نازل کرے، ان کی لغزشوں کو معاف کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے، آمین۔

☆☆☆

الدار السلفیہ کی مطبوعات

شیخ اسعد اعظمی: وکیل الجامعہ، جامعہ سلفیہ بنارس

الحمدلله رب العالمین ،والصلوة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین ،وبعد!

مولانا مختار احمد صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد سے رسائل وجرائد میں مسلسل آپ کی دینی وعلمی خدمات اور کارناموں کے تذکرے پر مشتمل تحریریں شائع ہورہی ہیں، جماعتی وغیر جماعتی دونوں حلقوں کی جانب سے آپ کو یاد کیا جارہا ہے، اور رحمت وغفران کی دعائیں دی جارہی ہیں، اللہ رب العزت ان دعاؤں کو قبول فرمائے اور مولانا کی خدمات کو ان کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے، آمین

الحمد للہ الدار السلفیہ کی مطبوعات سے بچپن ہی سے تعلق ہے، مولانا موصوف میرے والد مولانا محمد اعظمی حفظہ اللہ کے ساتھی اور دوست تھے، الدار السلفیہ کی مطبوعات آپ کے پاس بھیجتے رہتے تھے، اس کے علاوہ مدرسہ عالیہ میں تعلیم کے دوران الدار السلفیہ کی کتابیں بطور انعام بھی حاصل ہوتی رہتی تھیں، عربی کی متعدد کتابیں میں نے قیمتاً بھی حاصل کی تھیں، جن میں مرعاة المفاتیح ، کتاب التبصرة، مورد الظمآن فی علوم القرآن ، کتاب أمثال الحدیث ،مناسبات تراجم ابواب البخاری وغیرہ شامل ہیں، اس طرح اللہ کے فضل سے ادارہ کی لگ بھگ چار درجن مطبوعات اپنی لائبریری میں موجود ہیں۔

الدار السلفیہ کا قیام:

الدار السلفیہ کی نگرانی میں شائع ہونے والے مجلہ البلاغ ممبئی کے اکتوبر ۱۹۹۲ء کے شمارے میں بانی ادارہ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کے قلم سے الدار السلفیہ کے تعارف پر مشتمل ایک مبسوط مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان اس طرح ہے "الدار السلفیہ مشرقی ایشیا کا عظیم انٹرنیشنل اسلامک ریسرچ سینٹر" اسی مجلہ کے نومبر ۱۹۹۲ء کے شمارہ میں جناب محمد فاروق اعظمی صاحب کا ایک مضمون بعنوان "الدار السلفیہ ایک عظیم علمی واصلاحی مرکز" اور "الدار السلفیہ کے نئے علمی مرکز کا افتتاح" کے عنوان سے اختر الاسلام ندوی صاحب کی ایک رپورٹ بھی ہے۔

بانی ادارہ نے اپنے ایک مضمون میں ادارہ کے اغراض و مقاصد کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "۱۹۷۰ء میں الدار السلفیہ نے بڑی بے بضاعتی اور بے سروسامانی کے عالم میں اسلامی علوم ومعارف اور سلف صالحین کے علمی ورثے کی نشرواشاعت کا کام متوکلا علی اللہ شروع کیا......"

سب سے پہلے شیخ احمد بن حجر قاضی قطر کے رسالہ "تطہیر الجنان" کا اردو ترجمہ بنام "التوحید" اس ادارہ سے شائع ہوا، اور چند سالوں کے اندر اس کے ایک لاکھ سے زائد نسخے تقسیم ہوئے، شیخ احمد بن حجر ہی کی ایک ضخیم کتاب جس کا ترجمہ "بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم" مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ استاذ وشیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس کے قلم سے شائع ہوا ہے، اس کے عرض ناشر میں مولانا نے لکھا ہے کہ "ادارہ الدار السلفیہ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ علامہ شیخ احمد بن حجر مدظلہ العالی ہی نے الدار السلفیہ کو قائم کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا، اور اس ادارہ کا قیام علامہ موصوف کی کتاب "التوحید" کی اشاعت ہی سے عمل میں آیا تھا اور آج تک آپ ہی اس ادارے کی سرپرستی فرمارہے ہیں (بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم، ص: ۳۰) علامہ محمد نسیب الرفاعی کی ایک کتاب کا ترجمہ بنام "وسیلہ کی حقیقت" مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کے قلم سے شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کے عرض ناشر کے آخر میں مولانا نے یہ عنوان قائم کیا ہے" کچھ الدار السلفیہ کے بارے میں" اس عنوان کے تحت مولانا نے اپنے بلند عزائم اور نیک مقاصد کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے" آج دینیات سے متعلق تحقیقی اور معیاری کتابوں کی کمی کا گلہ عام ہے، قرآن کی ایسی تفسیر جو تفسیر بالرائے سے ہٹ کر احادیث صحیحہ کی روشنی میں مرتب کی گئی ہو عنقاء ہوگئی ہے، یہی حال احادیث اور ان کے تراجم کا ہے، اکثر تراجم پر مسلکی اور فقہی حواشی لگا کر احادیث کو بھی کسی مخصوص مذہب کی ترجمان اور تائید کا ذریعہ بنادیا گیا ہے، عام دینی کتابیں بھی گروہی اور فرقہ وارانہ رجحانات کی حامل تھیں، اسی طرح مساجد اور دینی تنظیمات کی طرح عام دینی کتابیں بھی دین خالص کی ترجمانی کے بجائے مصنف اور ناشر کے فقہی رجحانات ہی کی علمبردار ہو کر رہ گئی ہیں۔

ایسی تنگ و تاریک فضا میں الدار السلفیہ کا قیام بڑے حوصلہ اور جرأت کا کام ہے اور محض تائید الٰہی سے یہ ادارہ ترقی کررہا ہے

الدار السلفیہ کے قیام کا مقصد ہی یہ ہے کہ مسلمانوں کو گروہی عصبیت سے نکال کر کتاب وسنت کی وسیع شاہراہ پر گامزن کردیا جائے....." (وسیلہ کی حقیقت، ص: ۱۸/۱۹)

واضح رہے کہ الدار السلفیہ نے صرف علمی واشاعتی میدان ہی میں نام نہیں کمایا بلکہ تجارت کی دنیا میں بھی اس کا وقار بلند رہا، قیام کے بعد ابتدائی عہد ہی میں ادارہ نے مصنف ابن ابی شیبہ تحقیق کے ساتھ ۱۵ ارجلدوں میں شائع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کتاب کے دس ہزار نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے، اس بنا پر اکسپورٹ کونسل آف انڈیا کی طرف سے کتابوں کے سب سے زیادہ اکسپورٹ پر الدار السلفیہ کو ایوارڈ سے نوازا گیا۔ (البلاغ: اکتوبر ۱۹۹۲ء)

مطبوعات کی تعداد اور ان کے موضوعات:

الدار السلفیہ سے شائع ہونے والی اردو، عربی، ہندی اور انگریزی کتابوں کی تعداد ڈھائی سو سے متجاوز ہے، ان میں اردو کی تقریباً دوسو (۲۰۰) عربی کی پچاس (۵۰) اور ہندی وانگریزی کی ایک ایک درجن کتابیں شامل ہیں، موضوعات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ترجمہ وتفسیر قرآن، حدیث، شرح حدیث، عقائد وایمانیات، عبادات، آداب ومعاملات، ردشرک وبدعات، نکاح

وطلاق، سیرت وتاریخ، ادعیہ واذکار، وغیرہ سے ان مطبوعات کا تعلق ہے۔

مسلم معاشرے کی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے موضوعات کا ایک طرح سے احاطہ کیا گیا ہے، معاشرے میں پھیلے ہوئے شرکیہ اعمال ورسوم اور بدعات وخرافات کے پیش نظر توحید اور عقائد وایمانیات کی کتابوں کی اچھی خاصی تعداد ہے تو سماجی مسائل ومشکلات میں امت کی رہنمائی کیلئے بڑی وقیع اور منقح کتابیں بھی موجود ہیں، فہرست پر اجمالی نظر ڈالنے سے ہی اندازا ہوجاتا ہے کہ مسلم معاشرے کو درپیش چیلنجوں کو سامنے رکھتے ہوئے الدار السلفیہ نے ایک جامع اور مکمل لائبریری تیار کردی ہے، ادارہ کی مطبوعات پر ایک نظر ڈالنے سے ان کی متعدد خصوصیتیں سامنے آتی ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ سطور ذیل میں کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مترجم کتابوں کی کثرت اور اس کے فوائد:

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ادارہ سے شائع ہونے والی اردو کتابیں دوسو کے لگ بھگ ہیں۔ اردو کتابوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے (۱) تالیف (۲) ترجمہ، جائزے سے یہ بات سامنے آئی کہ مترجم کتابیں اردو کی کل کتابوں کا دو تہائی حصہ ہیں، چنانچہ دوسو میں سے ایک سو چالیس کتابیں عربی زبان سے ترجمہ کرکے طبع کی گئی ہیں، ان میں سے بعض کتابیں کافی ضخیم ہیں، اور ادارہ نے بڑے اہتمام سے ان کا ترجمہ کرا کے شائع کیا ہے، مثلاً: فضائل اعمال از عبدالمؤمن بن خلف الدمیاطی (۸۴۰ صفحہ) عقیدۃ المؤمن از ابوبکر الجزائری (۵۲۸ صفحہ) بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم از شیخ احمد بن حجر (۸۸۰ صفحہ) تحفۃ العروس از محمود مہدی استانبولی (۶۸۰ صفحہ) وغیرہ۔

مترجم کتابوں میں معتد بہ ایسے موضوعات پر مشتمل ہیں جن کی اردو لائبریری میں کمی شدت سے محسوس کی جارہی تھی، اس عمل سے ایک بڑے خلا کو پر کرنے میں مدد ملی، دوسرے یہ کہ مشہور اور معتبر عرب علماء کی کتابوں کو شائع کرکے عوام وخواص کے ہاتھوں میں مستند اور معتبر معلومات بہم پہنچائی گئیں جن سے لوگوں کے علمی وعملی ذوق کو جلا ملی، اور علم نافع کی اشاعت کا کام ہوا۔

ترجمہ کے کام کیلئے الدار السلفیہ کے پاس کہنہ مشق مترجمین کی ایک ٹیم ہوتی ہے جو مسلسل اس کام میں لگی ہوتی ہے باہر کے ماہر مترجمین کی خدمات بھی حاصل کی جاتی ہیں، پہلے سے ترجمہ شدہ کتابوں کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی طباعت کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض مترجمین کے اسمائے گرامی یہاں ذکر کردئے جائیں جن کے ترجمے ادارہ نے شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے:

مولانا محمد داؤد راغب احسن بہاری، مولانا محمد صاحب جوناگڈھی، مولانا ابومحمد ابراہیم آروی، مولانا عبدالرحمان کیلانی، مولانا محمد داود راز دہلوی، مولانا وحیدالزماں حیدرآبادی، مولانا ابوضیاء محمود احمد غضنفر، مولانا محبوب احمد اعظمی، مولانا عطاء اللہ ساجد، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، مولانا نصیر احمد ملی، مولانا محمد رئیس ندوی، پروفیسر غلام احمد حریری، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، مولانا حکیم عزیزالرحمان مئوی، مولانا ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور، مولانا رفیق احمد رئیس سلفی، مولانا زبیر احمد سلفی، اور مولانا مختار احمد ندوی رحمہم اللہ، وغیرہم۔

سماجی مسائل پر مشتمل کتابیں:

الدار السلفیہ کی مطبوعات میں ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ ان میں مسلم معاشرے کے بہت سے ایسے مسائل پر تحقیقی کتابیں موجود ہیں جو حساس اور اہم ہونے کے باوجود قلت اعتناء کا شکار تھے الدار السلفیہ نے ترجمہ کے ذریعہ اس کمی کو بڑی حد تک دور کیا اور ان مسائل کے شرعی حل اور ان کے تعلق سے اسلامی موقف کی وضاحت کی، بہت ساری معاشرتی برائیوں کے خاتمہ کے لئے بیداری پیدا کی، اس نوعیت کی بعض کتابوں کے نام ملاحظہ ہوں:

بیمہ اور اس کی شرعی حیثیت، رشوت: شریعت اسلامیہ میں ایک عظیم جرم، اسلام میں غریبی کا علاج، فتاوی طفل مسلم، جھوٹ: ایک معاشرتی ناسور، جرائم کا سد باب، اجازت طلبی کے آداب واحکام، پیارے نام، معذوروں سے متعلق احکام ومسائل، قوالی اور اسلام، غیر مسلموں کی مشابہت، معاشرے کی مہلک بیماریاں اور ان کا علاج، تحفۃ العروس، شادی کے مسائل کتاب وسنت کی روشنی میں، طلاق، ساس اور بہو، بہو اور داماد پر سسرال کے حقوق، دیور بہنوئی اسلامی معاشرت میں وغیرہ۔

کتاب وسنت اور مسلک سلف کی ترجمانی:

الدار السلفیہ کے بانی مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ پختہ سلفی خاندان کے چشم وچراغ تھے، توحید کے سچے شیدائی اور کتاب وسنت کے متبع وعلمبردار تھے، ایک مدت تک مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے قائد رہے، جامعہ سلفیہ کے بانیان اور متحرک کارکنان میں آپ سرفہرست رہے اور تا حیات اس کے نائب صدر چنے جاتے رہے، آپ کی تقریر وتحریر دونوں آپ کی مسلکی غیرت کی منہ بولتی تصویر ہوتی تھیں، آپ نے الدار السلفیہ قائم کر کے اسے مسلک حق کی نشر واشاعت کا ذریعہ بنایا، اور حقیقی معنوں میں یہ نام "اسم بامسمی" ثابت ہوا، توحید وعقائد، اور رد شرک وبدعات پر اس کی طرف سے کثرت سے چھوٹی بڑی کتابیں طبع ہوئیں اور پورے ہندوستان میں پھیلا دی گئیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، امام ابن القیم، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب، علامہ قاضی احمد بن حجر، علامہ ابن باز، علامہ ابن عثیمین، شیخ عبدالرحمان عبدالخالق، شیخ عمر سلیمان الاشقر، شیخ صالح الفوزان، اور ان جیسے سلفی العقیدہ ائمہ کی کتابیں بکثرت ترجمہ کے بعد اس ادارہ سے طبع ہوئیں، صرف ابن تیمیہ کی ۱۴ رکتابیں اردو اور ۶ رکتابیں عربی کی تحقیق کے بعد شائع ہوئیں، ان میں سے متعدد کتابیں بڑی تعداد میں مفت تقسیم کی گئیں، ایک روایت کے مطابق شیخ صالح الفوزان کی کتاب "التوحید" کے ایک لاکھ سے زائد نسخے اب تک تقسیم کئے جا چکے ہیں (ترجمان دہلی: ۱۶ ر ۳۰ ر نومبر ۲۰۰۷ء ص: ۲۴) یہی حال شیخ احمد بن حجر کی "التوحید" کا بھی ہے (البلاغ اکتوبر ۱۹۹۲ء)

زبانوں کا تنوع:

الدار السلفیہ کے دور اندیش قائد نے نور بصیرت سے ہندوستانی مسلمان کی دینی وثقافتی ضرورتوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ ہندی اور انگریزی زبان کو بھی توجہ کا مرکز بنایا جائے، کیونکہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اردو سے نا آشنا ہے اس کی رہنمائی کے لئے دوسری زبانوں کا سہارا لینا ضروری ہے، اس کے ساتھ ہی غیر مسلم برادران وطن کو اسلام کی صحیح اور سچی تعلیمات سے

واقف کرانا اور اسلام سے متعلق پھیلائی گئی غلط فہمیوں کے ازالہ کیلئے بھی ان زبانوں کی ضرورت ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانی معاشرہ میں دعوت وتبلیغ کے میدان کا یہ بہت بڑا خلا ہے جسے فی الفور پر کرنے کی سخت ضرورت ہے دعوت کے تعلق سے کی جانے والی کوششوں اور تقریر وتحریر کا محور اردو زبان ہی عام طور سے رہتی ہے، ہندی وانگریزی سمیت دوسری زبانوں میں اسلام اور اس کی تعلیمات پر ہونے والے اعتراضات وتنقیدات کا بھی عموماً اردو تقریر وتحریر ہی کے ذریعہ جواب دیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم خود ہی بولتے اور لکھتے، خود ہی سنتے اور پڑھتے اور خود ہی خوش ہوتے ہیں، الحمد للہ اب کچھ اداروں کی طرف سے غیر اردو زبانوں کا بھی اہتمام ہونے لگا ہے مگر ابھی بھی یہ بڑے محدود پیمانے پر ہے، اسے وسعت دینے کی ضرورت ہے۔

الدار السلفیہ نے اس سمت میں جو کام کیا ہے وہ یہ کہ انگریزی اور ہندی دونوں زبانوں میں ایک ایک درجن سے زائد کتابیں شائع کی ہیں اور انہیں عوام تک پہنچایا ہے، جن کتابوں کے ہندی ترجمے طبع ہوئے ان کے نام یہ ہیں :تقویۃ الایمان ، احکام الجنائز، تحفۃ العروس ،آسان حج، تعلیم الاسلام ،شادی ، عورتوں کے متعلق فتاوی، طلاق، کتاب الدعاء، زکاۃ وروزے کے مسائل، کتاب التوحید، نماز مسنون، رمضان کے فضائل ومسائل۔

اور درج ذیل کتابوں کے انگریزی ترجمے شائع ہوئے:

تعلیم الاسلام، حج وعمرہ، حصن المسلم ،اسلام میں عورت کا مقام، نماز مسنون، کتاب التوحید، صحیح الکلم الطیب، ،اسلام کا تعارف، اسلام اور امن عالم، وغیرہ

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا ندوی علیہ الرحمۃ کی تعلیم الاسلام اردو، ہندی اور انگریزی تینوں زبانوں میں برابر شائع ہو رہی ہے، یہی حال آپ کی نماز مسنون اور آسان حج کا بھی ہے ،بتایا جاتا ہے کہ مولانا کی بعض کتابوں کے تیس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ وللہ الحمد وبیدہ التوفیق۔

عربی مؤلفات وتحقیقات:

ادارہ کی عربی مطبوعات جن کی تعداد پچاس سے زائد ہے ان کا تعلق تفسیر، علوم القرآن ،حدیث ،علوم حدیث ،فقہ ،اصول فقہ ،عقیدہ ،فہارس ،ادب اور سیرت وغیرہ سے ہے ،ان کے علاوہ درسیات بھی ہیں ،سب سے زیادہ حدیث اور علوم حدیث سے متعلق کتابیں ہیں۔

عربی کتابوں میں سے بیشتر تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہیں تحقیق کا کام یا تو ادارہ کے باحثین ومحققین کا ہے یا باہر کے لوگوں کا ،سب سے زیادہ اور تیزی کے ساتھ ادارہ میں تحقیق کا کام اس وقت ہوا جب محترم ڈاکٹر عبد العلی ازہری حفظہ اللہ ادارہ سے وابستہ تھے ،آپ کے ہاتھوں تقریباً ایک درجن کتابیں معیاری تحقیق کے مرحلے سے گزریں ،اور ان سے الدار السلفیہ کا نام خوب روشن ہوا ،دیگر محققین میں ڈاکٹر محمد غوث ندوی ،ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس ،ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس ،ڈاکٹر اقبال احمد بسکوہری ،مولانا ضیاء الحسن سلفی ،مولانا حبیب الرحمان اعظمی ،ڈاکٹر عزیر شمس وغیرہ شامل ہیں ۔عربی کی محقق کتابوں میں شعب الایمان للبیہقی (۲۰) جلدوں میں اور مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵) جلدوں میں شائع ہوئی ہے ،جو ایک عظیم کام ہے۔

درسیات:

الدارالسلفیہ کی مطبوعات کا ایک حصہ درسی کتب پر بھی مشتمل ہے جس میں اردو وعربی کی دو درجن سے زائد کتابیں موجود ہیں، عربی کتب میں مختصر تفسیر ابن کثیر ،التفسیر والمفسرون ،الحدیث والمحدثون ،من أطیب المنح ، نزھۃالنظر ،مقدمۃ ابن الصلاح ،مھذب شرح العقیدۃ الطحاویۃ ،شرح العقیدۃ الواسطیۃ،کتاب التوحید، منکرۃ فی العقیدۃ،تعلیم اللغۃ العربیۃ ،الروضۃ الندیۃ، بدایۃ المجتھد،تسھیل الوصول ،علم اصول الفقہ، تاریخ التشریع الاسلامی ،الادیان والفرق والمذاھب المعاصرۃ ،ادیان الھند ،وغیرہ شامل ہیں۔

واضح رہے کہ ان میں سے بیشتر کتابیں ہندوستانی مدارس میں داخل نصاب ہیں ،لیکن ہندوستانی مکتبات میں دستیاب نہ ہونے سے اہل مدارس کو بڑی پریشانیاں اٹھانی پڑتی تھیں ،اپنے محدود ذرائع ووسائل کے پیش نظر ان کتابوں کو باہر سے منگانا آسان نہیں تھا،خود محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کے تحت چلنے والے مختلف جامعات وکلیات ومدارس میں ان کتابوں کی برابر ضرورت رہتی تھی، ان تمام اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے مذکورہ درسی کتابوں کی طباعت کا ادارہ نے انتظام کیا جس سے مدارس کی بڑی ضرورت پوری ہوئی۔

مکمل لائبریری:

مولانا ندوی علیہ الرحمۃ نے الدارالسلفیہ سے متعلق اپنے تعارفی مضمون میں (۱۹۹۲ء میں) لکھا تھا" الدارالسلفیہ اس وقت اپنی پوری قوت اور صلاحیت اس مہم پر لگائے ہوئے ہے کہ اسلام کی جملہ تعلیمات پر مشتمل ایک مختصر عام فہم اور خوبصورت لائبریری تیار کی جائے جس میں عقائد سے لے کر تجارت تک اور ولادت سے لے کر جنازے تک پوری زندگی کے مسائل پر قرآن اور حدیث سے ماخوذ مثبت اور ایجابی انداز میں ایک سوصفحات کی ایک سو کتابیں عربی ،اردو، انگریزی اور ہندی میں شائع کی جائیں اور انہیں ہر گھر کی زینت بنانے کی جدوجہد کی جائے"

یہ تحریر پندرہ برس قبل کی ہے ،موجودہ وقت میں الدارالسلفیہ کی مطبوعات کے موضوعاتی اور لسانی تنوع کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ صد فی صد نہ سہی مگر بڑی حد تک ادارہ نے اپنے ان اہداف کو حاصل کرلیا ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں میں عوام کی رہنمائی کے لئے اس کے پاس ایک جامع لائبریری تیار ہو چکی ہے ،ساتھ ہی کام کا سلسلہ جاری ہے اور ادارہ اپنے اہداف کی تکمیل کی طرف رواں دواں ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ادارہ کی جانب سے درجنوں ایسی مبسوط کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں جو اپنے نام اور عنوان کے اعتبار سے تو ایک ایک شمار ہوں گی مگر اپنے مندرجات اور مشتملات کے اعتبار سے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو محیط ہونے کی وجہ سے کئی کتابوں کے قائم مقام ہیں۔ مثال کے طور پر: اسلام میں حلال وحرام، خطبات محمدی، بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم، عقیدۃ المؤمن، معاشرے کی مہلک بیماریاں اور ان کا علاج، فقہ محمدیہ، فضائل اعمال ، الآداب اور اس کے علاوہ تراجم وشروح کتب حدیث وغیرہ۔

کتابوں پر عرض ناشر:

دیگر اداروں کی طرح الدار السلفیہ کی مطبوعات پر بھی عرض ناشر کے عنوان سے کتاب کا تعارف اور اس کی اشاعت کا پس منظر بیان کیا گیا ہے، تمام مطبوعات پر بانی ادارہ مولانا ندوی علیہ الرحمۃ کے سیال قلم سے عرض ناشر لکھا گیا ہے ،ان معروضات میں جابجا مولانا کی سلفیت کا جوش اور کتاب وسنت کی خالص تعلیمات کو عام کرنے کا جذبہ صادق بہت واضح نظر آتا ہے، کتاب کے موضوع کی وضاحت کرتے ہوئے اس سے متعلق معاشرے کی بے اعتدالیوں کا مولانا ایسا نقشہ کھینچتے ہیں کہ قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ آئینے میں ساری تصویریں دیکھ رہا ہو۔

عرض ناشر کے عنوان سے کتابوں پر مولانا کی تحریریں کچھ مختصر کچھ مطول اور کچھ متوسط ہیں، یہ تحریریں اپنے موضوع پر مستقل مضمون کا درجہ رکھتی ہیں، بعض تحریریں اپنے اندر الدارا لسلفیہ کی تاریخ کے بعض اہم پہلو بھی سمیٹے ہوئے ہیں۔الدار السلفیہ کے ذمہ داران اور کارکنان ان تحریروں کو یکجا کر کے ان کی موضوعاتی ترتیب کے ساتھ ان کو کتابی شکل میں شائع کردیں تو ادارہ کی تاریخ کا یہ ایک اہم باب ثابت ہوگا۔

ظاہری جاذبیت:

ہندوستان میں اردو، عربی اور اسلامی کتابوں کے ناشرین عموماً بڑی سادگی اور کفایت شعاری سے کام لیتے ہوئے معمولی قسم کے کاغذات اور واجبی قسم کی طباعت سے کام چلاتے ہیں، کتابت کی نوعیت اور سرورق کی جاذبیت پر بھی خاص توجہ نہیں ہوتی، اب دھیرے دھیرے اس سلسلے میں کچھ بیداری آئی ہے ،مگر الدار السلفیہ نے ابتداہی سے باطن کے ساتھ ظاہر کو بھی سنوارنے کا اہتمام کیا ہے، کتابت وطباعت اور تجلید کا معاملہ ہو یا سرورق کے پرکشش اور جاذب نظر بنانے کا ،ادارہ نے اس پر برابر نظر رکھی ہے، بمبئی جیسے بین الاقوامی صنعتی وتجارتی شہر میں سہولتیں بھی زیادہ ہیں ،مگر ذمہ داران ادارہ کے ذوق کا اس میں زیادہ دخل ہے ، ادارہ کی بعض کتابوں کا ٹائٹل ان کے موضوع کی ایسی ترجمانی کرتا ہے کہ دیکھنے والا عش عش کرتا ہے اور زبان حال یا قال سے ترتیب دینے والے کو خراج تحسین پیش کرتا ہے، مثال کے طور پر بیمہ، رشوت اور طلاق وغیرہ کے موضوع کی کتابوں کے ٹائٹل ملاحظہ ہوں۔

ادارہ نے قارئین کی ضرورت اور سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض کتابوں کو چھوٹی بڑی مختلف تقطیع میں بھی شائع کیا ہے، چنانچہ تفسیر احسن البیان تین سائز میں (کلاں، متوسط، خرد) اور کتاب الدعاء دو سائز میں (کلاں، خرد) موجود ہے،

الغرض الدار السلفیہ کی دینی، علمی ودعوتی خدمات قابل قدر ہیں، مدارس ومکاتب کی لائبریریوں کے ساتھ پبلک لائبریریوں اور ذاتی کتب خانوں میں اس کی کتابیں سجائے جانے اور ان کی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت ہے ،ادارہ کے موجودہ سربراہ اور مولانا ندوی علیہ الرحمۃ کے خلف اصغر شیخ ارشد مختار حفظہ اللہ سے بجا طور پر یہ توقع ہے کہ ادارہ کی خدمات کو بہتر سے بہتر بنانے کی سعی جاری رکھیں گے، واللہ ولی التوفیق۔

☆☆☆

تردید بدعت میں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی ایک نادرو جاذب نظر تالیف

قرآن خوانی اور ایصال ثواب

انصار زبیر محمدی — الجبیل، سعودی عرب

ہمارے مشک کی قیمت وہی بتائیں گے
ختن سے دور جو زخمی غزال ہیں چپ چاپ

صحیح اسلامی عقیدہ کی وضاحت، شرک وبدعات کی بیخ کنی، ملت کے اندر تعلیمی شعور بیدار کرنا، ہندوستان سمیت ساری اردو دنیا کے گوشے گوشے میں صالح لٹریچر کی فراہمی، رب کائنات کی بندگی کا طریقہ سکھانے کے لئے صحیح اسلامی کتب کی نشر واشاعت، مساجد میں درس قرآن ودرس حدیث کا باقاعدہ اہتمام، امت مسلمہ کو فرقہ بندی کی بندشوں سے نکال کر اتحاد کی راہ دکھانا، مسلمان ایک امت ہیں فرقہ نہیں، وغیرہ چند اہم چیزیں مولانا کی زندگی کا جزو لاینفک تھیں، یہی وجہ ہے کہ "الدار السلفیہ" سے شائع ہونے والی پہلی کتاب کے لئے مولانا نے توحید کا موضوع منتخب کیا، "التوحید" الدار السلفیہ کی پہلی پیش کش ہے، زیر نظر مضمون میں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی کتاب "قرآن خوانی اور ایصال ثواب" کے اسلوب تحریر اور طرز استدلال پر چند سطریں پیش خدمت ہیں، سلسلہ کے لحاظ سے الدار السلفیہ کی یہ پانچویں کتاب ہے، میرے سامنے اس کتاب کے چوتھے ایڈیشن کا فوٹو لیکر شائع کیا جانے والا نسخہ ہے، جسے چند سالوں قبل سعودی عرب کے ایک عظیم دعوتی مرکز "مرکز توعیۃ الجالیات بریدہ القصیم" نے کثیر تعداد میں شائع کر کے دنیا بھر میں مفت تقسیم کیا ہے، سعودی عرب میں اس کتاب کے چھپنے کے چند ماہ بعد ایک مرتبہ مولانا القصیم سعودی عرب تشریف لائے، کتاب دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا، اور فرمایا: اگر "کتاب چھاپنے سے پہلے مجھے خبر کر دیتے تو میں مزید سجا کر دیتا" یہ کتاب مولانا نے الدار السلفیہ کے قیام کے ابتدائی سالوں میں یعنی ۱۹۷۶ء میں تالیف فرمائی، گویا یہ کتاب مولانا کی وفات سے ۳۱ سال پہلے کی تالیف ہے، شاید فضا ابن فیضی صاحب کا یہ شعر بھی اسی دور کا ہے کہ ؎

میراث قلم میں میرا حصہ ہے بہت کچھ
لکھا ہے بہت سا ابھی لکھنا ہے بہت کچھ

(پس دیوار حرف ۱۱۳)

اس کے بعد مولانا نے کتنا لکھا، کس قدر لکھا وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے، جس کی ایک جھلک مولانا کی حیات وخدمات پر مشتمل اس خصوصی نمبر میں آپ کو مل جائیگی، (جو آپ کے ہاتھوں میں ہے) ممبئی میں جن لوگوں نے ساتویں وآٹھویں دہائی کے اس دور کو دیکھا ہوگا وہ ممبئی ومہاراشٹر میں دعوت توحید کے پر پیچ مراحل سے بخوبی واقف ہوں گے، اہل حدیثوں کو وہابی کہہ کر مساجد سے نکالنا، انہیں نجس سمجھ کر مساجد دھلوانا، انہیں وہابی کہہ کر ان کا بائیکاٹ کرنا رضاخانیت کے نامۂ عمل کا قابل فخر کارنامہ اسی دور کا ہے، اس دور کی ایک خوبصورت ولطیف عکاسی مولانا کی اس تحریر میں ملاحظہ فرمائیں:

"قرآن خوانی کے ذریعہ مردوں کو ثواب پہنچانے کا رواج اب ہر جگہ عام ہوگیا ہے، وزراء اور سلاطین اور ملک کی بڑی شخصیتوں کی شہادت اور وفات کے موقعہ پر اس ملک کا ریڈیو اسٹیشن اپنے مقررہ پروگراموں کو چھوڑ کر قرآن کی تلاوت نشر کرنے لگتا ہے، عوام اپنے مردوں کو ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کی مجلس مقرر کرتے ہیں اور حاضرین مجلس میں سے ہر شخص یا مخصوص پیشہ ور قرآن خواں جیسے تیسے قرآن ختم کر کے اس کا ثواب میت کو پہنچانے کی دعا مانگتے ہیں۔ اس رسم نے اب پیشہ کی شکل اختیار کرلی ہے، اور "میلاد خواں" کی طرح "قرآن خواں" بھی اب ہر جگہ بہ سہولت پائے جاتے ہیں اور قرآن خوانی کی اجرت بھی قرآن خوانوں کی حیثیت کے مطابق گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، قبرستانوں میں پیشہ ور "قرآن خوانوں" کی مستقل جماعت موجود رہتی ہے، یتیم خانوں اور مدارس دینیہ کے مسکین طلبہ نیز حفاظ وقراء کی روزی کا ایک مخصوص ذریعہ "قرآن خوانی" بھی بن گیا ہے، اس سے بھی عجیب تر یہ ہے کہ بڑے بڑے دینی مدارس اور بین الاقوامی شہرت رکھنے والے دارالعلوم بھی آئے دن قرآن خوانی اور ختم خواجگان کی مجلس منعقد کرتے رہتے ہیں، ایسی حالت میں خرافات کی اس آندھی کا روکنا اور سیل بدعت پر بند باندھنا آسان کام نہیں"۔

مولانا کی اس تحریر میں دعوت میں حکمت کے بڑے نمایاں اصول موجود ہیں، آپ نے کسی جماعت یا ادارہ ودارالعلوم کا نام لئے بغیر لوگوں کو مخاطب کیا ہے، جب کہ ہندوستان کے بہت سارے ادارے اور جامعات اور اصحاب جبہ ودستار تو ایسے بھی ملیں گے جو مسلمان تو درکنار بعض غیر مسلم وزراء کی وفات پر قرآن خوانی کرتے ہیں، جسے دنیا والے ٹی وی پر دیکھ کر مسلمانوں کی بے حسی اور بے غیرتی پر آنسو بہاتے ہیں۔

مولانا نے اس کتاب کو ترتیب دینے کے بعد عالم اسلام کے مایہ ناز عالم، محدث ہند علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ سے نظر ثانی واصلاح بھی لی، یہی نہیں بلکہ ہندوستان میں اس موضوع پر قلم اٹھانے سے قبل آپ نے محدث کبیر شارح ترمذی علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ کی ایک اچھوتی تالیف "کتاب الجنائز" سے بھرپور استفادہ بھی کیا ہے، اسی طرح قاضی قطر شیخ احمد بن حجر آل بوطامی رحمہ اللہ جو مولانا کے مخلص دوست اور ادارہ الدار السلفیہ کے سرپرستوں میں سے تھے، آپ نے ان کی تحریر سے استفادہ بھی کیا ہے، جس کا ذکر آپ نے مقدمہ میں کیا ہے، چونکہ علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے ہندوستان کے ماحول میں رہ کر وہ کتاب ترتیب دی تھی اس لئے ہندوستان میں پائی جانے والی بدعات کا بھرپور جائزہ لیا ہے، آپ کی کتاب "تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی" کی بہت ساری خوبیوں میں سے ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ کتاب کی شرح لکھتے وقت مولانا نے ہندوستان میں پائی جانے والی بدعات اور ہندوستانی مذاہب ومسالک اور ان کا اختلاف بیان کر کے حدیث کی روشنی میں علماء اہل حدیث کا موقف بیان کیا ہے، جو علماء وطلبہ کیلئے ایک قیمتی ہتھیار سے کم نہیں ہے، چنانچہ مولانا رحمہ اللہ نے بھی اپنی دعوتی زندگی میں اپنے سلف کی خدمات سے بھرپور استفادہ کیا ہے، جس کا ذکر آپ نے اپنی تحریروں میں جا بجا کیا ہے۔

مرنے کے بعد کن چیزوں کا فائدہ انسان کو پہنچتا ہے؟ قبروں کی زیارت کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول کیا تھا؟ اس سلسلے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت کے بعد علماء سلف کے اقوال بھی نقل کئے ہیں، تاکہ یہ

بات بخوبی واضح ہو جائے کہ علمائے اہل حدیث سلف صالحین وبزرگان دین کا بھرپور احترام کرتے ہیں، قرآن وسنت کی تفسیر وتشریح میں ان کی آراء سے استفادہ کرتے ہیں، اس مسئلہ کی وضاحت میں آپ نے ائمہ اربعہ کا مسلک بھی بیان کیا ہے، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی رائے کو دلائل کی روشنی میں نقل کیا ہے، تاکہ ائمہ اربعہ کے دائرہ سے باہر نہ نکلنے والے لوگ بھی کم از کم اپنے امام ہی کی بات تسلیم کرلیں اور یہ بدعت ترک کردیں "تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن" اس موضوع کی وضاحت میں آپ نے اس سے ملتی جلتی چند دوسری مہلک بدعات کا بھی احاطہ کردیا ہے، جیسے برسی، چہلم، چالیسواں، شبینہ اور الفاتحہ کی بدعت، چونکہ تعویذ گنڈہ کا کاروبار بھی قرآن کے نام پر ہوتا ہے اس لئے مولانا نے چند سطروں میں اسے بھی بیان کردیا ہے، یہ کتاب مختصر مگر جامع ہے، قرآن واحادیث کی روشنی میں ایک بہترین ہتھیار ہے۔

"قرآن خوانی اور ایصال ثواب" نامی کتاب علماء سلف کی تحریروں کا ایک جامع نچوڑ ہے، لیکن مولانا نے پہلے چند صفحات میں مسئلہ کا خلاصہ پیش کردیا ہے، اس کے بعد اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ مولانا ہی کے الفاظ میں اس مسئلہ کا بے لاگ جرأت مندانہ جامع خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

"میت کو ثواب پہنچانے کے جتنے مشروع طریقے کتاب وسنت سے ثابت ہیں ان میں قرآن خوانی کا ذکر کہیں نہیں ملتا، ایصال ثواب کے تین ہی مشروع طریقے ثابت ہیں، دعاء، صدقۂ جاریہ اور نیابت۔

۱-دعا:

۱۔ دعا کی بابت تو سب کا اتفاق ہے کہ میت اگر کافر ومشرک نہ ہو تو اس کے لئے دعا کرنی مسنون ہے اور ولد صالح کی دعا والدین کیلئے صدقہ جاریہ ہے، مومن کی دعا دوسرے مومن بھائی کیلئے قبول ہوتی ہے اخلاف کی دعا اسلاف کے حق میں منصوص امر ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحشر: ۱۰) "اور جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں، اے ہمارے رب! بخش دے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کینہ نہ بنا، اے ہمارے رب! بیشک تو مہربان رحم والا ہے۔

ہر اذان کے بعد امت مسلمہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ سے وسیلہ، فضیلت اور مقام محمود کی دعا کرتی ہے، غرض زندوں کی طرف سے مردوں کیلئے بہترین تحفہ "دعا" ہے۔

۲۔صدقہ جاریہ

یعنی مومن اپنی زندگی میں ایسا کام کرجائے کہ جس سے وفات کے بعد اس کو فائدہ پہنچے۔

بخاری، مسلم اور ابن ماجہ وغیرہ کی احادیث کو جمع کرنے سے ایسے صدقات جاریہ کی تعداد دس تک پہنچتی ہے۔ ۱۔علم سکھانا، ۲۔نیک بچے کی دعا، ۳۔قرآن مجید چھوڑ جانا، ۴۔مسجد بنوانا، ۵۔سرائے تعمیر کرانا، ۶۔نہر جاری کرانا، ۷۔کوئی صدقہ جو حیات وصحت کی حالت میں کیا ہو، ۸۔مردہ سنت کو زندہ کرنا، ۹۔جہاد میں مرنا، ۱۰۔درخت لگانا یا کھیتی بونا۔

صحیح مسلم کی اس مشہور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد صرف تین ہی چیزوں کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

"اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة الا من صدقة جارية او علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له" (مسلم: ۸/۴۰۵: ۳۰۸۴) "جب انسان مرجائے تو اس کا عمل بند ہو جاتا ہے، صرف تین چیزیں باقی رہتی ہیں، صدقہ جاریہ، علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، صالح اولاد جو اس کے واسطے دعا کرے"۔

صدقۂ جاریہ میں مذکورہ بالا تمام صورتیں شامل ہیں، صرف دعا صدقۂ جاریہ کے بجائے شفاعت کی قسم میں داخل ہے کہ جب بھی دعا کی جائے گی میت کو ثواب پہنچے گا۔

۳-نیابت

ایصال ثواب کی تیسری قسم نیابت ہے، یعنی میت کی طرف سے کوئی شخص نائب ہو کر کام کرے، اس سلسلہ میں حسب ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے۔

نائب کے اندر نیابت کی اہلیت موجود ہو، احادیث نیابت میں یا تو بچے کا ذکر ہے یا ولی کا یا قریبی کا، اجنبی کی نیابت کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

۲۔ نیابت صرف مسلم کی طرف سے کی جاسکتی ہے۔

۳۔ صحیحین میں صرف دو چیزوں کی نیابت کا ذکر ہے، حج اور روزہ، دیگر چیزوں میں نیابت ثابت نہیں ہے۔

تعبدات شرعیہ میں کوئی شخص دوسرے کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، مکلف کی جگہ غیر مکلف کام نہیں دے سکتا، نہ محض نیت کرنے سے اس کا عمل منتقل ہوسکتا نہ ہبہ کرنے سے ثابت ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ (النجم: ۳۸) "یہ کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"

﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ (النجم: ۳۹) "اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے"۔

نیز نیابت کا یہ عمل عقل اور حکمت کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ بندگی کی روح تقوی اور اخلاص ہے، عجز وانکساری، خشوع وخضوع، حضور قلب اور انابت الی اللہ، یہ سب صفات عامل کے ساتھ مخصوص ہیں، کیوں کہ یہ دل کے اعمال ہیں، جو صاحب دل ہی کے ساتھ متصف ہوسکتے ہیں، اس لئے نائب کسی طرح بھی وہ قلبی کیفیات اپنے اندر نیابت کے وقت پیدا نہیں کرسکتا جو منوب عنہ کے ساتھ مخصوص ہیں، یہ تو ممکن ہے کہ مالی عبادات میں کوئی دوسرے کی طرف سے زکاۃ اور قرض ادا کرکے منوب عنہ کو سبکدوش کردے لیکن دیگر عبادات میں تو اس قسم کی نیابت ممکن ہی نہیں، کیونکہ اعمال کی قبولیت کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے نائب ان کی نیابت کر ہی نہیں سکتا۔

اگر نیابت اعمال بدنیہ میں جائز ہوتی تو اعمال قلبیہ میں بھی درست ہونی چاہئے، جیسے ایمان، صبر وشکر، رضا توکل، خوف، امید وغیرہ، اور اگر یہ سلسلہ اسی طرح دراز ہوا تو سارا دین ہی نیابت پر چل سکتا ہے، پھر نہ فرد کے اعمال کی اہمیت نہ اعمال کیلئے ریاضت کی حاجت، نہ صبر واستقامت کی ضرورت، بس سارے امور دین نیابت اور وکالت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ذریعہ طے پاتے رہیں گے، اسی طرح نہ اصل قاتل سے قصاص کی ضرورت، نہ اصل مجرمین پر حدود کے اجراء کی، بس نائبین کافی رہیں گے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ بنو جہینہ کی ایک عورت نبیؐ کے پاس آئی اور کہا میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی اور حج کئے بغیر مرگئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا: بتاؤ اگر تمہاری ماں پر

قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتی، اللہ کا حق ادا کرو، اللہ اپنے حق کے وفا کا زیادہ مستحق ہے۔ بخاری: ۳۹۶/۶، (۱۸۲۰)

مسلم کی روایت میں حج کے علاوہ ایک ماہ کے روزے کا بھی ذکر ہے۔ (مسلم: ۶/۹-۱۹۳۹)

زندہ کی طرف سے نیابت کیلئے اس کے عجز اور عدم استطاعت کی شرط ضروری ہے، یعنی آدمی زندہ ہو لیکن اتنا مجبور ومعذور ہو کہ اپنا فرض خود پورا نہ کرسکتا ہو تو اپنی زندگی ہی میں کسی کو نائب بنا کر فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہوسکتا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے کہا:

"ان ابی ادرکته فریضة الله فی الحج وهو شیخ کبیر لا یستطیع أن یستوی علی ظهر البعیر ،قال : حجی عنه" (مسلم : ۲۳۷٦، ترمذی : ۸۵۰، ابوداود : ۱۰٤۵، نسائی: ۲۵۷٤، ابن ماجه : ۲۸۹۷) میرے باپ پر حج فرض ہے لیکن وہ سواری پر بھی بیٹھ نہیں سکتے، کیا میں اپنے والد کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں!۔

اس صورت کو حج بدل کہا جاتا ہے، لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ حج بدل کرنے والا شخص پہلے اپنا حج کر چکا ہو، جیسا کہ ابوداود میں ہے:

"أن النبی صلی الله علیه وسلم سمع رجلا یقول لبیک عن شبرمة ،قال: من شبرمة؟ قال: أخ لی أو قریب لی ،قال أحججت عن نفسک ؟ قال : لا ،قال حج عن نفسک ثم حج عن شبرمة" (ابوداود: ۱۴۵/۵ (۱۵۴۶) ابن ماجہ: ۴۵۴/۸، (۲۸۹۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے سنا کہ وہ کہہ رہا ہے "لبیک عن شبرمہ" شبرمہ کی طرف سے میں حاضر ہوں، آپ نے فرمایا: شبرمہ کون ہے؟ اس نے کہا میرا بھائی یا میرا قریبی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم نے اپنا حج کرلیا ہے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا: پہلے اپنا حج کرو۔ پھر شبرمہ کا"۔

اگر والدین کی طرف سے ان کی وصیت یا بغیر وصیت کے حج کرے تو جائز ہے، اسی طرح والدہ یا والد نے صدقہ دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے اور فوت ہوگئے ہیں تو اولاد کو ان کی طرف سے صدقہ دینا چاہئے۔

روزے میں نیابت کی دلیل:

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا: "ان أمی ماتت وعلیها صوم شهر ،أفأقضیه عنها ؟ قال : نعم ...." (بخاری: ۵۲/۷، (۱۸۱۷) مسلم: ۶/۶، (۱۹۳۶-۱۹۳۷) "یارسول اللہ! میری ماں مرگئی ہے، اور اس پر ایک ماہ کے روزے ہیں، کیا میں اپنی ماں کی طرف سے سب قضا روزے ادا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں"۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "من مات وعلیه صیام صام عنه ولیه" (بخاری: ۵۱/۷، ۱۸۱۶، مسلم: ۵/۶، ۱۹۳۵) "جو مرجائے اور اس پر روزے ہوں اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے"۔

"علامہ ابن حجر فتح الباری میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ بعض اہل ظاہر قضا روزوں کے وجوب کے قائل ہیں"۔ (فتح الباری لابن حجر: ۲۱۱/۶)

اہل حدیث کا مسلک بھی یہی ہے کہ میت کی طرف سے روزے رکھے جاسکتے ہیں۔ واضح رہے کہ اس سے مراد نذر کے

روزے ہیں، نہ کہ عام روزے۔

(اس امر میں اختلاف ہے کہ میت کی طرف سے نذر کے روزے ہی رکھے جاسکتے ہیں یا رمضان کے وہ روزے بھی رکھے جاسکتے ہیں جو کسی شرعی عذر سے چھوٹ گئے ہوں، مرنے والا قضاروزے رکھنے کی نیت رکھتا تھا لیکن اس سے پہلے ہی مرگیا۔"من مات وعليه صيام... الخ" "جو مرجائے اور اس پر روزے باقی ہوں ...الخ" والی حدیث میں تخصیص نہیں ہے، بظاہر لفظ میں وہ سارے روزے شامل ہیں جو میت پر واجب الادا تھے۔(ادارہ)

نیابت اور اہداء کا فرق:

بعض حضرات ایصال ثواب کے ثبوت میں حج بدل نیز روزہ اور صدقہ والی احادیث کا ذکر کرتے ہیں، جبکہ نیابت اور اہداء (بخشنا) میں زمین آسمان کا فرق ہے، نیابت میں عامل اپنے آپکو دوسرے شخص کے قائم مقام کردیتا ہے، مثلاً حج جس میں یوں کہتا ہے "لبیک عن فلاں" اے اللہ میں فلاں شخص کی طرف سے حاضر ہوں، یا دل میں نیت کرے کہ میں فلاں کی طرف سے حج کر رہا ہوں، اور اہداء ثواب کی صورت یہ ہے کہ حج اپنی طرف سے کرے اور بعد میں کہے، یا اللہ! میرے اس حج کا ثواب فلاں شخص کو دے، پہلی شکل تو ثابت اور منصوص ہے، دوسری شکل بقول مولانا شاہ اسماعیل دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بدعت حقیقیہ ہے چنانچہ "ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح" میں لکھتے ہیں:

"زندوں کا مردوں کو عبادت کا ثواب بخشنا بدعت حقیقیہ ہے بخلاف مالی عبادات میں نیابت کے کہ وہ اصل میں صحیح ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی عبادات میں حج اور صدقہ کے سوا ایصال ثواب کے قائل نہیں"۔

غرض مولانا رحمہ اللہ کی یہ کتاب ایک بدعت کی تردید اور دین میں ایک فتنہ کے سدباب کے لئے ایک قیمتی ہتھیار ہے۔

۷-۸ ستمبر ۲۰۰۷ء میرے پاس ہندوستان کے صوبہ بہار سے متعدد فون آئے، جہاں سعودی عرب سے توحید کی نعمت لے کر واپس لوٹنے والے بعض ساتھیوں کو پجاری مولویوں نے پریشان کرنا شروع کیا، ان سے دلائل طلب کرنے لگے، ان مسائل میں سے قرآن خوانی کا مسئلہ بھی تھا، ظاہر ہے فون پر تمام دلائل کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، میں نے انہیں فون پر اس مسئلہ کی مختصر وضاحت کرتے ہوئے اس کی تفصیل کے لئے مولانا کی اسی کتاب کی طرف مراجعہ کا مشورہ دیا، ان لوگوں نے ہندوستان میں کتاب ملنے کا پتہ دریافت کیا تو میں نے لائبریری سے کتاب کا ایک نسخہ حاصل کر کے انہیں پورا پتہ بتایا، نیز ممبئی کے علاوہ دہلی اور دوسرے شہروں میں کتاب ملنے کا پتہ بتایا اور چوں کہ کتاب ہاتھ میں تھی میں خود پوری کتاب از سرنو پڑھنے لگا، اب کتاب زیر مطالعہ ہی تھی کہ دوسرے دن ۹/ستمبر ۲۰۰۷ء سعودی عرب کے وقت کے لحاظ سے مغرب کی نماز سے تھوڑی دیر قبل مولانا کی وفات کی خبر موصول ہوئی، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ سے دعا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ ملت کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دینے پر مولانا کی اس کتاب کو ان کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے اور "قرآن خوانی اور ایصال ثواب" نامی اس کتاب کو خود اس کے مصنف مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کے لئے ایصال ثواب کا ایک ذریعہ بنائے، نیز ان کی ساری کتابوں کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔آمین۔

☆☆☆

مولانا مختار احمد الندوی رحمہ اللہ

اور آپ کی کتاب تعلیم الاسلام

مختار احمد محمدی مدنی — الجبیل، سعودی عرب

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی وفات پر تادم تحریر کئی ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے اس عرصہ میں متعدد اہل علم وقلم نے آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر خامہ فرسائی کی ہے، افراد وادارے اور جمعیات کی طرف سے خراج تحسین کے سلسلے تاہنوز جاری ہیں، راقم آپ کی وفات کے صرف ایک دن بعد آپ کی حیات وخدمات پر ایک طویل مضمون مجلہ صوت الحق مالیگاؤں کے حوالہ کر چکا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی شخصیت اتنی ہمہ گیر وہمہ جہت تھی اور آپ کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے، کہ آپ رحمہ اللہ کی زندگی کے سارے گوشے اور زریں خدمات وکارناموں کے لئے مجلات وجرائد کے صفحات ناکافی ہیں ان کے لئے پی ایچ ڈی کے رسالوں کی ضرورت ہے۔ علمی وتصنیفی، دعوتی وتربیتی، قومی وملی، جماعتی وتنظیمی، رفاہی وسماجی، قلمی واداری الغرض اللہ رب العزت نے آپ کے ہاتھوں قوم وملت کے لئے وہ خدمات لے لی ہیں جس کی تاریخ ہند میں کوئی نظیر نہیں ملتی، بلاشبہ آپ کی شخصیت وکارنامے اس لائق ہیں کہ یونیورسٹیوں میں ان پر ریسرچ کیا جائے، اور آپ کی زندگی کے سارے گوشوں کو آشکارا کیا جائے۔

آپ بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے، تن تنہا ایک انجمن تھے، جس میدان میں آپ نے قدم رکھا کامیابیوں نے کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کیا، یاس وقنوط جیسے الفاظ آپ کی کامیاب زندگی کے قاموس میں کہیں تھے ہی نہیں۔ آپ انتہائی ملنسار انسان تھے، آپ کے چہرہ پر ہمیشہ مسکراہٹ کی چادر تنی رہتی تھی، جس سے بھی ملتے اسی شگفتگی اور مسکراہٹ سے ملتے، آپ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کی مکمل عملی تفسیر اور نمونہ تھے، "تبسمک فی وجہ أخیک صدقة"۔ آپ نورانی چہرہ کے مالک تھے، جس طرح آپ ظاہر میں خوبصورت تھے آپ کا باطن بھی اسی طرح صاف وشفاف تھا، آپ کے دل میں کسی کے خلاف کوئی کدورت نہ تھی، حسد وعداوت سے کوسوں دور تھے۔

آپ اس دور کی عہد ساز شخصیت تھے، آپ نے نہ صرف مدارس وجامعات، مساجد، طبیہ کالج اور اسپتالیں قائم کر کے امت مسلمہ کی ضرورتوں کو پوری کیا ہے بلکہ کئی اہم کتابیں تصنیف کر کے اس کی علمی پیاس بھی بجھائی ہے، آپ لسان وقلم دونوں کے شہ سوار تھے، صاحب طرز انشاء پرداز وفن شناس ادیب تھے، آپ کے قلم میں دریا کی روانی اور سمندر کا تموج تھا، آپ نے مختلف موضوعات پر کئی اہم کتابیں تصنیف کی ہیں، کئی اہم مستند کتابوں کے اپنے سیال قلم سے ترجمے بھی کئے ہیں، آپ کئی اداروں کے مؤسس وذمہ دار تھے جس کی وجہ سے آپ انتہائی مصروف شخص تھے، اس لئے

''الدار السلفیہ'' میں ماہر وتجربہ کار اہل علم کی ایک جماعت اکٹھا کر رکھی تھی جو آپ کے اشراف وگرانی میں ترجمہ وتالیف اور تحقیق کا کام انجام دیتی تھی، ڈاکٹر عبدالعلی ازہری جیسی عظیم ترین علمی وتحقیقی شخصیت بھی الدار السلفیہ میں رونق افروز تھی، اس کالم میں آپ کی ساری تصنیفات وتراجم راقم کا مقصود بیان نہیں ہے، بلکہ آپ کی صرف ایک کتاب کے حوالہ سے کچھ سطور حوالۂ قرطاس وقلم ہیں وہ کتاب جو آپ کی ایک اہم اور مایہ ناز تصنیف شمار کی جاتی ہے، تعلیم الاسلام جسے آپ نے امت مسلمہ کے نوجوان طبقہ کو تعلیمی نصاب کی شکل میں انتہائی گرانقدر تحفہ دیا ہے اس کا ذکر مقصود ہے۔

کتاب ۳۱۲ صفحات پر مشتمل ہے، سائز ۱۷x ۱۲ ہے، اسلام کی خوبیوں کے بیان سے شروع ہوتی ہے اور نعت پوری ہونے کی دعاء پر ختم ہوتی ہے۔

کتاب کی قبولیت عامہ کا اندازہ اس بات سے بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں اس کے تیرہ سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے تھے اس وقت میری نظر کے سامنے اس کتاب کا ساتواں ایڈیشن ہے جو سنہ ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت کی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ بہت سارے مقامات پر اسکولوں اور مدارس اسلامیہ میں اسے شامل نصاب بھی کیا گیا ہے جیسا کہ ساتویں ایڈیشن میں مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا ہے (دیکھئے مقدمہ ص: ۱۳)

جہاں تک کتاب کی اہمیت وجامعیت کا تعلق ہے تو اس کے عنوان سے بین وظاہر ہے، اس کتاب میں مولانا رحمہ اللہ نے اسلام کی مکمل تعلیمات انتہائی مختصر انداز میں جمع کر دی ہیں، اس کتاب کے مطالعہ سے مولانا رحمہ اللہ کی فقہی بصیرت اور علم شرعی کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے، کتاب انتہائی سلیس شستہ اور عام فہم زبان میں ہے، اس کی روانی اور سلاست کا عالم یہ ہے کہ کتاب پڑھتے جایئے کہیں قاری کو کوئی ثقل محسوس ہوتا ہے اور نہ ہی اکتاہٹ، بات ختم ہونے تک پوری دلچسپی برقرار رہتی ہے، مولانا رحمہ اللہ اس کتاب کے ذریعہ امت مسلمہ میں پائی جانے والی دینی جہالت ولاعلمی کو دور کرنا چاہتے تھے، یہ فکر آپ کو ہمیشہ دامن گیر رہتی تھی کہ کس طرح مسلمانوں بالخصوص نوجوانوں سے دینی بے راہ روی اور جہالت کو دور کیا جائے، اسی درد وکرب اور فکر ونظر نے آپ کو اس کتاب کی تصنیف پر مامور کیا، یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو آپ نے درس کے طرز پر لکھا ہے اور نوجوانوں کے لئے لکھا، چونکہ آپ جہاں دیدہ شخص تھے دینی امراض کی تشخیص کے ماہر تھے، آپ رحمہ اللہ کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ اگر نوجوان طبقہ تعلیم وتربیت کے زیور سے مزین ہو جائے تو پھر اس امت کی ذلت ونکبت کا دور ختم ہو جائے گا اس لئے آپ نے نوجوانوں کو اس کتاب کے ذریعہ مخاطب کیا، کیونکہ نوجوان ہی کسی بھی قوم کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، اس عمل سے آپ قلمکاروں کو یہ درس دے گئے کہ کتاب تصنیف کرنے سے پہلے مخاطب کی تعیین کر لینی چاہئے، یہی وجہ ہے کہ مسائل واحکام کے بیان میں اختصار کو ملحوظ خاطر رکھا ہے، ہر فصل کے آخر میں بطور مشق وتمرین سوالات بھی تحریر کر دئے ہیں، تا کہ اسباق ازبر ہو جائیں، مقدمہ میں آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اسلام کامل کی مکمل تعلیم چونکہ زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے، اس لئے اسے حاصل کرنے کے لئے عقل وہوش والی عمر چاہئے بالکل ہی ابتدائی عمر کے طلبہ اس کو پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے اس لئے اس کی تعلیم کا نصاب اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس کے سکھانے

کے لئے مساجد میں نوجوان مصلیوں کا حلقہ قائم کیا جائے جو کم از کم ہفتہ میں کسی ایک دن جمع ہوں، ان نوجوان مصلیوں میں مزدور، طالب علم، تاجر اور ہر قسم کے محنت کش نوجوان ہوں ان کی عمر ۱۵ سال سے ۳۵ سال تک ہونی چاہئے'' (ص۲۹) کتاب کے بارے میں آپ فرماتے ہیں: ''تعلیم الاسلام'' تبلیغی نصاب نہیں تعلیمی نصاب ہے۔(دیکھئے ص ۳۰)

دینی تعلیم کو نوجوانوں میں رائج کرنے کے بارے میں آپ کتنے مخلص تھے اس سے بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ نے جہاں بھی مسجد بنوائی عموماً وہاں اس کتاب کی تدریس کے لئے ایک مدرس بھی رکھا ہے، اور اسے مشاہرہ بھی دیتے تھے، حوصلہ افزائی کے لئے کتاب کے مقدمہ ہی میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو اس نصاب کو یاد کر کے امتحان میں کامیاب ہوگا انہیں الدار السلفیہ کی جملہ اردو مطبوعات انعامات میں دی جائیں گی، اور یہ بہت بڑا انعام تھا کیونکہ الدار السلفیہ کی اردو مطبوعات کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔

اس کتاب کے مشمولات وموضوعات پر ایک نظر ڈالنے سے اس کی جامعیت وشمولیت کا اندازہ کئے بغیر کوئی نہیں رہ سکتا، آئندہ سطور میں کتاب کے چند اہم موضوعات پیش کئے جا رہے ہیں، اسلام اور اس کی خوبیاں، علم دین سیکھنے کی فضیلت، دین میں تفرقہ بندی کی ممانعت، قرآن وحدیث مسلمانوں کی متحدہ میراث ہے، عقائد اسلام، کلمہ طیبہ پر ایمان لانے کی شرطیں، محمد رسول اللہ ہونے کا مطلب، ارکان ایمان، توحید بمعہ تینوں اقسام، شرک اور اس کی قسمیں، وسیلہ، عبادت، طہارت، نجاست، وضوء، مسح، اذان، اقامت، صلاۃ کا مفصل طریقہ، صلاۃ جمعہ، صلاۃ عیدین، صلاۃ تراویح، صلاۃ الضحی، صلاۃ الاستخارہ، صلاۃ التسبیح، صلاۃ الخسوف، صلاۃ الاستسقاء، صلاۃ الجنائز، میت کو غسل دینے کا طریقہ، زیارت قبور، زکاۃ کے احکام ومسائل، صدقہ فطر، صیام کے احکام ومسائل، صوم کے آداب، حج کے احکام ومسائل، نکاح اور حسن معاشرت، رضاعت کے ذریعہ حرام ہونے والی عورتیں، میاں بیوی کے حقوق، حجاب، طلاق، ظہار، لعان، جرائم وسزا، دہشت پسندی، تجارت سود، قسم کے مسائل، ایک دوسرے کے حقوق، اسلامی آداب، دعائیں وغیرہ۔ الغرض ایک مسلمان کی زندگی میں پیش آنے والے سارے مسائل موجود ہیں۔اور بلاشبہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اگر کوئی اس کتاب کو مکمل پڑھ لے تو اس کے پاس دین کی بنیادی معلومات کا اچھا خاصہ ذخیرہ مہیا ہو جائے گا۔

ہر مسئلہ کو اتنے دلکش اور آسان لفظوں میں بیان کیا ہے جسے بڑی آسانی سے سمجھا اور یاد کیا جا سکتا ہے، کتاب مدلل اور حوالہ جات سے مزین ہے، کوئی بھی مسئلہ بلا دلیل بیان کرنے سے آپ نے حتی الامکان احتراز کیا ہے، کتاب کے مآخذ ومصادر میں سب سے پہلے قرآن مجید ہے، توحید کے باب میں بالخصوص آپ نے قرآن مجید سے جابجا استدلال کیا ہے، اس کے بعد بخاری ومسلم اور سنن اربعہ ہیں، مسند احمد، ابن جریر طبری، سنن بیہقی اور معجم الطبرانی سے بھی آپ نے استفادہ کیا ہے۔ عموماً احادیث کے حوالوں میں صرف کتاب کا نام لکھ دیا ہے، باب اور صفحہ کے حوالہ کی آپ نے ضرورت اس لئے محسوس نہیں کی کہ اس کتاب کے مخاطب اور قاری عام لوگ تھے، بسا اوقات مکمل حوالے بھی دیئے ہیں یعنی کتاب کا نام باب جلد اور صفحہ نمبر بھی، پوری کتاب میں اس کی کافی مثالیں موجود ہیں، کہیں صرف جلد اور صفحہ نمبر کا حوالہ ہے ایسے

حوالوں کی بھی کثرت ہے۔

مجموعی طور پر کتاب نہایت مفید ہے، بالخصوص اس طبقہ کے لئے جس کے پاس شرعی علم حاصل کرنے کا ذریعہ حاصل نہیں ہے جو دنیاوی علم یا تجارت میں مشغول رہتے ہیں۔

دنیا میں قرآن مجید اور پھر بخاری ومسلم کے بعد جن کی صحت پر امت کا اجماع ہے کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو خامیوں سے مبرا ہو، یہ کتاب جو ہزار ہا خوبیوں کا مرقع ہے اس میں بھی کچھ خامیاں اور کمیاں ہیں راقم نے مضمون کی تیاری میں ایک تہائی سے زیادہ کتاب کا مطالعہ کیا ہے کچھ مواخذات بھی جمع کئے ہیں طوالت کے باعث انہیں کسی دوسرے مضمون کے لئے چھوڑ دیتے ہیں، ظاہر ہے یہ کتاب پرانی ہے مولانا کی اوائل تصنیفات میں سے ہے، اس لئے عصر حاضر کی تحقیق کے معیار پر پوری نہیں اترتی ہے، ضرورت ہے کہ اس کی مکمل تحقیق کی جائے، احادیث وآثار کی تخریج کرکے ان پر حکم لگا دیا جائے اور جو مرجوح مسائل ہیں یا جو احکام ومسائل آپ سے رہ گئے ہیں حواشی میں ان کی نشان دہی کردی جائے، نئی کتابت اور نئی آن بان کے ساتھ مولانا کے علمی اور الدار السلفیہ کے امتیازی مقام کے شایان شان شائع کی جائے، اگر اس کتاب پر اتنا کام ہو گیا تو اس کی افادیت واہمیت اور بڑھ جائے گی، معنوی حیثیت میں اور اضافہ ہو جائے گا اور ایک مرجع ومصدر کی حیثیت اسے حاصل ہو جائے گی ان شاء اللہ، دیکھئے یہ کام کس بلند اقبال شخص کے ہاتھوں انجام پاتا ہے۔ اللہ رب العالمین مولانا محترم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے انہیں جزائے خیر دے آمین۔

☆☆☆

صفہ کے چبوترے پر

یہ الدار السلفیہ کی برکت ہے کہ تقریبا ربع صدی سے ہر سال اور کبھی سال میں کئی کئی بار حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ ہماری عربی مطبوعات کی مارکیٹ تقریبا صرف سعودی عربیہ ہے۔ اللہ نے خدمت حدیث شریف کی توفیق عطا فرمائی اور اسی کو کسب حلال کا ذریعہ بنایا۔ الحمد للہ الدار السلفیہ کی پچیس سالہ علمی خدمات نے ہم لوگوں کو سعودی عربیہ کے علمی طبقے میں پورے طور پر متعارف کرا دیا ہے اس وقت ہم لوگ حدیث کی مشہور کتاب "الجامع لشعب الایمان للبیہقی کی بیس جلدوں کا کارٹون اہل علم تک پہنچانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں، اسی مہم پر میں ایک طویل سفر پر نکلا اور مکتبات، جامعات اور مراکز علم کی سیر کرتا ہوا رمضان شریف کے پہلے ہفتے میں مدینہ منورہ پہنچا اور مسجد نبوی کی زیارت کی سعادت سے فیضیاب ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان مبارک ایام کے ہر ہر لمحات کو قبول فرمائے آمین۔

(مولانا مختار احمد ندویؒ، بحوالہ: البلاغ: فروری: ۱۹۹۷)

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ
کی بعض تالیفات و تراجم

شیخ نیاز احمد عبدالحمید مدنی طیب پوری - استاذ جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں

نوک قلم سے چھوڑے گئے نقوش بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، یہ صدیوں تک محفوظ رہتے ہیں، قلب و جگر کو گرماتے ہیں اور تاریک دماغوں میں علم و ہنر کی قندیل روشن کرتے ہیں، صحافت کے ذریعے اپنی فکر کو بہت دور تک پھیلایا جاسکتا ہے، نبی ﷺ اسلام کی تبلیغ کے لیے خطوط ارسال فرماتے تھے۔

صحافت کی اس اہمیت سے مولانائے گرامی بخوبی واقف تھے، ایک کامیاب صحافی کے اندر جو صفات اور کمالات مطلوب ہوتے ہیں وہ مولانا کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھے، آپ کا ذوق ادبی تھا اور مئو کے خمیر میں یہ عنصر وافر مقدار میں پایا جاتا ہے، آپ کتابوں کے بہت شیدائی تھے، سفر و حضر میں کتابوں سے استفادہ کرتے رہتے تھے، ملکی اور غیر ملکی حالات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے، ان کے پاس کتابوں کا ذخیرہ تھا۔

تجارت کے چند تلخ تجربات کے بعد جب مولانا کلکتہ آئے تو جس مسجد میں امامت و خطابت کا فریضہ انجام دے رہے تھے اس میں ایک لائبریری تھی جو اہمال اور بے توجہی کا شکار تھی، ان کتابوں سے علم کا نور حاصل کرنے والا کوئی نہ تھا البتہ دیمک اپنا پیٹ بھر رہی تھی، بدذوق لوگوں نے دیواروں پر تھوک تھوک کر اسے بدنما کردیا تھا، مولانا نے علمی، جمالیاتی اور ادبی ذوق کا مظاہرہ کیا، کتابوں کو جھاڑا پونچھا، ان کو مرتب کیا اور لائبریری کو اس لائق بنادیا کہ اس میں بیٹھ کر کتابوں سے استفادہ کیا جاسکے، یہی چیز آپ کو کشاں کشاں علی گڑھ لے گئی، جہاں موصوف گرامی نے ''لائبریری سائنس'' میں ڈپلومہ کورس کیا۔

کلکتہ میں آپ ''آزاد ہند'' نامی اخبار سے جڑ گئے اور اس میں ایک کالم لکھنے لگے، اس میں آپ کا قلمی نام ''علامہ حجازی'' تھا۔

یہ وہی کلکتہ ہے جہاں سے ''الہلال'' اور ''البلاغ'' کی شعلہ بار تحریروں نے مسلمانوں کے دلوں میں طوفان بپا کردیا تھا اور انگریزوں کی نیند حرام۔ اس کی پاداش میں دونوں پر پابندی لگادی گئی اور یہ مرحوم ہوکر ہمیشہ کے لیے جاوداں ہوگئے، اسی کلکتہ اور مولانا آزاد کی صحبت سے مولانا اپنے سینے میں ایک شعلۂ جوالہ لے کر ممبئی آئے۔ اپنی علمی پیاس بجھانے، صحافیانہ ذوق کو جلا دینے، علم کے نور کو دور تک پھیلانے اور قوم و ملت کی خدمت کے لیے ''البلاغ'' کو زندہ کیا جو بیس سالوں سے اپنی ضیا بار کرنوں سے بر صغیر ہند و پاک کو روشن کیے ہوئے ہے اور مجلات و جرائد کی دنیا میں اس کی منفرد شناخت ہے۔

مولانائے گرامی اس کا بڑا حصہ خود تحریر فرماتے تھے، ہر شمارے میں کم از کم چار مضامین آپ کے ہوتے تھے، ''شذرات'' اور ''مختارات'' کا لوگوں کو انتظار رہتا تھا۔

آپ نے تحقیق اور نشر و اشاعت کا شعبہ قائم کیا، اس میں کام کرنے کے لیے باصلاحیت فضلاء کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں، آپ کے رشحات قلم کئی طرح کے ہیں: تالیفات، تصحیح و تقدیم اور تراجم۔

ذیل میں آپ کی بعض تالیفات اور تراجم کی تفصیل پیش کی جارہی ہے:

۱-صلاۃ النبی:

اس کتاب میں نماز کی فرضیت، فضائل، اوقات، طہارت، تکبیر سے لے کر تسلیم تک کے سارے اعمال، اشراق، استخارہ، جمعہ، عیدین اور جنازے پر بحث کی گئی ہے۔

۲-نماز مسنون:

نماز پر مولانا کا یہ دوسرا رسالہ ہے، یہ تین زبانوں میں ہے: اردو، ہندی اور انگریزی۔

۳-تعلیم الاسلام:

یہ مولانا رحمہ اللہ کی تالیف کردہ بہت ہی مشہور کتاب ہے۔

۴-وسیلے کی حقیقت:

یہ کتاب مشہور مفسر علامہ محمد نسیب الرفاعیؒ کی تالیف ہے، مولانا نے اسے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے، وسیلے کی بابت برصغیر ہند وپاک میں بڑے اختلافات پائے جاتے ہیں، شرعی اور غیر شرعی وسیلے میں امتیاز نہ کرپانے کی وجہ سے ایک قوم اب تک قبر پرستی اور پیر پرستی میں مبتلا ہے، اللہ ان سب کو ہدایت دے، آمین۔

۵-التوحید:

شیخ احمد بن حجر آل بوطامی، توحید کے موضوع پر ایک اہم کتاب جس کو مولانا نے اردو قالب میں ڈھالا ہے۔

۶-رمضان المبارک کے فضائل ومسائل:

یہ بڑی نفیس اور تحقیقی کتاب ہے، اس میں روزے کی فرضیت، سحری، افطار، تراویح، تلاوت قرآن، رویت ہلال، صدقۂ فطر، نماز عید، عورتوں کا عیدگاہ جانا اور تکبیرات عیدین وغیرہ مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۷-حج مسنون:

لوگ حج کرتے ہیں پر کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ لوگ لاعلمی کی بنا پر غلطیاں کر بیٹھتے ہیں، یہ کتاب حج کے سارے مسائل کو بہت اچھے انداز میں پیش کرتی ہے، حجاج کرام میں اسے بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہے۔

۸-قربانی کے فضائل ومسائل:

یہ کتاب عید الاضحیٰ، قربانی اور اس کے جملہ متعلقات سے بحث کرتی ہے۔

۹-اسلامی آداب:

اس کے اندر مؤلف رحمہ اللہ نے اسلامی شریعت کے آداب واخلاق پر بڑی نفیس اور عمدہ بحث کی ہے، پیدائش سے مرنے تک، گھر سے بازار تک اور مسجد سے میدان عمل تک، الغرض شب وروز کے آداب کا یہ خزینہ ہے۔

۱۰-کیا مسلم خواتین کا مسجد میں آنا فتنہ ہے:

خواتین کے مسجد میں جانے اور اس میں نماز پڑھنے کا مسئلہ ایسا نہیں تھا کہ سمجھ میں نہ آتا اور اتنی شدت سے اختلاف کیا جاتا، مگر کیا کیا جائے؟ جب آنکھ پر دبیز پٹی بندھ جاتی ہے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا ہے، چند دنوں قبل'' انگلینڈ میں خواتین کی ایک جماعت کسی میٹنگ میں گئی ہوئی تھی، ان میں مسلم خواتین بھی تھیں، جب ظہر کا وقت ہوا تو وہ قریب کی ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گئیں لیکن مسجد کے ذمہ دار نے ان کو داخل نہیں ہونے دیا، عورتوں نے بڑی سفارش کی کہ صحن ہی کے کسی کونے میں نماز پڑھ لینے دو، پر اس نے انکار کردیا، اسی مسجد کے ٹھیک سامنے سڑک کے دوسری طرف ایک چرچ تھا، اس کا پادری ان کی بحث وتکرار کو دیکھ رہا تھا وہ آیا اور مسئلہ کی وضاحت طلب کی، جب اسے بتایا گیا کہ ان عورتوں کو نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جانے نہیں دیا جارہا ہے تو اس نے

کہا: ہمارے چرچ کا دروازہ کھلا ہے اگر چاہیں تو وہاں چل کر نماز پڑھ لیں اور بالفعل یہ عورتیں گئیں اور چرچ میں اپنے طریقے سے نماز ادا کی اور پھر میٹنگ میں چلی گئیں"۔

نبی ﷺ نے جب ایک چیز کو مشروع قرار دے دیا تو کسی امام یا امت کے کسی فرد کو یہ حق حاصل ہی نہیں ہے کہ اس کی مشروعیت کو معطل کردے اور اس پر عمل کرنے والوں کے خلاف زبان وقلم سے محاذ آراء ہو جائے، اگر کہیں فتنہ ہے تو اس کو ختم کیا جانا چاہیے، سنت کو ختم کیوں کیا جائے؟

۱۱-عورت کتاب وسنت کی روشنی میں:

مذہب اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیے ہیں ان کی ادائیگی میں مسلمانوں نے کوتاہی کی ہے، اس سے اعداءِ اسلام کو اسلام پر چھینٹا کشی کا موقع ملا ہے، عورتوں کے حقوق اور اس کی حرمت کے داعی اور منادی اس کے لیے کتنے مخلص اور ہمدرد ہیں وہ کھل کر سامنے آچکا ہے، بعض مسلمانوں کی کوتاہیوں کو اسلام کی طرف منسوب کرنا عدل وانصاف سے بعید ہے، مولانا موصوف نے بڑے اچھے انداز میں عورت کی فطرت، ممتا، محبوبیت، ماں، لڑکی، بہن، دادی، خالہ، پھوپھی، نانی اور بیوی وغیرہ کی حیثیت سے اس میں بحث کی ہے۔

۱۲-داڑھی کے مسائل کتاب وسنت کی روشنی میں:

داڑھی شعائر اسلام میں سے ہے، یہ چہرے کی زینت ہے، داڑھی کا رکھنا ضروری ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "داڑھی بڑھاؤ، داڑھی چھوڑ دو، مونچھوں کو مونڈو،" مولانا نے داڑھی کے سلسلے میں وارد احادیث کو اکٹھا کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ ہر مسلمان کو داڑھی رکھنی چاہیے۔

۱۳-طاعون رحمت یا زحمت:

طاعون ایسی بیماری ہے کہ جس علاقے میں پھیلتی ہے تو اللہ کے حکم سے بستیاں ویران ہو جاتی ہیں، اس مرض کی بابت اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۴-قرآن خوانی اور ایصال ثواب:

اس مسئلے کو لے کر لوگ اختلاف کرتے رہتے ہیں، مولانائے گرامی نے اس کتاب میں "قرآن خوانی، فاتحہ، تیجہ، چہلم، اور برسی" وغیرہ پر علمی بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ قبروں پر ختم قرآن اور فاتحہ پڑھنا بدعت ہے۔

۱۵-اسلام اور مسائل جاہلیت:

یہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تالیف ہے، مولانا نے اس کو عربی سے اردو میں منتقل کیا ہے، یہ کتاب "شرک، علماء پرستی، دینی کتابوں میں تحریف، علم کے بغیر دین میں بحث کرنا، انبیاء کو رب بنانا، قبروں پر عید منانا، نجومیوں کی تصدیق" وغیرہ پر سیر حاصل بحث کرتی ہے۔

۱۶-مذہبی فرقہ پرستی اور اسلام:

جس اختلاف اور انشقاق سے قرآن نے روکا تھا امت اسی کا شکار ہوگئی اور ستم یہ کہ اس کو رحمت قرار دے دیا گیا، جن بتوں کو شریعت نے توڑا تھا لوگوں نے ان کو اپنے دلوں اور گھروں میں نصب کرلیا، بدعت کا بت، شخصیت پرستی کا بت، اندھی تقلید کا بت اور رسم ورواج کا بت وغیرہ، نتیجہ یہ ہوا کہ امت مختلف دھڑوں میں بٹ گئی اور سب ایک دوسرے کے خلاف محاذ آراء ہو گئے، رمضان کے مہینے میں حنفی اور حنبلی روزے توڑ کر باہم مناظرہ کرتے تھے، رفع یدین کرنے پر ایک افغانی نے ایک اہل حدیث کو نماز کی ہی حالت میں ایسا گھونسہ مارا کہ قریب تھا کہ وہ مر جائے، ایک آدمی نے شرک وبدعات کو چھوڑ کر سلف صالحین کا عقیدہ اپنا لیا تو رات میں اس کو بم مارا گیا لیکن اللہ نے بچا لیا۔

تاتاریوں نے شام پر حملہ کر رکھا تھا اور ایک مدرسے میں کئی مولانا یہ بحث چھیڑے ہوئے تھے کہ حنفی لڑکا اور شافعیہ لڑکی کی باہم شادی جائز ہے کہ نہیں اور اس کے برعکس حنفیہ لڑکی اور شافعی لڑکا ہو؟ جواز اور عدم

جواز کی دلیلیں فراہم کی جارہی تھیں، آستینیں چڑھی ہوئیں، آنکھیں سرخ، اتنے میں تاتاری حملہ آور ہوئے اور سب کو تہہ تیغ کر دیا۔

کثرت اختلاف کی وجہ سے، بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کرنا ترک کر دیا ہے، ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر اس کی زندہ مثال ہیں۔

افسوس ہے کہ لوگوں نے اتباع کے راستے کو چھوڑ دیا اور تعصب سے ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو گئے، افہام وتفہیم کا ماحول بنانے کی بجائے ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے، عداوت، قتل تک پہنچ گئی، رمضان کے مہینے میں بریلوی اور دیوبندی علماء کا قتل مسجد میں اسی مذہبی اختلاف کی بنیاد پر ہوا، کئی مقامات پر دیوبندیوں اور بریلویوں نے اہل حدیث مسجد بنائے جانے کی سخت مخالفت کی اور مبینہ طور پر کہا کہ "مندر بن جائے پر اہل حدیث مسجد نہ بنے"۔ تازہ مثال جلگاؤں کی ہے۔

مولانا کی ترجمہ کردہ اس گرامی قدر کتاب میں امت کو اتباع کی دعوت دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ مذاہب میں سے کسی ایک کی بھی تقلید نہ واجب ہے نہ مستحب، مذہب معین کا رواج سیاست کی وجہ سے ہوا، مذہب حق کیا ہے؟ شاہ ولی اللہؒ کی یہ تحقیق کہ "یہ مذاہب بدعت ہیں"، قرآن نے علماء پرستی سے منع کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی بھی ایک امام کی تقلید پر تعصب کرنے والا جاہل اور گمراہ ہے، تقلید کا مفہوم، فرقہ بندی 'فرعون کی سیاست تھی'، اہل حق اور اہل مذاہب کا فرق" وغیرہ۔

یہ کتاب مقبول خاص وعام ہے، بازاروں میں بکتی بھی ہے اور جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں کے شعبۂ دعوت سے وسیع پیمانے پر مفت بھی تقسیم کی جاتی ہے۔

۱۷-طلاق:

طلاق 'زن وشوہر کے درمیان ناخوش گوار تعلقات کا نتیجہ ہے، اس میں اکثر غیظ وغضب اور خاص انفعالی کیفیت کارفرما ہوتی ہے، اسی وجہ سے شریعت نے طلاق کے بعد لمبی عدت رکھی ہے 'تاکہ طرفین میں سے جس کی غلطی ہو'لوگ اس کو سمجھا دیں، اس مسئلے میں بھی مسلمان بے اعتدالی کا شکار ہو جاتے ہیں اور ایک مجلس میں تین طلاق دے دیتے ہیں، بریلوی اور دیوبندی علماء یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ "تینوں واقع ہو گئیں، اب حلالہ کرواؤ"۔ بہت سے علماء یہ اشارہ کر دیتے ہیں کہ کسی اہل حدیث ادارے سے فتوی لو، ان کے یہاں ایک ہی مانی جائے گی"۔

جہاں شرعی گنجائش اور وسعت تھی وہاں تنگی کر دی اور جہاں کوئی گنجائش ہی نہیں تھی اس کا دروازہ کھول دیا یعنی حلالہ کا۔

عمرانہ والا کیس اخبار کی سرخیوں میں چھایا رہا ہے، اس سے عالم اسلام کی بڑی جگ ہنسائی ہوئی کہ جرم کوئی کرے اور سزا کسی اور کو ملے، حرام اور غیر شرعی طریقے سے کسی عورت سے ہمبستر ہونے سے وہ عورت زانی کی بیوی اور اس کی اولاد کی ماں کیسے ہو جائے گی؟ امومت اور ابوت زنا سے ثابت نہیں ہو سکتی، لیکن تعصب کا کیا کیا جائے، اس کو قرآن اور حدیث سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ یہ کتاب بہت اچھے ڈھنگ سے طلاق کے جملہ مسائل کو واضح کرتی ہے۔

۱۸-کتاب الدعاء:

یہ دعاؤں کا مجموعہ ہے، نبی ﷺ سے مروی تقریباً تین سو دعائیں اس میں درج ہیں، خورد اور کلاں دونوں سائز میں یہ کتاب چھپی ہے، بہت مقبول کتاب ہے، الدار السلفیہ سے یہ سب سے زیادہ شائع ہوتی ہے۔

۱۹-جنت: مختصر "حادی الارواح الیٰ بلاد الافراح" کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں ستائیں ابواب ہیں، یہ بہت عمدہ اور نفیس رسالہ ہے، ۱۲۰ رصفحات پر مشتمل یہ کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، مولاناؒ مقدمے میں لکھتے ہیں: "دنیا کی

لذتوں کے نشے میں مدہوش انسان جہاں اس کے عیش و مستی میں ہر لمحہ جذبات کو برانگیختہ کرنے والے مناظر اسے عالم آخرت سے غافل کر رہے ہیں، خلوت وجلوت، کوچہ وبازار کے ہر کونے پر شیطان اپنے کارندوں کی فوج اور اپنے دلالوں کا گروہ لیے کھڑا لذت نفس اور اتباع ہوئی اور ہوس کی دعوت دے رہا ہے، جہنم کی طرف جانے والے تمام راستے انسانوں کی بھیڑ سے بھرے ہوئے ہیں، آدم کے بیٹے اور حواء کی بیٹیاں معصیت کے دریا میں تنگ دھڑنگ غوطہ زن ہیں"۔ (مقدمہ کتاب رص ۷)

۲۰-شادی کے مسائل:

۱۶۸رصفحات پر مشتمل یہ کتاب ڈاکٹر صالح السدلان کی "فقہ الزواج فی ضوء الکتاب والسنة" کا ترجمہ ہے، یہ کتاب شادی سے متعلق سارے مسائل پر تفصیلی بحث کرتی ہے، مولانا رحمہ اللہ کے حسن انتخاب کو داد دینی چاہیے کہ شادی کی بابت بے اعتدالی کے شکار معاشرے کو یہ حسین تحفہ دیا اور لوگوں کو بتایا کہ شرعی شادی اس انداز میں کرنی چاہیے، یہ کتاب ساٹھ سے زیادہ مسائل پر بحث کرتی ہے۔

۲۱-سنی وبدعی طلاق کا شرعی حکم:

یہ شیخ عبداللہ بن زید المحمود کی کتاب "الحکم الشرعی فی الطلاق السنی والبدعی" کا ترجمہ ہے۔

۲۲-نمازِ باجماعت اور اس کے شرعی احکام:

ڈاکٹر صالح بن غانم سدلان کی کتاب "صلاة الجماعة ،حکمها وأحکامها وما یقع فیها من بدع وأخطاء" کا یہ ترجمہ ہے، ۲۸۸رصفحات پر مشتمل یہ کتاب بہت مفید ہے۔

۲۳-نصیحۃ المسلمین:

یہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تالیف ہے، مولانا رحمہ اللہ نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، ۲۱۴رصفحات پر مشتمل یہ کتاب معلومات کا ذخیرہ ہے۔

۲۴-اوضح المسالک:

شیخ عبدالعزیز المحمد السلمان کی کتاب کا یہ اردو ترجمہ ہے، یہ کتاب حج کے سارے مسائل پر بحث کرتی ہے۔

مولانا کی مذکورہ تالیفات کے علاوہ بھی آپ کی اور بہت سی کتابیں ہیں، جہاں تک آپ کی تصحیح وتقدیم کے ساتھ شائع ہونے والی کتابوں کا تعلق ہے تو یہ بہت زیادہ ہیں، ان میں سے چند کے نام ذیل میں تحریر کیے جاتے ہیں:

۲۵-(۱) خطبات محمدی: یہ پانچ حصوں پر مشتمل خطبات کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، یہ تالیف لطیف مولانا محمد جوناگڑھیؒ کی ہے ،مولانا کی تصحیح وتقدیم کے ساتھ "الدارالسلفیة" نے اسے بہت خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔

۲۶-(۲) الآداب: ابوبکر البیہقی

۲۷-(۳) عقیدۃ المؤمن: ابوبکر الجزائری

۲۸-(۴) داعیان حق کے اوصاف: ڈاکٹر یوسف القرضاوی

۲۹-(۵) اخلاص: حسین العوایشہ

۳۰-(۶) استغفار کی اہمیت: شیخ الاسلام ابن تیمیہ

۳۱-(۷) برکت: ابوحذیفہ ابراہیم بن محمد

۳۲-(۸) امت محمدیہ کے خصائص وفضائل: ابوعمر ساعی الحاجی

۳۳-(۹) تزکیۃ النفوس: ابن رجب، ابن قیم، ابوحامد غزالی

۳۴-(۱۰) صلاۃ التسبیح والتوبہ: عدنان عرعور

۳۵-(۱۱) بیمہ اور اس کی شرعی حیثیت: عبداللہ بن زید المحمود

۳۶-(۱۲) اولیاء حق وباطل: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی کتاب "الفرقان بین الاولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان" کا اُردو ترجمہ ہے۔

کل ملا کر شیخ مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے سیفِ قلم سے دین کی زبردست خدمت کی ہے، یہ آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہیں، اللہ ان کو قبول فرمائے اور آپ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین۔

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

کی طبی خدمات

ڈاکٹر اظہر حسن (پرنسپل) و ڈاکٹر انتظار احمد (لیکچرار) محمدیہ طبیہ کالج، منصورہ، مالیگاؤں

موت اس کی ہے کرے جس پر زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

بیسویں صدی جہاں انتہائی زرخیز ثابت ہوئی، بیشتر نابغۂ عصر شخصیات کی پیدائش کی صدی، ایک ایسی صدی جس میں زندگی اور اس سے متعلق جملہ میدانوں میں ہمہ جہت ترقی ہوئی، علم وعمل کے کتنے ہی اچھوتے میدان سامنے آئے، بالخصوص سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں عالمی سطح پر جو حیرت انگیز انقلابات انسانی آنکھ نے دیکھے، اس سے قبل اس کی نظیر نہیں تھی۔

وہیں اکیسویں صدی نے بیشمار شخصیات کو ہم سے جدا کردیا، جو نہ صرف اپنے ملک وقوم بلکہ پوری دنیاء انسانیت کے لیے منبع فیض کی حیثیت رکھتے تھے، اب اس فہرست میں ﴿نحن قدرنا بینکم الموت﴾ کے تحت ہمارے مربی مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کا نام بھی شامل ہوگیا ہے' تاہم اللہ رب العزت کی مشیت ہمیں صبر کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔

اس عالم ہست وبو میں آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک نہ جانے کتنے انسانوں نے آنکھیں کھولیں اور بند کرلیں اور ان کی پوری زندگی پلک جھپکتے ہی لمحے بھر میں تبدیل ہوگئی، دنیا کی تاریخ میں نہ تو ان کا کوئی ماضی رہا اور نہ ہی مستقبل، لیکن انہی بے شمار افراد میں کچھ ایسے بھی گذرے ہیں جن کا ماضی عزم وعمل کی تصویر بنا رہا، حال سعی پیہم کا مرقع اور مستقبل عزت وتوقیر کا ضامن بنا، ان کی زندگی لوگوں کے لیے باعث سکون واطمینان اور ان کی موت سبب رنج والم قرار پائی۔

سرزمین ہند میں بے شمار ایسی ہستیاں گذری ہیں جنہوں نے ترقی ملت اور فروغ انسانیت کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کردی، ایسی ہی شخصیات میں سے ایک شخصیت مولانا ندوی رحمہ اللہ کی بھی تھی، آج ہمارا فرض بنتا ہے کہ ان کے کارناموں سے واقف ہوں کیوں کہ اپنے اسلاف سے عقیدت ومحبت ہی کسی قوم کے زندہ وتابندہ ہونے کا ثبوت ہوا کرتی ہے، اپنے اسلاف کے کارناموں کا مطالعہ کرنے سے ذہن ودماغ نہ صرف ان سے روشناس ہوتے ہیں بلکہ ان سے متاثر ہوکر انسان خود کو ویسا ہی باعظمت بنانے کی کوشش کرتا ہے، عظمت انفرادی ہو یا اجتماعی، میدان زندگی میں صرف وہی افراد عزت اور اعلیٰ مرتبہ حاصل کرتے ہیں جو صرف اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے جیتے اور مرتے ہیں اور خدمت خلق خدا کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں۔

مولانا مرحوم تعلیمی، دعوتی وملی اتحاد کے علمبردار تھے، مولانا دعوت واصلاح، تعلیمی ترقی، ملت کے درمیان اتحاد واتفاق اور جملۂ مشترکہ مسائل کے حل کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے، مولانا یقیناً مسلمانان ہند کے لیے گراں قدر اوصاف کے حامل شخص تھے، ان کی خدمات کا ایک طویل سلسلہ ہے، جو ہندوستان کی کئی ریاستوں پر محیط ہے اور جس سے ہزارہا بندگان خدا فیضیاب ہورہے ہیں، مولانا کی شخصیت صرف ایک عالم دین کی ہی نہیں تھی بلکہ وہ دینی، عصری، سماجی اور سیاسی پیچ وخم پر بھی گہری نظر رکھتے تھے، مولانا کی دینی ومذہبی خدمات اور صلاحیتوں کے نمایاں ثبوت وہ مدارس ومساجد ہیں جنہیں انہوں نے تعمیر کرایا اور اسی طرح مولانا آزاد ہائی اسکول ممبئی، محمدیہ طبیہ کالج و بدر الساریٔ اسپتال مالیگاؤں اور عالیہ اسپتال مئو ناتھ بھنجن' مولانا کی عصری، سماجی ورفاہی سوچ کا زندہ ثبوت ہیں۔

بعض شخصیتیں' انجمن اور ادارے کی طاقت سے جانی پہچانی جاتی ہیں' جب کہ بعض کے اردگرد ادارے خود گھومتے ہیں اور مولانا کا شمار ثانی الذکر زمرے میں ہوتا ہے، وہ سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ نام ونمود کی تمنا اور صلے کی پرواہ کیے بغیر نہ صرف قوم ومذہب بلکہ طب جیسے باوقار پیشے کی بھی خدمت کرتے رہے، مولانا کی طبی خدمات کا سلسلہ دراصل جامعہ سلفیہ بنارس میں طبیہ کالج کے قیام سے شروع ہوا، جس میں وہ ایک فعال رکن کی حیثیت سے شامل تھے، لیکن دو تہذیبوں کے ٹکراؤ اور چند نامساعد حالات کے باعث کالج بند ہوگیا، اور طب کی خدمت کا مولانا کا خواب اس وقت شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری بلکہ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے وقت کا انتظار کیا اور کوشش کرتے رہے۔

کسی بھی منصوبے کو کاغذ کے صفحے سے نکال کر حقیقی شکل عطا کرنے کے لیے کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کیسے تکلیف دہ ادوار سے گذرنا پڑتا ہے، اسے سمجھنے کے لیے کوئی پیمانہ کافی نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ ان ہستیوں کے صبر واستقلال اور کاوشوں کا آئینہ دار ہوتا ہے جو خدائے برتر چند چنندہ لوگوں کو ہی عطا کرتا ہے، لیکن عظیم ترین ہیں وہ ہستیاں جو وقت شناس ہوتی ہیں اور بدلتے وقت کے ساتھ ایسے کارہائے نمایاں انجام دیتی ہیں کہ آئندہ آنے والی نسلیں بھی ان سے فیضیاب ہوتی رہتی ہیں، مولانا موصوف کی زمانہ شناسی اور شاہین نگاہیں اس امر کی محرک ہوئیں کہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم بھی ضروری ہے، چناں چہ انہوں نے پرانی روایات سے انحراف کرتے ہوئے دینی فکر اور سائنسی علوم کو ہم آہنگ کردیا اور اپنے رفیق کار دنیاء طب کے درخشندہ ستارے جناب مختار احمد اصلاحی کی رفاقت میں ۱۹۸۱ء میں جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں کے دامن میں "محمدیہ طبیہ کالج" کی بنیاد رکھ کر نہ صرف یہ کہ اپنے خدمت طب کے دیرینہ خواب کو پورا کیا بلکہ طب یونانی کی دم توڑتی ہوئی روح کی مسیحائی کی اور ریاست مہاراشٹر میں طب یونانی کو ایک نئی زندگی دی، ساتھ ہی مالیگاؤں کو نہ صرف یہ کہ قومی سطح پر بلکہ بین الاقوامی شہرت کا حامل بنادیا، پروقار اسلامی طرز تعمیر پر مبنی جامعہ محمدیہ اور محمدیہ طبیہ کالج کی پرشکوہ عمارتیں مولانا کی ہمت اور بلند حوصلگی کی غماز ہیں۔

محمدیہ طبیہ کالج میں داخلے کی شروعات ۱۹۸۱ء سے ہوئی اور

جناب حکیم فیاض عالم صاحب کو کالج کا پہلا پرنسپل ہونے کا شرف حاصل ہوا، کالج کا ابتدائی الحاق مہاراشٹرا کونسل آف انڈین میڈیسن (M.C.I.M.) سے ہوا، اس کے بعد پونے یونیورسٹی اور مہاراشٹر یونیورسٹی آف ہیلتھ سائنس ناسک سے ہوا، ابتدائی دور سے ہی کالج کو ساٹھ ایڈمیشن کی اجازت (C.C.I.M.) نے دے رکھی ہے، جہاں نہ صرف یہ کہ پورے ایڈمیشن ہر سال ہوتے ہیں بلکہ آج کالج تنگ دامنی کی شکایت کر رہا ہے اور نہ جانے کتنے ہی تشنگان علم طب کو مایوس واپس لوٹنا پڑتا ہے، کالج کے فارغین کو کامل طب وجراحت (B.U.M.S.) کی ڈگری تفویض کی جاتی ہے، پہلے یہ کورس ساڑھے سات سال کا ہوا کرتا تھا، جس میں دو سال پری طب کورس اور چھ ماہ انٹرنس شپ ٹریننگ کورس بھی شامل تھا، لیکن ۱۹۹۸ء میں پری طب کے خاتمے کے بعد یہ مدت گھٹ کر ساڑھے پانچ سال ہوگئی ہے جس میں ایک سالہ انٹرنس شپ ٹریننگ کورس بھی شامل ہے۔

۱۹۸۶ء میں ۲۷ طلبہ پر مشتمل پہلا بیچ فارغ ہوا اور رفتہ رفتہ یہ کالج ترقی کے منازل طے کرتا گیا اور آج ہزاروں فارغین طب ملک کے طول وعرض میں پھیل کر ملک وقوم کی خدمت اور تعمیر وترقی میں سرگرداں ہیں، محض ایک دہائی سے بھی کم عرصے میں یہ کالج معیار کے افق پر پہنچ گیا، کالج سے ملحق تمام تر لوازمات سے آراستہ اور ۱۸۰ ربستروں پر مشتمل ہاسپٹل جو کہ کویت کے ایک مخیر شخص البدر محمد السائر کے نام سے موسوم ہے نہ صرف یہ کہ کالج کے طلبا کے لیے عملی تجربہ گاہ کے طور پر مستعمل ہے بلکہ یہ مالیگاؤں کی ایک اہم صحی وطبی ضرورت بن گیا ہے، جہاں خالص یونانی دواؤں سے امراض کا علاج کیا جاتا ہے، مریضوں کی معتد بہ تعداد روزانہ اس سے فیض یاب ہورہی ہے، فالج کے مریضوں کے لیے تو یہ ہاسپٹل آخری امید بن گیا ہے جہاں معمولی خرچ پر خالص یونانی دواؤں سے اس خطرناک مرض کا ازالہ بحسن وخوبی کیا جاتا ہے اور دور دراز کے علاقوں سے فالج کے مایوس مریض اس طبی ادارے کا رخ کرتے ہیں اور شفایاب ہوکر واپس لوٹتے ہیں، فللہ الحمد۔

آج نہ صرف مالیگاؤں بلکہ دور دراز کے علاقوں سے طلباء وطالبات علم طب کے حصول کے لیے اس کالج کا رخ کرتے ہیں، جہاں اسلامی طرز معاشرت کے ساتھ جدید علوم کو اس کی تمام تر افادیت کے ساتھ مربوط کردیا گیا ہے اور تمام تر بے حیائیوں سے دور ایک پاکیزہ ماحول یہاں کے طلبا کو میسر ہے۔

مولانا موصوف نے مذہب واخلاق کے اعلیٰ معیار پر قائم رہتے ہوئے عصر حاضر کے ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کا جو راستہ دیا وہ یقیناً لائق تحسین ہے، طلبا کے قیام کے لیے جہاں تمام ضروریات سے آراستہ وپیراستہ ہاسٹل موجود ہے، وہیں طالبات کی رہائش کا بھی معقول بندوبست ہے، جامعہ محمدیہ کی چہار دیواری میں واقع اس ہاسٹل میں بچیوں کو داخل کرکے سرپرست مطمئن نظر آتے ہیں، طلبا کی ذہنی بیداری کے لیے جہاں بہت سے انتظامات ہیں وہیں ان کی جسمانی نشونما کے لیے بھی پورے مواقع موجود ہیں، کالج سے متصل ہربل گارڈن جو طلبا کے لیے ادویہ کی شناخت میں مددگار ہوتا ہے وہیں دوسری طرف انہیں صاف ستھرا ماحول فراہم کرکے تفریح طبع کا باعث بھی ہوتا ہے، کھیل کود کے لیے وسیع وعریض میدان اور اس سے متعلق ضروری ساز وسامان بھی کالج

نے فراہم کررکھا ہے،غرض یہ کہ وہ تمام ضروریات جو ایک طالب علم کی ذہنی، جسمانی اور سماجی ترقی کے لیے مطلوب ہوا کرتی ہیں، یہاں موجود ہیں۔

کالج ابتدا ہی سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور اسے ترقی کی معراج اس وقت نصیب ہوئی جب ۲۰۰۰ء میں یہاں پوسٹ گریجویٹ شعبے کا قیام عمل میں آیا، کالج کے دو شعبوں (۱) شعبۂ علم الادویہ اور (۲) شعبۂ امراض نسواں واطفال میں باقاعدہ طور پر M.D. میں داخلے شروع ہوئے۔ اس کے فارغین نہ صرف یہ کہ اپنی مادر علمی بلکہ ہندوستان کے دیگر طبی اداروں میں بحسن وخوبی درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مولانا موصوف کی طبی خدمات صرف ریاست مہاراشٹر تک ہی محدود نہیں، بلکہ ہندوستان کی دیگر ریاستیں بھی آج ان سے فیض یاب ہورہی ہیں، ریاست اتر پردیش کا ضلع مئو جو نہ صرف یہ کہ مولانا کی جائے پیدائش ہے بلکہ دیگر امور مثلاً تعلیم، معیشت، معاشرت اور مذہبی اعتبار سے مالیگاؤں کے مشابہ ہے، لوگوں کی طبی ضروریات کے پیش نظر موصوف نے وہاں بھی ایک بڑا عمومی اسپتال قائم کرایا جو "محمدیہ اسپتال" کے نام سے موسوم ہے اور تمام تر جدید سہولیات سے آراستہ اور ماہرین امراض پر مشتمل یہ شفاخانہ لوگوں کی مسیحائی کررہا ہے، مولانا کا ارادہ تھا کہ مالیگاؤں کی طرز پر وہاں بھی ایک جدید طبی درس گاہ بنائیں تاکہ مئو طبی لحاظ سے بھی مالیگاؤں کے مشابہ بنادیا جائے مگر بعض وجوہ کی بناء پر مولانا کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔

مولانا کی طبی خدمات صرف کالج اور ہاسپٹل کے قیام تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ ان عملی اقدامات کے ساتھ ساتھ انہوں نے نظری طور پر بھی طب کی خدمات انجام دی ہیں اور اس تعلق سے ان کا سب سے بڑا کارنامہ "طب نبوی" پر ایک نہایت ضخیم کتاب کی اشاعت بھی ہے، علامہ ابن قیم جوزی کی اس تصنیف کو حکیم عزیز الرحمن اعظمی نے اردو میں منتقل کیا اور مولانا نے اس کی تقدیم وتصحیح کے بعد خطیر رقم خرچ کرکے اسے مکتبہ "الدار السلفیہ" ممبئی سے شائع کرکے خادم الطب والسنۃ ہونے کا ثبوت دیا۔

مولانا طب یونانی کے بہت بڑے حامی تھے اور خالص یونانی طریقۂ علاج کو پسند بھی فرماتے تھے، یہاں تک کہ زندگی کے آخری ادوار تک انہوں نے راقم الحروف سے اپنے لیے یونانی دوائیں تحریر کرائیں اور انہیں استعمال بھی کیا، وہ کہا کرتے تھے: "میں اداروں سے ایسے فارغین دیکھنا چاہتا ہوں جو طبی مہارت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ دینی واخلاقی اقدار کے بھی حامل ہوں"۔

اس مختصر تعارف سے جہاں مولانا کی طبی خدمات کا پتہ چلتا ہے وہیں ان کے قائم کردہ اس طبی ادارے کی شاندار روایات اور صالح اَقدار کا بھی اندازہ ہوتا ہے جو کہ بلاشبہ اپنا ایک روشن ماضی رکھتی ہیں، ماضی قریب میں ان اقدار وروایات میں کچھ اضمحلال ضرور پیدا ہوا ہے، لہٰذا ان کو پھر سے زندہ وتابندہ کرنا ہمارے لیے ایک چیلنج ضرور ہے لیکن اگر ہم نے ایسا کیا تو یہ یقیناً مولانا کی روح کے لیے تسکین کا باعث ہوگا۔

اللہ مولانا کی جملہ خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، آمین۔

☆☆☆

یاد آتا ہے مجھے وہ عصائے مختار

ڈاکٹر ریحان انصاری

مولانا مختار ندوی صاحب رحمہ اللہ ہمارے بیچ نہ ہو کر بھی آس پاس ہی محسوس ہوتے ہیں۔ یہ تعلق وجذبات کا ایک روحانی رابطہ ہے۔ یہ رابطہ کب اور کیسے استوار ہوا اس کا تذکرہ ہو سکتا ہے کچھ معانی رکھتا بھی ہو اور نہیں بھی؛ لیکن یہ وہ یادیں ہیں جو مولانا رحمہ اللہ سے ہی منسوب ہیں۔

۱۹۹۴ء کے اوائل مہینوں کی بات ہے شاید... جب میرے تایا محترم شبیر احمد راہیؔ صاحب رحمہ اللہ چند تفویضات کی بابت دفتر 'البلاغ' یعنی (بھاوے پریس، بیلاسس روڈ، ممبئی) میں ہی قیام فرما تھے۔ آپ البلاغ کے یکے از تاسیسی کالم نگار تھے۔ ممبئی کی اردو صحافت کی دنیا میں میرا اپنا بھی ایک معمولی سا تعارف رہا ہے۔ راہیؔ صاحب سے ملاقات کی غرض سے جب بھی میں دفتر البلاغ چلا جاتا تو مولانا رحمہ اللہ سے بھی ملاقات ہو جاتی تھی۔ بھاوے پریس اور اس میں مشینوں کی تنصیب اور حسنِ انتظام دیکھ کر دل میں بڑی خواہش ہوتی کہ اس ادارے سے اور ان بڑے قلمکاروں سے کوئی انسلاک کی راہ پیدا ہو جاتی۔ ان دنوں حکیم مختار اصلاحیؒ صاحب رحمہ اللہ طبی مضامین سے البلاغ کو نوازا کرتے تھے۔ اردو صحافت ابھی تک مکمل کمپیوٹر پر منتقل نہیں ہوئی تھی۔ صفحہ سازی کے بہت سے کام دستی کیے جانے ہوتے تھے۔ سرخیاں لکھنے کے لیے کاتبوں کی ضرورت باقی تھی۔ اردو 'ان پیج' بھی کی دسترس میں نہیں تھا۔ ان دنوں 'دلکش' فانٹ پر البلاغ کے کالم تیار ہو کر صفحہ سازی کے لیے پیسٹنگ ٹیبل پر آیا کرتے تھے۔ ایسے ایام میں مولانا مختار ندوی رحمہ اللہ پورے کام کی نگرانی کرتے جس کی وجہ سے ان کی مصروفیات بڑی گوناگوں ہوا کرتی تھی۔ مولانا محترم کو سلپ ڈسک کا عارضہ ہو گیا تھا اور آپ کے ہاتھوں میں عصا رہا کرتا تھا۔ اس کے باوجود وہ نچلی منزل اور اوپری منزل پر یکساں تگ ودو برقرار رکھتے تھے۔ بھاوے پریس کا ایک حصہ دوسرے کمرشیل کاموں کے لیے مولانا کے دوسرے صاحبزادہ اسلم مختار صاحب کی زیرِ نگرانی تھا۔ یہاں بڑی شاندار ملٹی کلر پرنٹنگ کا اہتمام تھا۔ یہیں 'البلاغ' کا رنگین سرورق بھی چھپتا تھا جو اردو کے دوسرے رسالوں اور جرائد کے لیے قابلِ رشک ہوا کرتا تھا۔

بہر کیف ان حالات اور ماحول میں میرا تعارف مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ سے جب ہوا تو میری حیرت کی انتہا نہیں رہی کہ مجھ جیسے کم مایہ اور طب وسائنس کے ایک ادنیٰ طالبعلم کی تحریروں کو جو اس وقت روزنامہ انقلاب میں ('اسپیکٹرم' کے تحت) شائع ہوا

کرتی تھیں وہ مسلسل دعائیہ نظروں سے نوازتے رہے تھے۔ آپ نے فوراً حکم دیا کہ اس لڑکے سے طب وصحت کا کالم لکھوانا شروع کر دو۔ وہ دن تھا اور آج کا دن ہے کہ اس حکم کی تعمیل ہنوز جاری ہے۔

ان برسوں میں مولانا محترم سے بیشتر ملاقاتیں رہیں اور مولانا نے طب کے مختلف موضوعات پر جانے کتنی مرتبہ گھنٹوں مجھ سے تبادلۂ خیال کیا۔ خصوصاً ذیابیطس، دل کے مختلف عارضوں، مفاصل (ہڈیوں اور جوڑوں) کے امراض اور ان پر دینی معمولات کی اثر پذیری سے متعلق دیر تک گفتگو فرماتے۔ اس تفصیلی بات چیت میں ان کی عالمانہ حیثیت پوری طرح عیاں ہوتی کہ وہ خود کتنی گہری طبی معلومات اور بصیرت رکھتے تھے۔ ممبئی کے تقریباً سبھی بڑے کنسلٹنٹ حضرات سے ان کے روابط تھے اور اس سبب مولانا کی اپنی نظر بہت غائر تھی۔ کئی مرتبہ تو مولانا نے البلاغ کی نئی اشاعت کے بعد یہ تمغہ بھی عنایت کیا کہ انھوں نے البلاغ کو آخری حصہ سے کھول کر پڑھا یعنی میرا مضمون پہلے دیکھا۔ وہ اکثر اس بات پر بہت خوشی کا اظہار کرتے تھے کہ میں سائنس اور طب کا طالب علم ہو کر بھی اردو لکھنے میں احتیاط اور اہتمام سے کام لیتا ہوں اور موزوں اصطلاحات سے مضمون کو مرصع رکھتا ہوں۔ بہر حال ان سب باتوں کو میں اپنے لیے افتخار سے زیادہ دعائیں اور سعادت سمجھتا ہوں کہ ایسے بزرگوں کی ماتحتی میں کام کرنے اور خود کو سنوارنے اور نکھارنے کا موقع اللہ نے عنایت کیا۔ نور اللہ مرقدہم۔

مولانا اپنے ادارے سے شائع ہونے والی دینی کتابوں کے صوری پہلو پر بھی بڑی نگاہ رکھتے تھے۔ ٹائٹل کے لیے انھوں نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا اور اس پر عنوان کے لیے ہمیشہ ''لاہوری نستعلیق'' خط کو ہی ترجیح دی۔ اس کام کے لیے انھوں نے مومن پورہ میں مقیم ''نثار آرٹسٹ وکاتب'' صاحب کی خدمات اکثر لی تھیں۔ یہ ان کا حسنِ نظر تھا۔ میں خود بھی خطِ نستعلیق کے لاہوری اسکول کا تلمیذ ہوں اور جب مولانا کو یہ معلوم ہوا کہ میں خطاط الہند فیض کاتب وآرٹسٹ سے اس سلسلہ میں مستفیض ہوں اور فیض صاحب کے شاگرد رشید محمد اسلم کرتپوری صاحب کا شاگرد ہوں تو وہ اس اطلاع پر پھولے نہیں سمائے اور کہنے لگے کہ اتنے برسوں تک اس بات کو آخر تم نے ظاہر کیوں نہیں کیا؟ کاش وہ اس صلاحیت کو اپنے کاموں کے لیے استعمال کر سکتے۔ لیکن چونکہ کتابت وخوشنویسی کی مشق چھوٹ چکی ہے، اور مولانا کے حافظے سے یہ بات جلد ہی محو ہوگئی؛ اس لیے میں نے بھی اس میں پڑنے سے اپنے آپ کو بچا لیا تھا۔ گو کہ بعد میں اسلم کرتپوری صاحب کی نگرانی میں ہی میں نے ''فیض نستعلیق'' کے نام سے اس خط کو ڈیجیٹل انداز میں کمپیوٹر پر ڈیزائن کر لیا ہے جو ''ان پیج ۳'' میں شامل ہے۔ اور اب قابلِ استعمال بھی ہے۔ جس کا نمونہ قارئین روزنامہ ''صحافت'' ممبئی میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

کچھ چودہ برس اسی طرح بیت گئے اور مولانا محترم سے روابط نیز نیاز وملاقات کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ بنگالی مسجد، مدنپورہ میں مولانا کے خطبات سننے کا بھی مجھے شرف حاصل ہوا۔ ان میں ایک اعتدال کے ساتھ جانے کتنی فقہی اور فکری گرہیں پوری سہل پسندی کے ساتھ کھول دیا کرتے تھے۔ اس عرصے میں مولانا کی مختلف جذباتی کیفیات سے بھی آگاہی حاصل ہوتی

رہی۔ مولانا رحمہ اللہ ملی مسائل پر بیحد بے لاگ لکھتے اور بولتے تھے۔ آپ آخری عرصۂ عمر میں اس فکر میں بہت رہتے تھے کہ انھوں نے جو ادارے اور تحریکات قائم کی ہیں انھیں لائق کاندھوں پر منتقل کرجائیں۔ برسوں کے روابط ہوجانے کی وجہ سے اس سلسلہ میں اس احقر سے بھی کبھی کبھار اس کا اظہار کیا تھا مگر بھیونڈی اور ممبئی کا فاصلہ متعدد مرتبہ حائل گفتگو رہا اور کوئی نتیجہ خیز بات کبھی ہو ہی نہیں پائی۔

ایک اور بات شاید اہم لگے کہ مولانا محترم کی شخصیت اور ان کے ابنان پر ان کے ناموں کا اثر بہت گہرا تھا۔ آپ بھاوے پریس میں بھی عصائے مختاری کے ساتھ ہی نظر آتے تھے اور اس کے علاوہ اپنے قائم کردہ دیگر اداروں میں بھی۔ اسی طرح ان کے فرزندان کی شخصیات پر بھی ان کے ناموں کے اثرات برابر پڑے ہیں جیسے اکرم صاحب اپنے ماتحتوں پر مکرم و مہربان رہا کرتے ہیں۔ اسلم صاحب نے پرنٹنگ کے کاروبار کو پوری لگن اور سلامتی عطا کی اور برادرم ارشد صاحب نے مولانا کے بعد البلاغ اور اس نہج کی دیگر اشاعتوں کا بیڑہ اٹھا کر رشد و ہدایت کے کاموں کو افزوں کیا ہے۔

شریکِ کار رہتے ہوئے چودہ برس کچھ کم نہیں ہوتے۔ باتیں تو اور بھی بہت ہیں جنھیں یاد کرکے لکھا جانا دستاویزی ہوسکتا ہے مگر یہاں طوالت کا اندیشہ ہمیں روک رہا ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ:

"حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"

☆☆☆

علم انسان کی زندگی بھر کا ساتھی ہے

علم اور تعلیم کا خوشگوار سلسلہ کسی عمر کے ساتھ محدود نہیں اور نہ کسی متعین حد پر پہنچ کر اس کا سلسلہ بند ہوتا ہے بلکہ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دعا کرتا رہے اللہ اس کے علم میں مزید اضافہ فرماتے رہیں جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے "قل رب زدنی علما" (طہ:۱۱۴) یعنی "اور دعا کیا کرو کہ میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے" انسان خواہ کتنا ہی علم حاصل کرے مگر اللہ کی طرف سے اس کو تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے اور علم مزید اور بھی ہے، اللہ نے فرمایا: "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" (الاسراء:۸۵) یعنی "اور تم کو علم تھوڑا سا دیا گیا ہے" اس سے یقینی طور یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسانی علم و معرفت کی کوئی حد و غایت نہیں ہے اس لئے مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ اپنے علمی سفر کو تازندگی جاری وساری رکھے کیونکہ علم کسی عمر کیلئے مقید و محدود نہیں اور نہ کسی مرحلہ پر پہنچ کر اس کی انتہا ہوتی ہے بلکہ ماں کی گود سے لے کر قبر تک اس کا سلسلہ باقی رہتا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "صحیح بخاری" کے کتاب العلم میں "الاغتباط فی العلم والحکمۃ" کے عنوان سے باب قائم کیا ہے۔

(مولانا مختار احمد ندویؒ، بحوالہ: البلاغ: اپریل: ۲۰۰۰)

ایک نذرانۂ عقیدت مولانا رحمہ اللہ کی خدمت میں

یوسف ناظم

مولانا مختار احمد ندوی جنہیں مرحوم کہتے اور مانتے ہوئے دل پہ ایک چوٹ پڑتی ہے، پتہ نہیں کیوں ہم لوگوں سے اتنی جلدی خفا ہو کر وہاں چلے گئے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ سکندر علی وجد نے کتنا سادہ لیکن کتنا اثر انگیز شعر کہہ دیا تھا کہ۔

جانے والے کبھی نہیں آتے
جانے والوں کی یاد آتی ہے

مولانا مختار احمد ندوی کی دلنواز شخصیت کو کس طرح چند لفظوں میں سمیٹوں، سمجھ میں نہیں آتا۔ حیرت ہوتی ہے کہ مجھ جیسے یادہ گو اور لہو ولعب کے دلدادہ شخص کو بھی مرحوم کس طرح گوارا اور قابل توجہ سمجھتے تھے، میں کیسے کہوں کہ مولانا، جن کی ساری زندگی قرآن کے فرمودات اور حدیث کے ارشادات کی روشن اور تابناک کرنوں سے خیرہ کن حد تک منور تھی اور روزمرہ زندگی میں محفلوں اور مجلسوں میں بھی نہایت دلپذیر اور مرکز نگاہ شخص تھے۔ مرحوم نے شاید ہی اپنے کسی مخاطب کو اپنی بلند وبالا شخصیت کے ہالے میں اسیر نہ کیا ہو۔ مرحوم فضل وکمال کی اونچی مسند پر متمکن تھے لیکن عام ملاقاتیوں اور اجنبیوں سے ملنے جلنے میں اتنے سادہ اور نرم گفتار تھے کہ لوگ شبہے میں مبتلا ہو جاتے تھے کہ ہم جن کے قریب اس بے تکلفی سے بیٹھے ہیں وہ صاحب مولانا مختار احمد ندوی ہیں بھی یا نہیں۔ مولانا میں ہر کسی کو مسخر کر لینے کی خداداد صلاحیت تھی اور ہر وہ شخص جوان کے مصافحے اور ان کے لبوں پر کھلنے والے تبسم سے مستفیض ہوتا، بچھ بچھ جاتا۔ مولانا کو عام لوگوں کی محفل میں زاہد خشک یا سخت گیر واعظ نہ پاکر، بھی حیرت زدہ ہو جاتے۔ مجھے حالانکہ یقین ہے کہ میں کسی بھی کونے سے ان کی بے پایاں محبت کا مستحق نہیں تھا لیکن مولانا کے حسن سلوک نے مجھے ان سے بڑی حد تک قریب اور کافی حد تک بے تکلف کر دیا۔ مولانا کے علمی وادبی ادارے سے جب میری (ایک ناقص) تصنیف ''منجملہ'' زیر طبع تھی تو مولانا نے مجھے شرمندہ وخجل کرنے کی حدیوں کردی کہ کئی مرتبہ اپنے گھر (باندرہ) سے اپنے دفتر (ناگپاڑہ) جاتے ہوئے مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیا تاکہ میں ان کے دفتر میں بیٹھ کر اپنی تصنیف کی بے شمار غلطیوں کی ترمیم وتصحیح کرسکوں۔ (یہ اور بات ہے کہ میں اس عنایت کا پورا پورا فائدہ اٹھانے میں بحسن وخوبی قاصر رہا) ان دنوں میں نہ صرف مولانا کے ہمرکاب (یعنی کار میں) ہم نشین رہا بلکہ دوپہر میں ہم طعام بھی رہا۔ (مولانا اس طعام کو ماحضر کہتے تھے)۔ ایک مرتبہ تو اس ہم طعامی میں بنارس سے آئے ہوئے دو تین مہمان بھی شامل

تھے (انہیں میں بنارس کے پروفیسر یعقوب یاور سے بھی نیاز اسی وقت حاصل ہوا تھا اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ آموں کے موسم کا ایک سہانا دن تھا، ''الفانسو'' کا مزا اب بھی میری زبان پر ہے اور یعقوب یاور نے شاید کہا بھی تھا کہ اتنے لاجواب اور لذیذ ''الفانسو''، بنارس کے بازار میں نہیں پائے جاتے)۔ مولانا مرحوم کو دعوتوں کا بھی بہت شوق تھا۔ ان کے گھر کی دو چار دعوتوں میں جو مخصوص نوعیت کی ہوتی تھیں، میں بھی (بلا استحقاق) شریک رہ چکا ہوں۔ یہ موقعہ نہیں ہے کہ ان دعوتوں کی میں نوعیت کی تفصیل بیان کروں لیکن یہ مٹو ناتھ بھنجن کی دیہی دعوتوں کا نمونہ ہوتی تھیں جن میں ممبئی شہر کے گرم اور مرغن کھانے بھی بکثرت شامل ہوتے تھے اور مولانا کے مہمان، دسترخوان سے اٹھنے میں خاصی دیر کرتے تھے۔

مولانا مختار احمد ندوی ''البلاغ'' کے مدیر بھی تھے اور اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود ہر وہ لفظ پڑھتے تھے جو ان کے وقیع رسالے کے صفحات کی زینت بنتا تھا۔ اپنے ''شذرات'' میں مولانا رسالے کے مشمولات کا ذکر بڑی محبت سے کرتے تھے اس محبت میں بھی مولانا نے اکثر وبیشتر مجھے بھی حصہ دار قرار دیا۔ (میں اگر اسے مروت کہوں تو اپنے آپ کو حق بجانب سمجھوں گا) مولانا مختار احمد ندوی نے اپنے اکرام وانعام سے مجھے اتنا نوازا ہے کہ نہ صرف نجی گفتگو میں بلکہ ''البلاغ'' کی ایک تقریب میں بھی میری مزاح نگاری کی داد دی اور مجھے نہال کر دیا۔ (اسی لئے میں نے عرض کیا کہ مولانا زاہد خشک نہیں تھے) انہیں پورا پورا اندازہ تھا کہ کس محفل میں خود کو کس حیثیت سے ظاہر کرنا ہے۔ انہوں نے اپنے فضل وکمال کو کبھی ارزاں نہیں کیا اور نہ کسی موزوں ومناسب محفل کو دین ومذہب اور مسلک ومشرب کے ذہنی وقلبی شغف سے آگاہ کرنے میں تکلف کیا۔ عربی ان کی مادری زبان نہ ہوتے ہوئے بھی خاندانی زبان تھی۔ ان کے علم اور ان کی دستگاہ کا ثبوت ان تصانیف میں ملتا ہے جو مولانا کے نام نامی کی سند کے ساتھ شائع ہوئیں۔ مولانا کی علمی اور دینی خدمات کا ذکر کرنے سے میں صرف اس لئے گریز کروں گا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ میں نے اپنے آپ کو ان سے قریب ہونے اور اس کا اظہار کرنے کی جو جسارت کی اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ''کرم ہائے دو کرد گستاخ مارا'' اور سچ یہ ہے کہ میں مولانا مختار احمد ندوی کی عنایتوں کا مارا ہوں۔

میں نے ان سے ایک مرتبہ گزارش کی کہ وہ ''الہلال'' نام کی عمارت میں قدم رنجہ فرمائیں اور اس عمارت کے رہائش پذیر افراد کو مخاطب فرمائیں تو مولانا نے ''نہیں'' نہیں کہا۔ تشریف لائے اور ہم سب کو فیض یاب ہونے کا موقع مرحمت فرمایا اور یہی نہیں جب محی الدین ہاشمی صاحب نے مولانا کو اپنے کالج (اسماعیل یوسف کالج) کے طلباء کو مخاطب کرنے کی دعوت دی تو مولانا نے اس وقت بھی مجھے ہی باندرہ سے جوگیشوری تک ہم سفر رکھا اور وہاں بھی میں نے اکل وشرب کے معاملے میں اپنے جوہر دکھائے۔ یہ ساری باتیں طفیل ہیں مولانا کی کرم گسترانہ صحبت کی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ حسرت یہ رہی کہ باوجود اس کے کہ صحبت تو میسر ہوئی لیکن اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ ''جمال یار'' کی ایک آدھ رمق اپنے اندر جذب کر سکتا!!

☆☆☆

حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

کی تعلیمی ورفاہی خدمات

نمبر شمار	ادارے	سن تاسیس
۱	جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں	ار مئی ۱۹۷۸ء
۲	کلیہ عائشۃ الصدیقہ منصورہ، بنگلور	۱۹۷۹ء
۳	محمدیہ طبیہ کالج منصورہ، مالیگاؤں	۱۹۸۱ء
۴	بدر محمد السائر ہاسپٹل منصورہ، مالیگاؤں	۱۹۸۴ء
۵	جامع محمدیہ منصورہ، بنگلور	۸ر جنوری ۱۹۸۹
۶	کلیہ عائشۃ الصدیقہ، بنگلور	۱۹۹۰ء
۷	کلیہ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ للبنات، مئو	۱۹۸۲ء
۸	محمدیہ جنرل ہسپتال، منصورہ، مئوناتھ بھنجن	۱۹۸۴ء
۹	مدرسہ محمدیہ، آکوٹ	۱۶ر جون ۱۹۹۴ء
۱۰	مدرسہ محمدیہ، دھولیہ	اپریل ۱۹۹۵ء
۱۱	مدرسہ محمدیہ، مہسلہ	۱۹۹۴ء
۱۲	مدرسہ محمدیہ، اورنگ آباد	۱۹۹۴ء
۱۳	مدرسہ محمدیہ، جھانڈہ	۱۹۹۲ء
۱۴	مدرسہ محمدیہ، بیگن واڑی، گونڈی، ممبئی	۱۹۹۷ء
۱۵	مدرسہ محمدیہ، ماہم	۱۹۹۸ء

ادارہ اصلاح المساجد کے زیر اہتمام وتعاون سے تعمیر شدہ مساجد کی فہرست

از ۱۹۸۰ء تا ۲۰۱۰ء

جموں کشمیر

۱-مسجد سلفیہ، بربرشاہ سرینگر

۲-مسجد پونچھ

ہریانہ

۱-جامع مسجد گوھانہ گورگاون

۲-مسجد ومدرسہ جھانڈاہ، ہریانہ

دھلی

۱-مسجد میاں صاحب پھاٹک حبش خان، دہلی

اترپردیش

۱-مسجد میرٹھ

۲-مسجد رائی دھنہ میرٹھ

۳-مسجد رسول آباد، غازی آباد

۴-مسجد عمری کلاں، مرادآباد

۵-مسجد پاکبڑہ، مرادآباد

۶-مسجد حبیب ہال، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

۷-مسجد بھوانی فور کھلی بدایون

۸-مسجد رچھا، بریلی

۹-مسجد جوکھن پور، بریلی

۱۰-مسجد ملاپور، بریلی

۱۱-مسجد حسین نگر، رچھا بریلی

۱۲- مسجد شیرگرہ ٹانڈہ بریلی

۱۳-مسجد ٹانڈہ سادات بریلی

۱۴-مسجد گردھرپور بریلی

۱۵-مسجد دارالعلوم فتحپور بارہ بنکی

۱۶- مسجد سراج العلوم بونڈھیار گونڈہ

۱۷-مسجد جامعہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر گونڈہ

۱۸-مسجد تلسی پور گونڈہ

۱۹-مسجد طیب پور گونڈہ

۲۰-مسجد محمدی امرڈوبھا، بستی

۲۱-مسجد مہدویا، بستی

۲۲- مسجد بھت پرا، بستی
۲۳- مسجد دار الہدی یوسف پور، بستی
۲۴- مسجد اتحاد ملت اتوابازار، بستی
۲۵- مسجد کرتھی دیہ، بستی
۲۶- مسجد ملگھیا، بستی
۲۷- مسجد برھنی، بستی
۲۸- مسجد جامعہ قاسم العلوم ریوان، بستی
۲۹- مسجد محمدی سیف اللہ گنج، سلطانپور
۳۰- مسجد دیوجانی- پرتاب گڑھ
۳۱- مسجد آزاد نگر- پرتاب گڑھ
۳۲- مسجد لال گوپال گنج، الہ آباد
۳۳- جامع مسجد مئو آئمہ، الہ آباد
۳۴- مسجد گوپال پور، جونپور
۳۵- مسجد جوک- بنارس
۳۶- جامع مسجد بجر دیہ- بنارس
۳۷- جامع مسجد کچی باغ بتاؤ شہید- بنارس
۳۸- جامع مسجد اناج نگر- بنارس
۳۹- جامع مسجد برھیادائی- بنارس
۴۰- جامع مسجد اشفاق نگر- بنارس
۴۱- مسجد املو مبارکپور- اعظم گڑھ
۴۲- مسجد اسلام پورہ مبارکپور- اعظم گڑھ
۴۳- مسجد اہل الحدیث رانی پورہ مبارکپور- اعظم گڑھ
۴۴- مسجد حیدر آباد مبارکپور- اعظم گڑھ
۴۵- مسجد تھوپچی- اعظم گڑھ
۴۶- مسجد آصف گنج- اعظم گڑھ
۴۷- مسجد زاہد آباد- گورکھپور
۴۸- رحمانی مسجد پرتاول چوک- گورکھپور
۴۹- مسجد بنی خورد، گورکھپور
۵۰- مسجد سرہنی- گورکھپور
۵۱- مسجد- کساری- مئو
۵۲- مسجد- ڈومن پورہ پچھم- مئو
۵۳- جامع مسجد- مرزاہادی پورہ- مئو
۵۴- مسجد- فیض عام- مئو
۵۵- مسجد- جمال پورہ- مئو
۵۶- مسجد- الہ داد پورہ- مئو
۵۷- مسجد- مستشفیٰ عالیہ- مئو
۵۸- مسجد- عظیم آباد- مئو
۵۹- مسجد- ڈومن پورہ حبہ- مئو
۶۰- مسجد- قاسم پورہ- مئو
۶۱- مسجد کھاٹانی- مئو
۶۲- مسجد اہل الحدیث- منیر- بلیا
۶۳- مسجد- بانس دیہ- بلیا

۶۴- مسجد - رسول پورہ - بنارس

۶۵- مسجد - پٹھانی ٹولہ - بنارس

۶۶- مسجد محمدیہ - اعظم پورہ - اعظم گڑھ

۶۷- مسجد محمدی مومن پورہ، بھیکم پور، گونڈہ

۶۸- مسجد ہمدرد نگر علیگڑھ

۶۹- مسجد لگراپوکھر، سدھارتھ نگر

۷۰- مسجد ومدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا، سدھارتھ نگر

۷۱- مسجد اہلحدیث آزاد نگر شیوت نگر، سدھارتھ نگر

۷۲- جامع مسجد اہلحدیث خلفاء راشدین، مئو

۷۳- مسجد محمدی سرسیا بازار، بہرائچ

۷۴- مسجد پکولیا، سدھارتھ نگر

۷۵- مسجد تیلی پور نظام آباد اعظم گڑھ

۷۶- جامع مسجد اورنگ آباد مئو

۷۷- مسجد ملہوار حلور بستی

۷۸- مسجد امونا پانڈہ بستی

۷۹- مسجد محلہ کیاری ٹولہ، مئو

۸۰- مسجد معہد الفصیل الاسلامی مرغموا - بلرام پور

۸۱- مسجد محلہ مدن پورہ، مئو

۸۲- مسجد ٹرائن پور - پرتاپ گڑھ

۸۳- مسجد محمدی محلہ داسن پور، مئو

۸۴- مسجد محلہ کھیلاد پورہ، مئو

۸۵- جامع مسجد ابوبکر صدیق لوھیا مبارکپور - اعظم گڑھ

۸۶- مسجد محلہ پٹھان ٹولہ - مئو

۸۷- مسجد محلہ ڈومن پورہ، مشرق مئو

۸۸- مسجد محمدی بھیکم پور (برائے خواتین) بلرام پور

[جزوی امداد]

۸۹- مسجد شاہی کٹرہ - مئو

۹۰- مسجد گھوسی - مئو

۹۱- مسجد صوفی پورہ مبارکپور - اعظم گڑھ

۹۲- مسجد امروھا - بستی

۹۳- مسجد دریا آباد - بستی

۹۴- مسجد اہل الحدیث بانسی - بستی

۹۵- مسجد اہل الحدیث ریوان - بستی

۹۶- مسجد ارما پور - کانپور

۹۷- مسجد عمری کلان - مرادآباد

۹۸- مسجد دار العلوم - دیوبند

۹۹- مسجد سہارنپور (جزوی امداد)

بہار

۱- مسجد چندن بارہ - چمپارن

۲- مسجد منظر العلوم - بلرام پور - چمپارن

۳- مسجد - بریوا - چمپارن

۴- مسجد - سمرا - چمپارن

۵-مسجد-بڑھیا تولہ-چمپارن

۶-مسجد-رسول پور-چھپرا

۷-جامع مسجد-بھوھنیا-پٹنہ

۸-مسجد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ-دربھنگہ

۹-مسجد پیغمبر پور-دربھنگہ

۱۰-مسجد مدرسۃ اسلامیہ-راگونگر-مدھوبنی

۱۱-مسجد-نیاٹولہ-گواپوکھر مدھوبنی

۱۲-مسجد-اسلام گنج-مدھوبنی

۱۳-مسجد-بوریو-سنتھال پرگنہ

۱۴-مسجد-بجلی-کٹھیار

۱۵- مسجد-ذاکرنگر-جمشید پور

۱۶-مسجد-دلال پور-صاحب گنج

۱۷-مسجد اہل حدیث-رانچی

۱۸-مسجد-سوتھ گاؤں-مدھوبنی

۱۹-مسجد کنڈیلوادہ جھارکھنڈ

۲۰-مسجد ناڈدیہ جھارکھنڈ

[جزوی امداد]

۲۱- مسجد پوکھریا-سنتھال پرگنہ

۲۲-مسجد مدھوبنی-مدھوبنی

مغربی بنگال

۱-مسجد-رام گنج-دیناجپور

۲-مسجد-کھوجاکائی-دیناجپور

۳-مسجد-شانتی پور-مالدہ

۴-مسجد-قانون بارہ-مالدہ

۵-مسجد-بیلدانگہ-مرشدآباد

۶-مسجد ابواب المغفرۃ-اہتلہ-مرشدآباد

۷-مسجد-کنھوتیان-بیربھوم

۸-مسجد-تھیاکونہ-بیربھوم

۹-مسجد-نارائن پور-بیربھوم

۱۰-مسجد-چھوتاتوری گرام-بیربھوم

۱۱-مسجد-بیرپور-ندیا

۱۲-مسجد-پورشاہ-ندیا

۱۳-مسجد-داوکی-ندیا

۱۴-جامع مسجد-نورعلی لین-کلکتہ

۱۵-مسجد گوراگاچھا ۲۴ پرگنہ

۱۶-مسجد-بناہ-۲۴ پرگنہ

۱۷-مسجد-مسورہ-ہگلی

۱۸-مسجد-پچھم چندی پور-۲۴ پرگنہ

۱۹-مسجد-سنیا-۲۴ پرگنہ

۲۰-مسجد-نیابستی-۲۴ پرگنہ

۲۱-مسجد-سارا پل-۲۴ پرگنہ

۲۲-مسجد-بھال گرام-بردوان

۲۳- مسجد-دیپ گرام-ندیا

۲۴-مسجد مات پلسا-بیر بھوم

۲۵-مسجد-گھوریشہ-بیر بھوم

۲۶-مسجد-دلورا-بیر بھوم

۲۷-مسجد-لوہاپور-بیر بھوم

۲۸-مسجد-خان پور-مالدہ

۲۹-مسجد-پانچی-دیناجپور

۳۰-مسجد-ستیار-دیناجپور

۳۱-مسجد گنگارام

۳۲-مسجد مندلائی-ہگلی

۳۳-مسجد چندائی-بانکورا

۳۴-مسجد بھتیار بیر بھوم

۳۵-مسجد کیلائی-مرشد آباد

۳۶-مسجد جامعہ رحمانیہ دھلیان، مرشد آباد

۳۷-مسجد بھیڑا

۳۸-مسجد مدھم چنڈی پور

۳۹-مسجد بنیارائی-۲۴ پرگنہ

۴۰-مسجد کھوچاکائی-مالدہ

[جزوی امداد]

۴۱-مسجد اہل الحدیث-حولدار پاڑہ-کلکتہ

اڑیسہ

۱-مسجد-سوام پٹنہ

مدھیہ پردیش

۱-مسجد-تتری بازار-رتلام

۲-مسجد-بھوپال

۳- مسجد-کھاری-سیونی

۴-مسجد-امین گنج-سیونی

۵-مسجد-ویدھن-سیدھی

۶-مسجد-سالی وارہ-سیونی

[جزوی امداد]

۷-مسجد اہل الحدیث-اندور

راجستھان

۱-مسجد محمدیہ-سیکر

۲-مسجد اہل الحدیث سادات-مالپورہ-ٹونک

۳-مسجد-دھناری کلاں-جودھپور

گجرات

۱-مسجد جامعہ سلفیہ-کچھ

۲-مسجد مدرسہ محمدیہ-آنند

[جزوی امداد]

۳-مسجد بھروچ ۴-مسجد اہل الحدیث-احمد آباد

۵-مسجد محمدی-جمبوسر

مہاراشٹرا

۱-جامع مسجد-مرول-ممبئی
۲-جامع مسجد-کٹیر منڈل-کرلا-ممبئی
۳-مسجد مدرسہ رحمانیہ-بیگن واڑی-گونڈی-ممبئی
۴-بنگالی مسجد-مدنپورہ-ممبئی
۵-مسجد-سونا پور-بھانڈوپ-ممبئی
۶-مسجد دوکلی-بھیونڈی-تھانہ
۷-مسجد مدرسہ محمدیہ-اتر شیوہ-کوسہ-تھانہ
۸-جامع مسجد اہل الحدیث-سروان-رائیگوھ
۹-مسجد عائشۃ الدعیج-منصورہ-مالیگاؤں-ناسک
۱۰-مسجد گولڈن نگر-مالیگاؤں-ناسک
۱۱-مسجد نگینہ-منماڈ-ناسک
۱۲-مسجد اگر بارگاون-اورنگ آباد
۱۳-جامع مسجد مومن پورہ-ناگپور
۱۴-مسجد گوندیا
۱۵-مسجد سلفیہ-بیبی بلند-ناندیڑ
۱۶-مسجد-برور-شولاپور
۱۷-مسجد محمدیہ-بیگم پیٹھ-شولاپور
۱۸-مسجد کاگل-کولھاپور
۱۹-مسجد شرشی خلیل-رتناگیری
۲۰-مسجد انگل واڑی-رتناگیری
۲۱-مسجد بھوئج-ستارا
۲۲-مسجد ہنگن گھاٹ-وردھا
۲۳-مسجد محمدیہ-دھارولی-آکوٹ-اکولہ
۲۴-مسجد-خیرانی روڈ-ممبئی
۲۵-مسجد کوثر ناندیڑ
۲۶-اسماء مسجد بھیونڈی
۲۷-مسجد مسلم نگر-ماٹونگا
۲۸-مسجد آکوٹ آکولہ

[جزوی امداد]

۲۹-مسجد تاش گلی-دھولیہ
۳۰-مسجد لشکر محلہ-ناسک
۳۱-مسجد اہل الحدیث-مالیگاوں-ناسک
۳۲-مسجد محمدی-احمد نگر
۳۳-مسجد قاضی نا کلی-احمد نگر
۳۴-مسجد سلفیہ کالینا-ممبئی
۳۵-مسجد قریش نگر-کرلا-ممبئی
۳۶-مسجد بھارت نگر-باندرہ-ممبئی
۳۷-مسجد سلفیہ-ٹیگور نگر-وکرولی-ممبئی
۳۸-مسجد محمدی-لیبر کیمپ-ماٹونگا-ممبئی
۳۹-مسجد فیت والی-پریل-ممبئی
۴۰-مسجد-کاندیولی-ممبئی

۴۱-عرب مسجد مدنپورہ-ممبئی

۴۲-مسجد ٹرامبے-ممبئی

۴۳-مسجد پیری کراس-باندرہ-ممبئی

۴۴-جامع مسجد-مومن پورہ-ممبئی

۴۵-مسجد اہل الحدیث کامن-تھانہ

[جزوی امداد]

مسجد مدرسہ محمدیہ سادات نگر، اورنگ آباد

آندھرا پردیش

۱-مسجد-کوتہ ولسہ-وجے نگر

۲-مسجد سلفیہ-سرپلی وشاکھاپٹنم

۳-مسجد-ریچرلہ پیٹھ-کاکنارہ

۴-مسجد-بھیماورم-مغربی گوداوری

۵-مسجد نردول-مغربی گوداوری

۶-مسجد-سمسری گودیم-مغربی گوداوری

۷-مسجد اہل الحدیث-بنکپادو-کرشنا

۸-مسجد مچھلی پٹنم-کرشنا

۹-مسجد-فاروقیہ-وجے واڑہ

۱۰-مسجد اہل الحدیث-اسلام پیٹھ-وجے واڑہ

۱۱-مسجد-ایلورو-وجے واڑہ

۱۲-مسجد-پرنہ-وجے واڑہ

۱۳-مسجد کوثر-پنم نورو-وجے واڑہ

۱۴-مسجد-پردیو-وجے واڑہ

۱۵-مسجد-چلکور پیٹھ-گنٹور

۱۶-مسجد-سری پورم گنٹور

۱۷-مسجد-گودی واڑہ-گنٹور

۱۸-مسجد-کروسور-گنٹور

۱۹-مسجد-ولپرلہ-پرکاشم

۲۰-مسجد-مارتور-پرکاشم

۲۱-مسجد اہل الحدیث-کندوکر-پرکاشم

۲۲-مسجد-کاوٗلی-نلور

۲۳-مسجد-کدپہ

۲۴-مسجد سلفیہ ہندوپور، اننت پور

۲۵-مسجد چار مینار-ہندوپور-اننت پور

۲۶-مسجد-اُدونی کرنول

۲۷-مسجد اہل الحدیث-کرکنڈہ-کرنول

۲۸-مسجد-نندی کنکور-کرنول

۲۹-مدینہ مسجد-گدوال-محبوب نگر

۳۰-مسجد چلکل گورا-حیدرآباد

۳۱-جامع مسجد مشیرآباد-حیدرآباد

۳۲-مسجد-کاروان ساھو-حیدرآباد

۳۳-مسجد-فتح دروازہ-حیدرآباد

۳۴-مسجد محمدیہ-جگناتھ پورم-کھمام

۳۵- مسجد محمدیہ سیانند و- کھمام

۳۶- مسجد محمدیہ- گنیشن پلی- ورنگل

۳۷- مسجد- گوداوری کھنی- کریم نگر

۳۸- مسجد محمدیہ- چناکومت پلی- کریم نگر

۳۹- مسجد محمدیہ- دھرم رام- کریم نگر

۴۰- مسجد محمدیہ- حسینی پورہ- کریم نگر

۴۱- نمرہ مسجد- احمد پورہ- نظام آباد

۴۲- مسجد اہل الحدیث- مورتار- نظام آباد

۴۳- مسجد- نارائن کھیر، میدک

۴۴- مسجد محمدیہ، وجے واڑہ

۴۵- مسجد ویلوتو، مغربی گوداوری

۴۶- مسجد کرشناپور، عادل آباد

۴۷- مسجد ودکوار، وجے واڑہ

۴۸- مسجد...... کرو- مغربی گوداوری

۴۹- مسجد اونگنور- مغربی گوداوری

۵۰- مسجد تارے پلی- مغربی گوداوری

۵۱- محمدی مسجد کویلوتو ڈیم- مغربی گوداوری

۵۲- مسجد محمدیہ تالور- گنٹور

۵۳- مسجد سریکاکولم- گنٹور

۵۴- مسجد توحید یمنگور- کرنول

۵۵- مسجد غربادو- گنٹور

۵۶- مسجد پنکڈپلی- کریم نگر

[جزوی امداد]

۵۷- مسجد قمر- کرنول

کرناٹک

۱- مسجد ہیرو، رسید پور کاروار

۲- مسجد رحمتیہ- کستوربانگر- سرسی

۳- مسجد- اکیا آلور- دھاروار

۴- مسجد قریشی محلہ شوراپور- گلبرگہ

۵- نئی مسجد سگر- گلبرگہ

۶- مسجد محمدی- شاہ آباد- گلبرگہ

۷- مسجد اہل الحدیث- کول بازار- بلاری

۸- مسجد- آزادنگر- کودلگی- بلاری

۹- مسجد ہگری بمنھلی- بلاری

۱۰- مسجد اہل الحدیث- اری کوپ- بلاری

۱۱- مسجد بارلین روڈ- چتر درگ

۱۲- مسجد- رامپور- چتر درگ

۱۳- مسجد- آلود- چتر درگ

۱۴- مسجد اہل الحدیث- لشکر محلہ- میسور

۱۵- مسجد اہل الحدیث- گندل پیٹھ- میسور

۱۶- مسجد- کلکونی- میسور

۱۷- مسجد- نگرلہ- میسور

۱۸-مسجد-غوثیہ نگر-میسور

۱۹-مسجد-دود بالا پور-بنگلور

۲۰-مسجد محمدیہ-شرجاپور-بنگلور

۲۱-رحمانی مسجد-بنگلور

۲۲-مسجد-اتیہ پلی-بنگلور

۲۳-مسجد رحمانیہ-گوری بدنور-کولار

۲۴-مسجد سلفیہ-سنکل-کولار

۲۵-مسجد ابراہیم الخلیل-منگلور

۲۶-مسجد اہل الحدیث-چتر درگ

۲۷-جامع مسجد-سرسی

۲۸-مسجد-ریون کتہ-سرسی

۲۹-مسجد-ھنسور-میسور

۳۰-مسجد سرگیہ بلاری

۳۱- مسجد جامعہ محمدیہ، بنگلور

۳۲- مسجد انصار، بنگلور

[جزوی امداد]

۳۳-مسجد شاہ آباد-گلبرگہ

۳۴-عثمانیہ مسجد، منگلور

۳۵-مسجد ھاسپٹ-بلاری

تامل ناڈو

۱-مسجد-النبدور-مدراس

۲-مسجد-اسلام نگر-مدراس

۳-مسجد-ایلورو-مدراس

۴-مسجد-أنوار الاسلام-مدراس

۵-مسجد-یعقوبیہ-مدراس

۶-مسجد پولور-مدراس

۷-مسجد رحمانیہ-ورنگل-چنگل پیٹھ

۸-مسجد-پلائی پٹنم-ساؤتھ آرکاٹ

۹-مسجد محمدیہ-ولوپورم

۱۰-مسجد محمدیہ-ولوپورم

۱۱-مسجد-یداپالیم-ولوپورم

۱۲-مسجد-ید پیٹھ

۱۳-مسجد-چیت پیٹھ

۱۴-مسجد-المپونڈی-ویلور

۱۵-مسجد-ھسور-دھرماپوری

۱۶-مسجد-وانم باری

۱۷-مسجد رحمانیہ-کاویری باکم-رانی پیٹھ

۱۸-مسجد-تروتی نکور

۱۹-مسجد-ملتیال پیٹھ-مدراس

۲۰-مسجد رحیم آباد تاس-تامل ناڈو

۲۱-مسجد اکبر دنداسی

۲۲-مسجد چارمینار، مدراس

۲۳- مسجد ترد چناپلی

۲۴- مسجد الفلاح سنگم پیٹھ

۲۵- مسجد تقویٰ - مدراس

[جزوی امداد]

۲۶- روڈ مسجد - پرنام بت

۲۷- مسجد اسلام نگر - مدراس

۲۸- مسجد نوریہ - مدراس

کیرالا

۱- مسجد - تلانور

۲- سلفی مسجد چرواری - کالی کٹ

۳- مسجد ندوۃ المجاہدین - کالی کٹ

۴- مسجد تھراکودی - مالاپورم

۵- مسجد - مالاپورم

۶- مسجد ککاد

۷- مسجد میتھولاد

۸- مسجد کیندراپلی

۹- مسجد یندروپ

۱۰- مسجد کودین دھورا - پال گھاٹ

۱۱- مسجد کلادی کود - پال گھاٹ

[جزوی امداد]

۱۲- مسجد سلفی کوداکاٹ - پال گھاٹ

زیر تعمیر مساجد

۱- مسجد محمدی اتھیوا، فیض آباد، یو. پی

۲- مسجد خلیل مئو، یو. پی

۳- مسجد جعفر نگر، ناسک، مہاراشٹر

☆☆☆

مسلمانوں کی زندگی

ایسے لوگ جو تعلیمات الٰہی چھوڑ کر اور اللہ کو بھول کر اپنے آپ اپنی دنیا آباد کرنے کی فکر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسوں کو اپنی نظر عنایت سے گرا دیتا ہے اور ان کے حال سے غافل ہو جاتا ہے، کیونکہ جیسا عمل تھا ویسی ہی سزا ملتی ہے ﴿نسوا اللہ فنسیھم﴾ (توبہ: ۷۶) انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا۔

مسلمان دنیا میں حق کے علمبردار ہیں وہ زندگی کے تمام معاملات میں حق پرست ہیں ان کی پوری زندگی جہاد ہے اور موت شہادت، موت ان کیلئے اللہ کا تحفہ ہے اور رب العالمین سے ملاقات کا سب سے قریبی راستہ، اسلئے ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہئے کہ وہ بزدلی اور دنیا پرستی کو اپنے لئے عار سمجھیں اور اپنی مستعار زندگی کو راہ الٰہی میں قربان کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہیں۔

(مولانا مختار احمد ندویؒ: بحوالہ البلاغ: مئی: ۱۹۹۱)

فہرست مقالات حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

شائع شدہ مجلّہ البلاغ از: اگست ۱۹۹۰ء تا ستمبر ۲۰۰۷ء

نمبر شمار	مضمون کا نام	صفحہ نمبر	شمارہ نمبر	جلد نمبر	ماہ	سال
1	محرم الحرام: حرمت وعظمت کا مہینہ	۵	۱	۱	اگست	۱۹۹۰ء
2	رسوم جاہلیت کی بیخ کنی	۷	۱	۱	اگست	۱۹۹۰ء
3	ہجرت مدینہ اسلامی تاریخ کا عظیم واقعہ	۱۴	۱	۱	اگست	۱۹۹۰ء
4	یار غار	۱۶	۱	۱	اگست	۱۹۹۰ء
5	سراقہ بن مالک	۱۸	۱	۱	اگست	۱۹۹۰ء
6	ذات النطاقین حضرت اسماء	۲۰	۱	۱	اگست	۱۹۹۰ء
7	زندگی کی سعادت کا راز، فیصلہ الٰہی پر راضی ہونا ہے	۳۰	۱	۱	اگست	۱۹۹۰ء
8	مسلمان عورت	۵۱	۱	۱	اگست	۱۹۹۰ء
9	شب ہجرت کے پاسبان حضرت علی	۵۵	۱	۱	اگست	۱۹۹۰ء
10	آداب ظرافت	۵۷	۱	۱	اگست	۱۹۹۰ء
11	وہ اعمال جن کے ذریعہ مومن کی دنیا اور آخرت میں یقینی کامیابی ہے۔	۹	۲	۱	ستمبر	۱۹۹۰ء
12	حقیقی مومن ایمان کی لذتیں پاتا ہے	۱۱	۲	۱	ستمبر	۱۹۹۰ء
13	سفر ومسافر کے شرعی آداب واحکام	۱۹	۲	۱	ستمبر	۱۹۹۰ء
14	فتاوی ومسائل	۵۸	۲	۱	ستمبر	۱۹۹۰ء
15	مولانا عبدالوحید ایک یادگار شخصیت	۶۱	۲	۱	ستمبر	۱۹۹۰ء
16	عالمی اسلامی کانفرنس کا تاریخی انعقاد	۵	۳	۱	اکتوبر	۱۹۹۰ء
17	امی لقب: عظیم ترین معجزہ	۹	۳	۱	اکتوبر	۱۹۹۰ء

18	سیدالانبیاء آپ اپنے آئینے میں	۱۴	۳	۱	اکتوبر	۱۹۹۰ء
19	ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف	۳۳	۳	۱	اکتوبر	۱۹۹۰ء
20	خلیج عرب صہیونی طاقتوں کے نرغے میں	۵	۴	۱	نومبر	۱۹۹۰ء
21	اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے	۶	۴	۱	نومبر	۱۹۹۰ء
22	ولی	۸	۴	۱	نومبر	۱۹۹۰ء
23	اولیاءاللہ کا مقام	۱۱	۴	۱	نومبر	۱۹۹۰ء
24	فردوس گم شدہ کویت کی ڈائری	۱۸	۴	۱	نومبر	۱۹۹۰ء
25	بیوی کا انتخاب	۵۸	۴	۱	نومبر	۱۹۹۰ء
26	اب کس کا انتظار ہے	۵	۵	۱	دسمبر	۱۹۹۰ء
27	قرآن کی مظلومیت	۷	۵	۱	دسمبر	۱۹۹۰ء
28	دل کی بادشاہی	۸	۵	۱	دسمبر	۱۹۹۰ء
29	امارات کی ڈائری	۱۲	۵	۱	دسمبر	۱۹۹۰ء
30	متحدہ عرب امارات	۱۶	۵	۱	دسمبر	۱۹۹۰ء
31	اتنی رفعت اتنی پستی	۵۷	۵	۱	دسمبر	۱۹۹۰ء
32	عزم وحوصلہ قائم رکھئے	۵	۶	۱	جنوری	۱۹۹۱ء
33	آخر ہم کب بیدار ہونگے	۷	۶	۱	جنوری	۱۹۹۱ء
34	مسلمانوں کی ذلت کا حقیقی سبب	۹	۶	۱	جنوری	۱۹۹۱ء
35	جمہوریہ ہند	۱۴	۶	۱	جنوری	۱۹۹۱ء
36	حضرت شاہ اسمٰعیل شہید	۲۵	۶	۱	جنوری	۱۹۹۱ء
37	الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے	۵	۷	۱	فروری	۱۹۹۱ء
38	آزمائش اور انسانی فطرت	۷	۷	۱	فروری	۱۹۹۱ء
39	مومن ہے تو تقدیر پہ کرتا ہے بھروسہ	۱۰	۷	۱	فروری	۱۹۹۱ء
40	قطر کی ڈائری	۲۰	۷	۱	فروری	۱۹۹۱ء
41	فضیلۃ الشیخ عبداللہ زید المحمود	۴۲	۷	۱	فروری	۱۹۹۱ء
42	سقوط بغداد: بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔	۵	۸	۱	مارچ	۱۹۹۱ء

43	قرآن کی سالگرہ		۶	۸	۱	مارچ	۱۹۹۱ء
44	ماہ مبارک کا استقبال		۸	۸	۱	مارچ	۱۹۹۱ء
45	ریاض کی عالمی جہاد کانفرنس		۹	۸	۱	مارچ	۱۹۹۱ء
46	تاریخ بدل رہی ہے		۵	۹	۱	اپریل	۱۹۹۱ء
47	مال اللہ کا عطیہ ہے		۸	۹	۱	اپریل	۱۹۹۱ء
48	زکوۃ اسلامی مالی نظام کا بنیادی ستون		۱۲	۹	۱	اپریل	۱۹۹۱ء
49	فتاوی		۵۸	۹	۱	اپریل	۱۹۹۱ء
50	آپ اپنے ملک کے معمار ہیں		۵	۱۰	۱	مئی	۱۹۹۱ء
51	مال کی اندھی لالچ انسان کو فقیر بنا دیتی ہے۔		۷	۱۰	۱	مئی	۱۹۹۱ء
52	یہ شہادت کی موت		۱۰	۱۰	۱	مئی	۱۹۹۱ء
53	مختارات		۵۵	۱۰	۱	مئی	۱۹۹۱ء
54	فتاوی		۵۸	۱۰	۱	مئی	۱۹۹۱ء
55	لہو پکارے گا آستیں کا		۵	۱۱	۱	جون	۱۹۹۱ء
56	ابراہیم ایک امت		۹	۱۱	۱	جون	۱۹۹۱ء
57	قربانی تمہارے باپ ابراہیم کی سنت		۱۲	۱۱	۱	جون	۱۹۹۱ء
58	فتاوی		۵۷	۱۱	۱	جون	۱۹۹۱ء
59	مختارات		۶۱	۱۱	۱	جون	۱۹۹۱ء
60	البلاغ کی پہلی منزل		۷	۱۲	۱	جولائی	۱۹۹۱ء
61	مال اور اولاد		۱۳	۱۲	۱	جولائی	۱۹۹۱ء
62	خوش نصیب اولاد		۱۷	۱۲	۱	جولائی	۱۹۹۱ء
63	متعہ نہیں شرعی نکاح		۴۹	۱۲	۱	جولائی	۱۹۹۱ء
64	مختارات		۱۱۰	۱۲	۱	جولائی	۱۹۹۱ء
65	فقہ وفتاوی		۱۱۷	۱۲	۱	جولائی	۱۹۹۱ء
66	مومن اور کافر عورت کا فرق		۱۲۲	۱۲	۱	جولائی	۱۹۹۱ء
67	عدالت نبوی کے فیصلے		۱۳۱	۱۲	۱	جولائی	۱۹۹۱ء

68	اسلامی دنیا میں البلاغ کا خیر مقدم		۵	۱	۲	اگست	۱۹۹۱ء
69	ھوی وھوس		۹	۱	۲	اگست	۱۹۹۱ء
70	جھوٹی آرزوئیں اور لالچ کی زندگی		۱۲	۱	۲	اگست	۱۹۹۱ء
71	عدالت نبویؐ کے فیصلے		۲۶	۱	۲	اگست	۱۹۹۱ء
72	مختارات		۵۰	۱	۲	اگست	۱۹۹۱ء
73	پادری جو اسلام کا مبلغ بن گیا		۵۷	۱	۲	اگست	۱۹۹۱ء
74	فقہ وفتاوی		۶۰	۱	۲	اگست	۱۹۹۱ء
75	شکست کی آواز		۵	۲	۲	ستمبر	۱۹۹۱ء
76	خیر خواہی		۷	۲	۲	ستمبر	۱۹۹۱ء
77	سید الانبیاء کا طریق زندگی		۹	۲	۲	ستمبر	۱۹۹۱ء
78	زخمی کویت اپنی تعمیر اور شاندار مستقبل کی راہ پر		۱۶	۲	۲	ستمبر	۱۹۹۱ء
79	مختارات		۴۲	۲	۲	ستمبر	۱۹۹۱ء
80	عدالت نبوی کے فیصلے		۵۷	۲	۲	ستمبر	۱۹۹۱ء
81	آخر مسئلہ کشمیر کا حل کیا ہے		۵	۳	۲	اکتوبر	۱۹۹۱ء
82	محمد ﷺ قرآن کے آئینہ میں		۸	۳	۲	اکتوبر	۱۹۹۱ء
83	آنحضرت ﷺ اپنے آئینہ میں		۱۱	۳	۲	اکتوبر	۱۹۹۱ء
84	لندن سے مکہ تک		۱۳	۳	۲	اکتوبر	۱۹۹۱ء
85	مختارات		۳۳	۳	۲	اکتوبر	۱۹۹۱ء
86	عدالت نبوی کے فیصلے		۳۹	۳	۲	اکتوبر	۱۹۹۱ء
87	فقہ وفتاوی		۵۹	۳	۲	اکتوبر	۱۹۹۱ء
88	حاجی محمد الیاس فاروقی کی موت		۶۵	۳	۲	اکتوبر	۱۹۹۱ء
89	یہ رام مندر کے پجاری		۵	۴	۲	نومبر	۱۹۹۱ء
90	قرآن شفا اور رحمت ہے		۸	۴	۲	نومبر	۱۹۹۱ء
91	دین بہت آساں ہے		۱۱	۴	۲	نومبر	۱۹۹۱ء
92	جامعہ سلفیہ بنارس		۱۷	۴	۲	نومبر	۱۹۹۱ء

93	لندن سے مکہ تک	۲۴	۴	۲	نومبر	۱۹۹۱ء
94	مختارات	۴۶	۴	۲	نومبر	۱۹۹۱ء
95	عدالت نبوی کے فیصلے	۵۴	۴	۲	نومبر	۱۹۹۱ء
96	فقہ وفتاوی	۵۸	۴	۲	نومبر	۱۹۹۱ء
97	آہ! مولانا نصیر احمد ملی	۶۵	۴	۲	نومبر	۱۹۹۱ء
98	ہمت مت ہارو اور غم مت کرو متحد ہو جاؤ	۵	۵	۲	دسمبر	۱۹۹۱ء
99	قرآن ایک سچی کتاب	۸	۵	۲	دسمبر	۱۹۹۱ء
100	ایمان کی شاخیں	۱۱	۵	۲	دسمبر	۱۹۹۱ء
101	لندن سے مکہ تک	۲۷	۵	۲	دسمبر	۱۹۹۱ء
102	عدالت نبوی کے فیصلے	۴۸	۵	۲	دسمبر	۱۹۹۱ء
103	مختارات	۵۲	۵	۲	دسمبر	۱۹۹۱ء
104	فقہ وفتاوی	۵۸	۵	۲	دسمبر	۱۹۹۱ء
105	سرخ جہنم سرد ہو گیا	۵	۶	۲	جنوری	۱۹۹۲ء
106	قرآن معجزۂ الٰہی	۸	۶	۲	جنوری	۱۹۹۲ء
107	ایمان کی حقیقت	۱۱	۶	۲	جنوری	۱۹۹۲ء
108	نور علیٰ نور	۲۳	۶	۲	جنوری	۱۹۹۲ء
109	مختارات	۴۳	۶	۲	جنوری	۱۹۹۲ء
110	دینی مسائل	۵۰	۶	۲	جنوری	۱۹۹۲ء
111	عدالت نبوی کے فیصلے	۵۸	۶	۲	جنوری	۱۹۹۲ء
112	عالمی اسلامی طاقت کا خوف	۵	۷	۲	فروری	۱۹۹۲ء
113	ایمان اور اسلام	۱۳	۷	۲	فروری	۱۹۹۲ء
114	مختارات	۳۴	۷	۲	فروری	۱۹۹۲ء
115	عدالت نبوی کے فیصلے	۳۸	۷	۲	فروری	۱۹۹۲ء
116	دینی مسائل	۴۶	۷	۲	فروری	۱۹۹۲ء
117	ہندوستانی سیاست کا نفاق	۵	۸	۲	مارچ	۱۹۹۲ء

118	قرآن کی جمع وترتیب کا اہتمام	۹	۸	۲	مارچ	۱۹۹۲ء
119	رمضان کی آمد پر آنحضرت کا عظیم خطبہ	۱۲	۸	۲	مارچ	۱۹۹۲ء
120	مختارات	۲۷	۸	۲	مارچ	۱۹۹۲ء
121	قرآن کی حفاظت کا اہتمام	۱۰	۸	۲	مارچ	۱۹۹۲ء
122	دینی مسائل	۴۱	۸	۲	مارچ	۱۹۹۲ء
123	عدالت نبوی کے فیصلے	۴۹	۸	۲	مارچ	۱۹۹۲ء
124	ہندوستان کی اسرائیل نوازی	۵	۹	۲	اپریل	۱۹۹۲ء
125	قرآن مجید کی حقانیت پر اعتراضات کا جواب	۷	۹	۲	اپریل	۱۹۹۲ء
126	اللہ پر ایمان لانا	۱۰	۹	۲	اپریل	۱۹۹۲ء
127	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۳	۹	۲	اپریل	۱۹۹۲ء
128	مختارات	۴۸	۹	۲	اپریل	۱۹۹۲ء
129	انقلاب عظیم	۵	۱۰	۲	مئی	۱۹۹۲ء
130	خطبۂ صدارت	۱۲	۱۰	۲	مئی	۱۹۹۲ء
131	عدالت نبوی کے فیصلے	۴۰	۱۰	۲	مئی	۱۹۹۲ء
132	مختارات	۴۶	۱۰	۲	مئی	۱۹۹۲ء
133	آل انڈیا ملی کونسل کا قیام	۵	۱۱	۲	جون	۱۹۹۲ء
134	عدالت نبوی کے فیصلے	۱۹	۱۱	۲	جون	۱۹۹۲ء
135	مختارات	۳۰	۱۱	۲	جون	۱۹۹۲ء
136	پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے	۷	۱۲	۲	جولائی	۱۹۹۲ء
137	عدالت نبوی کے فیصلے	۳۱	۱۲	۲	جولائی	۱۹۹۲ء
138	مختارات	۴۳	۱۲	۲	جولائی	۱۹۹۲ء
139	ہندوستان لاقانونیت کی راہ پر	۵	۱	۳	اگست	۱۹۹۲ء
140	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۲	۱	۳	اگست	۱۹۹۲ء
141	مختارات	۳۵	۱	۳	اگست	۱۹۹۲ء
142	اسلام زندہ ہوتا ہے	۵	۲	۳	ستمبر	۱۹۹۲ء

143	عدالت نبوی کے فیصلے		۱۷	۲	۳	ستمبر	۱۹۹۲ء
144	مختارات		۴۱	۲	۳	ستمبر	۱۹۹۲ء
145	قصۂ ہدایت وضلالت		۵	۳	۳	اکتوبر	۱۹۹۲ء
146	مختارات		۲۳	۳	۳	اکتوبر	۱۹۹۲ء
147	عدالت نبوی کے فیصلے		۳۸	۳	۳	اکتوبر	۱۹۹۲ء
148	کشمیر کو خود مختاری دی جائے		۵	۴	۳	نومبر	۱۹۹۲ء
149	مختارات		۱۸	۴	۳	نومبر	۱۹۹۲ء
150	عدالت نبوی کے فیصلے		۳۰	۴	۳	نومبر	۱۹۹۲ء
151	ہم ہندستانی مسلمان		۵	۵	۳	دسمبر	۱۹۹۲ء
152	مختارات		۱۶	۵	۳	دسمبر	۱۹۹۲ء
153	عدالت نبوی کے فیصلے		۲۳	۵	۳	دسمبر	۱۹۹۲ء
154	شہادت اور خون		۵	۶	۳	جنوری	۱۹۹۳ء
155	لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا		۷	۶	۳	جنوری	۱۹۹۳ء
156	مختارات		۱۷	۶	۳	جنوری	۱۹۹۳ء
157	عدالت نبوی کے فیصلے		۲۶	۶	۳	جنوری	۱۹۹۳ء
158	نئے ہندوستان کی تعمیر		۵	۷	۳	فروری	۱۹۹۳ء
159	مختارات		۱۷	۷	۳	فروری	۱۹۹۳ء
160	عدالت نبوی کے فیصلے		۲۹	۷	۳	فروری	۱۹۹۳ء
161	مسلمانان ہند کا اتحاد		۵	۸	۳	مارچ	۱۹۹۳ء
162	مختارات		۱۸	۸	۳	مارچ	۱۹۹۳ء
163	تصویر کے دو رخ		۵	۹	۳	اپریل	۱۹۹۳ء
164	مختارات		۱۱	۹	۳	اپریل	۱۹۹۳ء
165	ممبئی کے بم دھماکے اور پولس		۵	۱۰	۳	مئی	۱۹۹۳ء
166	مختارات		۱۳	۱۰	۳	مئی	۱۹۹۳ء
167	ہند اور اسرائیل دوستی		۵	۱۱	۳	جون	۱۹۹۳ء

168	مختارات	۱۳	۱۱	۳	جون	۱۹۹۳ء
169	نورعلم کی ظلمت	۵	۱۲	۳	جولائی	۱۹۹۳ء
170	مختارات	۱۵	۱۲	۳	جولائی	۱۹۹۳ء
171	ایک مجلس کی تین طلاق	۳۵	۱۲	۳	جولائی	۱۹۹۳ء
172	کانگریس کی اسرائیل نوازی	۵	۱	۴	اگست	۱۹۹۳ء
173	ایک مجلس کی تین طلاق	۱۳	۱	۴	اگست	۱۹۹۳ء
174	مختارات	۲۵	۱	۴	اگست	۱۹۹۳ء
175	ایک ہوں مسلم	۵	۲	۴	ستمبر	۱۹۹۳ء
176	مختارات	۱۶	۲	۴	ستمبر	۱۹۹۳ء
177	تاریخ کا ذلیل ترین معاہدہ	۵	۳	۴	اکتوبر	۱۹۹۳ء
178	قیامت صغریٰ سے سبق لو	۱۱	۳	۴	اکتوبر	۱۹۹۳ء
179	لنکا اور جزائر مالدیپ کا سفر	۱۱	۳	۴	اکتوبر	۱۹۹۳ء
180	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی	۵۷	۳	۴	اکتوبر	۱۹۹۳ء
181	پاکستان سے اسلامی محاذ کا صفایا	۵	۴	۴	نومبر	۱۹۹۳ء
182	ہندوستان میں احیائے شریعت کی لہر	۲۴	۴	۴	نومبر	۱۹۹۳ء
183	رنگوں کی سیاست	۵	۵	۴	دسمبر	۱۹۹۳ء
184	مختارات	۱۴	۵	۴	دسمبر	۱۹۹۳ء
185	زندگی سے فرار	۵	۶	۴	جنوری	۱۹۹۴ء
186	مختارات	۱۸	۶	۴	جنوری	۱۹۹۴ء
187	ہوا کا رخ	۵	۷	۴	فروری	۱۹۹۴ء
188	رفتید ولے نہ از دل ما	۱۷	۷	۴	فروری	۱۹۹۴ء
189	عالم اسلام میں سلفیت کی لہر	۵	۸	۴	مارچ	۱۹۹۴ء
190	مختارات	۱۳	۸	۴	مارچ	۱۹۹۴ء
191	جماعت اسلامی پر پابندی کا خاتمہ	۵	۹	۴	اپریل	۱۹۹۴ء
192	مختارات	۱۵	۹	۴	اپریل	۱۹۹۴ء

193	جسٹس تلہری کی بکواس	۵	۱۰	۴	مئی	۱۹۹۴ء
194	مختارات	۱۲	۱۰	۴	مئی	۱۹۹۴ء
195	ہندوستانی مسلمانوں کا مستقبل	۵	۱۱	۴	جون	۱۹۹۴ء
196	ہلال عید جہالت اور تعصب کی بدلیوں میں	۱۲	۱۱	۴	جون	۱۹۹۴ء
197	مختارات	۲۰	۱۱	۴	جون	۱۹۹۴ء
198	مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ	۵	۱۲	۴	جولائی	۱۹۹۴ء
199	علم وفن کی ناقدری کا ماتم	۱۲	۱۲	۴	جولائی	۱۹۹۴ء
200	اسرائیل عالم اسلام کا سرطان	۵	۱	۵	اگست	۱۹۹۴ء
201	مختارات	۱۶	۱	۵	اگست	۱۹۹۴ء
202	ملک الموت	۵۶	۱	۵	اگست	۱۹۹۴ء
203	مذہبی مقامات پر قومی پرچم کشائی کا فتنہ	۵	۲	۵	ستمبر	۱۹۹۴ء
204	مختارات	۱۶	۲	۵	ستمبر	۱۹۹۴ء
205	اسلامی لباس	۵۲	۲	۵	ستمبر	۱۹۹۴ء
206	قرآن مجید کی اہانت کا انعام	۵	۳	۵	اکتوبر	۱۹۹۴ء
207	مختارات	۱۲	۳	۵	اکتوبر	۱۹۹۴ء
208	عقیدۂ اسلام	۴۳	۳	۵	اکتوبر	۱۹۹۴ء
209	اردو زبان کیلئے جہاد	۵	۴	۵	نومبر	۱۹۹۴ء
210	مختارات	۱۳	۴	۵	نومبر	۱۹۹۴ء
211	شریعت اسلامیہ میں تصویر کا حکم	۱۹	۴	۵	نومبر	۱۹۹۴ء
212	دینی مسائل	۲۴	۴	۵	نومبر	۱۹۹۴ء
213	نظم البیان بلطائف القرآن	۳۳	۴	۵	نومبر	۱۹۹۴ء
214	اسلام کے کندھے پر بندوق مت رکھو	۵	۵	۵	دسمبر	۱۹۹۴ء
215	مختارات	۱۰	۵	۵	دسمبر	۱۹۹۴ء
216	ان ہاتھوں کو تسلیم کرو	۵	۶	۵	جنوری	۱۹۹۵ء
217	مختارات	۱۰	۶	۵	جنوری	۱۹۹۵ء

218	تری آواز مکے اور مدینے		۵	۷	۵	فروری	۱۹۹۵ء
219	مختارات		۱۰	۷	۵	فروری	۱۹۹۵ء
220	روسی سامراج کے خلاف جہاد		۵	۸	۵	مارچ	۱۹۹۵ء
221	مختارات		۱۰	۸	۵	مارچ	۱۹۹۵ء
222	کانگریس نے فرقہ پرستوں کیلئے کیا چھوڑا		۵	۹	۵	اپریل	۱۹۹۵ء
223	مختارات		۱۰	۹	۵	اپریل	۱۹۹۵ء
224	پاکستان کا جرأت مندانہ اقدام		۵	۱۰	۵	مئی	۱۹۹۵ء
225	مختارات		۱۰	۱۰	۵	مئی	۱۹۹۵ء
226	حج ایک نظر میں		۲۲	۱۰	۵	مئی	۱۹۹۵ء
227	دینی مسائل		۵۲	۱۰	۵	مئی	۱۹۹۵ء
228	یکساں سول کوڈ یا بھارتیہ کرن		۵	۱۱	۵	جون	۱۹۹۵ء
229	مختارات		۱۷	۱۱	۵	جون	۱۹۹۵ء
230	یوپی سیاست کا المیہ		۵	۱۲	۵	جولائی	۱۹۹۵ء
231	مختارات		۱۰	۱۲	۵	جولائی	۱۹۹۵ء
232	اپنی ملی بیداری کا ثبوت دیجئے		۵	۱	۶	اگست	۱۹۹۵ء
233	مختارات		۱۱	۱	۶	اگست	۱۹۹۵ء
234	ننگ انسانیت		۵	۲	۶	ستمبر	۱۹۹۵ء
235	مختارات		۱۰	۲	۶	ستمبر	۱۹۹۵ء
236	گنیش جی کا دودھ پینا		۵	۳	۶	اکتوبر	۱۹۹۵ء
237	مختارات		۱۳	۳	۶	اکتوبر	۱۹۹۵ء
238	ہم ہندوستانی مسلمان		۵	۴	۶	نومبر	۱۹۹۵ء
239	مختارات		۹	۴	۶	نومبر	۱۹۹۵ء
240	عربی طباعت کی تاریخ پر عالمی کانفرنس		۵۲	۴	۶	نومبر	۱۹۹۵ء
241	شیخ الازہر کی اسرائیل نوازی		۵	۵	۶	دسمبر	۱۹۹۵ء
242	مختارات		۵۰	۵	۶	دسمبر	۱۹۹۵ء

243	آخرت کے راہی	۶۰	۵	۶	دسمبر	۱۹۹۵ء
244	سپریم کورٹ کا ایک تاریخی فیصلہ	۵	۶	۶	جنوری	۱۹۹۶ء
245	مختارات	۴۸	۶	۶	جنوری	۱۹۹۶ء
246	ماہ مبارک کو سلام	۵	۷	۶	فروری	۱۹۹۶ء
247	رمضان المبارک فضائل ومسائل	۱۳	۷	۶	فروری	۱۹۹۶ء
248	مختارات	۳۹	۷	۶	فروری	۱۹۹۶ء
249	مچھلی بازار	۵	۸	۶	مارچ	۱۹۹۶ء
250	مختارات	۳۸	۸	۶	مارچ	۱۹۹۶ء
251	حج کمیٹی کو آزاد کراؤ	۵	۹	۶	اپریل	۱۹۹۶ء
252	حج ایک نظر میں	۲۲	۹	۶	اپریل	۱۹۹۶ء
253	مختارات	۴۳	۹	۶	اپریل	۱۹۹۶ء
254	مسلمان اپنے ووٹ کو اللہ کی امانت سمجھیں	۵	۱۰	۶	مئی	۱۹۹۶ء
255	مختارات	۵۴	۱۰	۶	مئی	۱۹۹۶ء
256	جشن شکست	۵	۱۱	۶	جون	۱۹۹۶ء
257	مختارات	۳۷	۱۱	۶	جون	۱۹۹۶ء
258	جنتا کانگریس کی ضرورت	۶۶	۱۱	۶	جون	۱۹۹۶ء
259	پاکستان میں جاہلی نظام کا احیاء	۵	۱۲	۶	جولائی	۱۹۹۶ء
260	مختارات	۴۴	۱۲	۶	جولائی	۱۹۹۶ء
261	حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشن ٹرسٹ پونہ	۵۹	۱۲	۶	جولائی	۱۹۹۶ء
262	مسلمان اپنے حوصلے بلند رکھیں	۸	۱	۷	اگست	۱۹۹۶ء
263	مختارات	۱۲	۱	۷	اگست	۱۹۹۶ء
264	الکتاب والحکمہ	۵	۲	۷	ستمبر	۱۹۹۶ء
265	سچائی	۶	۲	۷	ستمبر	۱۹۹۶ء
266	وزیر اعظم کا طفلانہ عمل	۷	۲	۷	ستمبر	۱۹۹۶ء
267	مختارات	۴۷	۲	۷	ستمبر	۱۹۹۶ء

268	الکتاب والحکمہ	۵	۳	۷	اکتوبر	۱۹۹۶ء
269	آنحضور کی عملی زندگی	۶	۳	۷	اکتوبر	۱۹۹۶ء
270	تعلیم اور رشوت	۷	۳	۷	اکتوبر	۱۹۹۶ء
271	مختارات	۴۴	۳	۷	اکتوبر	۱۹۹۶ء
272	آہ! قاضی اطہر مبارکپوری	۶۵	۳	۷	اکتوبر	۱۹۹۶ء
273	وقت کا اہم ترین عملی جہاد	۶۶	۳	۷	اکتوبر	۱۹۹۶ء
274	آپ ﷺ کی عملی زندگی	۶	۴	۷	نومبر	۱۹۹۶ء
275	مسجد اقصی لرز رہی ہے	۷	۴	۷	نومبر	۱۹۹۶ء
276	کیمرے کی تصویر کا حکم	۲۶	۴	۷	نومبر	۱۹۹۶ء
277	مختارات	۳۸	۴	۷	نومبر	۱۹۹۶ء
278	بمبئی میں علامہ یوسف القرضاوی کا خطاب	۶۲	۴	۷	نومبر	۱۹۹۶ء
279	الدار السلفیہ کی علمی رفتار	۶۶	۴	۷	نومبر	۱۹۹۶ء
280	اولاد پر احسان	۶	۵	۷	دسمبر	۱۹۹۶ء
281	مقابلہ حسن: ملک میں فحاشی کی نئی لہر	۷	۵	۷	دسمبر	۱۹۹۶ء
282	ایک مجلس کی تین طلاقیں	۱۵	۵	۷	دسمبر	۱۹۹۶ء
283	مختارات	۴۴	۵	۷	دسمبر	۱۹۹۶ء
284	کھانے پینے میں آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ	۶	۶	۷	جنوری	۱۹۹۷ء
285	بابری مسجد کا انتقام	۷	۶	۷	جنوری	۱۹۹۷ء
286	ماہ رمضان نزول قرآن کی سال گرہ ہے	۱۵	۶	۷	جنوری	۱۹۹۷ء
287	مختارات	۵۳	۶	۷	جنوری	۱۹۹۷ء
288	عید کا پیغام	۶	۷	۷	فروری	۱۹۹۷ء
289	مختارات	۲۰	۷	۷	فروری	۱۹۹۷ء
290	دوسروں کی تکلیف کا احساس	۶	۸	۷	مارچ	۱۹۹۷ء
291	طب نبوی کا احیاء	۷	۸	۷	مارچ	۱۹۹۷ء
292	مختارات	۱۱	۸	۷	مارچ	۱۹۹۷ء

293	کیا مسلمان خواتین کا مسجد میں آنا فتنہ ہے	۱۹	۸	۷	مارچ	۱۹۹۷ء
294	ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک	۵	۹	۷	اپریل	۱۹۹۷ء
295	جمعہ کے بارے میں آنحضرت کا اسوۂ حسنہ	۶	۹	۷	اپریل	۱۹۹۷ء
296	سچ کہہ دوں اے برہمن	۷	۹	۷	اپریل	۱۹۹۷ء
297	مختارات	۱۲	۹	۷	اپریل	۱۹۹۷ء
298	مناسک حج کا خلاصہ	۲۳	۹	۷	اپریل	۱۹۹۷ء
299	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۸	۹	۷	اپریل	۱۹۹۷ء
300	کیا عورت اپنا نکاح خود کرسکتی ہے	۵۱	۹	۷	اپریل	۱۹۹۷ء
301	مسکراتے چہرے، بہتے آنسو	۵۸-۵۶	۹	۷	اپریل	۱۹۹۷ء
302	اولاد کی تربیت	۵	۱۰	۷	مئی	۱۹۹۷ء
303	کھانے پینے کے بارے میں نبی کا اسوہ	۶	۱۰	۷	مئی	۱۹۹۷ء
304	ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کا کردار	۷	۱۰	۷	مئی	۱۹۹۷ء
305	مختارات	۱۵	۱۰	۷	مئی	۱۹۹۷ء
306	لباس اور شریعت اسلامیہ	۲۶	۱۰	۷	مئی	۱۹۹۷ء
307	عدالت نبوی کے فیصلے	۳۳	۱۰	۷	مئی	۱۹۹۷ء
308	بہتے آنسو	۶۲	۱۰	۷	مئی	۱۹۹۷ء
309	مسکراتے چہرے	۶۳	۱۰	۷	مئی	۱۹۹۷ء
310	صلہ رحمی	۵	۱۱	۷	جون	۱۹۹۷ء
311	لباس کے بارے میں نبی کا اسوہ	۶	۱۱	۷	جون	۱۹۹۷ء
312	رہنما نہیں رہزن	۷	۱۱	۷	جون	۱۹۹۷ء
313	مختارات	۱۷	۱۱	۷	جون	۱۹۹۷ء
314	مسلمان عورت کا شرعی لباس	۲۵	۱۱	۷	جون	۱۹۹۷ء
315	عدالت نبوی کے فیصلے	۳۴	۱۱	۷	جون	۱۹۹۷ء
316	مسکراتے چہرے	۵۷	۱۱	۷	جون	۱۹۹۷ء
317	بہتے آنسو	۵۹	۱۱	۷	جون	۱۹۹۷ء

نمبر	عنوان		صفحہ	شمارہ	جلد	ماہ	سال
318	سیرت سلطان ٹیپو شہید		۶۶	۱۱	۷	جون	۱۹۹۷ء
319	مجلس کے آداب		۵	۱۲	۷	جولائی	۱۹۹۷ء
320	سچائی		۶	۱۲	۷	جولائی	۱۹۹۷ء
321	لالو کا سیاسی دیوالیہ پن		۷	۱۲	۷	جولائی	۱۹۹۷ء
322	مختارات		۲۴	۱۲	۷	جولائی	۱۹۹۷ء
323	اسلام اور تصوف		۲۹	۱۲	۷	جولائی	۱۹۹۷ء
324	عدالت نبوی کے فیصلے		۳۹	۱۲	۷	جولائی	۱۹۹۷ء
325	مسکراتے چہرے		۶۰	۱۲	۷	جولائی	۱۹۹۷ء
326	بہتے آنسو		۶۰	۱۲	۷	جولائی	۱۹۹۷ء
327	سلام کا بیان		۵	۱	۸	اگست	۱۹۹۷ء
328	سونے اور جاگنے کے بارے میں آپ کا اسوہ		۶	۱	۸	اگست	۱۹۹۷ء
329	افغانستان شرم وعار کی سرزمین		۷	۱	۸	اگست	۱۹۹۷ء
330	مختارات		۱۶	۱	۸	اگست	۱۹۹۷ء
331	شیخ محمد نصیف		۲۲	۱	۸	اگست	۱۹۹۷ء
332	عدالت نبوی کے فیصلے		۲۸	۱	۸	اگست	۱۹۹۷ء
333	فتاوی ومسائل دینیہ		۵۴	۱	۸	اگست	۱۹۹۷ء
334	مسکراتے چہرے		۵۷	۱	۸	اگست	۱۹۹۷ء
335	بہتے آنسو		۵۸	۱	۸	اگست	۱۹۹۷ء
336	ملاقات کے آداب		۵	۲	۸	ستمبر	۱۹۹۷ء
337	خرید وفروخت اور دیگر معاملات میں اسوہ حسنہ		۶	۲	۸	ستمبر	۱۹۹۷ء
338	رام مندر کی تعمیر		۷	۲	۸	ستمبر	۱۹۹۷ء
339	مختارات		۲۰	۲	۸	ستمبر	۱۹۹۷ء
340	عدالت نبوی کے فیصلے		۳۳	۲	۸	ستمبر	۱۹۹۷ء
341	رسائل ومسائل		۵۰	۲	۸	ستمبر	۱۹۹۷ء
342	مسکراتے چہرے		۶۱	۲	۸	ستمبر	۱۹۹۷ء

343	بہتے آنسو		۶۲	۲	۸	ستمبر	۱۹۹۷ء
344	میاں بیوی کے حقوق وآداب		۵	۳	۸	اکتوبر	۱۹۹۷ء
345	چلنے پھرنے میں آنحضرت کا اسوہ حسنہ		۶	۳	۸	اکتوبر	۱۹۹۷ء
346	بابری مسجد اور مسلم اتحاد		۷	۳	۸	اکتوبر	۱۹۹۷ء
347	مختارات		۱۶	۳	۸	اکتوبر	۱۹۹۷ء
348	عدالت نبوی کے فیصلے		۲۲	۳	۸	اکتوبر	۱۹۹۷ء
349	مسائل: تصویر برائے تعلیم		۲۸	۳	۸	اکتوبر	۱۹۹۷ء
350	مسجد اقصی اور اسلامی غیرت		۵۸	۳	۸	اکتوبر	۱۹۹۷ء
351	مسکراتے چہرے		۶۱	۳	۸	اکتوبر	۱۹۹۷ء
352	بہتے آنسو		۶۲	۳	۸	اکتوبر	۱۹۹۷ء
353	خیر خواہی (بھلائی چاہنا)		۵	۴	۸	نومبر	۱۹۹۷ء
354	صحت اور علاج کے بارے میں نبی کی عادت مبارکہ		۶	۴	۸	نومبر	۱۹۹۷ء
355	ہندوستان، اسلام اور مسلمان		۷	۴	۸	نومبر	۱۹۹۷ء
356	مختارات		۲۱	۴	۸	نومبر	۱۹۹۷ء
357	عدالت نبوی کے فیصلے		۳۸	۴	۸	نومبر	۱۹۹۷ء
358	کیا کینسر کا علاج دعاؤں سے ممکن ہے		۴۲	۴	۸	نومبر	۱۹۹۷ء
359	مسکراتے چہرے		۶۱	۴	۸	نومبر	۱۹۹۷ء
360	بہتے آنسو		۶۲	۴	۸	نومبر	۱۹۹۷ء
361	رمضان المبارک کا استقبال		۵	۵	۸	دسمبر	۱۹۹۷ء
362	شعبان ورمضان میں نبی کا اسوہ حسنہ		۶	۵	۸	دسمبر	۱۹۹۷ء
363	پاکستان کا سیاسی ڈرامہ		۷	۵	۸	دسمبر	۱۹۹۷ء
364	مختارات		۱۳	۵	۸	دسمبر	۱۹۹۷ء
365	ختم نبوت کانفرنس		۲۲	۵	۸	دسمبر	۱۹۹۷ء
367	شب برأت		۳۰	۵	۸	دسمبر	۱۹۹۷ء
368	عدالت نبوی کے فیصلے		۳۸	۵	۸	دسمبر	۱۹۹۷ء

369	(فتاویٰ) قبر پر نماز جنازہ	۴۷	۵	۸	دسمبر	۱۹۹۷ء
370	مسکراتے چہرے	۶۰	۵	۸	دسمبر	۱۹۹۷ء
371	بہتے آنسو	۶۱	۵	۸	دسمبر	۱۹۹۷ء
372	شیخ حماد الانصاری کی وفات	۶۳	۵	۸	دسمبر	۱۹۹۷ء
373	صدقہ وخیرات کے آداب	۵	۶	۸	جنوری	۱۹۹۸ء
374	عید الفطر کیلئے نبی کا اسوۂ حسنہ	۶	۶	۸	جنوری	۱۹۹۸ء
375	مسلمانان ہند اور جنرل الیکشن	۷	۶	۸	جنوری	۱۹۹۸ء
376	مختارات	۲۳	۶	۸	جنوری	۱۹۹۸ء
377	مسکراتے چہرے	۵۶	۶	۸	جنوری	۱۹۹۸ء
378	بہتے آنسو	۵۹	۶	۸	جنوری	۱۹۹۸ء
379	نیکی پر خوشی اور برائی پر غمی سچے مومن کی پہچان	۵	۷	۸	فروری	۱۹۹۸ء
380	چاند دیکھنے اور شہادت تسلیم کرنے کے بارے میں نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ	۶	۷	۸	فروری	۱۹۹۸ء
381	ملت کا انتشار کیسے ختم ہو	۷	۷	۸	فروری	۱۹۹۸ء
382	مختارات	۲۱	۷	۸	فروری	۱۹۹۸ء
383	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۹	۷	۸	فروری	۱۹۹۸ء
384	شکرانہ	۳۹	۷	۸	فروری	۱۹۹۸ء
385	مسکراتے چہرے	۵۸	۷	۸	فروری	۱۹۹۸ء
386	بہتے آنسو	۶۰	۷	۸	فروری	۱۹۹۸ء
387	دکتور محفوظ الرحمٰن کی وفات	۶۵	۷	۸	فروری	۱۹۹۸ء
388	بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کے آداب	۵	۸	۸	مارچ	۱۹۹۸ء
389	آنحضرت ﷺ کی بیویوں کا بیان	۶	۸	۸	مارچ	۱۹۹۸ء
390	صدام کے ہٹے بغیر عراق اور خلیج میں امن وسکون ممکن نہیں	۷	۸	۸	مارچ	۱۹۹۸ء
391	مختارات	۱۸	۸	۸	مارچ	۱۹۹۸ء
392	حجر اسود	۲۶	۸	۸	مارچ	۱۹۹۸ء
393	زم زم	۲۹	۸	۸	مارچ	۱۹۹۸ء

394	مقام ابراہیم		۳۲	۸	۸	مارچ	۱۹۹۸ء
395	حج پر ایک نظر		۳۸	۸	۸	مارچ	۱۹۹۸ء
396	عمرہ کیسے کریں؟		۴۱	۸	۸	مارچ	۱۹۹۸ء
397	حج اور بدعات حج		۴۴	۸	۸	مارچ	۱۹۹۸ء
398	مسکراتے چہرے		۶۰	۸	۸	مارچ	۱۹۹۸ء
399	بہتے آنسو		۶۲	۸	۸	مارچ	۱۹۹۸ء
400	دانائی اور حکمت سے بھرپور نبی کے جامع کلمات		۵	۹	۸	اپریل	۱۹۹۸ء
401	ہندوستانی علماء اسلام سے خطاب		۷	۹	۸	اپریل	۱۹۹۸ء
402	مختارات		۲۰	۹	۸	اپریل	۱۹۹۸ء
403	عدالت نبوی کے فیصلے		۳۱	۹	۸	اپریل	۱۹۹۸ء
404	قربانی کے فضائل ومسائل		۴۰	۹	۸	اپریل	۱۹۹۸ء
405	علامہ شیخ عبداللہ ابراہیم الانصاری		۵۱	۹	۸	اپریل	۱۹۹۸ء
406	مسکراتے چہرے		۵۹	۹	۸	اپریل	۱۹۹۸ء
407	بہتے آنسو		۶۲	۹	۸	اپریل	۱۹۹۸ء
408	رحم وپیار		۵	۱۰	۸	مئی	۱۹۹۸ء
409	کمیشن رپورٹ عوامی ملکیت ہے		۶	۱۰	۸	مئی	۱۹۹۸ء
410	مختارات		۱۶	۱۰	۸	مئی	۱۹۹۸ء
411	عدالت نبوی کے فیصلے		۲۷	۱۰	۸	مئی	۱۹۹۸ء
412	ماہ محرم اور عاشورہ محرم		۳۱	۱۰	۸	مئی	۱۹۹۸ء
413	نیا ہجری سال		۴۵	۱۰	۸	مئی	۱۹۹۸ء
414	مسکراتے چہرے		۶۱	۱۰	۸	مئی	۱۹۹۸ء
415	بہتے آنسو		۶۲	۱۰	۸	مئی	۱۹۹۸ء
416	خلق خدا پر رحم کرنا		۵	۱۱	۸	جون	۱۹۹۸ء
417	ہندوستان کی ایٹمی طاقت اور مسلمان		۶	۱۱	۸	جون	۱۹۹۸ء
418	مختارات		۱۲	۱۱	۸	جون	۱۹۹۸ء

419	عدالت نبوی کے فیصلے		۱۹	۱۱	۸	جون	۱۹۹۸ء
420	میلادالنبی کی بدعت		۳۲	۱۱	۸	جون	۱۹۹۸ء
421	مسکراتے چہرے		۵۰	۱۱	۸	جون	۱۹۹۸ء
422	بہتے آنسو		۵۱	۱۱	۸	جون	۱۹۹۸ء
423	رام مندر اور ہندوستانی مسلمان		۷	۱۲	۸	جولائی	۱۹۹۸ء
424	مختارات		۱۳	۱۲	۸	جولائی	۱۹۹۸ء
425	عدالت نبوی کے فیصلے		۴۷	۱۲	۸	جولائی	۱۹۹۸ء
426	تاریخ میں علمی انداز بیان کی اہمیت		۴۹	۱۲	۸	جولائی	۱۹۹۸ء
427	مسکراتے چہرے		۶۳	۱۲	۸	جولائی	۱۹۹۸ء
428	بہتے آنسو		۶۵	۱۲	۸	جولائی	۱۹۹۸ء
429	رحمان کے بندے		۵	۱	۹	اگست	۱۹۹۸ء
430	مستقل مزاجی		۶	۱	۹	اگست	۱۹۹۸ء
431	مسلمانوں کے تعلیمی مسائل		۷	۱	۹	اگست	۱۹۹۸ء
432	مختارات		۱۲	۱	۹	اگست	۱۹۹۸ء
433	عدالت نبوی کے فیصلے		۳۸	۱	۹	اگست	۱۹۹۸ء
434	(فتاوی) عدت کے اندر نکاح باطل ہے		۴۷	۱	۹	اگست	۱۹۹۸ء
435	مسکراتے چہرے		۶۲	۱	۹	اگست	۱۹۹۸ء
436	بہتے آنسو		۶۳	۱	۹	اگست	۱۹۹۸ء
437	علماء کے اندر غیبت		۴۰	۱	۹	اگست	۱۹۹۸ء
438	سیاسی دہشت گردی		۷	۲	۹	ستمبر	۱۹۹۸ء
439	مختارات		۱۲	۲	۹	ستمبر	۱۹۹۸ء
440	اسلامی جمہوریات وسطی میں مذہبی نفرت		۱۶	۲	۹	ستمبر	۱۹۹۸ء
441	عدالت نبوی کے فیصلے		۲۰	۲	۹	ستمبر	۱۹۹۸ء
442	داڑھی کا مسئلہ		۳۹	۲	۹	ستمبر	۱۹۹۸ء
443	مسکراتے چہرے		۶۲	۲	۹	ستمبر	۱۹۹۸ء

444	بہتے آنسو		۶۳	۲	۹	ستمبر	۱۹۹۸ء
445	ہمارا موجودہ تعلیمی نظام		۷	۳	۹	اکتوبر	۱۹۹۸ء
446	مختارات		۱۲	۳	۹	اکتوبر	۱۹۹۸ء
447	عدالت نبوی کے فیصلے		۲۲	۳	۹	اکتوبر	۱۹۹۸ء
448	اسلام کے چہرۂ مصفا کو داغدار کرنے والی بدعت		۴۳	۳	۹	اکتوبر	۱۹۹۸ء
449	مسکراتے چہرے		۶۰	۳	۹	اکتوبر	۱۹۹۸ء
450	بہتے آنسو		۶۱	۳	۹	اکتوبر	۱۹۹۸ء
451	ہندوستانی نظام تعلیم کا ہندوکرن		۷	۴	۹	نومبر	۱۹۹۸ء
452	مختارات		۱۲	۴	۹	نومبر	۱۹۹۸ء
453	عدالت نبوی کے فیصلے		۳۲	۴	۹	نومبر	۱۹۹۸ء
454	مسکراتے چہرے		۶۱	۴	۹	نومبر	۱۹۹۸ء
455	بہتے آنسو		۶۲	۴	۹	نومبر	۱۹۹۸ء
456	مسلمان تعلیمی چیلنج قبول کریں		۷	۵	۹	دسمبر	۱۹۹۸ء
457	مختارات		۱۲	۵	۹	دسمبر	۱۹۹۸ء
458	عدالت نبوی کے فیصلے		۴۲	۵	۹	دسمبر	۱۹۹۸ء
459	مسکراتے چہرے		۶۱	۵	۹	دسمبر	۱۹۹۸ء
460	بہتے آنسو		۶۲	۵	۹	دسمبر	۱۹۹۸ء
461	نیا سال پرانے مسائل		۷	۶	۹	جنوری	۱۹۹۹ء
462	مختارات		۱۲	۶	۹	جنوری	۱۹۹۹ء
463	مسکراتے چہرے		۶۱	۶	۹	جنوری	۱۹۹۹ء
464	بہتے آنسو		۶۲	۶	۹	جنوری	۱۹۹۹ء
465	آخر اس مرض کی دوا کیا ہے		۷	۷	۹	فروری	۱۹۹۹ء
466	مختارات		۱۲	۷	۹	فروری	۱۹۹۹ء
467	مملکت سعودیہ کا قیام		۱۵	۷	۹	فروری	۱۹۹۹ء
468	حج ایک نظر میں		۳۱	۷	۹	فروری	۱۹۹۹ء

469	(فتاوی) عورتوں سے متعلق مسائل	۵۱	۷	۹	فروری	۱۹۹۹ء
470	مسکراتے چہرے	۶۱	۷	۹	فروری	۱۹۹۹ء
471	بہتے آنسو	۶۳	۷	۹	فروری	۱۹۹۹ء
472	حکومت مسلمانوں کے خون کی پیاسی	۷	۸	۹	مارچ	۱۹۹۹ء
473	مختارات	۱۳	۸	۹	مارچ	۱۹۹۹ء
474	عدالت نبوی کے فیصلے	۳۷	۸	۹	مارچ	۱۹۹۹ء
475	فقہ وفتاوی	۵۲	۸	۹	مارچ	۱۹۹۹ء
476	جسمانی صحت کے ساتھ روحانی تربیت بھی	۶۰	۸	۹	مارچ	۱۹۹۹ء
477	مسکراتے چہرے	۶۱	۸	۹	مارچ	۱۹۹۹ء
478	بہتے آنسو	۶۲	۸	۹	مارچ	۱۹۹۹ء
479	ہندوستان کے عربی مدارس	۷	۹	۹	اپریل	۱۹۹۹ء
480	مختارات	۱۵	۹	۹	اپریل	۱۹۹۹ء
481	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۶	۹	۹	اپریل	۱۹۹۹ء
482	(فتاوی) قبر میں منکر نکیر کا سوال	۳۷	۹	۹	اپریل	۱۹۹۹ء
483	شخصیات	۵۴	۹	۹	اپریل	۱۹۹۹ء
484	مسکراتے چہرے	۵۵	۹	۹	اپریل	۱۹۹۹ء
485	بہتے آنسو	۵۶	۹	۹	اپریل	۱۹۹۹ء
486	سیدہ فاطمہ اور ان کی اولاد	۵۷	۹	۹	اپریل	۱۹۹۹ء
487	ہندوستان ہندوراج کی طرف	۷	۱۰	۹	مئی	۱۹۹۹ء
488	کوسوفا کے البانی النسل مسلمان	۹	۱۰	۹	مئی	۱۹۹۹ء
489	مختارات	۱۴	۱۰	۹	مئی	۱۹۹۹ء
490	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۵	۱۰	۹	مئی	۱۹۹۹ء
491	ہوائی جہاز میں فرض نمازوں کی ادائیگی	۳۸	۱۰	۹	مئی	۱۹۹۹ء
492	نیا ہجری سال اور ہمارے اعمال	۴۶	۱۰	۹	مئی	۱۹۹۹ء
493	مسکراتے چہرے	۵۶	۱۰	۹	مئی	۱۹۹۹ء

494	بہتے آنسو	۵۷	۱۰	۹	مئی	۱۹۹۹ء
495	اب کسے رہنما کرے کوئی	۷	۱۱	۹	جون	۱۹۹۹ء
496	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۳	۱۱	۹	جون	۱۹۹۹ء
497	مختارات	۲۵	۱۱	۹	جون	۱۹۹۹ء
498	سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز	۳۷	۱۱	۹	جون	۱۹۹۹ء
499	مسلمان کن باتوں سے دین سے خارج ہوجاتا ہے	۵۰	۱۱	۹	جون	۱۹۹۹ء
500	مسکراتے چہرے	۶۱	۱۱	۹	جون	۱۹۹۹ء
501	بہتے آنسو	۶۲	۱۱	۹	جون	۱۹۹۹ء
502	ہمارے تعلیمی مسائل	۷	۱۲	۹	جولائی	۱۹۹۹ء
503	مختارات	۱۳	۱۲	۹	جولائی	۱۹۹۹ء
504	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۷	۱۲	۹	جولائی	۱۹۹۹ء
505	کیا دینی تعلیم کیلئے فقہی مذاہب کی تحدید ضروری ہے؟	۵۰	۱۲	۹	جولائی	۱۹۹۹ء
506	مسکراتے چہرے	۶۱	۱۲	۹	جولائی	۱۹۹۹ء
507	بہتے آنسو	۶۲	۱۲	۹	جولائی	۱۹۹۹ء
508	مسلم قیادت کی تنظیم	۸	۱	۱۰	اگست	۱۹۹۹ء
509	مختارات	۱۶	۱	۱۰	اگست	۱۹۹۹ء
510	شمس پیرزادہ کی یاد	۱۸	۱	۱۰	اگست	۱۹۹۹ء
511	عدالت نبوی کے فیصلے	۳۳	۱	۱۰	اگست	۱۹۹۹ء
512	مسکراتے چہرے	۶۰	۱	۱۰	اگست	۱۹۹۹ء
513	بہتے آنسو	۶۱	۱	۱۰	اگست	۱۹۹۹ء
514	مسلمانوں کا ووٹ اللہ کی امانت ہے	۷	۲	۱۰	ستمبر	۱۹۹۹ء
515	مختارات	۱۷	۲	۱۰	ستمبر	۱۹۹۹ء
516	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۴	۲	۱۰	ستمبر	۱۹۹۹ء
517	فقہ وفتاوی	۳۳	۲	۱۰	ستمبر	۱۹۹۹ء
518	مسکراتے چہرے	۶۰	۲	۱۰	ستمبر	۱۹۹۹ء

519	بہتے آنسو	۶۱	۲	۱۰	ستمبر	۱۹۹۹ء
520	روسی جارحیت پر خاموشی کیوں؟	۷	۳	۱۰	اکتوبر	۱۹۹۹ء
521	جنرل الیکشن کے بعد	۸	۳	۱۰	اکتوبر	۱۹۹۹ء
522	مختارات	۱۷	۳	۱۰	اکتوبر	۱۹۹۹ء
523	امت محمدیہ کے اجمالی مسائل	۳۳	۳	۱۰	اکتوبر	۱۹۹۹ء
524	مولانا حافظ عبداللہ غازیپوری کا ذکر خیر	۴۵	۳	۱۰	اکتوبر	۱۹۹۹ء
525	مسکراتے چہرے	۶۰	۳	۱۰	اکتوبر	۱۹۹۹ء
526	بہتے آنسو	۶۱	۳	۱۰	اکتوبر	۱۹۹۹ء
527	پاکستان جمہوریت کا قبرستان	۷	۴	۱۰	نومبر	۱۹۹۹ء
528	مختارات	۱۷	۴	۱۰	نومبر	۱۹۹۹ء
529	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۶	۴	۱۰	نومبر	۱۹۹۹ء
530	امت کے اجماعی مسائل	۳۸	۴	۱۰	نومبر	۱۹۹۹ء
531	مسکراتے چہرے	۶۱	۴	۱۰	نومبر	۱۹۹۹ء
532	بہتے آنسو	۶۲	۴	۱۰	نومبر	۱۹۹۹ء
533	امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے	۷	۵	۱۰	دسمبر	۱۹۹۹ء
534	مختارات	۱۵	۵	۱۰	دسمبر	۱۹۹۹ء
535	عدالت نبویؐ کے فیصلے	۲۴	۵	۱۰	دسمبر	۱۹۹۹ء
536	روزہ کے اجماعی مسائل	۳۱	۵	۱۰	دسمبر	۱۹۹۹ء
537	مسکراتے چہرے	۶۱	۵	۱۰	دسمبر	۱۹۹۹ء
538	بہتے آنسو	۶۲	۵	۱۰	دسمبر	۱۹۹۹ء
539	ہائی جیکنگ ناقابل معافی جرم	۷	۶	۱۰	جنوری	۲۰۰۰ء
540	ایک مثالی احتجاج	۸	۶	۱۰	جنوری	۲۰۰۰ء
541	مختارات	۱۸	۶	۱۰	جنوری	۲۰۰۰ء
542	اور خطیب کی آواز بند ہوگئی	۴۵	۶	۱۰	جنوری	۲۰۰۰ء
543	مسکراتے چہرے	۶۰	۶	۱۰	جنوری	۲۰۰۰ء

544	بہتے آنسو		۶۱	۶	۱۰	جنوری	۲۰۰۰ء
545	اٹھو ورنہ......		۷	۷	۱۰	فروری	۲۰۰۰ء
546	ہمارا موجودہ تعلیمی نظام		۱۱	۷	۱۰	فروری	۲۰۰۰ء
547	مختارات		۱۶	۷	۱۰	فروری	۲۰۰۰ء
548	عدالت نبوی کے فیصلے		۲۱	۷	۱۰	فروری	۲۰۰۰ء
549	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی		۳۵	۷	۱۰	فروری	۲۰۰۰ء
550	(فتاوی) حج کیلئے عورتوں کے مسائل		۴۷	۷	۱۰	فروری	۲۰۰۰ء
551	حج ایک نظر میں		۵۲	۷	۱۰	فروری	۲۰۰۰ء
552	مسکراتے چہرے		۶۱	۷	۱۰	فروری	۲۰۰۰ء
553	بہتے آنسو		۶۲	۷	۱۰	فروری	۲۰۰۰ء
554	ہماری غیرت کا امتحان		۷	۸	۱۰	مارچ	۲۰۰۰ء
555	مختارات		۲۶	۸	۱۰	مارچ	۲۰۰۰ء
556	حج کے مسائل		۳۴	۸	۱۰	مارچ	۲۰۰۰ء
557	مسکراتے چہرے		۵۶	۸	۱۰	مارچ	۲۰۰۰ء
558	بہتے آنسو		۵۷	۸	۱۰	مارچ	۲۰۰۰ء
559	ہمارا تعلیمی نظام		۵	۹	۱۰	اپریل	۲۰۰۰ء
560	مختارات		۲۱	۹	۱۰	اپریل	۲۰۰۰ء
561	فقہ وفتاوی		۳۰	۹	۱۰	اپریل	۲۰۰۰ء
562	علم اور علماء کی فضیلت		۳۸	۹	۱۰	اپریل	۲۰۰۰ء
563	حضرت مولانا علی میاں اور تحریک اہل حدیث		۴۱	۹	۱۰	اپریل	۲۰۰۰ء
564	مسکراتے چہرے		۵۲	۹	۱۰	اپریل	۲۰۰۰ء
565	بہتے آنسو		۵۳	۹	۱۰	اپریل	۲۰۰۰ء
566	اسلام دشمنی کا انعام		۷	۱۰	۱۰	مئی	۲۰۰۰ء
567	عدالت نبوی کے فیصلے		۲۷	۱۰	۱۰	مئی	۲۰۰۰ء
568	مختارات		۳۹	۱۰	۱۰	مئی	۲۰۰۰ء

569	فقہ وفتاوی	۴۶	۱۰	۱۰	مئی	۲۰۰۰ء
570	مسکراتے چہرے	۵۸	۱۰	۱۰	مئی	۲۰۰۰ء
571	بہتے آنسو	۶۰	۱۰	۱۰	مئی	۲۰۰۰ء
572	آپ اپنے ایمان کا جائزہ لیجئے	۵	۱۱	۱۰	جون	۲۰۰۰ء
573	اخلاص اور سچی نیت کی برکتیں	۶	۱۱	۱۰	جون	۲۰۰۰ء
574	فجی میں نسلی بغاوت کی لہر	۸	۱۱	۱۰	جون	۲۰۰۰ء
575	کردستان اسلام کی عظیم تاریخی سرزمین	۱۶	۱۱	۱۰	جون	۲۰۰۰ء
576	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۴	۱۱	۱۰	جون	۲۰۰۰ء
577	نبی ﷺ کی محبت اور اس کی علامات	۲۹	۱۱	۱۰	جون	۲۰۰۰ء
578	مختارات	۳۵	۱۱	۱۰	جون	۲۰۰۰ء
579	امت محمدیہ کے فضائل ومکارم	۴۳	۱۱	۱۰	جون	۲۰۰۰ء
580	فقہ وفتاوی	۵۲	۱۱	۱۰	جون	۲۰۰۰ء
581	مسکراتے چہرے	۶۱	۱۱	۱۰	جون	۲۰۰۰ء
582	بہتے آنسو	۶۲	۱۱	۱۰	جون	۲۰۰۰ء
583	مسٹر اڈوانی کی اسرائیل یاترا	۷	۱۲	۱۰	جولائی	۲۰۰۰ء
584	یورپ میں اسلام کا مضبوط قلعہ	۱۳	۱۲	۱۰	جولائی	۲۰۰۰ء
585	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۱	۱۲	۱۰	جولائی	۲۰۰۰ء
586	ایک جنتی سے ملاقات	۲۶	۱۲	۱۰	جولائی	۲۰۰۰ء
587	مختارات	۳۰	۱۲	۱۰	جولائی	۲۰۰۰ء
588	ان لوگوں کیلئے جو کسی مصیبت میں مبتلا ہیں	۵۵	۱۲	۱۰	جولائی	۲۰۰۰ء
589	ایک مثالی خاتون	۵۹	۱۲	۱۰	جولائی	۲۰۰۰ء
590	مسکراتے چہرے	۶۱	۱۲	۱۰	جولائی	۲۰۰۰ء
591	بہتے آنسو	۶۲	۱۲	۱۰	جولائی	۲۰۰۰ء
592	قرآن صرف متقیوں کیلئے ہدایت ہے	۵	۱	۱۱	اگست	۲۰۰۰ء
593	ایمان سادگی اور اخلاص کا نام ہے	۶	۱	۱۱	اگست	۲۰۰۰ء

594	ابلاغ کا گیارہ واں سال		۷	۱	۱۱	اگست	۲۰۰۰ء
595	چیچنیا کی مجاہدانہ داستان		۲۱	۱	۱۱	اگست	۲۰۰۰ء
596	نفاق اور منافقین		۲۸	۱	۱۱	اگست	۲۰۰۰ء
597	عدالت نبوی کے فیصلے		۳۷	۱	۱۱	اگست	۲۰۰۰ء
598	مختارات		۴۰	۱	۱۱	اگست	۲۰۰۰ء
599	مسکراتے چہرے		۶۱	۱	۱۱	اگست	۲۰۰۰ء
600	بہتے آنسو		۶۲	۱	۱۱	اگست	۲۰۰۰ء
601	قرآن میں وعظ کی اہمیت		۵	۲	۱۱	ستمبر	۲۰۰۰ء
602	رسول اللہ کا وعظ		۶	۲	۱۱	ستمبر	۲۰۰۰ء
603	جنگل کا قانون		۷	۲	۱۱	ستمبر	۲۰۰۰ء
604	عدالت نبوی کے فیصلے		۲۶	۲	۱۱	ستمبر	۲۰۰۰ء
605	رب العالمین کی رب العالمین سے ملاقات		۲۸	۲	۱۱	ستمبر	۲۰۰۰ء
606	مختارات		۳۱	۲	۱۱	ستمبر	۲۰۰۰ء
607	فریب خوردہ لوگ		۳۶	۲	۱۱	ستمبر	۲۰۰۰ء
608	بلال اور اذان		۴۲	۲	۱۱	ستمبر	۲۰۰۰ء
609	(فتاوی) انسانی اعضاء کی پیوندکاری جائز ہے		۴۴	۲	۱۱	ستمبر	۲۰۰۰ء
610	تاریخ اسلام کی مثالی خاتون		۵۶	۲	۱۱	ستمبر	۲۰۰۰ء
611	مسکراتے چہرے		۵۸	۲	۱۱	ستمبر	۲۰۰۰ء
612	بہتے آنسو		۵۹	۲	۱۱	ستمبر	۲۰۰۰ء
613	آنحضرت ﷺ کی مثالی......		۵	۳	۱۱	اکتوبر	۲۰۰۰ء
614	عرش الٰہی کے سائے میں		۷	۳	۱۱	اکتوبر	۲۰۰۰ء
615	ہمارے تعلیمی مسائل		۹	۳	۱۱	اکتوبر	۲۰۰۰ء
616	اتر نا رسول اللہ کا آسمان سے اور دارالعلوم دیوبند میں تشریف لانا۔		۲۴	۳	۱۱	اکتوبر	۲۰۰۰ء
617	فریب خوردہ لوگ		۳۳	۳	۱۱	اکتوبر	۲۰۰۰ء
618	مختارات		۴۰	۳	۱۱	اکتوبر	۲۰۰۰ء

619	عدالت نبوی کے فیصلے	۴۴	۳	۱۱	اکتوبر	۲۰۰۰ء
620	مثالی خاتون	۵۵	۳	۱۱	اکتوبر	۲۰۰۰ء
621	مسکراتے چہرے	۵۸	۳	۱۱	اکتوبر	۲۰۰۰ء
622	بہتے آنسو	۵۹	۳	۱۱	اکتوبر	۲۰۰۰ء
623	اولاد انسان کا سب سے بڑا سرمایہ ہے	۶۱	۳	۱۱	اکتوبر	۲۰۰۰ء
624	قرآن موعظہٗ ربانی امراض قلب کیلئے شفاء اور اہل ایمان کیلئے رحمت	۵	۴	۱۱	نومبر	۲۰۰۰ء
625	علم کا راستہ	۷	۴	۱۱	نومبر	۲۰۰۰ء
626	مسجد اقصی کی فریاد	۹	۴	۱۱	نومبر	۲۰۰۰ء
627	(فتاوی) شعبان کی پندرہویں رات	۱۹	۴	۱۱	نومبر	۲۰۰۰ء
628	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۶	۴	۱۱	نومبر	۲۰۰۰ء
629	مختارات	۳۸	۴	۱۱	نومبر	۲۰۰۰ء
630	ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۴۷	۴	۱۱	نومبر	۲۰۰۰ء
631	مسکراتے چہرے	۵۱	۴	۱۱	نومبر	۲۰۰۰ء
632	بہتے آنسو	۵۳	۴	۱۱	نومبر	۲۰۰۰ء
633	(فتاوی) اولاد اللہ کی قدرت اور مشیت سے حاصل ہوتی ہے۔	۵۵	۴	۱۱	نومبر	۲۰۰۰ء
634	جنوبی ہند کا سفر	۵۹	۴	۱۱	نومبر	۲۰۰۰ء
635	صدقات کی خیر وبرکت	۵	۵	۱۱	دسمبر	۲۰۰۰ء
636	ایک درہم لاکھ درہم پر بھاری	۶	۵	۱۱	دسمبر	۲۰۰۰ء
637	بلکہ تم سیلاب کے ساتھ بہنے والے تنکے ہو جاؤ گے۔	۷	۵	۱۱	دسمبر	۲۰۰۰ء
638	روزے کے احکام ومسائل	۱۴	۵	۱۱	دسمبر	۲۰۰۰ء
639	عدالت نبوی کے فیصلے	۱۹	۵	۱۱	دسمبر	۲۰۰۰ء
640	مختارات	۲۶	۵	۱۱	دسمبر	۲۰۰۰ء
641	مسجد اقصی کی فریاد	۴۴	۵	۱۱	دسمبر	۲۰۰۰ء
642	مسکراتے چہرے	۵۹	۵	۱۱	دسمبر	۲۰۰۰ء
643	بہتے آنسو	۶۰	۵	۱۱	دسمبر	۲۰۰۰ء

644	مجلہ طوبیٰ کا اجراء		۶۱	۵	۱۱	دسمبر	۲۰۰۰ء
645	ایک سیاسی پاگل کی بکواس		۷	۶	۱۱	جنوری	۲۰۰۱ء
646	جامعہ محمدیہ منصورہ کے تعلیمی اور ترقیاتی منصوبے		۲۰	۶	۱۱	جنوری	۲۰۰۱ء
647	عدالت نبوی کے فیصلے		۳۵	۶	۱۱	جنوری	۲۰۰۱ء
648	مختارات		۴۰	۶	۱۱	جنوری	۲۰۰۱ء
649	مجالس رمضان		۴۴	۶	۱۱	جنوری	۲۰۰۱ء
650	مسکراتے چہرے		۵۴	۶	۱۱	جنوری	۲۰۰۱ء
651	بہتے آنسو		۵۵	۶	۱۱	جنوری	۲۰۰۱ء
652	آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا اجلاس		۷	۷	۱۱	فروری	۲۰۰۱ء
653	قربانی کے فضائل ومسائل		۱۸	۷	۱۱	فروری	۲۰۰۱ء
654	عدالت نبویؐ کے فیصلے		۳۲	۷	۱۱	فروری	۲۰۰۱ء
655	مختارات		۴۲	۷	۱۱	فروری	۲۰۰۱ء
656	حج ایک نظر میں		۴۹	۷	۱۱	فروری	۲۰۰۱ء
657	حج کی بدعتیں		۵۲	۷	۱۱	فروری	۲۰۰۱ء
658	ایک عالم ربانی کی وفات		۵۶	۷	۱۱	فروری	۲۰۰۱ء
659	مسکراتے چہرے		۶۱	۷	۱۱	فروری	۲۰۰۱ء
660	بہتے آنسو		۶۴	۷	۱۱	فروری	۲۰۰۱ء
661	کیا ہم بیدار ہیں		۷	۸	۱۱	مارچ	۲۰۰۱ء
662	غیر شرعی شادیاں		۳۳	۸	۱۱	مارچ	۲۰۰۱ء
663	عدالت نبویؐ کے فیصلے		۳۸	۸	۱۱	مارچ	۲۰۰۱ء
664	مختارات		۴۵	۸	۱۱	مارچ	۲۰۰۱ء
665	مسکراتے چہرے		۶۱	۸	۱۱	مارچ	۲۰۰۱ء
666	بہتے آنسو		۶۲	۸	۱۱	مارچ	۲۰۰۱ء
667	منصورہ کا تعلیمی کارواں		۷	۹	۱۱	اپریل	۲۰۰۱ء
668	مجالس محرم الحرام کا انعقاد		۱۸	۹	۱۱	اپریل	۲۰۰۱ء

669	عدالت نبویؐ کے فیصلے	۲۴	۹	۱۱	اپریل	۲۰۰۱ء
670	مختارات	۳۵	۹	۱۱	اپریل	۲۰۰۱ء
671	حسن بصری حجاج بن یوسف کے دربار میں	۴۵	۹	۱۱	اپریل	۲۰۰۱ء
672	مسکراتے چہرے	۵۹	۹	۱۱	اپریل	۲۰۰۱ء
673	بہتے آنسو	۶۱	۹	۱۱	اپریل	۲۰۰۱ء
674	ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کا مستقبل	۷	۱۰	۱۱	مئی	۲۰۰۱ء
675	(فتاوی) بچوں کی تربیت	۱۹	۱۰	۱۱	مئی	۲۰۰۱ء
676	عدالت نبویؐ کے فیصلے	۲۸	۱۰	۱۱	مئی	۲۰۰۱ء
677	مختارات	۳۸	۱۰	۱۱	مئی	۲۰۰۱ء
678	سعید بن جبیر اور حجاج بن یوسف	۴۸	۱۰	۱۱	مئی	۲۰۰۱ء
679	اسلام میں عورت کا مقام	۵۳	۱۰	۱۱	مئی	۲۰۰۱ء
680	مسکراتے چہرے	۵۸	۱۰	۱۱	مئی	۲۰۰۱ء
681	بہتے آنسو	۵۹	۱۰	۱۱	مئی	۲۰۰۱ء
682	بندگی	۶۰	۱۰	۱۱	مئی	۲۰۰۱ء
683	تاریخی آثار کی تعظیم	۷	۱۱	۱۱	جون	۲۰۰۱ء
684	(فتاوی) بچوں کے متعلق متفرق مسائل	۱۹	۱۱	۱۱	جون	۲۰۰۱ء
685	عدالت نبویؐ کے فیصلے	۲۸	۱۱	۱۱	جون	۲۰۰۱ء
686	مختارات	۳۴	۱۱	۱۱	جون	۲۰۰۱ء
687	مولانا حافظ عبداللہ غازیپوری	۵۱	۱۱	۱۱	جون	۲۰۰۱ء
688	ایک جنتی عورت	۵۷	۱۱	۱۱	جون	۲۰۰۱ء
689	مسکراتے چہرے	۵۹	۱۱	۱۱	جون	۲۰۰۱ء
690	بہتے آنسو	۶۰	۱۱	۱۱	جون	۲۰۰۱ء
691	ہمارا تعلیمی نظام	۷	۱۲	۱۱	جولائی	۲۰۰۱ء
692	(فتاوی) بچوں کے متعلق متفرق مسائل	۲۰	۱۲	۱۱	جولائی	۲۰۰۱ء
693	عدالت نبویؐ کے فیصلے	۲۷	۱۲	۱۱	جولائی	۲۰۰۱ء

694	مختارات	۳۳	۱۲	۱۱	جولائی	۲۰۰۱ء
695	عورت کتاب وسنت کی روشنی میں	۵۶	۱۲	۱۱	جولائی	۲۰۰۱ء
696	مسکراتے چہرے	۵۹	۱۲	۱۱	جولائی	۲۰۰۱ء
697	بہتے آنسو	۶۰	۱۲	۱۱	جولائی	۲۰۰۱ء
698	اجازت طلبی کے آداب واحکام	۶۴	۱۲	۱۱	جولائی	۲۰۰۱ء
699	دنیا میں منہج سلف کی اشاعت	۷	۱	۱۲	اگست	۲۰۰۱ء
700	(فتاوی) بچوں کے متفرق مسائل	۱۴	۱	۱۲	اگست	۲۰۰۱ء
701	البلاغ کی دعوت کا بارہواں سال	۱۷	۱	۱۲	اگست	۲۰۰۱ء
702	عدالت نبویؐ کے فیصلے	۲۴	۱	۱۲	اگست	۲۰۰۱ء
703	مختارات	۳۰	۱	۱۲	اگست	۲۰۰۱ء
704	ہشام بن عبدالملک اور طاؤس کی گفتگو	۴۸	۱	۱۲	اگست	۲۰۰۱ء
705	دنیا میں بے پردگی کے اسباب	۵۵	۱	۱۲	اگست	۲۰۰۱ء
706	مسکراتے چہرے	۵۸	۱	۱۲	اگست	۲۰۰۱ء
707	بہتے آنسو	۵۹	۱	۱۲	اگست	۲۰۰۱ء
708	مجلہ الفرقان، فقہ محمدیہ	۶۰	۱	۱۲	اگست	۲۰۰۱ء
709	صرف مدارس اسلامیہ ہی پر نظر کرم کیوں؟	۷	۲	۱۲	ستمبر	۲۰۰۱ء
710	عدالت نبویؐ کے فیصلے	۲۰	۲	۱۲	ستمبر	۲۰۰۱ء
711	مختارات	۲۷	۲	۱۲	ستمبر	۲۰۰۱ء
712	نبی ﷺ کے تعلیمی اور تربیتی تجربات	۳۳	۲	۱۲	ستمبر	۲۰۰۱ء
713	(فتاوی) بچوں کے متعلق متفرق مسائل	۵۰	۲	۱۲	ستمبر	۲۰۰۱ء
714	امام احمد بن حنبل کی دعا	۵۲	۲	۱۲	ستمبر	۲۰۰۱ء
715	مسکراتے چہرے	۵۶	۲	۱۲	ستمبر	۲۰۰۱ء
716	بہتے آنسو	۵۷	۲	۱۲	ستمبر	۲۰۰۱ء
717	حادثہ یا عذاب	۷	۲	۱۲	اکتوبر	۲۰۰۱ء
718	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۷	۳	۱۲	اکتوبر	۲۰۰۱ء

نمبر	عنوان	صفحہ	شمارہ	جلد	ماہ	سال
719	مختارات	۳۳	۳	۱۲	اکتوبر	۲۰۰۱ء
720	حماد بن سلمہ اور محمد بن سلیمان کی ملاقات	۴۷	۳	۱۲	اکتوبر	۲۰۰۱ء
721	فقہ وفتاوی	۵۱	۳	۱۲	اکتوبر	۲۰۰۱ء
722	آنحضرت ﷺ کے گھریلو مسائل	۵۴	۳	۱۲	اکتوبر	۲۰۰۱ء
723	مسکراتے چہرے	۵۷	۳	۱۲	اکتوبر	۲۰۰۱ء
724	بہتے آنسو	۵۸	۳	۱۲	اکتوبر	۲۰۰۱ء
725	جہاد اور دہشت گردی	۷	۴	۱۲	نومبر	۲۰۰۱ء
726	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۵	۴	۱۲	نومبر	۲۰۰۱ء
727	مختارات	۳۱	۴	۱۲	نومبر	۲۰۰۱ء
728	سعید بن مسیب کی حق گوئی	۴۰	۴	۱۲	نومبر	۲۰۰۱ء
729	ایک درویش صفت عالم کی وفات	۵۳	۴	۱۲	نومبر	۲۰۰۱ء
730	بیوی کا احترام	۵۵	۴	۱۲	نومبر	۲۰۰۱ء
731	مسکراتے چہرے	۵۸	۴	۱۲	نومبر	۲۰۰۱ء
732	بہتے آنسو	۵۹	۴	۱۲	نومبر	۲۰۰۱ء
733	عالم اسلام یہود ونصاری کے نرغے میں	۷	۵	۱۲	دسمبر	۲۰۰۱ء
734	عدالت نبوی کے فیصلے	۱۶	۵	۱۲	دسمبر	۲۰۰۱ء
735	مختارات	۲۳	۵	۱۲	دسمبر	۲۰۰۱ء
736	مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی یاد	۴۸	۵	۱۲	دسمبر	۲۰۰۱ء
737	تعدد ازواج کے بارے میں	۵۲	۵	۱۲	دسمبر	۲۰۰۱ء
738	مسکراتے چہرے	۵۴	۵	۱۲	دسمبر	۲۰۰۱ء
739	بہتے آنسو	۵۵	۵	۱۲	دسمبر	۲۰۰۱ء
740	مظلوم اقلیتوں کی گردن میں "پوٹو"	۹	۶	۱۲	جنوری	۲۰۰۲ء
741	عدالت نبوی کے فیصلے	۱۷	۶	۱۲	جنوری	۲۰۰۲ء
742	مختارات	۲۴	۶	۱۲	جنوری	۲۰۰۲ء
743	سلطان العلماء کا جاہ وجلال	۵۱	۶	۱۲	جنوری	۲۰۰۲ء

744	عورتوں کی ذمہ داریاں		۵۲	۶	۱۲	جنوری	۲۰۰۲ء
745	مسکراتے چہرے		۵۵	۶	۱۲	جنوری	۲۰۰۲ء
746	بہتے آنسو		۵۶	۶	۱۲	جنوری	۲۰۰۲ء
747	بابری مسجد کی بنیاد پر رام مندر کی تعمیر		۷	۷	۱۲	فروری	۲۰۰۲ء
748	عدالت نبوی کے فیصلے		۱۸	۷	۱۲	فروری	۲۰۰۲ء
749	مختارات		۲۴	۷	۱۲	فروری	۲۰۰۲ء
750	ہجرت مدینہ کی یاد		۴۰	۷	۱۲	فروری	۲۰۰۲ء
751	حجر اسود		۴۴	۷	۱۲	فروری	۲۰۰۲ء
752	قربانی کے فضائل و مسائل		۴۸	۷	۱۲	فروری	۲۰۰۲ء
753	مسلمان عورتوں کا پردہ		۵۲	۷	۱۲	فروری	۲۰۰۲ء
754	مسکراتے چہرے		۵۶	۷	۱۲	فروری	۲۰۰۲ء
755	بہتے آنسو		۵۷	۷	۱۲	فروری	۲۰۰۲ء
756	بابری مسجد کا انتقام		۹	۸	۱۲	مارچ	۲۰۰۲ء
757	عدالت نبوی کے فیصلے		۱۹	۸	۱۲	مارچ	۲۰۰۲ء
758	مختارات		۲۶	۸	۱۲	مارچ	۲۰۰۲ء
759	علامہ ابن تیمیہ کی تاتاری جنگجو قازان سے ملاقات		۴۶	۸	۱۲	مارچ	۲۰۰۲ء
760	عورتوں کی خاص بیماری		۵۴	۸	۱۲	مارچ	۲۰۰۲ء
761	مسکراتے چہرے		۵۷	۸	۱۲	مارچ	۲۰۰۲ء
762	بہتے آنسو		۵۸	۸	۱۲	مارچ	۲۰۰۲ء
763	تاریخی امن مشن		۹	۹	۱۲	اپریل	۲۰۰۲ء
764	عدالت نبوی کے فیصلے		۲۱	۹	۱۲	اپریل	۲۰۰۲ء
765	مختارات		۲۶	۹	۱۲	اپریل	۲۰۰۲ء
766	انسداد عصمت فروشی		۴۰	۹	۱۲	اپریل	۲۰۰۲ء
767	مواعظ شیخ الاسلام ابن تیمیہ		۴۶	۹	۱۲	اپریل	۲۰۰۲ء
768	سیدنا ابوبکر صدیق کی کتاب زندگی		۴۸	۹	۱۲	اپریل	۲۰۰۲ء

769	طلاق شریعت اسلامیہ کا مستحکم اور مردوزن کے حق میں عدل ومساوات کا فیصلہ	۵۳	۹	۱۲	اپریل	۲۰۰۲ء
770	مسکراتے چہرے	۵۵	۹	۱۲	اپریل	۲۰۰۲ء
771	بہتے آنسو	۵۶	۹	۱۲	اپریل	۲۰۰۲ء
772	مردم خور سیاست	۹	۱۰	۱۲	مئی	۲۰۰۲ء
773	عدالت نبویؐ کے فیصلے	۱۸	۱۰	۱۲	مئی	۲۰۰۲ء
774	مختارات	۲۴	۱۰	۱۲	مئی	۲۰۰۲ء
775	افادات شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ	۵۰	۱۰	۱۲	مئی	۲۰۰۲ء
776	مسلمان خاتون	۵۴	۱۰	۱۲	مئی	۲۰۰۲ء
777	مسکراتے چہرے	۵۶	۱۰	۱۲	مئی	۲۰۰۲ء
778	بہتے آنسو	۵۷	۱۰	۱۲	مئی	۲۰۰۲ء
779	دوسری جنگ آزادی کی ضرورت	۷	۱۱	۱۲	جون	۲۰۰۲ء
780	عدالت نبویؐ کے فیصلے	۲۰	۱۱	۱۲	جون	۲۰۰۲ء
781	مختارات	۲۶	۱۱	۱۲	جون	۲۰۰۲ء
782	مسکراتے چہرے	۵۵	۱۱	۱۲	جون	۲۰۰۲ء
783	بہتے آنسو	۵۶	۱۱	۱۲	جون	۲۰۰۲ء
784	مدارس اسلامیہ کا بھارتی کرن	۷	۱۲	۱۲	جولائی	۲۰۰۲ء
785	عدالت نبویؐ کے فیصلے	۲۰	۱۲	۱۲	جولائی	۲۰۰۲ء
786	مختارات	۲۶	۱۲	۱۲	جولائی	۲۰۰۲ء
787	خواتین کے گھریلو مسائل	۵۰	۱۲	۱۲	جولائی	۲۰۰۲ء
788	مسکراتے چہرے	۵۶	۱۲	۱۲	جولائی	۲۰۰۲ء
789	بہتے آنسو	۵۷	۱۲	۱۲	جولائی	۲۰۰۲ء
790	یوم آزادی مبارک ہو	۷	۱	۱۲	اگست	۲۰۰۲ء
791	عدالت نبویؐ کے فیصلے	۲۲	۱	۱۳	اگست	۲۰۰۲ء
792	مختارات	۲۸	۱	۱۳	اگست	۲۰۰۲ء
793	عورت کا میدان	۵۴	۱	۱۳	اگست	۲۰۰۲ء

794	مسکراتے چہرے	۵۷	۱	۱۳	اگست	۲۰۰۲ء
795	بہتے آنسو	۵۸	۱	۱۳	اگست	۲۰۰۲ء
796	ہندوستان کی ہندو قیادت کا نیا موڑ	۷	۲	۱۳	ستمبر	۲۰۰۲ء
797	عدالت نبویؐ کے فیصلے	۱۹	۲	۱۳	ستمبر	۲۰۰۲ء
798	مختارات	۲۵	۲	۱۳	ستمبر	۲۰۰۲ء
799	عصر حاضر کی بعض دینی جماعتیں	۳۹	۲	۱۳	ستمبر	۲۰۰۲ء
800	ایک مرد چار بیویاں	۵۲	۲	۱۳	ستمبر	۲۰۰۲ء
801	مسکراتے چہرے	۵۴	۲	۱۳	ستمبر	۲۰۰۲ء
802	بہتے آنسو	۵۵	۲	۱۳	ستمبر	۲۰۰۲ء
803	ہندوستان کے اسلامی مدارس اور مساجد	۷	۳	۱۳	اکتوبر	۲۰۰۲ء
804	عدالت نبوی کے فیصلے	۱۸	۳	۱۳	اکتوبر	۲۰۰۲ء
805	مختارات	۲۶	۳	۱۳	اکتوبر	۲۰۰۲ء
806	ذات النطاقین	۵۳	۳	۱۳	اکتوبر	۲۰۰۲ء
807	مسکراتے چہرے	۵۶	۳	۱۳	اکتوبر	۲۰۰۲ء
808	بہتے آنسو	۵۷	۳	۱۳	اکتوبر	۲۰۰۲ء
809	ماہ رمضان کے سائے میں	۹	۴	۱۳	نومبر	۲۰۰۲ء
810	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۵	۴	۱۳	نومبر	۲۰۰۲ء
811	مختارات	۳۱	۴	۱۳	نومبر	۲۰۰۲ء
812	تراویح، اعتکاف، شب قدر	۳۹	۴	۱۳	نومبر	۲۰۰۲ء
813	مسکراتے چہرے	۵۷	۴	۱۳	نومبر	۲۰۰۲ء
814	بہتے آنسو	۵۸	۴	۱۳	نومبر	۲۰۰۲ء
815	ہندی ہندو تیرا نام	۷	۵	۱۳	دسمبر	۲۰۰۲ء
816	مختارات	۳۱	۵	۱۳	دسمبر	۲۰۰۲ء
817	عدالت نبوی کے فیصلے	۴۳	۵	۱۳	دسمبر	۲۰۰۲ء
818	مسکراتے چہرے	۴۷	۵	۱۳	دسمبر	۲۰۰۲ء

819	بہتے آنسو	۴۸	۵	۱۳	دسمبر	۲۰۰۲ء
820	غنڈہ گردی کی حکومت	۵	۶	۱۳	جنوری	۲۰۰۳ء
821	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۰	۶	۱۳	جنوری	۲۰۰۳ء
822	مختارات	۲۷	۶	۱۳	جنوری	۲۰۰۳ء
823	ایک ستارہ اور ٹوٹا	۴۳	۶	۱۳	جنوری	۲۰۰۳ء
824	ماہ رمضان کی یاد میں	۴۴	۶	۱۳	جنوری	۲۰۰۳ء
825	شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کا عطیہ	۵۰	۶	۱۳	جنوری	۲۰۰۳ء
826	مسکراتے چہرے	۵۲	۶	۱۳	جنوری	۲۰۰۳ء
827	بہتے آنسو	۵۴	۶	۱۳	جنوری	۲۰۰۳ء
828	امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے	۵	۷	۱۳	فروری	۲۰۰۳ء
829	عدالت نبوی کے فیصلے	۱۷	۷	۱۳	فروری	۲۰۰۳ء
830	مختارات	۲۳	۷	۱۳	فروری	۲۰۰۳ء
831	دنیا کی عظیم ترین خاتون حضرت ہاجرہ علیہا السلام	۵۲	۷	۱۳	فروری	۲۰۰۳ء
832	مسکراتے چہرے	۵۵	۷	۱۳	فروری	۲۰۰۳ء
833	بہتے آنسو	۵۷	۷	۱۳	فروری	۲۰۰۳ء
834	فرقہ پرست پارٹیوں کا سیاسی دیوالیہ پن	۵	۸	۱۳	مارچ	۲۰۰۳ء
835	عدالت نبوی کے فیصلے	۲۱	۸	۱۳	مارچ	۲۰۰۳ء
836	مختارات	۲۷	۸	۱۳	مارچ	۲۰۰۳ء
837	پردہ: مسلمان خواتین کی معززانہ شناخت	۵۲	۸	۱۳	مارچ	۲۰۰۳ء
838	مسکراتے چہرے	۵۶	۸	۱۳	مارچ	۲۰۰۳ء
839	بہتے آنسو	۵۸	۸	۱۳	مارچ	۲۰۰۳ء
840	مسلم دنیا کی بے بسی	۵	۹	۱۳	اپریل	۲۰۰۳ء
841	مختارات	۱۸	۹	۱۳	اپریل	۲۰۰۳ء
842	مسکراتے چہرے	۴۶	۹	۱۳	اپریل	۲۰۰۳ء
843	بہتے آنسو	۴۷	۹	۱۳	اپریل	۲۰۰۳ء

844	امریکہ،عراق اور اسرائیل		۵	۱۰	۱۳	مئی	۲۰۰۳ء
845	مختارات		۲۱	۱۰	۱۳	مئی	۲۰۰۳ء
846	مسکراتے چہرے اور بہتے آنسو		۴۸	۱۰	۱۳	مئی	۲۰۰۳ء
847	بی جے پی کی الیکشن پالیسی		۵	۱۱	۱۳	جون	۲۰۰۳ء
848	مختارات		۲۴	۱۱	۱۳	جون	۲۰۰۳ء
849	مسکراتے چہرے		۵۰	۱۱	۱۳	جون	۲۰۰۳ء
850	بہتے آنسو		۵۱	۱۱	۱۳	جون	۲۰۰۳ء
851	علم اور پیشے کا تصادم		۵	۱۲	۱۳	جولائی	۲۰۰۳ء
852	مختارات		۳۱	۱۲	۱۳	جولائی	۲۰۰۳ء
853	مسکراتے چہرے اور بہتے آنسو		۵۲	۱۲	۱۳	جولائی	۲۰۰۳ء
854	ممبئی بم دھماکے کی حقیقت		۷	۱	۱۴	اگست	۲۰۰۳ء
855	مختارات		۲۹	۱	۱۴	اگست	۲۰۰۳ء
856	مسکراتے چہرے اور بہتے آنسو		۵۱	۱	۱۴	اگست	۲۰۰۳ء
857	یوپی میں نیا سیاسی انقلاب		۵	۲	۱۴	ستمبر	۲۰۰۳ء
858	عدالت نبوی کے فیصلے		۳۳	۲	۱۴	ستمبر	۲۰۰۳ء
859	مختارات		۳۸	۲	۱۴	ستمبر	۲۰۰۳ء
860	مسکراتے چہرے		۵۲	۲	۱۴	ستمبر	۲۰۰۳ء
861	بہتے آنسو		۵۳	۲	۱۴	ستمبر	۲۰۰۳ء
862	بی جے پی کی وطن دشمن پالیسی		۵	۳	۱۴	اکتوبر	۲۰۰۳ء
863	مختارات		۳۱	۳	۱۴	اکتوبر	۲۰۰۳ء
864	ماہ شعبان اور شب برات		۴۷	۳	۱۴	اکتوبر	۲۰۰۳ء
865	مسکراتے چہرے		۵۲	۳	۱۴	اکتوبر	۲۰۰۳ء
866	بہتے آنسو		۵۳	۳	۱۴	اکتوبر	۲۰۰۳ء
867	روزہ اور اس کی رحمتیں		۵	۴	۱۴	نومبر	۲۰۰۳ء
868	مختارات		۲۷	۴	۱۴	نومبر	۲۰۰۳ء

869	تراویح، اعتکاف اور شب قدر	۳۷	۴	۱۴	نومبر	۲۰۰۳ء
870	مسکراتے چہرے	۵۲	۴	۱۴	نومبر	۲۰۰۳ء
871	بہتے آنسو	۵۳	۴	۱۴	نومبر	۲۰۰۳ء
872	کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ	۵	۵	۱۴	دسمبر	۲۰۰۳ء
873	مختارات	۳۴	۵	۱۴	دسمبر	۲۰۰۳ء
874	مسکراتے چہرے	۵۴	۵	۱۴	دسمبر	۲۰۰۳ء
875	بہتے آنسو	۵۵	۵	۱۴	دسمبر	۲۰۰۳ء
876	امریکہ کا عالم گیر سیاسی فتنہ	۵	۶	۱۴	جنوری	۲۰۰۴ء
877	مختارات	۲۵	۶	۱۴	جنوری	۲۰۰۴ء
878	ایک ادیب کی یادگار	۳۹	۶	۱۴	جنوری	۲۰۰۴ء
879	زیارت حرم	۴۲	۶	۱۴	جنوری	۲۰۰۴ء
880	مسکراتے چہرے	۵۱	۶	۱۴	جنوری	۲۰۰۴ء
881	بہتے آنسو	۵۲	۶	۱۴	جنوری	۲۰۰۴ء
882	حج سبسڈی	۵	۷	۱۴	فروری	۲۰۰۴ء
883	مختارات	۲۷	۷	۱۴	فروری	۲۰۰۴ء
884	مسکراتے چہرے	۵۲	۷	۱۴	فروری	۲۰۰۴ء
885	بہتے آنسو	۵۳	۷	۱۴	فروری	۲۰۰۴ء
886	جنرل الیکشن کا طوفان	۵	۸	۱۴	مارچ	۲۰۰۴ء
887	مختارات	۳۰	۸	۱۴	مارچ	۲۰۰۴ء
888	مسکراتے چہرے	۵۱	۸	۱۴	مارچ	۲۰۰۴ء
889	بہتے آنسو	۵۲	۸	۱۴	مارچ	۲۰۰۴ء
890	اڈوانی کی رتھ یاترا	۵	۹	۱۴	اپریل	۲۰۰۴ء
891	مختارات	۲۷	۹	۱۴	اپریل	۲۰۰۴ء
892	مسکراتے چہرے	۵۱	۹	۱۴	اپریل	۲۰۰۴ء
893	بہتے آنسو	۵۲	۹	۱۴	اپریل	۲۰۰۴ء

894	ملت فروشی کی وبا		۵	۱۰	۱۴	مئی	۲۰۰۴ء
895	مختارات		۲۵	۱۰	۱۴	مئی	۲۰۰۴ء
896	مسکراتے چہرے		۵۱	۱۰	۱۴	مئی	۲۰۰۴ء
897	بہتے آنسو		۵۲	۱۰	۱۴	مئی	۲۰۰۴ء
898	نفرت انگیز کوششوں کا عوامی ردعمل		۵	۱۰	۱۴	جون	۲۰۰۴ء
899	مختارات		۲۱	۱۱	۱۴	جون	۲۰۰۴ء
900	مسکراتے چہرے		۵۲	۱۱	۱۴	جون	۲۰۰۴ء
901	بہتے آنسو		۵۴	۱۱	۱۴	جون	۲۰۰۴ء
902	تعلیم کی طرف ہندوستانی مسلمان کی توجہ		۵	۱۲	۱۴	جولائی	۲۰۰۴ء
903	مختارات		۲۶	۱۲	۱۴	جولائی	۲۰۰۴ء
904	مسکراتے چہرے		۵۳	۱۲	۱۴	جولائی	۲۰۰۴ء
905	بہتے آنسو		۵۵	۱۲	۱۴	جولائی	۲۰۰۴ء
906	خاتون مسلم......تیری منزل ہے کہاں؟		۵	۱	۱۵	اگست	۲۰۰۴ء
907	مختارات		۲۵	۱	۱۵	اگست	۲۰۰۴ء
908	مسکراتے چہرے		۵۴	۱	۱۵	اگست	۲۰۰۴ء
909	بہتے آنسو		۵۵	۱	۱۵	اگست	۲۰۰۴ء
910	سادھوی اور مودی قانون کے کٹہرے میں		۵	۲	۱۵	ستمبر	۲۰۰۴ء
911	مختارات		۱۹	۲	۱۵	ستمبر	۲۰۰۴ء
912	مسکراتے چہرے		۵۲	۲	۱۵	ستمبر	۲۰۰۴ء
913	بہتے آنسو		۵۴	۲	۱۵	ستمبر	۲۰۰۴ء
914	قرآنی درس گاہیں صیہونیوں اور صلیبیوں کی زد پر		۵	۳	۱۵	اکتوبر	۲۰۰۴ء
915	مختارات		۱۹	۳	۱۵	اکتوبر	۲۰۰۴ء
916	مسکراتے چہرے		۵۵	۳	۱۵	اکتوبر	۲۰۰۴ء
917	بہتے آنسو		۵۶	۳	۱۵	اکتوبر	۲۰۰۴ء
918	مسلمانان ہند کی متحدہ طاقت		۵	۴	۱۵	نومبر	۲۰۰۴ء

919	مختارات	۱۷	۴	۱۵	نومبر	۲۰۰۴ء
920	رمضان المبارک کے فضائل اور مسائل	۲۷	۴	۱۵	نومبر	۲۰۰۴ء
921	تراویح، شب قدر	۳۱	۴	۱۵	نومبر	۲۰۰۴ء
922	عدالت نبوی کے فیصلے	۳۳	۴	۱۵	نومبر	۲۰۰۴ء
923	مسکراتے چہرے	۵۷	۴	۱۵	نومبر	۲۰۰۴ء
924	بہتے آنسو	۵۸	۴	۱۵	نومبر	۲۰۰۴ء
925	گجرات کے مظلوموں کی بے بسی	۵	۵	۱۵	دسمبر	۲۰۰۴ء
926	مختارات	۲۵	۵	۱۵	دسمبر	۲۰۰۴ء
927	مسکراتے چہرے	۵۴	۵	۱۵	دسمبر	۲۰۰۴ء
928	بہتے آنسو	۵۵	۵	۱۵	دسمبر	۲۰۰۴ء
929	عالم اسلام کی موجودہ صورت حال	۵	۶	۱۵	جنوری	۲۰۰۵ء
930	مختارات	۱۶	۶	۱۵	جنوری	۲۰۰۵ء
931	حج: رکن اسلام	۲۲	۶	۱۵	جنوری	۲۰۰۵ء
932	مسکراتے چہرے	۵۴	۶	۱۵	جنوری	۲۰۰۵ء
933	بہتے آنسو	۵۵	۶	۱۵	جنوری	۲۰۰۵ء
934	طوفان نوح کی یاد	۵	۷	۱۵	فروری	۲۰۰۵ء
935	کاروان حیات	۱۵	۷	۱۵	فروری	۲۰۰۵ء
936	مسکراتے چہرے	۵۴	۷	۱۵	فروری	۲۰۰۵ء
937	بہتے آنسو	۵۵	۷	۱۵	فروری	۲۰۰۵ء
938	ہندوستان میں خواتین کے شرعی حقوق کی پامالی	۵	۸	۱۵	مارچ	۲۰۰۵ء
939	کاروان حیات	۲۸	۸	۱۵	مارچ	۲۰۰۵ء
940	ایک مجلس کی تین طلاق	۴۸	۸	۱۵	مارچ	۲۰۰۵ء
941	کیا مسلمان خواتین کا مسجد میں آنا فتنہ ہے	۵۲	۸	۱۵	مارچ	۲۰۰۵ء
942	مسکراتے چہرے	۵۵	۸	۱۵	مارچ	۲۰۰۵ء
943	بہتے آنسو	۵۶	۸	۱۵	مارچ	۲۰۰۵ء

944	کانگریس کی منافقانہ پالیسی	۵	۹	۱۵	اپریل	۲۰۰۵ء
945	کاروان حیات	۲۵	۹	۱۵	اپریل	۲۰۰۵ء
946	مسلمان خواتین کا مسجد میں آنے کا مسئلہ	۵۲	۹	۱۵	اپریل	۲۰۰۵ء
947	مسکراتے چہرے	۵۴	۹	۱۵	اپریل	۲۰۰۵ء
948	بہتے آنسو	۵۵	۹	۱۵	اپریل	۲۰۰۵ء
949	ہندوپاک کے افق پر ایک نئے سورج کا طلوع	۵	۱۰	۱۵	مئی	۲۰۰۵ء
950	کاروان حیات	۲۵	۱۰	۱۵	مئی	۲۰۰۵ء
951	مسکراتے چہرے	۵۴	۱۰	۱۵	مئی	۲۰۰۵ء
952	بہتے آنسو	۵۵	۱۰	۱۵	مئی	۲۰۰۵ء
953	پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا	۵	۱۱	۱۵	جون	۲۰۰۵ء
954	مختارات	۲۰	۱۱	۱۵	جون	۲۰۰۵ء
955	کاروان حیات	۲۳	۱۱	۱۵	جون	۲۰۰۵ء
956	مسکراتے چہرے	۵۴	۱۱	۱۵	جون	۲۰۰۵ء
957	بہتے آنسو	۵۵	۱۱	۱۵	جون	۲۰۰۵ء
958	ہندوستانی مسلمانوں کا سیاسی مستقبل	۵	۱۲	۱۵	جولائی	۲۰۰۵ء
959	کاروان حیات	۱۷	۱۲	۱۵	جولائی	۲۰۰۵ء
960	مسکراتے چہرے اور بہتے آنسو	۵۳	۱۲	۱۵	جولائی	۲۰۰۵ء
961	امن عالم کی تباہی کے اسباب	۵	۱	۱۶	اگست	۲۰۰۵ء
962	کاروان حیات	۲۸	۱	۱۶	اگست	۲۰۰۵ء
963	مسکراتے چہرے	۵۵	۱	۱۶	اگست	۲۰۰۵ء
964	بہتے آنسو	۵۶	۱	۱۶	اگست	۲۰۰۵ء
965	طوفان نوح کی یاد	۵	۲	۱۶	ستمبر	۲۰۰۵ء
966	کاروان حیات	۲۳	۲	۱۶	ستمبر	۲۰۰۵ء
967	مسکراتے چہرے اور بہتے آنسو	۵۳	۲	۱۶	ستمبر	۲۰۰۵ء
968	مظلوموں کو انصاف کب ملے گا	۵	۳	۱۶	اکتوبر	۲۰۰۵ء

969	کاروان حیات	۲۳	۳	۱۶	اکتوبر	۲۰۰۵ء
970	رمضان المبارک کے فضائل ومسائل	۲۹	۳	۱۶	اکتوبر	۲۰۰۵ء
971	مسکراتے چہرے	۵۴	۳	۱۶	اکتوبر	۲۰۰۵ء
972	بہتے آنسو	۵۵	۳	۱۶	اکتوبر	۲۰۰۵ء
973	مئو کا مسلم کش فساد	۵	۴	۱۶	نومبر	۲۰۰۵ء
974	کاروان حیات	۲۲	۴	۱۶	نومبر	۲۰۰۵ء
975	مسکراتے چہرے	۵۵	۴	۱۶	نومبر	۲۰۰۵ء
976	بہتے آنسو	۵۶	۴	۱۶	نومبر	۲۰۰۵ء
977	ہندوپاک کے تعلقات میں نیا موڑ	۵	۵	۱۶	دسمبر	۲۰۰۵ء
978	کاروان حیات	۲۸	۵	۱۶	دسمبر	۲۰۰۵ء
979	مسکراتے چہرے	۵۵	۵	۱۶	دسمبر	۲۰۰۵ء
980	بہتے آنسو	۵۶	۵	۱۶	دسمبر	۲۰۰۵ء
981	پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے	۵	۶	۱۶	جنوری	۲۰۰۶ء
982	کاروان حیات	۳۴	۶	۱۶	جنوری	۲۰۰۶ء
983	حج ایک نظر میں	۴۱	۶	۱۶	جنوری	۲۰۰۶ء
984	مسکراتے چہرے	۵۴	۶	۱۶	جنوری	۲۰۰۶ء
985	بہتے آنسو	۵۵	۶	۱۶	جنوری	۲۰۰۶ء
986	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار پر ضرب	۵	۷	۱۶	فروری	۲۰۰۶ء
987	کاروان حیات	۳۲	۷	۱۶	فروری	۲۰۰۶ء
988	مسکراتے چہرے	۵۷	۷	۱۶	فروری	۲۰۰۶ء
989	بہتے آنسو	۵۸	۷	۱۶	فروری	۲۰۰۶ء
990	نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن	۵	۸	۱۶	مارچ	۲۰۰۶ء
991	کاروان حیات	۲۵	۸	۱۶	مارچ	۲۰۰۶ء
992	مسکراتے چہرے اور بہتے آنسو	۵۵	۸	۱۶	مارچ	۲۰۰۶ء
993	بی جے پی کے مردہ جسم میں نئی جان ڈالنے کی کوشش	۵	۹	۱۶	اپریل	۲۰۰۶ء

994	کاروان حیات	۲۴	۹	۱۶	اپریل	۲۰۰۶ء
995	مسکراتے چہرے	۵۲	۹	۱۶	اپریل	۲۰۰۶ء
996	بہتے آنسو	۵۴	۹	۱۶	اپریل	۲۰۰۶ء
997	دہلی کی جامع مسجد میں بم دھماکے	۵	۱۰	۱۶	مئی	۲۰۰۶ء
998	کاروان حیات	۲۰	۱۰	۱۶	مئی	۲۰۰۶ء
999	مسکراتے چہرے	۵۴	۱۰	۱۶	مئی	۲۰۰۶ء
1000	بہتے آنسو	۵۶	۱۰	۱۶	مئی	۲۰۰۶ء
1001	ریزرویشن وقت کی اہم ضرورت	۵	۱۱	۱۶	جون	۲۰۰۶ء
1002	کاروان حیات	۳۰	۱۱	۱۶	جون	۲۰۰۶ء
1003	مسکراتے چہرے	۵۶	۱۱	۱۶	جون	۲۰۰۶ء
1004	بہتے آنسو	۵۷	۱۱	۱۶	جون	۲۰۰۶ء
1005	مسلمانوں کی سیاسی پالیسی ایک ہونی چاہئے	۵	۱۲	۱۶	جولائی	۲۰۰۶ء
1006	کاروان حیات	۳۱	۱۲	۱۶	جولائی	۲۰۰۶ء
1007	مسکراتے چہرے	۵۳	۱۲	۱۶	جولائی	۲۰۰۶ء
1008	بہتے آنسو	۵۴	۱۲	۱۶	جولائی	۲۰۰۶ء
1009	ممبئی بم دھماکے: فرقہ وارانہ منافرت......	۵	۱	۱۷	اگست	۲۰۰۶ء
1010	کاروان حیات	۳۲	۱	۱۷	اگست	۲۰۰۶ء
1011	مسکراتے چہرے	۵۴	۱	۱۷	اگست	۲۰۰۶ء
1012	بہتے آنسو	۵۵	۱	۱۷	اگست	۲۰۰۶ء
1013	اسرائیلی بربریت کے سامنے اقوام متحدہ لاچار	۵	۲	۱۷	ستمبر	۲۰۰۶ء
1014	کاروان حیات	۲۲	۲	۱۷	ستمبر	۲۰۰۶ء
1015	مسکراتے چہرے	۵۴	۲	۱۷	ستمبر	۲۰۰۶ء
1016	بہتے آنسو	۵۵	۲	۱۷	ستمبر	۲۰۰۶ء
1017	مالیگاؤں بم دھماکے سرکاری مشنریوں کی......	۳	۳	۱۷	اکتوبر	۲۰۰۶ء
1018	رمضان المبارک کے فضائل اور مسائل	۱۷	۳	۱۷	اکتوبر	۲۰۰۶ء

1019	تراویح - شب قدر	۳۰	۳	۱۷	اکتوبر	۲۰۰٦ء
1020	کاروان حیات	۳۵	۳	۱۷	اکتوبر	۲۰۰٦ء
1021	مسکراتے چہرے	۵٦	۳	۱۷	اکتوبر	۲۰۰٦ء
1022	بہتے آنسو	۵۷	۳	۱۷	اکتوبر	۲۰۰٦ء
1023	اصل مجرمین کیفر کردار کو پہنچیں گے	۵	۴	۱۷	نومبر	۲۰۰٦ء
1024	کاروان حیات	۲۰	۴	۱۷	نومبر	۲۰۰٦ء
1025	مسکراتے چہرے	۵۴	۴	۱۷	نومبر	۲۰۰٦ء
1026	بہتے آنسو	۵۵	۴	۱۷	نومبر	۲۰۰٦ء
1027	سچر کمیشن برائے نفاذ یا ایک اور مذاق	۵	۵	۱۷	دسمبر	۲۰۰٦ء
1028	کاروان حیات	۲۲	۵	۱۷	دسمبر	۲۰۰٦ء
1029	حج ایک نظر میں	۴۱	۵	۱۷	دسمبر	۲۰۰٦ء
1030	مسکراتے چہرے	۵۴	۵	۱۷	دسمبر	۲۰۰٦ء
1031	بہتے آنسو	۵۵	۵	۱۷	دسمبر	۲۰۰٦ء
1032	جمہوریہ ہند میں مسلم اقلیت کی حالت زار	۵	٦	۱۷	جنوری	۲۰۰۷ء
1033	کاروان حیات	۲٦	٦	۱۷	جنوری	۲۰۰۷ء
1034	مسکراتے چہرے	۵۴	٦	۱۷	جنوری	۲۰۰۷ء
1035	بہتے آنسو	۵۵	٦	۱۷	جنوری	۲۰۰۷ء
1036	مسائل کا حل - حق رائے دہی کا صحیح استعمال	۵	۷	۱۷	فروری	۲۰۰۷ء
1037	کاروان حیات	۱۹	۷	۱۷	فروری	۲۰۰۷ء
1038	مسکراتے چہرے	۵۵	۷	۱۷	فروری	۲۰۰۷ء
1039	بہتے آنسو	۵٦	۷	۱۷	فروری	۲۰۰۷ء
1040	سمجھوتہ ایکسپریس بم دھماکہ ذمہ دار کون؟	۵	۸	۱۷	مارچ	۲۰۰۷ء
1041	کاروان حیات	۲۵	۸	۱۷	مارچ	۲۰۰۷ء
1042	مسکراتے چہرے	۵٦	۸	۱۷	مارچ	۲۰۰۷ء
1043	بہتے آنسو	۵۷	۸	۱۷	مارچ	۲۰۰۷ء

1044	روحانیت پرست ہندوستان کو جنس......	۵	۹	۱۷	اپریل	۲۰۰۷ء
1045	کاروان حیات	۲۱	۹	۱۷	اپریل	۲۰۰۷ء
1046	مسکراتے چہرے	۵۳	۹	۱۷	اپریل	۲۰۰۷ء
1047	بہتے آنسو	۵۴	۹	۱۷	اپریل	۲۰۰۷ء
1048	امریکہ کی عالمی سازش اور مسلمانوں کی بے بسی	۵	۱۰	۱۷	مئی	۲۰۰۷ء
1049	کاروان حیات	۲۱	۱۰	۱۷	مئی	۲۰۰۷ء
1050	مسکراتے چہرے	۵۵	۱۰	۱۷	مئی	۲۰۰۷ء
1051	بہتے آنسو	۵۶	۱۰	۱۷	مئی	۲۰۰۷ء
1052	مساجد میں بم دھماکے	۵	۱۱	۱۷	جون	۲۰۰۷ء
1053	کاروان حیات	۲۸	۱۱	۱۷	جون	۲۰۰۷ء
1054	مسکراتے چہرے	۵۳	۱۱	۱۷	جون	۲۰۰۷ء
1055	بہتے آنسو	۵۴	۱۱	۱۷	جون	۲۰۰۷ء
1056	اسلام پسندوں کے خلاف دنیا بھر میں......	۵	۱۲	۱۷	جولائی	۲۰۰۷ء
1057	کاروان حیات	۲۱	۱۲	۱۷	جولائی	۲۰۰۷ء
1058	مسکراتے چہرے	۵۷	۱۲	۱۷	جولائی	۲۰۰۷ء
1059	بہتے آنسو	۵۸	۱۲	۱۷	جولائی	۲۰۰۷ء
1060	وقف املاک ملی مسائل کا حل	۵	۱	۱۸	اگست	۲۰۰۷ء
1061	کاروان حیات	۲۶	۱	۱۸	اگست	۲۰۰۷ء
1062	مسکراتے چہرے	۵۲	۱	۱۸	اگست	۲۰۰۷ء
1063	بہتے آنسو	۵۳	۱	۱۸	اگست	۲۰۰۷ء
1064	سری کرشنا کمیشن رپورٹ کا نفاذ	۵	۲	۱۸	ستمبر	۲۰۰۷ء
1065	کاروان حیات	۲۳	۲	۱۸	ستمبر	۲۰۰۷ء
1066	رمضان المبارک کے فضائل اور مسائل	۲۵	۲	۱۸	ستمبر	۲۰۰۷ء
1067	مسکراتے چہرے	۵۶	۲	۱۸	ستمبر	۲۰۰۷ء
1068	بہتے آنسو	۵۷	۲	۱۸	ستمبر	۲۰۰۷ء

فہرست مقالات حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

شائع شدہ مجلہ صوت الحق از: جنوری ۱۹۸۹ء تا دسمبر ۲۰۰۶ء

	مضمون	ماہ	سال
1	فرقہ بندیوں کا المیہ	جنوری	۱۹۸۹ء
2	ہم تعلیم کو مسلمان بنانا چاہتے ہیں	اپریل	۱۹۸۹ء
3	اس گھر (جامعہ محمدیہ) سے گھر گھر کا چراغ جلے گا	مئی	۱۹۸۹ء
4	حج ایک نظر میں	جون	۱۹۸۹ء
5	رفتید ولے نہ از دل ما (ناظم اعلی جامعہ سلفیہ کی وفات پر)	جنوری	۱۹۹۰ء
6	تم اس ملک کی آخری امید ہو	جنوری	۱۹۹۰ء
7	مدینہ منورہ کے طلبہ سے خطاب	اپریل	۱۹۹۰ء
8	تم والدین کا صدقہ ہو	اپریل	۱۹۹۰ء
9	منصورہ احیائے طب کی تاریخ	اپریل	۱۹۹۰ء
10	قرآن ہی ہماری ابتدا وانتہا ہے	جون	۱۹۹۰ء
11	دعوت دین کے شرائط	۲۰ جون وجولائی	۱۹۹۰ء
12	آج علمائے ربانی کی ضرورت ہے	ستمبر	۱۹۹۰ء
13	سرزمین ہند (طلبہ سے خطاب)	اکتوبر	۱۹۹۰ء
14	آپ اپنے ملک کے معیار ہیں	مئی	۱۹۹۱ء
15	نظام زندگی	جون	۱۹۹۱ء

16	گذارش احوال واقعی	جولائی	۱۹۹۱ء
17	ایمان کا درجہ اور تقاضہ	اگست	۱۹۹۱ء
18	طبیہ کالج میں خطاب (تقسیم اسناد)	ستمبر	۱۹۹۱ء
19	حضرت ہاجرہ جیسا پختہ ایمان چاہئے (طالبات سے خطاب)	ستمبر	۱۹۹۱ء
20	ہندوستان کے دینی مدارس	مارچ	۱۹۹۲ء
21	خطاب طالبات کلیہ فاطمۃ الزہراء	مارچ	۱۹۹۲ء
22	علوم دینیہ کی جامعیت	اپریل	۱۹۹۲ء
23	وقت کا سب سے اہم تقاضا اور ہمارا قدم	مئی	۱۹۹۲ء
24	مسلمانوں میں اتحاد کی ضرورت	جون	۱۹۹۲ء
25	مسلمانوں کی ذلت کا حقیقی سبب (اختلاف)	جولائی	۱۹۹۲ء
26	طلبہ سے خطاب	دسمبر	۱۹۹۲ء
27	ڈرو نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے	جنوری	۱۹۹۳ء
28	خوف الٰہی مجاہد بناتا ہے	جنوری	۱۹۹۳ء
29	مسلمان نہ ہوں تو ملک تباہ ہو جائے گا	جنوری	۱۹۹۳ء
30	مسلک سلف	جنوری	۱۹۹۳ء
31	حقیقی رشتہ	جنوری	۱۹۹۳ء
32	ملک کی تمام تنظیموں کو مل کر کام کرنا چاہئے	جنوری	۱۹۹۳ء
33	عدالت نبوی کے فیصلے	فروری	۱۹۹۳ء
34	اساتذہ، طلبہ، وطالبات سے خطاب	مئی	۱۹۹۳ء
35	کل کی فکر کرو	اکتوبر	۱۹۹۳ء

36	وہ (علم دین) اللہ کا نور ہے	جنوری	۱۹۹۴ء
37	آج پھر تحریک شہیدین کی ضرورت ہے	جنوری	۱۹۹۴ء
38	علمائے مئو سے خطاب	جنوری	۱۹۹۴ء
39	شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ	فروری	۱۹۹۴ء
40	ہر میدان میں اولیت حاصل کر کے رہنما بنو	مارچ	۱۹۹۴ء
41	سلف صالح کا طریقہ ہمارا منہج ہے	اپریل	۱۹۹۴ء
42	قربانی کے مسائل	مئی	۱۹۹۴ء
43	منصورہ کے بدولت مہاراشٹر کو تمغہ ملا	مئی	۱۹۹۴ء
44	خطبہ صدارت علماء اہل حدیث کانفرنس دہلی جون ۱۹۹۴ء	جولائی	۱۹۹۴ء
45	(بقیہ) خطبہ صدارت......	اگست	۱۹۹۴ء
46	علم کو محض فن نہیں ایمان سمجھیں	اگست	۱۹۹۴ء
47	قرآن وحدیث ایک ہی سرمایہ ہے	ستمبر	۱۹۹۴ء
48	ہندوستانی مسلمان اور تعلیم	ستمبر	۱۹۹۴ء
49	مجلس واحد کی تین طلاقیں	نومبر	۱۹۹۴ء
50	درس ہجرت	جولائی	۱۹۹۵ء
51	صرف معلم نہیں متقی معلم چاہئے	جولائی	۱۹۹۵ء
52	حقیقی علم وہ ہے جو آخرت کو یاد دلائے	اگست	۱۹۹۵ء
53	تحریک اہل حدیث ماضی کے خدمات اور مستقبل کے عزائم	اکتوبر	۱۹۹۵ء
54	اہل حدیث اور اسلام کا مستقبل	دسمبر	۱۹۹۵ء
55	جامعہ محمدیہ میں نئے تعلیمی سال کا آغاز	مارچ	۱۹۹۶ء

56	قربانی کے مسائل		اپریل	۱۹۹۶ء
57	نعمت الٰہی کی قدر کرو		مئی	۱۹۹۶ء
58	خطبہ صدارت اجلاس عام شولا پور		جون	۱۹۹۶ء
59	خطبہ صدارت اجلاس عام شولا پور		جولائی	۱۹۹۶ء
60	طلبائے عربیہ کو ملک میں صالح انقلاب لانا ہے		جولائی	۱۹۹۶ء
61	خطاب سالانہ اجلاس		اکتوبر ونومبر	۱۹۹۶ء
62	حیات امام احمد بن حنبل حیات وکارنامے		اکتوبر ونومبر	۱۹۹۶ء
63	خلاصہ خطاب بونڈھیار وشنکر نگر		اکتوبر ونومبر	۱۹۹۶ء
64	ماہ رمضان نزول قرآن کی سالگرہ		جنوری	۱۹۹۷ء
65	جامعہ محمدیہ علوم اسلامیہ کی مکمل تعلیم		مارچ	۱۹۹۷ء
66	طبیب الاطباء علیہ ﷺ		مارچ	۱۹۹۷ء
67	وحدت ادیان نہیں وحدت دین		مارچ	۱۹۹۷ء
68	علم ایمان وعمل کا متقاضی ہے		اپریل	۱۹۹۷ء
69	تمہاری عزت صرف اسلام سے وابستہ ہے		اپریل	۱۹۹۷ء
70	درس قرآن		اپریل	۱۹۹۷ء
71	دنیا بھی جنت ہے		مئی	۱۹۹۷ء
72	خطاب از طلباء جامعہ		جولائی	۱۹۹۷ء
73	علم عزت وسعادت کا سرچشمہ ہے		اگست	۱۹۹۷ء
74	خطاب از طلباء جامعہ		اگست	۱۹۹۷ء
75	خطاب از طلباء جامعہ		اپریل	۱۹۹۸ء

نمبر	عنوان	مہینہ	سال
76	ارباب مدارس عربیہ کی خدمت میں	جولائی	۱۹۹۸ء
77	محمدیہ اسکول اورنگ آباد دھولیہ کا افتتاحی خطاب	جولائی	۱۹۹۸ء
78	خطاب از طلباء مدینہ	ستمبر	۱۹۹۸ء
79	حج ایک نظر میں	فروری	۱۹۹۹ء
80	ان ابراهیم کان امة	مارچ	۱۹۹۹ء
81	ہر عمل کا ردعمل ہے	ستمبر	۱۹۹۹ء
82	جامعہ محمدیہ میں نئے تعلیمی سال کا آغاز	مئی، جون	۲۰۰۰ء
83	مدیر جامعہ کا سعودی عرب میں خطاب	جنوری	۲۰۰۰ء
84	جامعہ محمدیہ میں تربیتی خطاب	جنوری	۲۰۰۰ء
85	جامعہ محمدیہ اور تحریک تعلیم نسواں	جنوری	۲۰۰۲ء
86	مروجہ مدارس میں مسلمان عورتوں کی تعلیم حرام ہے	جنوری	۲۰۰۲ء
87	مناسک حج کا خلاصہ	جنوری	۲۰۰۲ء
88	جامعہ محمدیہ ایک جامع تعلیمی مرکز	فروری	۲۰۰۲ء
89	آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ	مارچ	۲۰۰۲ء
90	جامعہ محمدیہ میں نئے تعلیمی سال کا آغاز	مئی، جون	۲۰۰۲ء
91	منصورہ ایک عظیم علمی بستی	جولائی	۲۰۰۲ء
92	منصورہ ایک جدید تعلیمی مرکز	اگست	۲۰۰۲ء
93	اسلامی مدارس میں نئے نظام تعلیم کی ضرورت	ستمبر	۲۰۰۲ء
94	ایک تاریخی سانحہ (بیت المقدس میں اسرائیلی حکومت)	اکتوبر	۲۰۰۲ء
95	مدارس عربیہ سے خوف کیوں؟	نومبر	۲۰۰۲ء

96	ہندوستان میں اسلامی تہذیب کی بقا	دسمبر	۲۰۰۲ء
97	علماء ربانی	جنوری	۲۰۰۳ء
98	جامعہ محمدیہ ایک جامع تعلیمی مرکز	فروری	۲۰۰۳ء
99	سقوط بغداد	اپریل	۲۰۰۳ء
91	مدارس اسلامیہ میں تعلیمی انتشار	مئی	۲۰۰۳ء
92	مسلمان بچیوں کے لئے مخصوص تعلیمی درسگاہیں	جون	۲۰۰۳ء
93	دینی مدارس کی دنیا	جولائی	۲۰۰۳ء
94	طلبہ مدارس اسلامیہ کی ضروری تربیت	اگست	۲۰۰۳ء
95	جماعت اہل حدیث کی حقانیت	دسمبر	۲۰۰۳ء
96	علماء ربانی کے صفات	جنوری	۲۰۰۴ء
97	دعوت اہل حدیث (کانفرنس پاکوڑ کی مناسبت سے)	فروری	۲۰۰۴ء
98	علم کی اہمیت	فروری	۲۰۰۴ء
99	علماء انبیاء کے وارث ہیں	اپریل	۲۰۰۴ء
100	علماء کی شان	مئی، جون	۲۰۰۴ء
102	ہندوستان میں تعلیم کا ابھرتا ہوا موضوع	جولائی	۲۰۰۴ء
103	مسلمان بچیوں کی تعلیم	اگست	۲۰۰۴ء
104	ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں کا حصہ	اگست	۲۰۰۴ء
105	ایمان وعمل کا مقام	اگست	۲۰۰۴ء
106	تعلیم کی قدر ومنزلت	ستمبر	۲۰۰۴ء
107	تراویح، اعتکاف، شب قدر	ستمبر	۲۰۰۴ء

108	حج قرآن کی نظر میں	دسمبر	۲۰۰۴ء
109	مدارس میں عصری تعلیم کا بڑھتا ہوا رجحان	جنوری	۲۰۰۵ء
110	مساجد و مدارس	فروری	۲۰۰۵ء
111	آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ	مارچ، اپریل	۲۰۰۵ء
112	تعلیم کی موجودہ رفتار	مئی، جون	۲۰۰۵ء
113	فضیلت علم	جولائی	۲۰۰۵ء
114	اصل علم، علم شریعت ہے	اگست، ستمبر	۲۰۰۵ء
115	ھوی و ہوس	اکتوبر، نومبر	۲۰۰۵ء
116	حج رکن اسلام	دسمبر	۲۰۰۵ء
117	مدارس اسلامیہ کا نصاب	جنوری	۲۰۰۶ء
118	مسلمانوں کے باہمی حقوق	مارچ	۲۰۰۶ء
119	دین اسلام میں دہشت پسندی کی سزا	اپریل	۲۰۰۶ء
120	مکارم اخلاق	مئی	۲۰۰۶ء
121	وسیلہ کی حقیقت	جون	۲۰۰۶ء
122	اسلام اور اس کی خوبیاں	اگست	۲۰۰۶ء
123	اہل اسلام کو ماہ صیام کی بشارت	ستمبر	۲۰۰۶ء
124	پردہ	نومبر	۲۰۰۶ء
125	سنت ابراہیمی	دسمبر	۲۰۰۶ء

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ
کی وفات پر ایک تأثر

وفا صدیقی

نو ستمبر تھی سن بیس سو سات تھا
غم واندوہ نے دل کو دہلا دیا
علم و دانش کا مہر منور تھا جو
ساتھ سورج کے وہ بھی غروب ہوگیا
جس ستارے میں تھی عزم کی روشنی
ہائے افسوس نظروں سے دور ہو گیا

اب وہ آواز ہے اور نہ ہے وہ نوا
گونجتے جس سے رہتے تھے یہ بام و در
ڈھونڈیئے وہ صدا گم ہوئی ہے کہاں
جو کہ دیتی رہی اذنِ فکر و نظر
جس نے بوئے ہیں راہوں میں ایسے شجر
انمیں آتے رہیں گے ہمیشہ ثمر
کارواں سوئے منزل رہیں گے رواں
سایہ در سایہ ہوتا رہے گا سفر

اس کے پسماندگان سے یہ امید ہے
جاری و ساری رکھیں گے اس کا مشن
اس چمن کو رہیں گے سدا سینچتے
خوشبوؤں سے معطر رہے گا چمن

لحد میں اس کی رحمت کا ہی نور ہو
اس کو جنّت میں اعلیٰ مقام ہو عطاء
نذرِ مختار مرحوم ہے اے وفاؔ
میرے اشعار میں بس یہی ہے دعا

رحمہ اللہ

تأثرات غم بروفات

مولانا مختار احمد ندوی

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی، انگلینڈ

''مختار احمدؒ ندوی'' تھے سلجھے ہوئے خطیب
''مختاراحمدؒ ندوی'' تھے ایک عبقری عجیب
لکھی ہیں جو کتابیں گرانقدر بے شمار
جس نے بنائیں ہند میں مسجدیں بسیار
''مختارؒ'' تھے وہ خلق میں اور خلق باوقار
تو بخش ان کو مالک و مختار و کردگار
بانی جامعات دیں للبنین و للبنات
اسکولز اور کالجز للفتیان و للفتات
بانی بھی تھے سماجی، رفاہی اداروں کے
''مختارؒ'' کو بہشت دے مختار کائنات
پھیلائے جس نے ہند میں اور پاک میں کتب
پھیلائے گلف ویورپ ونیویاک میں کتب

مقبول کر فیوض قلم ان کے کردگار!

پھیلائے جس نے حج کے بھی حرم پاک میں کتب

اللہ نے ان کو "کعبے" کا واعظ بنادیا

واعظ بنا کے مرتبہ ان کا بڑھا دیا

رشک زماں خطیب تھے "مختارؒ" بالیقیں

اللہ نے کیا تھا عطا ان کو فہم دیں

"مالیگاؤں" کو بنا بھی دیا بحر جامعات

سیراب جس سے ہوتے ہیں طلبہ وطالبات

" محمدیہ" و"طبیہ" کالجز،"السائر ہسپتال"

اللہ کا یہ فضل ہے، "مختارؒ" کا کمال

ابلاغ کا بھی فرض وہ کرتے رہے ادا

دن رات، ساری زیست، ہو وہ صبح یا مسا

بانی بھی تھے جو"مہ نامۂ البلاغ" کے

یارب یہ التجا ہے وہ جاری رہے سدا

"الدار السّلفیہ ممبئ" کیا عالی شان ہے

قرآن اورحدیث کا اس میں بیان ہے

سارے جہاں میں پھیلی ہیں اسلاف کی کتب
امن وامان، عدل کی، انصاف کی کتب
ثاقب کی التجا کو الٰہی قبول کر
"مختارؒ" کی ادا کو الٰہی قبول کر
"مختارؒ" کے عمل کو بنا صدقہ جاریہ
مقبول کر دے روز جزا صدقہ جاریہ
اہل وعیال کو بھی تو صبر جمیل دے
صبر جمیل دے کے تو اجر جزیل دے
رحمت تری عظیم تو رحمان اور رحیم
"مرحوم" کو تو بخش دے فردوس اے کریم!

عہد ساز شخصیت

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

سردار شفیق، مئوناتھ بھنجن

بہت ملول ہیں اس دل خراش منظر سے
لہو کا سلسلہ جاری ہے دیدۂ تر سے

نہ ان سے کوئی تعارف، نہ رابطہ نہ لگاؤ
کبھی یہ قطرہ مخاطب نہ تھا سمندر سے

ہزار مرتبہ دیکھا ہزار بار سنا
کبھی تو جلسہ، کبھی مسجدوں کے منبر سے

وہ مایہ ناز مصنف وہ عہد ساز خطیب
شناخت ان کی تھی اس لاجواب جوہر سے

زبان شریں، قلم تیز رو، نگاہ بلند
یہ وصف ملتا ہے انسان کو مقدر سے

نفیس طبع، شگفتہ جبیں، تبسم ریز
فزوں تھی خوشبو لباسوں میں عود و عنبر سے

یہ علم وفضل کی تاثیر ہی تو تھی کہ یہاں
شیوخ رکھدیں عمامہ اتار کے سر سے

ہر ایک کام میں سنت کی پیروی کا خیال
وہ والہانہ شغف رکھتے تھے پیمبر سے
ہمیشہ حق و صداقت کی رہنمائی کی
چھپایا کچھ بھی نہ دنیا جہان کے ڈر سے
کئے قلم سے کچھ ایسے صفائے قلب و نظر
طبیب لیتے ہیں جو کام نوک نشتر سے
کتاب ان کا اثاثہ کتاب جز و حیات
انہیں عزیز کتابیں تھیں کیسۂ زر سے
کمال علم و ہنر، اعتبار فکر ونظر
ملا تھا ان کو یہ سب کچھ خدائے برتر سے
عجم سے تابہ عرب چھا گیا ہے سناٹا
صدائیں آتی ہیں محراب سے نہ منبر سے
جو بانٹتا تھا ہدایت کی روشنی ہم کو
وہ آفتاب جدا ہوگیا ہے محور سے
عطا ہو خلد بریں میں انہیں مقام بلند
شفیق میری دعائیں یہی ہیں داور سے

درشان، مولانا مختار احمد ندوی سلفی رحمۃ اللہ علیہ

ارشد کبیری، امبیڈکر نگر، یوپی

شان نادر لئے آئے مختار تھے
راستی کا سخنور و کردار تھے

آپ کی مدح کرتے تھے اغیار بھی
قابل قدر ہونٹوں کے رشحات تھے

بزم قرآن و سنت مہکتی رہی
رہ صحافت کے جب آپ شہوار تھے

حق وباطل کی تفریق کے وصف سے
عزم وہمت کی مختار تلوار تھے

منتشر قافلے کو کیا متحد
آپ جس وقت قائد و سالار تھے

خوش نصیبی کا باعث بنے موت بھی
ان کے دم سے بہت سے تو خوشحال تھے

آپ کا ذکر ہوتا رہے اس لئے
بے عدد شاہکار ان کے اوصاف تھے

☆☆☆

سحاب جامعہ محمدیہ کے نام

شگفتہ سبحانی - کلیہ عائشہ صدیقہ منصورہ مالیگاؤں

رو رہی ہے زمیں،

رو رہا آسماں، خواب سب بجھ گئے،

آج ماتم ہوا

اے ہوا تو بتا، تو بتا، تو بتا وہ مجسم قمر مہرباں کیا ہوا؟

جس نے سینچی تھی خود اپنے ہی خون سے اور پسینے سے ساری مقدس زمیں

جس کی شفقت، محبت، جرأت، شجاعت و ہمت دلیری کا ثانی نہیں

سنگ بنیاد رکھی تھی اس شخص نے

اور اسی نے سکھایا تھا وحدت ہے کیا

جامعہ کی ہواؤں کو دی نغمگی

ان کو سکھلایا پھر کلمۂ طیبہ!

پھول باغات کو مسکراہٹ عطا کر کے شبنم کے قطروں کو بخشی حیاء

زندگی کو نئے ساز و انداز و آداب و اطوار و اسباب اور دی ضیاء

اس نے دیکھا تھا خوابوں کا ایک کارواں

ریگ میں گلستاں بھی سجاتا رہا

کچھ گھروندے سجائے تھے باغات میں، دشت میں کتنی جنت بسا کر چلا

وہ ہی ابرار تھا - وہ ہی سالار تھا

وہ ہی سردار وہ ہی تو ''مختار'' تھا

صدق دل سے دعا، اس کو کردے عطا رب کون ومکاں

وہ جگہ، وہ جگہ جس کا وعدہ ہے قرآن میں بارہا اس نے ہم سے کیا!

اس نے ہم سے کیا!

اے مجسم قمر - باغبان چمن - اے سحاب بہشت تجھے کیا لکھوں؟

تیری عظمت کے لائق نہیں حرف ہیں

صفحہ ہستی پہ قوس قزح کی طرح

منفرد، مختلف، جاوداں اور روشن تیرا نام چمکے گا ہر کو بہ کو،

تیری ہر خواہشیں

ایک ایک خواب سب، تیری قربانیاں رنگ لائیں گی سب

یہ کریں ہم دعا

اپنے اس جامعہ سے نکلتا ہوا،

ایک اک طالب علم "مختار" سا،

تیری طرح بنے، تیرے جیسا بنے

(جس قدر ہو سکا اپنی کوشش رہے)

ان میں ہر اک بنے اپنے مختار سا!

ان میں ہر ایک بنے اپنے مختار سا!

تیرے، نقش قدم جگمگاتے رہیں

ان کے پاکیزہ مدھم، اجالوں سے پھر

سارے بھٹکے ہوئے

سارے گمراہ سب

نیک راہوں کی پہچان پاتے رہیں!

نیک راہوں کی پہچان پاتے رہیں!!

نیک راہوں کی پہچان پاتے رہیں!!!

☆☆☆

نہ بھلا پائے جسے تاریخ وہ انسان ہے

امان اللہ شاغف نیپالی کلیاوی - كلية الشريعة الجامعة الإسلامية طيبة الطبية

ہے کوئی جس کی کمی پہ گلستاں بے جان ہے
نہ بھلا پائے جسے تاریخ وہ انسان ہے

کل مئو کی سر زمیں کو چاند سا تحفہ ملا
کھو کے اس کو آج دیکھو کس قدر ویران ہے

اس طرح موسوم وہ "مختار احمد" سے ہوئے
ہے دعا عالم ہو بیٹا باپ کا رجحان ہے

جامعہ رحمانیہ ، دارالحدیث ، و عالیہ
علم دیں کے واسطے یہ گردش و دوران ہے

سیف[1] جیسے شیخ ان کے اور بھی گہواروں میں
شائق[2] و احمد[3] سبھوں پر دل و جاں قربان ہے

عالمیت "ندوۃ" سے پھر کی فضیلت "فیض عام"
یوں علیگڑھ سے بی.اے. میں انگریزی میدان ہے

شمع حق لے کر چلا تھا کشف ظلمت کے لئے
کلکتہ سے ممبئی ہر جہ یہی پہچان ہے

"صوت حق" اور "البلاغ" ایں ہے صحافت پر بیاں
ہے بلاغت، پر خطابت بن تیرے سنسان ہے

وقف ہے مرکز کی خاطر قلب بھارت کا[4] مکاں
اجر اس کو تا قیامت جس کا یہ وردان ہے

ان گنت عہدے مناصب پر قدم رنجہ ہوئے
جان و مال اپنا لٹا کے رب کا وہ مہمان ہے

مرکزی دارالعلوم[5] اس کا بڑا ممنون ہے
اور مرکز کی امارت ہم پہ اک احسان ہے

عزم راسخ اور رب سے لو لگانے کے صلے
جاہ و عظمت ، علم و حکمت گل کدہ گلدان ہے

علم کے قلعے بنائے اور رفاہی کام بھی
اس سلیقہ سے کیا کہ ہر کوئی حیران ہے

ہیں "محمدیہ"[6] مدرسے، اور مالیگاؤں کا
جامعہ منصورہ تنہا پرچم فرقان ہے

دائرۂ علم و حکمت صنف واحد میں سبھی
اور نسواں کی ثقافت کا بڑا بحران ہے

دیکھ کر یہ ظلم دوراں آپ آگے بڑھ گئے ۔ تھا توکل کہ ہمارا رب میرا رحمان ہے
عائشہ صدیقہ پھر یہ قافلہ بڑھتا رہا ۔ فاطمہ ، و طب ، کو دیکھو کیسا چمنستان ہے
ترجمہ تالیف بھی ان کی نگاہوں میں رہا ۔ پھر طباعت کے لئے ''الدار'' عالیشان ہے
سادگی، سنجیدگی، مہماں نوازی کی صفت ۔ رچ گئی تھی ایسے گویا آپ ہی کی بان ہے
خوبیوں کا یہ مجسم ایک دن چلتا بنا ۔ نو ستمبر ، دو ہزار ایں سات کا فرمان ہے
تھے ستتر سال کے جس دم وداعی کہہ گئے ۔ یہ خلا پُر ہوسکے شاغف کہاں آسان ہے
تب سے آنکھیں نم ہوئیں اور دل بڑا بے حال ہے ۔ صبر اے دل ، مان بھی جا رب کا یہ ایمان ہے
ہم دُھائی دے رہے ہیں تم کو اے مختار جاں ۔ رحمتیں برسا کریں تم پر یہی ارمان ہے
چھوڑ کے الفاظ کے پیچوں کو میں آگے بڑھا ۔ سیرۃِ مختار چوں کہ محور وجدان ہے

۱ - شیخ ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ

۲ - شیخ عبداللہ شائق (مؤسس دارالحدیث الاثریہ)

۳ - شیخ محمد احمد (امین عام جامعہ فیض عام)

۴ - اہل حدیث منزل (دہلی)

۵ - جامعہ سلفیہ بنارس

۶ - ''محمدیہ'' کے نام سے موسوم تمام مدارس۔

قطعات

ساگر تیمی

چو طرفہ کام کرتے تھے ندوی عظیم تھے
بہتے ہوئے وہ علم کے بادنسیم تھے
خود کو خدا کی راہ میں رکھا تمام عمر
اللہ کی قسم وہ ایک بطل کریم تھے
ندوی گئے تو علم پہ ماتم سی چھاگئی
حسن عمل کی روح پہ سونامی آگئی
سچائی سن سکیں اگر اہل جہاں کہوں
یہ موت تو اک شمع فروزاں بجھاگئی

دعاء

نظر کرم مختارؒ پہ اللہ ڈال دے
لغزش پہ درگزر کا خداپردہ ڈال دے
ساگر کے لب پہ بس یہی الفاظ ہیں جاری
ندوی کواپنے فضل سے جنت میں ڈال دے

رہبر چلاگیا

سلفیوں کا ملک سے رہبر چلا گیا
علم وعمل کا واقعی پیکر چلاگیا
غم کی لپیٹ میں دل مضطر کو یوں لگا
دنیائے بے ثبات سے ساگر چلاگیا

☆☆☆

مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

ہمت مردانہ، کار فراواں

عبد المعید-علیگڑھ

یہ نام شاید پہلی بار پندرہ روزہ ''اہل حدیث'' کے ٹائٹل پر دیکھا۔ اور دوبدو پہلی بار شیخ یوسف جاسم حجی کے ساتھ جامعہ سلفیہ کے ایک اسٹیج پر دیکھا۔ اس کے بعد پھر یہ نام غائب از نظر نہ ہوا، نہ شخصیت نگاہوں سے اوجھل رہی، نہ سرگرمیاں اور نشاطات مخفی رہے۔

اس فنا آباد ہست وبود پر لوگ اپنی عمر روزی اور سرگرمی کی حد ومقدار ساتھ لے کر آتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ "لیس للانسان الا ماسعی" کا قرآنی ضابطہ بھی لگا دیا جاتا ہے۔ یہاں بہت سے لوگ اپنے پس منظر کے حوالوں سے جی لیتے ہیں۔ اور اکثر لوگ زندگی کا بوجھ گھسیٹتے قبر میں چلے جاتے ہیں۔ اور بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو اپنی راہ خود نکالتے ہیں اور لوگوں کے لیے ہمت وشجاعت اور عزم وحوصلے کی مثال چھوڑ جاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اپنے اعمال مفیدہ اور آثار موثرہ بھی۔

مختار احمد ندوی وہ نام ہے جس کے ساتھ معتبریت، عزم محکم اور جہد مسلسل وابستہ ہے۔ انہوں نے سارے کام وہ کئے جو دوسروں نے نہیں کیا یا جو دوسروں سے نہیں ہو سکتے تھے۔ جب انہوں نے راستہ بنا دیا تو پھر اس پر چلنے والے ہزار پیدا ہو گئے۔ سالاری تو بہر حال انہیں کے نام جائے گی۔

انہوں نے جو کام کیا اسے اعتبار بخشا، حتی کہ انہوں نے اپنے لاحقہ ''ندوی'' کو بھی اعتبار بخشا، بوڑھاپے میں بھی ان کا عزم اکثر جوانوں سے جوان تر تھا اور ان کی مساعی اور جد وجہد کے کیا کہنے؟ عمر کے جس مرحلے میں عام لوگوں کے قوی مضمحل ہو جاتے ہیں اس مرحلۂ حیات میں بھی کاروان حیات کی انہیں حدی خوانی میسر تھی۔ اور کامیابیاں؟ وہ تو سب کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ پورے ہندوستان میں ان کی کامیابیوں کے آثار کہاں نہیں بکھرے پڑے ہیں۔

ندوی مرحوم کا سفر مسلک، جماعت اور جمعیت کے حوالے سے شروع ہوا اور آخر تک اس حوالے سے وابستگی رہی۔ دھوپ چھاؤں اتار چڑھاؤ زندگی میں آتے ہی رہتے ہیں لیکن وابستگی کا جو مسلسل سفر تھا وہ جاری رہا۔ کبھی انہوں نے جمعیت اور جماعت سے بیگانگی کا مظاہرہ نہیں کیا، سلیقہ مندی جو انہیں آتی تھی۔ آج کی پر آشوب زندگی سلیقہ مندی کی دشمن ہے۔ اس پر

آشوب ماحول میں ذمہ داریوں، رقابتوں اور حوصلوں کی بھیڑ میں سلیقہ مندی سب کو راس نہیں آتی۔

آزادی کے بعد پچاس سالوں تک جمعیت و جماعت سے وابستگی کا یہ ریکارڈ مشکل سے کہیں نظر آئے گا۔ اس طویل مرحلے میں انہوں نے جمعیت کو کیا دیا کیا کھویا یہ بھی ان کی زندگی کا اہم باب ہے جسے ارباب بصیرت جانتے ہیں۔

جمعیت کے اہم مناصب پر وہ ہمیشہ فائز رہے۔اس پورے وقفے میں میں دور ہی دور رہا۔ پھر بھی اصل بات یہ ہے کہ دل کے کسی کونے میں ہمیشہ یہ بات رہی کہ جمعیت کے اہم منصب پر وہ فائز رہیں تو بہتر ہے۔

جمعیت کے اہم منصب پر ان کی فائز المرامی خود ان کے شایان شان تھی۔ ان کے اور دیگر حضرات کے درمیان جب بھی منصب امارت کی طلب کا مقابلہ ہوا ہمیشہ دلی طور پر میں نے انہیں کو ترجیح دی اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جب بھی ان کے سوا دوسرے کو ان کی طلب کے علی الرغم امارت دی گئی اس کی درگت ضرور بنی اور بسا اوقات اس کی طلب میں بہت آگے نکلنے والوں کی اس منصب تک پہنچنے سے پہلے ہی درگت بن گئی۔

اصل یہ ہے کہ جمعیت سے وابستگی میں ذمہ دار حضرات ہمیشہ مختلف رویے کے مظہر رہے ہیں حسب خواہش جمعیت بہت اچھی، اور مزاج کے خلاف جمعیت بہت خراب۔ انہوں نے اس طویل وابستگی کے مرحلے میں جمعیت کے علاقائی، ریاستی اور مرکزی بہت سے اہم واقعات اور حادثات کو دیکھا اور بذات خود وہاں موجود رہے۔ بہت سی کانفرنسوں کو انہوں نے منظم کیا، ان کے انعقاد کا باعث بنے، انہیں بنایا، سنوارا اور خطاب کیا۔ تاریخ مرتب کرنے والے انہیں مرتب کر سکتے ہیں۔

جمعیت کے حوالے سے ایک اہم مسئلہ جامع مسجد کے علاقے میں جمعیت کے لیے ایک آفس کی فراہمی تھی۔ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۸۰ء تک کروڑوں اہل حدیثوں کی تنظیم کے واسطے سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ جمعیت مال مسترد کی طرح مسجد کے اس حجرے سے اس حجرے تک دھکے کھاتی اور چکر کاٹتی رہی لیکن ۱۹۸۰ء میں مولانا کی قیادت میں ایک اہم عمارت ڈھونڈھ نکالی گئی اور اسے جمعیت کے دفتر کے طور پر خرید لیا گیا۔ تاریخی حقائق کیا ہیں ہمیں پتہ نہیں نہ اس کی جستجو کی خواہش ہے۔ بس اتنا سب کو معلوم ہے کہ اہل حدیث منزل، جمعیت اہل حدیث کا صدر دفتر قرار پائی۔

مولانا نے خطابت کو اولا اپنی پہچان بنائی اور کلکتہ سے لے کر بمبئی تک کا دعوتی سفر خطابت کے ذریعہ طے ہوا۔ خطابت ایک مؤثر ہتھیار ہے جماہیر پر چھا جانے کا۔ خطابت کی بے شمار شکلیں ہوتی ہیں اور سبھی اپنے میدان میں موثر ہوتی ہیں لیکن منبری خطابت کی شان ہی اور ہوتی ہے۔ منبر پر بیٹھ کر خطیب ہفت روزہ خطابت کا ایسا سنہرا موقع پاتا ہے کہ ایک عام خطیب

بھی آہستہ آہستہ خطابت کے اوصاف سے متصف ہو جاتا ہے۔

مولانا کی خطابت، خطابت کے تمام خصائص سے متصف تھی۔ آپ کی خطابت کے سبب مومن پورہ کی جامع مسجد اہل حدیث کا شہرہ پورے ہندوستان میں تھا۔ ہندوستان میں شاید ہی کسی اہل حدیث مسجد کو خطیب کے سبب اتنی شہرت اور اہمیت حاصل ہوئی ہوگی۔ خطیب کی عالی شان خطابت کے سبب مومن پورہ کی مسجد ایک عالمی مرکز بن گئی تھی اور مسجد کی وہ آن بان تھی کہ کسی بڑے مدرسے کو وہ آن بان حاصل نہ تھی۔ پھر جب وہاں سے اٹھ کر بنگالی مسجد گئے تو اس کو مرکزیت حاصل ہوگئی۔

مومن پورہ کی جامع مسجد اہل حدیث نے مولانا کی خطابت کے سبب ایک تاریخ بنائی اور اس کی افادیت کا اعتراف کیا گیا، اور اس افادیت کے آثار دور دور تک محسوس کئے گئے۔ مجھے مولانا کی تقریروں کے سننے کا اتفاق بہت کم ہوا ہے، عالیہ اسپتال کے افتتاح کے موقع کی افتتاحی تقریر سننے کا اتفاق ہوا۔ ۱۹۸۴ء میں ادارہ اصلاح المساجد کی طرف سے مئو میں دو روزہ ائمہ مساجد کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا تھا اس موقع پر اسپتال کا افتتاح بھی ہوا تھا، میں نے اس موقع پر جو تقریر سنی وہ شاہکار تقریر تھی۔ دبنگ آواز، پرشکوہ الفاظ، پراثر لب ولہجہ، خطیبانہ شان سے آراستہ وپیراستہ، سلاست وروانی، فصاحت بیان، شیرینی گفتار، جلال وجمال کا آمیزہ، طنز ومزاح بھی اور حقیقت بیانی بھی جوش وجذبہ بھی اور متانت بھی۔

خطابت دراصل وہی ہے جو سامع کے اندر دینی بیداری پیدا کردے اور انہیں دین کے سلسلے میں فکرمند بنادے۔ اگر خطابت کا ثمرہ ان دو شکلوں میں نہ ظاہر ہو تو خطابت خطابت نہیں مداری پن ہے۔ بروقت خطابت مداری پن سے تعبیر ہے۔ اکثر خطباء ومقررین الحمدللہ متانت اور علم سے بالکل واسطہ نہیں رکھتے۔ ماشاء اللہ انہیں ممثل (ایکٹر) کے تمام کمالات حاصل ہیں۔ پبلک بھی سبحان اللہ کہنے کی خوگر ہے۔ کہیں کسی کے نغموں پر مری جاتی ہے، کہیں کسی کی راگ ورانگنی پر فدا ہو رہی ہے، کہیں کسی کے اشلوک اور منتروں پر نچھاور ہونے کو تیار ہے۔ وعظ وتذکیر کی محفل رقص وسرود کی محفل بننے سے بس ایک بالشت دور رہ جاتی ہے اگر کسی دن کسی منچلے کو کسی قصہ گو مقرر کی تقریر پر حال آ گیا تو یہ کسر بھی پوری ہو کر رہے گی۔

مولانا کی خطابت اور تقریر کا ماحصل یہی تھا کہ انہوں نے اس سے عوام کو ہشیار بنانے اور بیدار کرنے کا کام لیا۔ اسے پیری مریدی اور جیب بھرنے اور لذت کام ودہن کے لیے استعمال نہیں کیا۔ نہ ادھر کچرے علم کا ہتھوڑا جنتر منتر کی شکل میں چلا کر مداری پن کا مظاہرہ کیا اور پبلک کو بے وقوف بنایا۔ افسوس خطابت اور موعظت کا دامن بھی علم کے طفیلیوں سے تار تار ہے۔

مولانا نے بہت بڑے پیمانے پر تعلیمی کام شروع کیا تھا۔ انہوں نے جن اداروں کو قائم کیا، چلایا اور جو چل

رہے ہیں وہ اتنے ہیں اور ایسے متنوع ہیں کہ کم از کم ان کو جماعت اہلحدیث میں بحیثیت فرد سب سے ممتاز بنادیتے ہیں۔ بروقت جامعہ محمدیہ منصورہ، مدرسہ عائشہ منصورہ، محمدیہ طبیہ کالج منصورہ، بدر سائر اسپتال منصورہ، جامعہ محمدیہ مہسلہ، جامعہ محمدیہ بنگلور، مدرسہ عائشہ، بنگلور، مدرسہ فاطمہ مئو، عالیہ اسپتال مئو اچھے پیمانے پر چل رہے ہیں۔ جامعہ سلفیہ کے استحکام میں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ جامعہ محمدیہ کے قیام کے بعد بھی جامعہ سلفیہ سے ان کا تعلق بہت مستحکم تھا۔ اور تادم حیات وہ اس کے نائب صدر رہے۔

نئے دینی اداروں کے قائم کرنے کی انفرادی ریت بھی مولانا کی نکالی ہوئی ہے۔ ۱۹۷۵ء میں جامعہ محمدیہ کی مالیگاؤں میں بنیاد ڈالی گئی۔ اور پھر دینی وعصری اداروں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ان سب سے قبل انہوں نے ایک شاندار ہائی اسکول (مولانا آزاد ہائی اسکول، مومن پورہ، ممبئی) کی بنیاد ڈالی جو نمایاں کارکردگی کی بنا پر کافی مشہور ہوا۔

دینی مدارس میں سب سے پہلے انہیں نے عصری تعلیم کو رواج دیا اور عالمیت کے ساتھ ہائی اسکول کا مکمل کورس چلایا۔ مولانا کی نکتہ رسی اور مجتہدانہ بصیرت قابل داد ہے کہ انہوں نے دینی اداروں میں ایک نئے نظام تعلیم کا تجربہ شروع کیا اور اس راہ میں وہ نہ ذرا ہچکچائے نہ ان کے ارادوں میں لغزش آئی۔

ان اداروں سے ہزاروں طلباء نے تعلیم حاصل کی ہے جو ان کے لیے صدقہ جاریہ ہیں اور جب تک اللہ کی مشیت ہوگی یہ چشمۂ فیض جاری رہے گا۔

مولانا کی طبیعت بڑی اخاذ تھی۔ ہر مفید شئے جسے وہ مفید سمجھتے تھے بہت جلد قبول فرمالیتے تھے۔ انہوں نے ادارہ اصلاح المساجد قائم کیا۔ ہندوستان میں منصوبہ بند طریقے سے مساجد کی بناء وتعمیر کا کام انہوں نے شروع کیا تھا۔ اسے وہ بہت اونچے پیمانے پر لے جانا چاہتے تھے۔ ان کا خواب تھا کہ مساجد کی تعمیر ہو اور مساجد آباد ہوں، ائمہ ومؤذنین کی تعیین ہو، ان میں درس وتدریس، دعوت وتبلیغ کا کام ایک نصاب کی صورت میں تسلسل کے ساتھ جاری رہے۔ تعمیر مساجد کا کام اب بھی جاری ہے اور ان کی دیکھا دیکھی جس کو دیکھو مساجد بنوانے میں جٹ گیا ہے۔ مساجد بنوانا بڑی نیکی کا کام ہے اللہ ایسے کام کے انجام دینے کی سب کو توفیق بخشے۔ یہ کام بہت محنت طلب ہے۔ لیکن جو لوگ اس اچھے اور مبارک کام کو اپنی خیانتوں سے ملوث کردیتے ہیں اور گلی گلی ضرورت یا بے ضرورت مساجد کی تعمیر کے لیے مواقع ڈھونڈھتے پھرتے ہیں اور کمیشن کے حصول کے لئے عیاں ونہاں ہزار بہانے کرتے ہیں اپنے اوپر بڑا ظلم کرتے ہیں اور مساجد کے کاز کو زبردست نقصان پہنچاتے ہیں۔

مولانا نے مساجد کی تعمیر کی اور سب کو پیچھے چھوڑ گئے معیار میں بھی، حجم وشکل میں بھی اور ایک بھرم بھی بنا گئے لیکن ان کی راہ پر چلنے والے بہتوں نے اس راہ کو رسوائی اور بے ایمانی کا راستہ بناڈالا اور اس پر چلنے والے بولہوسوں کی بھیڑ لگ گئی۔

مولانا نے اصلاح المساجد کے ذریعہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورے ہندوستان میں چار سو سے زیادہ مساجد کی تعمیر کی اور ایسی بڑی بڑی مسجدیں بنیں کہ اہل علاقہ ان کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔اور یہ مساجد پورے ہندوستان میں بکھری ہوئی ہیں۔ پورے ہندوستان میں آج ان کے کھاتے میں جتنی مسجدیں یادگار بنی ہوئی ہیں۔شاید اتنا کسی ہندوستانی فرماں روا کی یادگار میں نہ ہوں گی۔اتنا بڑا کارنامہ انہوں نے کیسے انجام دیا قابل غور ہے۔سرمایہ انہوں نے کیسے فراہم کیا اور عظیم مسجدیں کیسے تعمیر ہوئیں؟ان نزاکتوں کو وہی سمجھتے تھے اور ان مسائل سے وہی نمٹنا جانتے تھے۔

مولانا نے دعوتی، ادبی اور علمی کتابیں چھاپیں اور شائع کیں۔اور اس آن بان سے کہ ہندوستان کے تمام اداروں سے آگے نکل گئے۔کئی صد کتابیں ان کے ادارہ الدار السلفیہ اور دار المعارف سے شائع ہوئیں۔یہ کتابیں کئی زبانوں میں شائع ہوئیں اور کثرت سے پھیلیں اور پڑھی گئیں۔

انہوں نے اردو کتابوں کو اس قدر عام کیا کہ کوئی ان کا مقابلہ نہ کرسکا اور اردو دینی کتابوں کی کثرت تعداد اور کثرت طبعات کی ایک مثال قائم کردی، بعض عربی اور اردو کتابوں کے بیس بیس ایڈیشن نکل گئے اور تعداد اشاعت کم از کم پانچ ہزار ہوتی تھی اور کبھی کبھی ۲۰ ر ہزار اور ۷۰ ر ہزار تک پہنچتی ہے انہوں نے کتاب التوحید شیخ صالح الفوزان کو ایک لاکھ سے زائد تعداد میں چھاپ کر تقسیم کیا۔رحمۃ للعالمین کے عربی ترجمہ کی تعداد اشاعت بیس ہزار تک پہنچی۔

کتابوں کی اشاعت میں ان کا امتیاز کئی طرح تھا انہوں نے کتاب وسنت کے دلائل سے آراستہ سلفی منہج کے مطابق تصنیف کردہ کتابوں کو چھاپا۔اور اسے پبلک میں ہدیۃً اور قیمتاً ہر طرح عام کیا۔بسا اوقات مستند اداروں کے کئی دہائیوں کی اشاعت اور کثرت افادیت پر وہ اپنی چند کتابوں سے ہی آگے نکل گئے اور ان کے فائدے بھی محسوس کئے گئے۔

مصحف، تفسیر، حدیث، شروح حدیث، توحید، فقہ، علوم القرآن، اخلاقیات، خطبات، فتاویٰ، ادب وغیرہ مختلف موضوعات پر انہوں نے کتابیں چھاپیں اور عام کیں۔

مولانا نے اپنی کتابوں کی طباعت کیلئے پریس بھی لگایا اور الدار السلفیہ اور دار المعارف کے لئے مرکزی

جگہوں پر آشیانہ بھی بنایا۔ پریس بھی ایسا ویسا نہیں عروس البلاد میں شہر کے مشہور ترین اہم ترین علاقے میں خریدا اور لگایا۔

مولانا نے خود بھی کئی عربی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا اور کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں نماز، دعا اور تعلیم الاسلام کے سلسلے کو قبول عام حاصل ہوا۔ مولانا نے تحریری کام ہمیشہ جاری رکھا۔ اہل حدیث کی پرانی فائلوں میں سیکڑوں صفحات پر ان کی تحریریں بکھری پڑی ہیں۔ پھر ۱۷ سال تک انہوں نے البلاغ نکالا۔ البلاغ میں ان کے کئی کالم کافی پسند کئے جاتے تھے اور پڑھے جاتے تھے۔ خود مجھے بھی ان کے شذرات، مختارات، مشاہدات، مسکراتے چہرے اور بہتے آنسو کے کالم پسند تھے۔ ان پر میں ضرور ایک نظر ڈالتا تھا۔ مولانا کی اردو تحریر شگفتہ، زندہ اور تابندہ تھی، ان کی تحریر میں لطافت تھی۔ ان کی ہلکی پھلکی تحریریں دلچسپ اور کاٹ دار بھی ہوتی تھیں۔ ترجمہ، تصنیف، تالیف اور صحافت تینوں صنف سے ان کا تعلق تھا۔ مولانا ادبی ذوق رکھتے تھے اسی لیے ان کی تحریر میں شگفتگی ہوتی تھی۔

اتنی مشغول زندگی اور نوع بہ نوع مشغولیات کے ساتھ تحریر کا رشتہ برقرار نہیں رہ پاتا ہے۔ یہ حوصلے وہمت کی بات ہے کہ انسان ہر دم رواں دواں بھی رہے اور قلمی رشتہ بھی برقرار رکھے۔

بے پناہ مشغولیات کے بیچ مولانا قومی پیمانے کی مسلم تنظیموں میں جماعت کی نمائندگی بھی کرتے تھے اور بعض بین الاقوامی انجمنوں سے بھی وابستگی رکھتے تھے۔ آپ تاحیات مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر اور اس کے تاسیسی ممبر رہے۔ علماء کونسل ممبئی کے نائب صدر رہے۔ مولانا مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک تھے۔ اسی لئے ہر طبقے کے لوگوں سے تعلق استوار رکھتے تھے۔ اپنے شہر اور اپنے علاقے میں ہر طبقے اور ہر مسلک کے لوگوں کا انہیں احترام حاصل تھا، یا لوگوں کو ان کی قدآور شخصیت کو تسلیم کرنی پڑتی تھی۔ بلاد خلیج میں ان کے تعلقات وہاں کے علماء اور تجار سے بڑے خوشگوار تھے۔ رابطہ عالم اسلامی کے بعض شعبوں سے ان کا تعلق تھا، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی دعوت کانفرنس میں بھی ان کی شرکت ہوئی۔ توعیہ کے پروگراموں میں انہیں شرکت کا موقع ملتا تھا۔ حج کے موقع پر حرم شریف میں انہیں وعظ وارشاد کا بھی موقع ملا۔ دعوت وتبلیغ کے لئے انہوں نے برطانیہ کا بھی دورہ کیا۔

مولانا نے تجارت بھی کی اور کتابوں کی تجارت میں، بہت آگے نکل گئے اور پھر اولاد واحفاد کو تجارت کی راہ پر لگا گئے اور اعلیٰ پیمانے کی تجارت کی راہ کھول گئے مالیات کے معاملے میں انسان قدم قدم پر الجھتا ہے، مولانا کا اپنے متنوع کاموں میں اتنے بھاری مالیاتی معاملے سے سابقہ رہا کہ بڑے بڑے تاجروں کو اتنے بھاری مالیاتی معاملے سے سابقہ نہ رہا ہوگا لیکن اس کے باوجود

کبھی کسی الجھن میں نہیں پھنسے۔ یہ بھی ان کی معاملہ فہمی ذہانت اور ہوشیاری تھی کہ اس طرح قانونی مسائل کو صاف ستھرا رکھا کہ کبھی گرفت میں نہ آئے۔ جب کہ یہ میدان دوسروں کے لئے پانی پت کا میدان بنا رہا۔

مالیاتی معاملہ فہمی کی داد دیجئے کہ انہوں نے اپنی اولاد کو تجارت میں خود کفیل بنا دیا اور ایسی تدبیر کی کہ ہر ایک اپنے پیر پر کھڑا ہو گیا اور اپنے میدان میں سب پوری طرح کامیاب بھی ہیں۔ ان کے بالمقابل بہت سے ایسے ہیں جن کی اولاد کے لئے ان کے بابا جان کے قائم کردہ ادارے یتیم خانہ بن کر رہ گئے ہیں۔ مولانا کی اولاد کو اپنے والد مرحوم کے ان تمام کمالات اور خوبیوں کا ادراک ہونا چاہئے اور ان کے سلسلہائے خیر کو برقرار رکھنے کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہئے۔

مولانا ندوی نے مومن پورہ جامع مسجد میں تدریس کا سلسلہ بھی قائم رکھا تھا عربی دوسری تیسری تک بچے وہاں تعلیم پاتے تھے ان کے پڑھائے کئی طلبہ نے جامعہ سلفیہ بنارس میں داخلہ لیا اور دینی علوم سے آراستہ ہوئے۔ مشغولیات کار کے سبب یہ سلسلہ بند ہو گیا یا پھر ۱۹۷۸ء میں جامعہ محمدیہ کھولنے کے بعد یہ سلسلہ مالیگاؤں منتقل ہو گیا۔

امامت صلاۃ سے انہوں نے ابتداء کی اور امارت جمعیت تک پہنچے۔ امامت آسان اور غیر اہم کام نہیں ہے امامت صلاۃ خلافت کے ساتھ جڑی رہی ہے۔ ملت کی تعمیر یہیں سے شروع ہوتی ہے اور یہیں تک پہنچتی ہے۔ تعلق باللہ کے اہم کام کا نظم قائم کرنا دین کا مقدس ترین کام ہے۔ امامت کے ساتھ صبح وشام درس قرآن ودرس حدیث کا اہتمام دعوت دین کا تکملہ ہے۔ اسی سے مسلم معاشرے میں زندگی آسکتی ہے۔ اسی کو ہلکا سمجھ لیا گیا ہے اسی لئے سماج کا تعلق علماء اور مساجد سے مضبوط نہیں رہ گیا ہے۔ مولانا نے اپنی زندگی کے شاداب ایام کو اس اہم ذمہ داری کو نبھانے میں لگایا اور اس کے اثرات کو خود انہوں نے دیکھا اور دور دور تک دیکھا گیا۔

مولانا نے فلاحی ورفاہی کاموں کے لئے بھی وقت نکالا اور زندگی بھر کسی نہ کسی ناحیے سے اس سے جڑے رہے اور متنوع ڈھنگ سے یہ کام کیا۔ بھیونڈی کے فساد کے موقع پر ان کے اہتمام سے غریبوں کے لئے مسکن مہیا کرنے کا ان کا کام ایک شاندار یادگار ہے انہوں نے غریبوں اور حاجت مندوں کی خبر گیری اور اعانت کے لئے الجمعیۃ الخیریۃ قائم کر رکھا تھا۔

ان کا علمی ذوق ہمیشہ تازہ رہا کلکتہ میں ان کی دینی ودعوتی سرگرمیوں کے ساتھ ان کی علمی وتحریری سرگرمیاں بھی جاری تھیں اور وہاں کے اہل علم اور سربرآوردہ حضرات سے ان کے تعلقات بڑے شگفتہ تھے اہل حدیث بزرگوں کی ہمت افزائی اور اپنی حوصلہ مندی اور محنت سے انہوں نے عبداللہ لائبریری قائم کی اور اسے اپنی مہارت، تجربے اور جان کاری سے ایک مستند معیاری اور قابل استفادہ لائبریری بنا دیا۔

مولانا ایک باہمت، دور بیں اور حوصلہ مند انسان تھے۔ انہیں منصوبہ بندی اور پلاننگ آتی تھی، وہ حالات کا سامنا کرنا اور مسائل سے نمٹنا جانتے تھے۔ غربت سے لے کر محاسدت ومخالفت کے سارے مشکلات کو انہوں نے سہ لیا اور بہت سے گمبھیر مسائل نے انہیں گھیرا لیکن وہ بڑی آسانی سے ان سے باہر نکل آئے۔ اور اپنے طے شدہ راستے پر گامزن ہو گئے۔ مشکلات کی سخت سے سخت گھڑی میں بھی نہ وہ گھبرائے نہ ان کے پاؤں میں لغزش آئی، پامردی سے ان کا مقابلہ کیا اور سرخرو ہوئے۔ انہیں اپنے کاموں میں بڑا انہماک تھا جس کام میں جٹ جاتے اسے انجام تک پہنچا دیتے۔ اپنی پامردی اور انہماک سے انہوں نے بڑے بڑے کام انجام دیئے۔ وقت کی قدر و قیمت اور وقت کی پابندی نے بھی ان کے کام میں بڑی برکت عطا کی۔ تمام دیگر نوع بہ نوع کاموں کے پہلو بہ پہلو تحریری کاموں کی انجام دہی درحقیقت ان کی پابندی وقت ہی کا نتیجہ ہے۔

انہیں اپنے تمام علمی تعلیمی اور فلاحی کاموں کیلئے ہمیشہ باصلاحیت افراد کی تلاش رہتی تھی اور باصلاحیت افراد کی تلاش میں وہ ہمیشہ سرگرداں رہتے تھے۔ جامعہ محمدیہ مالیگاؤں میں وہ مجھے دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کیلئے وہ ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۵ء تک مجھ سے کہتے رہے، جہاں بھی ملاقات ہوتی باصرار کہتے کہ جامعہ محمدیہ سے منسلک ہو جاؤں لیکن گردش ایام میں گرفتار میں کبھی اس کیلئے فارغ نہ ہو سکا۔ ۲۰۰۵ء میں انہوں نے اپنی ڈائری میں مجھ سے لکھت وعدہ لے لیا کہ میں ان کے ادارے کا تعاون کرتا رہوں گا۔ میں نے تو وعدہ کرلیا ہے اب یہ ادارے کے ذمہ داروں پر منحصر ہے کہ ہمارے درمیان تعاون کا یہ سلسلہ باقی رہے گا یا ختم ہو جائے گا۔

مولانا بہت اعلیٰ اور بہترین ذوق کے مالک تھے۔ ہر شئے میں ان کی اعلیٰ ذوقی ظاہر تھی۔ ان کی محفل میں بیٹھ کر کوئی انسان اکتا نہیں سکتا تھا۔ لطائف، چٹکلوں اور اشعار کی وہ پھلجھڑیاں چھوٹتی رہتی تھیں کہ انسان ہنستا رہے۔ ان کی باغ و بہار اور پرمزاح طبیعت محفل کو گلزار بنا دیتی تھی۔ اوروں کی محفلوں میں دوسروں کی مذمت خاص موضوع ہوتا ہے لیکن مولانا کی محفلوں میں علمی ادبی اور کام کی باتیں ہوتی تھیں جو نہایت خوشگوار ہوا کرتی تھی۔

☆☆☆

Majalla "SAUTUL HAQUE" Monthly

Regd. No.: 46920/87 Issue : April / May 2010

حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ

ماہ وسال کے آئینے میں

تاریخ پیدائش	۳۰؍جون ۱۹۳۰ء
جائے پیدائش	وشوناتھ پور، مئوناتھ بھنجن، یوپی
ابتدائی تعلیم	مدرسہ عالیہ مئوناتھ بھنجن، یوپی
مدرسہ رحمانیہ دہلی	تعلیم ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۶ء
ندوۃ العلماء لکھنؤ	تعلیم اور فراغت ۱۹۴۶ء
جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو	مئو سے فراغت ۱۹۵۰ء
امامت وخطابت	مسجد اہل حدیث تانتی بگان کولکاتہ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۲ء
امامت وخطابت	مسجد اہل حدیث مومن پورہ ممبئی ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۲ء
امامت وخطابت	مسجد اہل حدیث مدن پورہ ممبئی ۱۹۸۲ء سے تادم حیات
مولانا آزاد ہائی اسکول کا قیام	۱۹۷۵ء
جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی کا قیام	۱۹۷۵ء
الجمعیۃ المحمدیہ الخیریہ کا قیام	۱۹۸۰ء
مرکز تعلیم الاسلام کا قیام	۱۹۸۴ء
ادارہ اصلاح المساجد کا قیام	۱۹۸۰ء
الدار السلفیہ کا قیام	۱۹۷۰ء
جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کا قیام	۱۹۷۸ء
کلیہ عائشہ منصورہ مالیگاؤں کا قیام	۱۹۷۸ء
کلیہ فاطمۃ الزہرا مئو کا قیام	۱۹۸۲ء
محمدیہ جنرل ہسپتال مئو کا قیام	۱۹۸۴ء
جامعہ محمدیہ بنگلور کا قیام	۱۹۸۹ء
کلیہ عائشہ صدیقہ بنگلور کا قیام	۱۹۸۹ء
مدرسہ محمدیہ مہسلہ، کوکن کا قیام	۱۹۹۴ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب صدر	۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۹
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے صدر	۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۰ء
جامعہ سلفیہ بنارس کے نائب صدر اور اسکی تعمیری وتعلیمی ترقی میں قائدانہ کردار	۱۹۶۴ء سے تاحیات
مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر	تاحیات
عوامی ویلفیئر ایوسی ایشن کے صدر	تاحیات
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ ممبر	۱۹۹۴ء
محمدیہ طبیہ کالج منصورہ مالیگاؤں کا قیام	۱۹۸۱ء
بدر محمد السائر ہاسپٹل منصورہ مالیگاؤں کا قیام	۱۹۸۴ء
مدرسہ محمدیہ للبنات آکوٹ	۱۶؍جون ۱۹۹۴ء
مسجد ومدرسہ اورنگ آباد	۱۹۹۴ء
مدرسہ محمدیہ للبنین والبنات، جھانڈا، ہریانہ	۱۹۹۴ء
مسجد اہل حدیث مومن پورہ میں درس قرآن مکمل	۱۹۷۸ء
مسجد ہدایت باندرہ میں درس قرآن مکمل	۱۹۹۵ء
ماہنامہ "صوت الحق" کا اجرا	۱۹۸۷ء
ماہنامہ مجلہ "البلاغ" کا اجرا	۳۰؍اگست ۱۹۹۰ء
تعداد تعمیر مساجد	تقریباً ۴؍سو
تصنیفات وتالیفات کی تعداد	۱۸
الدار السلفیہ سے شائع شدہ کتابوں کی تعداد	۲۵۲
عربی سے اردو میں ترجمہ کی ہوئی کتابوں کی تعداد	۲ درجن سے زائد
وفات	۹؍ستمبر ۲۰۰۷ء ممبئی

"SAUTUL HAQUE" Jamia Mohammadia & Kullia Aisha Siddiqa

P. B. No. 144, Mansoora Malegaon, 423203, Phone : 02554 - 235665